آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے — لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

مذاہب عالم پر نظر

(جلد ۱۰)

از جنوری سنہ ۱۹۱۱ء تا دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء

ایڈیٹر - مولوی محمد علی صاحب ایم - اے ایل ایل بی

اسسٹنٹ ایڈیٹر مولوی شیر علی صاحب بی - اے

چندہ سالانہ عا — طلبار سے عہ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۱

چندہ سالانہ

عوام سے ع۲
طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰۔ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو حصہ ششم

عربی سرچشمے

ینابیع الاسلام کا مصنّف صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین اور اسلامی اصول یہود۔ نصاریٰ۔ اور اہل فارس سے سیکھے بلکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مضامین خود اہل عرب سے بھی حاصل کئے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "چوں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خیال کرد کہ جمیع عادات و رسوم اہل عرب جز بت پرستی و شرک و قتل دختران شان و بعضے چیزہائے قبیح دیگر مثل اینہا از ایام حضرت ابراہیم میان اعراب حفظ کردہ شدہ بود پس بسیارے ازاں عادات و رسوم دینی و اخلاقی را در دین خود نگاہ داشت ..... بعضے از ایشاں از یقطان (قحطان) و بعضے از فرزنداں قطورہ زوجہ دوم حضرت ابراہیم و بعضے از حضرت اسمٰعیل ابن ابراہیم پدید آمدہ بودند کہ میان اینہا خود قوم قریش از آں سبب مشہور ہستند .... وقتیکہ تقریباً جمیع اقوام و طوائف دیگر جز اہل یہود وحدانیت ذات پاک الٰہی را بالکل فراموش کردند۔ آنگاہ سکنہ ولایتہائے شمالی و مغربی جزیرہ عرب آں عقیدہ را محکم نگاہ داشتند..... و ایں کہ ایں لقب خدائے عزوجل قبل از ایام حضرت محمد میان اہل عرب مشہور و منتشر بود از معلقات سبعۂ آں شعرائے عرب کہ قبل از تولد وے یا اقلاً قبل از بعثت آنحضرت (صلعم)

ریسہ ۔۔۔ ند پدید مے آید ازیں روکہ ایشاں اکثر اوقات اسم اللہ را ذکر کردہ اند
....عقیدہ وحدانیت الٰہی میان عرب ہرگز فراموش نشدہ بود...... وعربان جاہلیت چیزہائے
مے کردند کہ شریعت اسلام آنہارا جاری ساخت زیرا مادران و دختران خود را بزنی نمیگرفتند
ونزد ایشاں نکاح کردن دو خواہر چیز بسیار زشت شمردہ مے شد وآں شخص کہ بازن
پدر عروسی کردہ باشد دشنام دادہ ویرا ضیزن مے نامیدند۔ وحج بیت را نمودہ وعمرہ
بجائے مے آوردند...... وبعد از جنابت غسل مے کردند وغیرہ وغیرہ" پس اہل عرب
عبادت خدائے تعالیٰ را تا بایام حضرت محمد نگاہداشتہ مقر وحدانیت ذات اقدس الٰہی
بودند...... حاصل کلام اینکہ ینبوع اول دین اسلام آں عادات ورسوم وعقاید مذہبی
بودہ است کہ در ایام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میان طوایف عرب وخصوصاً میان
قریش معمول ومتداول مے بود" یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال تھا کہ
اہل عرب کی تمام عادات اور رسومات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے محفوظ چلی آتی
ہیں سوائے بت پرستی۔ شرک۔ دخترکشی اور بعض دیگر قبیح رسوم کے۔ اس لئے آپ نے
اہل عرب کے بہت سے مذہبی خیالات اور رسومات کو اپنے مذہب میں قائم رکھا اہل عرب
میں سے بعض قحطان کی اولاد تھے۔ بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے انکی
بیوی قطورہ میں سے۔ اور بعض حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہما السلام
کی اولاد تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں قریش کی قوم سب سے زیادہ مشہور تھی۔ ایسے
وقت میں جبکہ دنیا کی قومیں سوائے یہود کے خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کو فراموش
کر چکی تھیں اُس وقت میں بھی عرب کی شمالی ومغربی قومیں توحید کے عقیدہ پر قائم تھیں۔
اور قصائد سبعہ معلقہ سے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یا کم از کم آپ کی بعثت سے پہلے
تصنیف ہو چکے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (اللہ کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے
اہل عرب میں مشہور تھا۔ کیونکہ انکے شعروں میں اللہ تعالیٰ کا نام بہت دفعہ آیا ہے۔
غرض وحدانیت الٰہی کا عقیدہ اہل عرب میں بالکل فراموش نہیں ہوا تھا..... اہل عرب
میں بہت سی ایسی باتوں کا رواج تھا جو اب اسلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ اپنی

بیٹیوں اور ماؤں سے نکاح نہیں کرتے تھے اور دو بہنوں سے ایک ہی رشتہ میں نکاح کرنا بھی اُنکے ہاں معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور جو شخص اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرتا اُسے ضیزن کہتے تھے اور لفظ بطور گالی کے استعمال کیا جاتا تھا۔ اہل عرب حج بھی کرتے تھے اور عمرہ بھی ادا کرتے تھے۔ جنابت کے بعد غسل بھی کرتے تھے۔ اور ایسے ہی اور بہت سی رسوم اُن میں پائی جاتی تھیں جو اب اسلام میں داخل ہیں مثلاً ختنہ کرنیکی رسم وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین اسلام کا ایک سرچشمہ وہ عبادات۔ اعتقادات اور رسومات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل عرب میں پائی جاتی تھیں"۔

یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پادری صاحب نے یہ امر ثابت کرنیکے لیئے اس قدر محنت کیوں اُٹھائی ہے کہ اسلام میں جو توحید کا عقیدہ سکھایا گیا ہے اور نکاح کے لیئے بعض قیود قائم کیئے ہیں اور ایسے ہی بعض اسلامی رسمیں مثلاً ختنہ وغیرہ یہ اسلام سے پہلے اہل عرب میں بھی پائے جاتے تھے۔ اُس کا مدعا تو یہ ثابت کرنا تھا کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ سچے نبی نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل عرب توحید کے عقیدہ سے بے خبر نہ تھے اور اگر وہ ختنہ کی رسم ادا کرتے تھے اور اگر وہ نکاح کے متعلق بعض قیود کے پابند تھے تو اس سے یہ کسطرح ثابت ہوا کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہیں۔ کیا اُس کا یہ مطلب ہے کہ عرب کے ملک میں جو کلام الٰہی نازل ہوتا۔ اُس میں توحید کی تعلیم کا نام و نشان نہیں ہونا چاہیئے تھا اور نہ اُن بعض عقاید صحیحہ اور اعمال پاکیزہ کا کچھ بیان ہونا چاہیئے تھا جن پر اہل عرب پہلے ہی سے کاربند تھے۔ کیا پادری صاحب کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لیئے سچے نبی نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے ختنہ کو جاری رکھا جس پر اہل عرب کا پہلے ہی عمل تھا۔ کیا اُس کے نزدیک عرب کے نبی کو مناسب نہیں تھا کہ وہ توحید کی تعلیم دیتا۔ کیونکہ اہل عرب وحدانیت الٰہی سے بے خبر نہ تھے؟ کیا پادری صاحب کے نزدیک عرب کے نبی کو بجائے توحید کے کوئی اور نئی تعلیم پیش کرنی چاہیئے تھی؟ اگر عرب میں نازل ہونیوالی کلام الٰہی میں بھی ضرور توحید کی تعلیم ہونی چاہیئے تھی تو پھر پادری صاحب

قرآن مجید پر کیوں اعتراض کرتے ہیں اگر عرب کے نبی کے لیئے ضروری تھا کہ وہ ختنہ کا حکم دیتا تو پھر پادری صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے ختنہ کی رسم کو قائم رکھا۔ ملک عرب میں توحید کے عقیدہ کا موجود ہونا یا ختنہ کی رسم اور بعض دیگر اسلامی اعمال کا موجود ہونا ہرگز اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ سچے نبی نہیں۔ جب تک یہ نہ دکھایا جاوے کہ عرب کی الہامی کتاب میں یہ تعلیم نہیں ہونی چاہیئے تھی اور عرب کے نبی کو نہیں چاہیئے تھا کہ ان تعالیم اور اعمال کو اپنے مذہب میں داخل کرتا۔ جب خود پادری صاحب کے عقیدہ کے مطابق ایک سچی الہامی کتاب میں توحید کی تعلیم ہونی چاہیئے تھی اور سچے نبی کے لیئے ضروری تھا کہ وہ توحید کی طرف بُلاتا اور ایسا ہی ختنہ وغیرہ رسومات کو جائز ٹھہراتا خواہ ان تعالیم اور اعمال کا وجود پہلے ہی ملک عرب میں بطور نشان کے پایا جاتا تو پھر پادری صاحب قرآن مجید پر کیوں اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں وہ تعالیم پائی جاتی ہیں جن کا وجود پہلے بھی موجود تھا۔ کیا عرب کے الہامی کلام میں توحید کی تعلیم نہیں ہونی چاہیئے تھی؟ کیا عرب کے نبی کو نکاح وغیرہ کے لیئے قیود قائم نہیں کرنے چاہیئے تھے؟ جب قرآن شریف نے وہی تعلیم دی جو ایک الہامی کتاب میں لابدی طور پر ہونی چاہیئے تھی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی امور کو جائز یا ناجائز ٹھہرایا جو ایک سچے نبی کو جائز یا ناجائز ٹھہرانے چاہیئے تھا تو پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب کیوں اس قدر زور لگاتے ہیں کہ توحید کی تعلیم عرب میں پائی جاتی تھی اور ختنہ پر بھی عمل ہوتا تھا اور بعض مسائل متعلقہ نکاح پر بھی اہل عرب کاربند تھے۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا کرنے سے پادری صاحب کی کونسی غرض پوری ہوتی ہے۔ ان تعالیم اور اعمال کا ملک عرب میں پہلے سے موجود ہونا صرف ایک ہی صورت میں پادری صاحب کے لیئے مفید ہوسکتا تھا اور وہ صورت یہ ہے کہ پادری صاحب یہ ثابت کرتے کہ یہ تعالیم ایسی ہیں کہ ایک الہامی کتاب میں ان کا وجود نہیں ہونا چاہیئے تھا اور ایک نبی کی شان کے لائق نہیں

تھا کہ وہ ان ہدایات کو جاری کرتا۔ جبکہ کوئی الہامی کتاب ایسی تعالیم سے خالی نہیں ہو سکتی تھی اور کوئی ایسا رسول نہیں ہو سکتا تھا کہ توحید وغیرہ تعالیم پر زور نہ دیتا تو پھر پادری صاحب کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ وہ انہی امور کو جو لابدی طور پر ایک الہامی کتاب کے اندر پائے جانے چاہیئے تھے اور ایک نبی کی تعلیم میں شامل ہونے چاہیئے تھے پادری صاحب انہی امور کو اپنے اس دعوے کی تائید میں بطور ثبوت کے پیش کر رہے ہیں کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے رسول نہیں۔ پادری صاحب کی سمجھ پر افسوس آتا ہے کہ وہی امور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہیں وہ انہی امور کو آپ کی عدم صداقت کے ثبوت میں پیش کر رہا ہے۔ مَیں پھر پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا ایک الہامی کتاب میں توحید کی تعلیم نہیں ہونی چاہیئے تھی؟ اگر اُن میں کچھ انصاف کا حصہ ہے تو وہ یقیناً یہ شہادت دینگے کہ الہامی کتاب میں ضروری تھا کہ توحید کی تعلیم ہوتی۔ جب ایک الہامی کتاب توحید کی تعلیم سے اور دوسرے مسائل مثلاً قیود نکاح وغیرہ جن کا ذکر پادری صاحب کرتے ہیں خالی نہیں ہو سکتی تھی تو پھر کیا ضروری نہیں تھا کہ قرآن مجید میں جو الہامی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یہ تعالیم پائی جاتیں جب قرآن مجید کے الہامی ہونے کیلئے ضروری تھا کہ اُس میں یہ تعالیم ہوتیں اور جب وہ ان تعالیم سے کسی طرح خالی نہیں ہو سکتا تھا بلکہ ضروری تھا کہ وہ ان تعالیم پر خصوصیت سے زور دیتا تو پھر پادری صاحب کیوں بیہودہ طور پر زور لگا رہے ہیں کہ قرآن مجید میں ان تعالیم کا ہونا اُس کے انسانی کلام ہونے کا ثبوت ہے۔ ہاں وہ اُس صورت میں یہ زور دے سکتے تھے جب وہ یہ ثابت کرتے کہ یہ بُری تعالیم ہیں اور ایک الہامی کتاب کو ایسی تعالیم سے پاک ہونا چاہیئے تھا مگر وہ ایسا ثابت نہیں کر سکتے بلکہ یہ ایسی تعالیم ہیں کہ ایک الہامی کتاب ان سے خالی نہیں ہو سکتی تھی اور اس طرح قرآن مجید میں ان تعالیم کا ہونا اُس کے الہامی ہونیکا ایک یقینی ثبوت ہے مگر پادری صاحب کی عقل کو دیکھئے کہ وہ اسی امر کو قرآن شریف کے غیر الہامی ہونیکا ثبوت خیال کرتا ہے۔

اس امر کو زیادہ واضح کرنے کیلئے مَیں پادری صاحب کی توجہ توریت کے دس

احکام کی طرف پھیرتا ہوں۔ پادری ٹسڈل ان دس احکام کو خدائے تعالیٰ کا یقینی کلام سمجھتا ہے بلکہ وہ اُن کو خداوند خدا کی اپنی انگلیوں کی نوشت یقین کرتا ہے۔ اب اُن دس احکام میں لکھا ہے کہ خداوند خدا واحد خدا ہے اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پھر لکھا ہے کہ کسی کا خون نہ کیا جائے۔ زنا نہ کیا جاوے۔ چوری اور جھوٹی گواہی سے پرہیز کیجاوے۔ پڑوسی کی بیوی یا اُس کے مال کا لالچ نہ کیا جاوے۔ ماں اور باپ کی عزت کی جاوے اب میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان احکام کے نزول سے پہلے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور اُن کی قوم ان تعلیمات سے بے خبر تھے۔ کیا اُن کو خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کا علم نہ تھا؟ کیا وہ ناحق کسی انسان کا خون کرنا جائز سمجھتے تھے؟ کیا اُنکے نزدیک زنا۔ چوری اور جھوٹی گواہی جائز تھے؟ کیا وہ پڑوسی کی بیوی اور اُسکے مال کو لینا جائز سمجھتے تھے؟ کیا وہ ماں باپ کی ہتک کرنا موجب ثواب سمجھتے تھے؟ مگر باوجود اسکے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون اور اُن کی قوم کو پہلے ہی سے ان سب امور کا علم تھا اور جو چیزیں ان احکام میں ناجائز ٹھہرائی گئی ہیں وہ پہلے ہی سے ان کو ناجائز سمجھتے تھے مگر پھر بھی پادری ٹسڈل صاحب ان کو خداوند خدا کا کلام سمجھتا ہے۔ پس اگر خدائے تعالیٰ ان احکام کو بذریعہ وحی نازل کر سکتا تھا باوجودیکہ بنی اسرائیل کو پہلے سے ان امور کا علم تھا تو کیا وہی خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں توحید کی تعلیم اور نکاح کے احکام کو نازل نہیں کر سکتا تھا خواہ یہ مان بھی لیا جاوے کہ اہل عرب کو ان امور کا پہلے سے علم تھا۔

مگر سچ یہ ہے کہ جس خدا کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے عرب کے رہنے والے اُس خدا سے محض بے خبر تھے۔ پادری ٹسڈل لکھتا ہے کہ عرب کے رہنے والے اللہ کے نام کو جانتے تھے اور اُن کے شعراء کی تصانیف میں یہ نام کثرت سے پایا جاتا ہے مگر صرف یہ امر کہ عرب کے رہنے والے ایک اعلیٰ ہستی کو مانتے تھے جس کو وہ اللہ کے نام سے پکارتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے چنداں مفید نہیں ہو سکتا تھا مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا جب پادری ٹسڈل کہتا ہے کہ خدا کی ہستی کا خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے سیکھا

کیا اُس کی یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فطرتی طور پر خدا [illegible]
اور اگر آپ کے ہم عصر مشرکین کا وجود نہ ہوتا تو آپ ہستی باری کے علم سے محض بے خبر رہتے؟
صرف اس امر کیلئے کہ خدا ہے آپ کو کسی ہم عصر کی امداد کی ضرورت نہ تھی۔ یہ امر تو ہر ایک
سلیم الفطرت انسان کے دل پر لکھا ہوا ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک
فطرت کے صفحہ پر بھی نہایت صفائی سے لکھا ہوا تھا۔ مگر خدائے تعالیٰ کے صفات اور
اس کے حقوق کی تفصیل ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا پورا پورا علم بغیر وحی الٰہی کی امداد کے
کامل طور پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اہل عرب کو ضرور اس بات کا علم ہوگا کہ ایک اعلیٰ ہستی
ہے جس کا نام اللہ ہے مگر وہ اُس ہستی کی قدرت۔ اُس کے علم۔ اُس کی قدوسیت اور
اُسکی دیگر صفات سے بے خبر تھے اور وہ اُن حقوق خداوندی کو نہیں جانتے تھے جو انسان
کے ذمہ ہیں۔ اس لیئے اس امر کے جانچنے کیلیئے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب
سے کچھ اخذ کیا ہمیں صرف ہستی باری پر بس نہیں کرنی چاہیئے بلکہ صفات باری پر بھی
غور کرنا چاہیئے اور اُن حقوق الٰہی پر جو انسان کے ذمہ ہیں اور اُس رشتہ پر جو انسان
کو خدا کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے
ہموطنوں سے کسی قسم کی امداد کی اُمید نہیں کر سکتے تھے۔ ناظرین کو اُس نقشہ پر غور
کرنا چاہیئے جو قرآن شریف نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا کھینچا ہے جو تصویر خدائے تعالیٰ
کی قرآن شریف میں کھینچی گئی ہے وہ کیسی خوبصورت ہے۔ کیسی حسین ہے۔ کس طرح
ہر ایک نقص سے پاک ہے۔ کس طرح ہر ایک خوبی اپنے اندر رکھتی ہے۔ چینی جنرل گارڈن
کا مشہور قول کیسا سچا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "میں ایک مسلمان کو پسند کرتا ہوں۔ وہ
اپنے خدا کی وجہ سے شرمندہ نہیں ہوتا" کیا وجہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے خدا کے
سبب سے شرمندہ نہیں ہونا پڑتا۔ وجہ صاف ہے۔ اُس کا خدا ہر ایک عیب سے پاک ہے اور
ہر ایک خوبی اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان کسی مجلس میں اپنے خدا کو پیش
کر کے شرمندہ نہیں ہوتا بلکہ اُس کا خدا ایسا ہے کہ ہر ایک مجلس میں فخر کے ساتھ وہ
اُس کو پیش کر سکتا ہے۔ نہ اُس کا خدا ایسا کمزور ہے کہ وہ روح۔ یا مادہ کے پیدا کرنے

ہے نہ ایسا محدود ہے کہ ایک انسان کی شکل میں ڈھل سکے اور وہ اس سے پاک ہے کہ کسی عورت کے پیٹ میں داخل ہو اور عام انسانی بچوں کی طرح چلاتا ہوا ایک ماں کے پیٹ سے نکلے یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے خدا کی وجہ سے کبھی نہیں شرماتا۔ راڈول مترجم قرآن لکھتا ہے " ہم اس امر کا اقرار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی جو تصویر قرآن نے اُس کی قدرت۔ اُس کے علم۔ اُس کی عالمگیر ربوبیت اور اُس کی وحدانیت کے لحاظ سے کھینچی ہے اُس کی وجہ سے قرآن مجید نہایت ہی اعلیٰ تعریف کا مستحق ہے۔ ربّ السمٰوٰت والارض۔ پر جو بھروسہ اور ایمان قرآن مجید میں پایا جاتا ہے وہ نہایت گہرا اور سرگرم ہے "

قرآن مجید میں جو نقشہ صفات باری کا پیش کیا گیا ہے اُس کو دیکھکر صاف یہ نتیجہ نکلتا کہ ایسا نقشہ نہ عرب والوں سے حاصل کیا گیا اور نہ کسی اور انسانی چشمہ سے اخذ کیا گیا بلکہ یہ نقشہ خود خدائے تعالیٰ کی وحی نے کھینچا ہے۔

حجر اسود پادری صاحب لکھتے ہیں " اما عادت بوسیدن حجر الاسود کہ بت پرستان قدیم آنرا بدانطور عبادت مے کردند چونکہ آنرا یکے از سنگہائے بہشت مے انگاشتند آں عادت نزد اہل عرب چناں پسند آمدہ بود کہ حضرت محمدؐ نتوانست ایشانرا ازاں رسم ممانعت نمائد وازاں جہت است کہ حاجیاں تا بحال آں سنگ را مے بوسند "

یعنی اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کی تمام بُت پرستیوں کو ترک کردیا مگر حجر اسود کے چومنے کی عادت کو ترک نہ کیا جس کی قدیم بُت پرست اس طریق سے عبادت کرتے تھے۔ چونکہ اس پتھر کو وہ بہشتی پتھر سمجھتے تھے اس لیئے یہ عادت اُنکو اس قدر مرغوب تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عادت کو روک نہیں سکتے تھے۔ اس لیئے حاجی لوگ ابتک اس پتھر کو بوسہ دیتے ہیں۔ اوّل تو پادری صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بوسہ دینا عبادت میں شامل نہیں۔ کیا پادری صاحب نے اپنے بچوں کو کبھی بوسہ نہیں دیا؟ تو پھر کیا ہمیں کہنا چاہیئے کہ پادری صاحب اپنے بچوں کی عبادت یا پرستش یا پوجا یا ورشپ کرتے ہیں؟ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ مرد اپنی منکوحہ بیوی کی پرستش کرتا ہے؟ بلکہ بوسہ کے لیئے تو مسیحی

صاحبان کے نزدیک نکاح کی شرط ضروری نہیں ۔ وہ تو غیر محرم عورت سے بھی بپاس محبت کا بوسہ لینا جائز سمجھتے ہیں ۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیحی صاحبان ہر ایک عورت کی پرستش جائز سمجھتے ہیں خواہ وہ عورت محرم ہو یا غیر محرم؟ پادری صاحب بتلائیں کہ عبادت کی کیا تعریف ہے؟ عبادت میں تین چیزیں شامل ہیں (۱) حمد اور تعریف جسے ہندو لوگ اُستتی کہتے ہیں (۲) دعا جسے ہندو پرارتھنا کہتے ہیں (۳) دھیان جسے ہندو اُپاشنا کہتے ہیں ۔ حجر اسود کے متعلق ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں کی جاتی ۔ مسلمان نہ اُس کی تعریف کرتے ہیں ۔ نہ اُس سے کوئی دعا مانگتے ہیں اور نہ اُس کا دھیان کرتے ہیں ۔ کسی اسلامی عبادت میں اس پتھر کا ذکر بھی نہیں ۔ بلکہ خود مکّہ کا بھی کسی عبادت میں ذکر نہیں ۔ مسلمان اس پتھر سے نہ کسی سزا کا خوف رکھتے ہیں اور نہ کسی انعام کی اُمید رکھتے ہیں ۔

پیشتر اس کے کہ میں یہ بیان کروں کہ یہ پتھر کعبہ میں کیوں رکھا گیا اور اُس کے چُومنے میں کیا سرّ ہے میں یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ پادری صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے چُومنے یا چھُونے کو اس لئے نہیں روکا کہ اہل عرب اس پتھر سے سخت محبت رکھتے تھے اور آپ کو خوف تھا کہ اگر آپ اس پتھر کے بوسہ دینے کو روکیں گے تو لوگ منحرف ہو جاوینگے اور آپ کا کہنا نہیں مانیں گے ۔ جو شخص ایسا کہتا ہے وہ نابینا ہے اور وہ اُس تبدیلی کو نہیں دیکھتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے آپ کے اتباع میں پیدا کر دی تھی ۔ ایسا کہنے والا نہیں جانتا کہ آپ کے اتباع آپ کی تعلیم کی برکت سے توحید کے کیسے فدائی ہو گئے تھے اور ہر ایک رنگ کے شرک اور غیر اللہ کی پرستش سے کیسے متنفر ہو گئے تھے ۔ جس قدر پہلے شرک اور بُت پرستی سے اُنکو محبت تھی اُس سے بڑھکر اب اُنہیں اِن چیزوں سے نفرت تھی ۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود کو چُومتے ہوئے نہ دیکھتے تو وہ خود بخود اس پتھر کا چُومنا ترک کر دیتے خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو ایسا کرنے کا حکم بھی نہ دیتے ۔ اب اگر مسلمان اُسے چُومتے ہیں تو وہ اس لئے نہیں چُومتے کہ اُن کو اس پتھر سے کوئی مشرکانہ محبت ہے

بلکہ صرف اس لیئے چومتے ہیں کہ اُن کے نبی نے ایسا کیا۔ وہ اپنے نبی کے ایسے فدائی ہیں کہ آپ کے ہر ایک فعل کی پیروی کرنا اُن کے روح کی غذا ہے۔ جو لوگ حجر اسود کی پرستش کا الزام مسلمانوں کے ذمہ لگاتے ہیں اُنکو چاہیئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشہور قول پر غور کریں۔ آپ نے حجر اسود کو چوم کر فرمایا انی اعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع و لولا انی رئیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ما قبلتک۔ یعنی مَیں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ ضرر پہنچانیکے قابل ہے اور نہ کسی کو کچھ نفع پہنچا سکتا ہے اور اگر مَیں اللہ کے رسول کو (جس پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے) تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھتا تو مَیں ہرگز تجھے نہ چومتا۔ یہ الفاظ اُس انقلاب کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے آپ کے ہم عصروں کے اعتقادات میں پیدا کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کسی شخص نے حجر اسود کو مخاطب کر کے یہ الفاظ نہیں کہے جو حضرت عمرؓ نے کہے۔ یہ الفاظ اُس توحید کی تعلیم کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اُٹھانیوالوں کے رگ و ریشہ میں اثر کر گئی تھی اور جس خیال کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِن الفاظ میں اظہار کیا وہ صرف حضرت عمرؓ تک محدود نہ تھا انہوں نے یہ کہکر نہ صرف اپنے دل کے خیال کو ظاہر کیا بلکہ ہر ایک مسلمان کے دل کے خیال کو ظاہر کیا ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے حجر اسود کو چوما تو انہوں نے اپنی مرضی کے برخلاف اسے چوما۔ اُنہوں نے اس لیئے اُسے نہیں چوما کہ اُن کو اس پتھر سے مشرکانہ محبت تھی بلکہ اُنہوں نے صرف اپنے آقا اور ہادی کے نمونہ کی پیروی کرنیکے لیئے اُسے چوما۔ ٹسڈل کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو چھونے یا چومنے کی رسم کو اس لیئے جاری رکھا کہ لوگوں کی شدید محبت کی وجہ سے وہ اُسے روک نہیں سکتے تھے مگر واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کے خیالات میں ایسی عجیب تبدیلی پیدا کر دی تھی کہ اگر آپ چومکر اُن کے لیئے ایک نمونہ قائم نہ کر دیتے تو لوگ خود بخود اس کا چومنا ترک کر دیتے۔ آپ نے حجر اسود کے چھونے یا چومنے کے فعل کو اس لیئے قائم نہیں رکھا کہ لوگوں کو اس سے شدید محبت

تھی اور وہ اس فعل کو ترک نہیں کر سکتے تھے بلکہ آپنے اس فعل کو قائم رکھا باوجودیکہ آپ کی تعلیم کی برکت سے لوگ اس بات کو پسند کرتے کہ یہ فعل ترک کر دیا جاوے۔ آپنے یہ فعل لوگوں کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیئے قائم نہیں رکھا بلکہ آپنے لوگوں کے میلان کے برخلاف اس فعل کو قائم رکھا۔ اس لیئے پادری ٹسڈل کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ آپنے اس رسم کو اس لیئے جاری رکھا کہ وہ ڈرتے تھے کہ لوگ اس رسم کو کسی صورت میں ترک کرنا پسند نہیں کریں گے۔

اب مَیں اس سوال کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ یہ پتھر کعبہ میں قدیم سے کس غرض سے رکھا گیا تھا اور اس کے چھونے یا چومنے میں کیا راز مخفی تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پتھر تصویری زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشگوئی تھی۔ یہ پتھر جو قدیم سے کعبہ میں دھرا تھا یہ اُس پیشگوئی کا نقشہ تھا جو ۱۱۸ زبور آیت ۲۲ و ۲۳ میں لکھی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا" اہل عرب ایک اَن پڑھ قوم تھے جن کے پاس کوئی الہامی کتاب موجود نہ تھی۔ اس لیئے انکو بجائے تحریری پیشگوئی کے ایک تصویری پیشگوئی ایک پتھر کی شکل میں دی گئی۔ اور قدیم زمانہ میں تحریر کا کام تصویر سے لیا جاتا تھا سو اُسی طریق کے مطابق تصویری زبان میں اُن کو ایک پیشگوئی دی گئی۔ وہ پتھر اُسی نبی کا نشان تھا جس کی خبر یسعیا باب ۲۸۔ آیت ۱۶ و ۱۷۔ زبور ۱۱۸۔ آیت ۲۲ و ۲۳ اور متی باب ۲۱۔ آیت ۴۲۔ ۴۴ میں دی گئی تھی۔ اور وہ پتھر کعبہ کی عمارت کے کونے میں رکھا گیا تھا تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ وہ موعود نبی کونے کا سرا ہوگا۔ یہ وہی پتھر تھا جس کی نسبت مسیح علیہ السلام نے فرمایا "کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا یہ خداوند کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب"؟ یہ وہی پتھر تھا جس کی نسبت یسعیا نبی نے فرمایا "خداوند یہوداہ یوں فرماتا ہے دیکھو میں صیہون میں بنیاد کے لیئے ایک پتھر رکھوں گا ایک آزمایا ہوا پتھر۔ کونے کے سرے کا۔ ایک مہنگا مولا۔ ایک مضبوط نیو والا پتھر۔ اُسپر جو ایمان لاویگا تاولی

نہ کرے گا‘‘ ہاں میں کہتا ہوں یہ وہی پتھر تھا جس کو نبوکدنضر نے اپنے مشہور و معروف رؤیا میں دیکھا جس نے مورت پر گر کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور پھر وہ ایک بڑا پہاڑ بن گیا۔ (دانیال-۲ باب) ان پیشگوئیوں کی جو تصویر کعبہ میں بنائی گئی اُس سے بڑھ کر صحیح تصویر بنانا محال ہے۔ ایک پتھر کو کعبہ کے کونے میں رکھا گیا۔ اور پھر اُس کو اُس شہر میں جہاں سے وہ موعود نبی ظاہر ہونیوالا تھا رکھا گیا۔ اور اسطرح وہ پتھر بزبانِ حال یہ کہہ رہا تھا کہ میں وہ پتھر ہوں جسکی نسبت انبیاءؑ نے یہ گواہی دی ہے کہ وہ پتھر جسے معماروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ اور میرا کعبہ میں رکھا جانا اس امر کی علامت ہے کہ وہ موعود پتھر اسی شہر سے ظاہر ہوگا۔ پھر اس پتھر کا نام تھا یمین الرحمٰن یعنی رحمٰن کا دایاں ہاتھ اور اُس پتھر کا چھونا یا چومنا اس بات کا نشان تھا کہ جب وہ موعود نبی ظاہر ہوگا تو لوگوں کا فرض ہوگا کہ اُس کے دائیں ہاتھ پر بیعت کریں اور وہ بیعت اس کے دائیں ہاتھ پر نہیں ہوگی بلکہ یمین الرحمٰن یعنی رحمٰن کے دائیں ہاتھ پر ہوگی۔ چنانچہ اسی کے مطابق اس نبی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ جو لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے بلکہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور یہ میرا ہاتھ نہیں ہوتا جو اُن کے ہاتھوں کو اپنے اندر لپیٹتا ہے بلکہ وہ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے جو اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں کیا لکھا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یعنی سوائے اس کے نہیں کہ جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہوتا ہے (سورہ الفتح۔ رکوع ۱) تصویری زبان میں پیشگوئیوں کا ہونا خود مسیحی صاحبان کے نزدیک ایک مسلم امر ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کی قربانی کا حکم اس لیئے دیا گیا تھا تاکہ یہ قربانیاں مسیحؑ کی قربانی کا ایک نشان ہوں بلکہ خود ختنہ کی رسم مسیحی صاحبان کے نزدیک ایک ابراہیمی النسل انسان یعنی مریم صدیقہ کے بیٹے کی قربانی کا ایک نشان تھی۔ اخبار کی مندرجہ ذیل عبارت میں جو یولا ہلانے کا ذکر ہے مسیحی صاحبان کے نزدیک یہ مسیحؑ کے قبر سے جی کر اُٹھنے کی ایک تصویری پیشگوئی

تھی۔ وہ عبارت حسب ذیل ہے۔

"پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کرکے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو فرما اور اُن سے کہہ کہ جب تم اُس زمین میں جو مَیں تمھیں دیتا ہوں داخل ہو اور اُس کا غلہ کاٹو تو تم اپنے غلے کے پہلے حاصل میں سے ایک پولا کاہن پاس لاؤ اور وہ اُسے خداوند کے حضور ہلاوے تاکہ وہ تمھاری طرف سے قبول ہووے اور سبت کے دوسرے دن صبح کو کاہن اُسے ہلاوے" (احبار ۲۳-۱۰) پولوس ۱- قرنتیوں باب ۱۵ میں لکھتا ہے "پر اب مسیح تو مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اور اُن میں جو سو گئے ہیں پہلا پھل ہوا" یعنی جس طرح احبار کے رُو سے پہلا حاصل یا پہلا پھل کُل فصل کو پاک کر دیتا ہے اسی طرح مسیح کا جی اُٹھنا جو سبت کے دوسرے دن صبح کو واقع ہوا کُل ایمانداروں کو پاک کر دیتا ہے۔

اسی طرح مسیحی صاحبان کے نزدیک جن بارہ پتھروں کا ذکر یوشع کی کتاب کی مندرجہ ذیل عبارت میں ہے وہ بارہ حواریوں کے لیئے بطور تصویری پیشگوئی کے تھے۔ وہ عبارت حسب ذیل ہے۔ "تب یشوع نے اُن بارہ مردوں کو جنھیں اُس نے بنی اسرائیل میں سے فرقہ پیچھے ایک ایک مرد کرکے تیار کیا تھا بلایا اور یشوع نے انہیں کہا کہ یردن کے بیچ خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے آگے گذر جاؤ اور ہر ایک تم میں سے بنی اسرائیل کے فرقوں کے شمار کے مطابق ایک ایک پتھر اپنے کاندھے پر اُٹھاوے تاکہ یہ تمھارے درمیان ایک نشان ہو اور جب تمھاری اولاد آئندہ زمانہ میں تم سے پوچھے کہ ان پتھروں سے کیا مراد ہے*

---

* اس سے پایا جاتا ہے کہ اُس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ نہیں لکھی جاتی تھی۔ اسی لیئے اس واقعہ کو قوم میں محفوظ رکھنے کے لیئے بارہ پتھروں کی تجویز اختیار کی گئی۔ یہ پتھر ایک تاریخی واقعہ کو محفوظ رکھنے کیلیئے خیمہ گاہ کے پاس گاڑے گئے تا یہ واقعہ بطور روایت کے آنیوالی نسلوں تک محفوظ رہے۔ اگر تاریخ لکھنے کا اُس وقت رواج ہوتا تو ایسا نشان رکھنے کی کیا ضرورت تھی پس ثابت ہوا کہ پُرانے عہدنامہ کی موجودہ کتابیں سب یشوع بن نون کے زمانہ کے سالہا سال بعد قلمبند کی گئیں اسلیئے حضرت موسیٰ یا حضرت یشوع کی طرف ان کتابوں کا منسوب کرنا ایک غلطی ہے۔ منہ

تو تم انہیں جواب دو کہ یردن کا پانی خداوند کے عہد کے صندوق کے آگے دو حصے ہوگیا تھا کیونکہ اسی وقت جس میں وہ یردن سے ہو کے گذرا تب یردن کا پانی دو حصے ہوا۔ (یشوع ۴ باب۔ ورس ۴-۷)

مسیحی صاحبان کی عادت ہے کہ ہر ایک پیشگوئی کو وہ خواہ مخواہ مروڑ تروڑ کر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر تھوپتے ہیں۔ اسی عادت کے بموجب وہ کونے کے پتھر کی پیشگوئی بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر ہی چسپاں کرتے ہیں مگر خود مسیح علیہ السلام کا یہ خیال نہیں تھا۔ باغ کی تمثیل میں وہ پہلے نوکروں کا ذکر کرتے ہیں جن کو باغ کے مالک نے باغبانوں کے پاس بھیجا۔ مگر باغبان اُن نوکروں سے بُری طرح پیش آئے اور باغ کا پھل دینے سے انکار کیا۔ پھر مالک نے اُن باغبانوں کے پاس اپنا بیٹا بھیجا مگر جب مالیوں نے اُس بیٹے کو دیکھا آپس میں کہنے لگے۔ وارث یہی ہے آؤ اسے مار ڈالیں اور اُنہوں نے اُسے پکڑا اور قتل کر دیا۔ تب مسیح کہتا ہے کہ اس کے بعد مالک اُن مالیوں کو بُری طرح سزا دیگا۔ اور باغ کو اُن سے چھین کر ایک اور قوم کو دیگا جو اُسے موسم پر میوہ پہنچاویں گے۔ مسیح اس تمثیل کو ختم کرنیکے بعد یہود کو مخاطب کر کے کہتا ہے "کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ یہ خدا کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب۔ اس لیئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور ایک قوم کو جو اُس کے میوے لاوے دیجائیگی۔ جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا پر جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالے گا" اس تمثیل میں باغ کا مالک خدائے تعالیٰ ہے اور باغ سے مراد نبوت کا باغ ہے اس باغ کے مالی بنی اسرائیل ہیں جن میں نبوت کا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ قائم کیا گیا اور اُن کو ایک شریعت دی گئی جس پر وہ عمل کریں اور نیکی کا پھل اپنے مالک کو دیں۔ مالک کے نوکر جو ان مالیوں کی طرف بھیجے گئے اُن سے مراد وہ اسرائیلی نبی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے اور بیٹے سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام ہیں جن کو یہود نے پکڑا اور صلیب پر چڑھا کر مُردے کی طرح کر دیا۔ اسطرح بنی اسرائیل نے اپنے تئیں باغی باغبان ثابت کر دیا۔ اب اس بغاوت کی

سزا کا وقت آیا۔ وہ سزا کیا تھی۔ حضرت مسیحؑ کے قول کے مطابق وہ سزا یہ تھی کہ باغ نبوت
اُن سے چھین لیا جاتا اور **ایک قوم** کو دیا جاتا جو وقت پر اپنے میوے ادا کرتی۔ مسیحؑ کے
الفاظ میں **ایک قوم** کا لفظ قابل توجہ ہے کیونکہ اس سے اس تمثیل کے سمجھنے میں بڑی
مدد ملتی ہے۔ ایک قوم کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ وہ باغ ایک خاص قوم کو۔ ۔ ۔
دیا جانا تھا نہ کہ عام طور پر کسی قوم کو۔ بنی اسرائیل اپنی بغاوت کی وجہ سے اُس باغ میں سے
نکالے گئے اور وہ باغ ایک ایسی قوم کو دیا گیا جو بنی اسرائیل کی طرح باغی نہیں تھی بلکہ موسم پر
باغ کے میوے اپنے مالک کو دیتی تھی۔ دوسرے۔ اس تمثیل سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ
باغ کا یہ انتقال بیٹے کے مارا جانیکے بعد واقع ہونا چاہیئے تھا۔ پہلے باغبانوں نے اپنے
مالک کے بیٹے کو ذبح کرنیکے بعد اپنے ورثہ کو ضائع کیا اور جیسا کہ باغ کا انتقال بیٹے کے مارا
جانیکے بعد واقع ہوا ایسا ہی مسیحؑ کی پیشگوئی کے رو سے موعود پتھر کا ظہور بھی بیٹے کے
مارا جانے کے بعد ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ دوسری قوم کونسی ہے جو
بنی اسرائیل کے بعد نبوت کے باغ کے وارث بنائے گئے اور وہ پتھر کونسا ہے جس کی حضرت
مسیحؑ خبر دیتے ہیں۔ اُس دوسری قوم کی نسبت حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مالک کو
موسم پر میوہ پہنچاویگی۔ پس یہ دوسری قوم یقیناً بنی اسمٰعیل کی قوم ہے جن کو حضرت مسیحؑ
کے بعد یا یوں کہو کہ بیٹے کے مارا جانیکے بعد ایک شریعت دی گئی اُس شریعت کی مانند
جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو دی گئی تھی۔ یہ بنی اسرائیل کی طرح باغی
نہیں تھے بلکہ انہوں نے اُس باغ کی خوب حفاظت کی جو اُن کے سپرد کیا گیا۔ مثال کے
طور پر میں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ باغ نبوت کے پہلے وارثوں یعنی بنی اسرائیل کو
جب کہا گیا یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی
کنعان کی زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھی ہے تو انہوں نے
داخل ہونے سے انکار کیا اور نہایت نامردی سے یہ قابل شرم جواب دیا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا
لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا
هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ یعنی اے موسیٰ جب تک پہلی قوم اس زمین میں موجود ہے

ہم کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہونگے پس تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور تم دونوں لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ مگر جب دوسری قوم کو نبوت کا باغ سونپا گیا جب دشمن انکے باغ کی تباہی کیلئے ہر طرف سے دوڑا اور اُس نے چاہا کہ اُن کے باغ کو جڑھ سے کاٹ دے۔ اُس وقت اُس چھوٹی سی جماعت کے سردار نے اُن سے بدر کے میدان پر دریافت کیا کہ کیا تم اپنے باغ کی حفاظت کیلئے میرے ساتھ ملکر اس دشمن کا مقابلہ کرو گے تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہم تجھے وہ جواب نہیں دیتے جو موسیٰؑ کے ساتھیوں نے موسیٰؑ کو دیا بلکہ ہم تیرے دائیں اور تیرے بائیں۔ تیرے آگے اور تیرے پیچھے دشمن کا مقابلہ کریں گے"۔ غرض کل دنیا گواہ ہے کہ یہ دوسرے باغبان پہلے باغبانوں کی طرح نہیں تھے بلکہ وہ اپنے مالک کے نہایت فرمانبردار تھے اور انکو اُن کی فرمانبرداری کی وجہ سے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ کا سرٹیفکیٹ عطا کیا گیا۔

پتھر کی نسبت لکھا ہے کہ جو اُسپر گرے گا چور ہو جائیگا پر جسپر وہ گرے اُسے پیس دیگا۔ ایسا پتھر یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی وہ نبی جو عرب کی سرزمین میں شہر مکہ کے اندر مسیح سے قریباً ۶۰۰ سال بعد مبعوث ہوا۔ وہ ایک ایسا پتھر تھا جس کی نسبت یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جو اُسپر گرا وہ چور ہو گیا پر جس پر وہ گرا اُس نے اُسے بالکل پیس ڈالا۔ یہ علامت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ مسیحؑ کی نسبت ایسا کہنا درست نہیں ہو سکتا کیونکہ جب باغی باغبان اُسپر گرے تو بجائے اس کے کہ وہ خود چور ہو جاتے انہوں نے مسیحؑ کو چور کر دیا۔ جیسا انگورستان کی تمثیل میں لکھا ہے انہوں نے اُسکو پکڑا۔ اور انگورستان سے باہر نکالدیا اور اپنے زعم میں اُس کو قتل کر دیا۔ اس لیے جو کچھ پتھر کی صفت میں لکھا ہے وہ مسیحؑ پر کسی طرح بھی صادق نہیں آسکتا۔ اب اُس کے ساتھ اسمٰعیلی نبی کا مقابلہ کرو۔ جب مدینہ کے یہود اُسپر گرے تو بجائے اس کے کہ وہ اُسے چور کر دیں جیسا کہ انہوں نے ۶۰۰ سال قبل مسیحؑ کو چور کر دیا تھا وہ خود چور ہو گئے۔ جب ابو جہل مکہ کے سرداروں کے ہمراہ ایک زبردست فوج لیکر بڑے گھمنڈ کے ساتھ اس لیئے نکلا کہ اس نبی کو چور کر دے اور اُس کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُڑا دے تو اُس وقت کیا ہوا۔ خود مسیحی صاحبان

گواہی دینگے کہ بدر کے میدان پر خود ابو جہل بمعہ اپنے ہمراہی سرداروں کے چور ہوا اور اسکی ساری جمعیت پاش پاش ہو گئی۔ ابو جہل بڑے زور سے اُس پتھر پر گرا مگر بجائے اس کے کہ وہ اس پتھر کو کچھ نقصان پہنچائے اُس کا اپنا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور یہی حال اُس کے ہمرکاب سرداروں کا ہوا۔ ناظرین! اسوقت مجھے وہ خواب یاد آگیا ہے جو ابو لہب کی ہمشیرہ عاتکہ نے مکّہ میں بدر کی جنگ سے چند روز پہلے دیکھا۔ وہ ایک رات کیا دیکھتی ہے کہ شہر مکّہ پر ایک پتھر گرا ہے اور شہر مکّہ کا کوئی گھر ایسا نہیں رہا جس پر اُس پتھر کا ٹکڑا نہ گرا ہو۔ یہ خواب چند روز بعد بدر کی لڑائی کے ذریعہ پورا ہوا۔ مَیں یہاں خود میور کے الفاظ کو نقل کرتا ہوں تا ناظرین کو ایک دشمن کی گواہی سے معلوم ہو کہ شہر مکّہ پر اس لڑائی کا کیا اثر ہوا اور پتھر والی خواب کسطرح پوری ہوئی۔ میور لکھتا ہے۔ "جب مکّہ میں شکست کی خبر پہنچی تو شہر والوں کے حواس جاتے رہے کچھ عرصہ تک تو جلا دینے والی شرم اور بدلہ لینے کی پیاس نے اُن کو ایسا گنگ کر دیا کہ وہ اپنے درد و الم کا اظہار نہ کر سکے.... ایک مہینہ اسطرح گذر گیا۔ مگر اس کے بعد وہ اپنے دُکھ زیادہ دیر تک روک نہ سکے اور آخر زمانہ دراز تک رُکے ہوئے درد کی ایک وحشیانہ چیخ تمام شہر سے پھوٹ نکلی۔ کوئی گھر نہ تھا جس میں کسی مقتول یا اسیر کے لیئے آنسو نہ بہائے گئے ہوں اور دانت نہ پیسے گئے ہوں۔ تمام شہر میں صرف ایک ہی گھر تھا جس میں چلاّنے کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ لوگوں نے ابو سفیان کی بیوی ہند سے دریافت کیا کہ تُو اپنے باپ عتبہ کے لیئے اور اپنے چچا کیلیئے اور اپنے بھائی کے لیئے کیوں آنسو نہیں بہاتی؟ ہند نے جواب دیا کہ اگر آنسو میرے دل کے درد کو دھو سکتے تو مَیں ضرور آنسو بہاتی مگر ہند کا درد ایسا نہیں کہ آنکھوں کے آنسو اُس کو دھو سکیں۔"

وہ کونسا پتھر تھا جسے عاتکہ نے شہر مکّہ پر گرتے ہوئے دیکھا۔ یہ وہی پتھر تھا۔ ہاں یہ وہی پتھر تھا جس کی نسبت حضرت داؤدؑ نے اور حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ جو کوئی اُس پتھر پر گرے گا چور چور ہو جائے گا اور جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔ جب خیبر کے یہودیوں نے آپ کو اور آپ کی جماعت کو عرب کے قبائل کے ساتھ سازش کرکے تباہ کرنا چاہا تو آپ نے خیبر پر حملہ کیا اور جب وہاں جاکر نزول فرمایا تو یہ کلمات پڑھے خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء

صبح ۔ دین۔ یعنی خیبر تباہ ہو چکا۔ جب ہم کسی مخالف قوم کے صحن میں اُترتے ہیں تو اُن کے لیئے وہ دن بُرا ہوتا ہے۔ آپکے یہ الفاظ مسیحؑ کے الفاظ کا ترجمہ ہیں کیونکہ مسیحؑ نے آپ کی یہ علامت بیان فرمائی تھی کہ جس قوم پر وہ پتھر گرے اُسے پیس ڈالے گا اس لیئے ضروری تھا کہ ایسا ہوتا۔ یہودیوں نے اُس پتھر کا مزہ چکھ لیا اور انہوں نے اُس پتھر پر گر کر اپنے آپ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح مسیحؑ کے قول کی صداقت پر اپنی ہلاکت کے ساتھ شہادت دی۔ اور یہ شہادت نہ صرف یہود نے دی بلکہ ہر ایک قوم نے جو اُس پتھر پر گری ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زبان حال سے اس امر کی شہادت دی کہ یہ وہی موعود پتھر ہے جس کی نسبت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ جو اُس پتھر پر گرے گا وہ چور ہو جائے گا اور جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔

اس قسم کی گواہی دینے والوں میں ایک ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز بھی تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب اُس مغرور بادشاہ کے نام پہنچا تو اُس نے اپنے غرور کے نشہ میں اُس خط کو چاک کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اُس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس پیشگوئی کا پورا ہونا دنیا کی تاریخ کے صفحہ پر موٹے حروف میں لکھا ہوا اب تک موجود ہے۔ یہ ایسا پتھر تھا کہ جب اُسی خسرو پرویز نے طیش میں آکر یہودیوں کی ترغیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لیئے سپاہی بھیجے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے خبر پا کر اُن سپاہیوں کو خبر دی کہ آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کو اُسی کے بیٹے کو اُس پر مسلط کر کے قتل کروا دیا ہے۔ چنانچہ وہ سپاہی یہ خبر سنکر واپس عامل یمن کے پاس چلے گئے اور جب اس خبر کا سچا ہونا معلوم ہوا تو وہ عامل بمعہ بہت سے دوسرے لوگوں کے اس معجزہ کو دیکھکر مسلمان ہو گیا۔ غرض اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ نبی جو مکہ میں ظاہر ہوا وہ درحقیقت ایک ایسا پتھر تھا کہ جو اُس پر گرا چور ہو گیا اور جس پر وہ گرا اُسے پیس ڈالا۔ جب سے یہ پتھر کی پیشگوئی بنی اسرائیل کے انبیاءؑ نے خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر شائع کی کوئی نبی سوائے مکی نبی فداہ امی وابی کے ایسا ظاہر نہیں ہوا جس پر یہ الفاظ صادق آئیں کہ جو اُس پر گرے گا چور ہو جائیگا اور جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالیگا۔ صرف ایک ہی نبی ایسا ظاہر ہوا اور وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسی نبی

کے وقت میں انگورستان پہلے باغبانوں یعنی بنی اسرائیل کے خاندان سے لیا جاکر ایک دوسری قوم یعنی بنی اسمٰعیل کو دیا گیا۔ بنی اسرائیل کا آخری نبی یعنی حضرت مسیحؑ بے شک ماں کی طرف سے اسرائیلی تھے مگر اسرائیلی باپ نہیں رکھتے تھے۔ اُن کا بے باپ ایک اسرائیلی عورت (صدیقہؓ) کے پیٹ سے پیدا ہونا اس بات کا نشان تھا کہ اب نبوت کا باغ خاندان اسرائیل سے منتقل ہونے کو ہے۔ حضرت مسیحؑ تو صرف ماں کی طرف سے اسرائیلی تھے اور باپ کی طرف سے اسرائیلی نہ تھے مگر جو نبی اُن کے بعد آیا وہ نہ ماں کی طرف سے اسرائیلی تھا اور نہ باپ کی طرف سے اور اس طرح وہ نبوت کا باغ جو صدہا سال تک خاندان اسرائیل کے قبضہ میں رہا اُن سے منتقل ہو کر ایک دوسری قوم کو دیا گیا جو بنی اسمٰعیل کی قوم تھی اور جن کی نسبت قدیم سے توریت میں وعدہ موجود تھا جس کا ذکر میں اسوقت بخوف طوالت یہاں نہیں کر سکتا۔ بنی اسرائیل میں ایک ایسے نبی کا پیدا ہونا جو اسرائیلی باپ نہیں رکھتا تھا بنی اسرائیل کے لئے ایک تنبیہ تھی کہ اب عنقریب نبوت کا انعام اُن سے چھین لیا جاوے گا۔ بغیر باپ کے ایک نبی کا پیدا ہونا الٰہی ناراضگی کا ایک نشان تھا کیونکہ اس سے پایا جاتا تھا کہ اب بنی اسرائیل اس قابل نہیں کہ اُن میں سے کوئی شخص ایک نبی کا باپ ہو۔ اور یہ کہ وہ ایسے بگڑ چکے ہیں کہ خدائے تعالیٰ یہ مناسب نہیں دیکھتا کہ انہیں سے کسی کو ایک نبی کا باپ بنائے۔ یہ غضب الٰہی کی ایک علامت تھی۔ حضرت مسیحؑ نے نہ صرف اپنی پیدائش کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو اس بات کی خبر دی کہ وہ اب نبوت کے انعام کے مستحق نہیں ہیں اور یہ کہ عنقریب یہ انعام اُن سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا جاوے گا بلکہ حضرت مسیحؑ نے صریح الفاظ میں بھی باغ کی تمثیل کے ذریعہ اُن کو بتلا دیا کہ میرے بعد اب نبوت کا باغ تم سے چھین لیا جائیگا۔ اُس نے اُنکو خبر دی کہ تمہارے مالک نے تمہارے پاس اپنے چاکر یعنی نبی بھیجے اور تم نے اُن سے بُرا سلوک کیا اور جو باغ شریعت الہامی کا تمہیں دیا گیا تھا اُس کا پھل تم نے اپنے مالک کو ادا نہیں کیا۔ پھر آخر تمہارے مالک نے تمہارے پاس اپنا عزیز بیٹا یعنی مجھے بھیجا مگر تم مجھ سے پہلے کی نسبت زیادہ بدسلوکی کروگے اور مجھے قتل کرنا چاہوگے اس بغاوت کی سزا تمہارا مالک تمہیں یہ دیگا کہ آیندہ کوئی نبی تم میں مبعوث نہیں ہوگا۔ اور یہ باغ تم سے ہمیشہ کیلئے چھینا جاوے گا اور ایک اور قوم کو دیا جاوے گا جو تمہاری طرح باغی نہ ہوگی بلکہ اپنے پھل موسم پر اپنے مالک کو دیگی۔

(حضرت مسیحؑ کے بعد جو نبی آیا وہ اُنکے بھائیوں میں پیدا ہوا جو حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد تھے اور عرب کے ملک میں آباد تھے۔ یہ وہ قوم تھی جس کو بنی اسرائیل نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چونکہ اب تک سارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہوئے تھے اور کوئی نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے مبعوث نہیں ہوا تھا اس لیئے اِن راجگیروں کی قوم نے ہمیشہ اپنے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل کو حقارت کی آنکھ سے دیکھا اور سمجھا کہ ہم تو خدائے تعالیٰ کے انعامات حاصل کرنے کے لیئے پیدا ہوئے ہیں اور ہمارے بھائی اس قابل نہیں کہ خدائے تعالیٰ اُنپر کوئی انعام کرے۔ اس لیئے خدائے تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور وہ آخری نبی جو سب نبیوں سے اپنے کمال میں بڑھا ہوا تھا اور جس نے کونے کا سرا ہونا تھا اُسکو بنی اسمٰعیل میں سے اُٹھایا۔ اسی لیئے حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا اور پھر فرمایا یہ خدا کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب۔ یعنی بنی اسرائیل تو ہمیشہ بنی اسمٰعیل کو حقیر سمجھتے رہے ہیں مگر خدائے تعالیٰ نے اُنہی کو نوازا اور کونے کے سرے کو انہی میں سے پیدا کیا یہ خدا کے کام ہیں خدا جسکو چاہے انعام عطا فرماوے۔ بنی اسرائیل کی نظروں میں تو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ وہ موعود نبی ریگستان میں رہنے والے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹوں میں ہو اور وہ خود جنہیں ہمیشہ نبی مبعوث ہوتے رہے اس انعام سے محروم کیئے جاویں اور نبوت اُن سے ہمیشہ کیلیئے چھینی جاوے اور بنی اسمٰعیل کو جو اُن کی نظروں میں حقیر ہیں دیجاوے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں "اسلیئے مَیں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لی جاویگی اور ایک قوم کو جو اُس کے میوے لاوے دی جائیگی"۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح حضرت داؤد علیہ السلام بھی فرماتے ہیں "یہ خدا سے ہوا جو ہماری نظروں میں عجیب ہے"۔

مسیحی صاحبان اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ دوسری قوم ایسی ہی ثابت ہوئی جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ اپنے وقت پر میوے ادا کریگی اور بنی اسرائیل کی طرح باغی نہ ہوگی اور اُن میں جو نبی پیدا ہوا وہ بھی واقعی ایسا ہی نکلا جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے

اُس کی نسبت فرمایا کہ وہ ایک ایسا پتھر ہوگا کہ جو اُس پر گرے گا وہ چُور ہو جاوے گا اور جس پر وہ گریگا اُسے پیس ڈالے گا۔

یسعیا نبی کی پیشگوئی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ موعود جلد ظاہر ہونیوالا نہیں تھا بلکہ ایک لمبے عرصہ کے بعد ظاہر ہونیوالا تھا۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے "اُس پر جو ایمان لاوے اُتاولی نہ کرے گا" یعنی جو شخص اس موعود کے ظہور پر ایمان لاتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ اُتاولی یعنی جلدی نہ کرے بلکہ صبر سے اُس کے ظہور کا انتظار کرے یعنی وہ جلدی ظاہر ہونیوالا نہیں ہے بلکہ ایک عرصہ دراز کے بعد سب نبیوں سے آخر میں ظاہر ہونیوالا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ موعود پتھر ظاہر نہ ہوا جب تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے بعد ۶۰۰ سال نہ گذر گئے۔ پس ایمانداروں کو اُس کے ظہور کے لیئے ۶۰۰ سال انتظار کرنا پڑا۔ یہ لمبا زمانہ بالکل خالی رہا اور اس عرصہ میں کوئی مامور من اللہ ظاہر نہ ہوا۔ اسی لیئے یسعیا نبیؑ فرماتا ہے کہ وہ جو ایمان لاوے یعنی اس وعدہ کو سچا سمجھنے والا اُسے چاہیئے کہ جلد بازی نہ کرے بلکہ صبر سے انتظار کرے۔

مَیں اسجگہ یہ امر بھی ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موعود پتھر یعنی کونے کا پتھر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانہ۔ ترک منہ موضع لبنۃ الی ان قال فکنت انا سددت موضع اللبنۃ وفی روایۃ فانا تلک اللبنۃ (بخاری ومسلم) یعنی میری اور دوسرے انبیاءؑ کی مثال ایک محل کی سی ہے جس کو بنانیوالے نے خوب بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ پس مَیں نے اُس خالی جگہ کو پُر کیا ہے اور ایک روایت میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مَیں وہ اینٹ ہوں۔

جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے ایک باغ کی تمثیل کے ذریعہ بنی اسرائیل سے نبوّت چھینا جانے اور بنی اسمٰعیل کو نبوّت دیا جانے کی خبر دی ہے ایسا ہی قرآن مجید میں بھی ایک تمثیل کے ذریعہ اس مضمون کو واضح کیا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۔ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا وَّ

فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ
اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ
قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۙ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ
رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ
هُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ
سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ
اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا
اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ
يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ
مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ
كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ
خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝ (کہف - ۵) یعنی ان لوگوں کو تم ایک تمثیل سناؤ۔
دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس دو انگورستان تھے (مسیح بھی انگورستان ہی کی تمثیل دیتے ہیں) ان دو انگورستانوں کے گرداگرد کھجوریں تھیں اور ان دو باغوں کے درمیان کھیتی بھی تھی۔ یہ دونوں باغ اپنا میوہ دیتے اور اس میوہ میں کچھ کمی نہیں کرتے تھے۔ ان دونوں انگورستانوں میں ہم نے ندی چلا دی تھی اور اس باغ والے کو باغ کا پھل ملتا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ تیری نسبت میرے پاس زیادہ مال ہے اور میرا جتھا زیادہ زبردست ہے۔ وہ اپنے باغ میں ایسے حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا تھا۔ اور اس نے کہا کہ میں نہیں گمان کرتا کہ میرا یہ باغ کبھی تباہ ہو۔ اور میں نہیں گمان کرتا کہ کبھی حساب وکتاب کی گھڑی میرے پر آئے اور اگر میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو مجھے اس باغ سے بھی اچھی جگہ ملے گی۔ اس کے ساتھی نے اس سے

گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کیا تُو نے اُس ذات کا انکار کیا ہے جس نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک ٹھاک کر کے ایک انسان بنایا۔ لیکن مَیں کہتا ہوں کہ وہی اللہ میرا رب ہے اور مَیں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور جب تُو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تُو نے یہ کیوں نہ کہا کہ جو اللہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی قسم کی قدرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر تیری نظر میں میرا مال اور میری اولاد تیری نسبت کم ہے تو قریب ہے کہ میرا رب تیرے باغ کی نسبت ایک اچھا باغ مجھے دیدے اور تیرے باغ پر آسمان سے ایک عذاب بھیجے اور تیرا باغ تباہ ہو کر ایک پھسلا دینے والی زمین ہو جاوے یا تیرے باغ کا پانی زمین میں دھس جائے اور تُو پھر پانی کو تلاش نہ کر سکے۔ (سو ایسا ہی ہوا) اور اُس کے پھل کا احاطہ کیا گیا اور جو کچھ اُس نے اُس باغ پر خرچ کیا تھا وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہا۔ اُس کے باغ کی بیلیں اپنی چھتریوں پر گری پڑی تھیں اور وہ کہتا تھا کاش کہ مَیں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔ کوئی ایسا جتھہ نہیں تھا جو بجز اللہ تعالیٰ کے اُس کی مدد کرتا۔ اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا۔ حقیقی مالک اللہ ہی ہے اور وہ حق ہے۔ وہ اچھا بدلہ دیتا ہے اور اچھا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔

قرآن شریف کی اس تمثیل کا خلاصہ وہی ہے جو مسیح کی انگورستان کی تمثیل کا خلاصہ ہے۔ جن دو شخصوں کا قرآنی تمثیل میں ذکر ہے وہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل ہیں۔ بنی اسرائیل اپنے باغ کی وجہ سے گھمنڈ میں آ گئے اور سمجھا کہ ہم ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے اور انکا باغ کبھی تباہ نہ ہوگا اور جیسا اُن کو اس عالم میں باغ دیا گیا ہے ایسا ہی آخرت میں بھی اُنکے لئے اچھی جگہ مقرر ہے۔ وہ بجائے شکر گذار ہونے کے مغرور ہو گئے اور اپنے غریب بھائیوں بنی اسمٰعیل پر اپنے باغ نبوت اور کثرتِ انبیاء کا فخر کرنے لگے مگر جو حقوق الٰہی اُنکے ذمہ تھے اُن کو ادا نہ کیا۔ . . . . . . سو خدا نے ایسا کیا کہ اُنکے باغ کو تباہ کر دیا اور اُن کے غریب بھائیوں کو جن کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اُس سے بہتر باغ عطا کیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی انگورستان کی تمثیل سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حضرت مسیح سے اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل سے نہایت ہی بالا تر ہے

یوحنا۱س ۔ ۔ ۔ جو نبی بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے آئے اُنکو مالک کے نوکر کرکے پکارا گیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو باغ کے مالک کا بیٹا کہکر پکارا گیا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنیکو خود خدا کے آنے سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت مسیح فرماتے ہیں "جب انگورستان کا مالک آوے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کریگا" اس تمثیل سے پایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے انبیاءؑ کو خدائے تعالیٰ سے وہ نسبت تھی جو ایک وفادار نوکر کو اپنے مالک سے ہوتی ہے مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کے حضور میں اس سے بڑھکر قرب حاصل تھا اور اس تعلق کے ظاہر کرنیکے لیئے نوکر کا لفظ کافی نہ تھا۔ اس لیئے اُس قرب کے درجہ کو ظاہر کرنیکے لیئے نوکر سے بڑھکر لفظ استعمال کیا گیا یعنی بیٹے کا لفظ۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اس سے بھی بڑھا ہوا تھا اور بیٹے کا لفظ ہرگز اُس رشتہ کو ظاہر نہیں کرسکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ سے ایسی شدید یگانگت کا رشتہ تھا کہ اُن کا آنا خود خدائے تعالیٰ کا آنا بیان کیا گیا اُنکی ذات الٰہی صفات کا ایک کامل مظہر تھی اور بیٹے کا لفظ اُنکے درجے سے بالکل گرا ہوا تھا۔ اس لیئے استعارہ کے طور پر اُن کا آنا خود خدائے تعالیٰ کا آنا بیان کیا گیا۔ قرآن شریف بھی اس کی تصدیق فرماتا ہے کیونکہ اُس میں لکھا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ پھر لکھا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنی مُٹھی کنکروں کی تُو نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نہ حضرت مسیحؑ حقیقی طور پر خدائے تعالیٰ کے بیٹے تھے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی طور پر خدا تھے یہ الفاظ صرف استعارہ کے طور پر استعمال کیئے گئے ہیں حقیقت پر انکا حمل کرنا جہالت ہے۔

اس تمثیل میں لکھا ہے کہ باغبانوں نے اپنے مالک کے بیٹے کو مار ڈالا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان دیدی تھی۔ ہاں انہوں نے اُنکو صلیب پر چڑھا کر ایسی حالت میں کردیا تھا جو موت کے مشابہ تھی اسلیئے تمثیل میں اُس کو قتل سے تعبیر کرنا بالکل درست ہے۔ اُنہوں نے خود تو قتل کرنے میں کوئی کسر باقی

نہیں رکھی تھی۔ یہ تو ایک الٰہی قدرت کا کرشمہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی جان بچ گئی۔ مگر چونکہ یہودیوں نے اُن کے قتل کرنیکا ارادہ کر لیا تھا بلکہ صلیب پر چڑھا دیا تھا اور اپنے زعم میں اُن کو قتل بھی کر دیا تھا اس لیئے وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مسیح کے قاتل ٹھہر گئے۔ باقی موت سے بچ جانا یہ ایک الگ امر ہے خدائے تعالیٰ نے نہ چاہا کہ ایک راستباز لعنتی موت کا شکار ہو اسلیئے اُس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بچا لیا گویا مردوں میں سے پھر زندہ کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زبور۔ یسعیا۔ دانیال اور متی میں جو ایک پتھر کے متعلق پیشگوئی ہے اُس کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کعبہ میں جو قدیم سے ایک پتھر دھرا تھا وہ اسی پیشگوئی کی ایک تصویر تھی اور اُس پتھر کا مکہ میں رکھا جانا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ موعود نبی اِس شہر سے ظاہر ہوگا اور اُس کا یمین الرحمٰن کے نام سے موسوم ہونا اور اُسکو چھونا یا چومنا اس بات کا ایک نشان تھا کہ جب وہ موعود ظاہر ہو تو لوگوں کو چاہیئے کہ اُس کے دائیں ہاتھ کو چھو کر اُس سے بیعت کا اقرار کریں اور اُس کے ہاتھ پر بیعت خود خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت ہوگی اور وہ رحمٰن کا مظہر یعنی رحمٰن کی طرح رحمۃ للعلمین ہوگا جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اس پتھر کا مکہ میں موجود ہونا اس بات کی ایک بیّن دلیل ہے کہ وہ پتھر کی پیشگوئی جو یسعیا۔ زبور۔ دانیال اور انجیل میں پائی جاتی ہے وہ کسی اور نبی کی نسبت نہ تھی بلکہ ایک ایسے نبی کی طرف اشارہ کرتی تھی جو مکہ میں پیدا ہونیوالا تھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اسکے کہ اُن کو ان پیشگوئیوں کا علم ہو کونے کا پتھر ہونیکا دعویٰ کیا۔ یہ بھی اس بات کی ایک دلیل ہے کہ یہ پیشگوئیاں آپ ہی کے متعلق تھیں۔ اے خدا۔ تو اس کونے کے پتھر پر صلوات۔ سلام۔ رحمتیں اور برکات نازل فرما اور ہمیں اُس کے خدام میں اپنے فضل سے داخل فرما اور دنیا کو ہدایت دے کہ وہ اس یمین الرحمٰن کو پہچانیں اور اُس کی اتباع کا شرف حاصل کریں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

دینِ محبت

(مرقومہ شیخ تیمور صاحب - ایم - اے)

عیسائی لوگوں کے دلوں میں عام شائع شدہ خیال اسلام کی نسبت یہ ہے کہ اسلام ایک ہیبت ناک اور زبردست مذہبی کل ہے جو ظلم اور بے رحمی کے پتلے تیار کرتی رہتی ہے جو روئے زمین پر ہر چیز کو تباہ کرتے ہوئے جان اور عزت کو روندتے ہوئے آباد ملکوں کو ویران کرتے ہوئے آزاد قوموں کو غلام بنا کر شر اور بدامنی پھیلاتے ہیں۔ ہم انہیں کہتے ہیں کہ ہم امن پسند لوگ ہیں ہم تمام قوموں اور تمام رنگ کے لوگوں کو (بلا امتیاز سیاہ وسفید) صلح اور اخوت کا وسیع پیغام دیتے ہیں۔ ہم جنگ نہیں کرتے مگر حفاظت کیلئے۔ جب ہم قوموں کے فاتح تھے تو ہم انکے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کرتے تھے ہم انکے ہاتھوں میں اُن کے ملکوں کی عنانِ حکومت دیدیتے تھے ہم مفتوح قوموں کو بڑے بڑے عہدے دیتے تھے اور تمھاری اپنی گورنمنٹیں باوجود آزادی اور خودحکومتی کے خیالات کی اشاعت کے غیر لوگوں پر اسقدر اعتبار نہیں کرسکتیں۔ ہم نے اپنے عہدِ حکومت میں سیاہ وسفید کا فرق مٹا دیا تھا جو تم سے نہیں ہوسکا اور نہ ہوگا۔ اب بھی وہ کہتے ہیں کہ تم ایک خونخوار قوم ہو ہم گہوارے کے زمانے سے یہی سنتے چلے آئے ہیں۔ یہ سچ ہے تاریکی میں تیز سے تیز آنکھ بھی رنگوں کو نہیں پہچان سکتی۔ موسیٰؑ اور یوشع کی جنگیں دشمنوں کے جان اور مال کا جلا دینا جب مرد عورت بچے اور گھر یکساں بے اعتنائی کے ساتھ راکھ کر دیئے جاتے تھے[1] یہ سب درگذر کی جاتی ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہوئیں مگر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی جنگیں بے رحمی کے نمونے سمجھکر دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ شاید ہمارے عیسائی دوستوں کا یہ مطلب ہے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے اُنکے قتل کا منصوبہ کیا تھا تو اُنہیں چاہیئے تھا کہ اپنے متبعین کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے اپنے آپ کو فتحمند بُت پرستوں کے سپرد کر دیتے۔ کوئی عقلمند آدمی اس بدنیتی کے مشورہ پر راضی نہیں

---

[1] تورایت میں پوری کیفیت درج ہے کہ کس پُرتکلیف بے رحمی کے ساتھ تباہی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ منہ

ہو سکتا۔ بھلائی اور برائی کی باہمی جنگ میں بھلائی کو یہ ابدی حق حاصل ہے کہ وہ بڑھتی ہوئی برائی کو کچل ڈالے۔ ہم عیسائیوں کے سامنے رسول خدا کی راست بازی۔ نڈر اور صاف گو طرز زندگی کو پیش کرتے ہیں اور ہم انہیں بلاتے ہیں کہ یسوع کی زندگی کا اس سے مقابلہ کرو۔ ہم انہیں اُس عملی نفع کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو اسلام نے دنیا کو پہنچایا ہے کسطرح اسلام نے اور صرف اسلام نے ہی خدائے تعالیٰ کی سچی وحدانیت کو اُس کی کامل صفات کے ساتھ دنیا میں شایع کیا ہے اور قائم کر دکھایا ہے اور کس طرح اس نے دنیا کی تمام قوموں کو اپنی آغوش میں پناہ دی ہے اور کس طرح اس نے دنیا کو صحیح آزادی اور اخوت کا خیال بتایا ہے[۱] اور یہ عیسائیت نے کیا کیا ہے۔ اس نے ساری قوموں کو شراب کا مزا چکھایا ہے اور تباہ کن زندگیوں کے نمونے قائم کئے ہیں۔ جب ہم ان سے انکے بڑے بڑے مسائل پر دلائل پوچھتے ہیں تو وہ کہدیتے ہیں کہ ہم نے انکو ایمان سے تسلیم کیا ہے نہ کہ عقل سے۔ ایمان بے شک اچھی چیز ہے مگر وہ ایمان کیا ہے جو عقل کی روشنی کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا خدا محبت کا خدا ہے اور جو خدا کہ اسلام پیش کرتا ہے اُس کے سارے قانون جزا و سزا کے اصول پر مبنی ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ عیسائی خدا میں صفت رحم نہیں ہے[۲] جسکو ناقص طور پر یسوع پورا کرتا ہے اور یسوع کا رحم بھی وسیع نہیں۔ غیر عیسائیوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور انکے لئے خدا باپ نے ابدی جہنم مقرر کر رکھا ہے جس سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ مگر اسلام کا خدا کہتا ہے عذابی اصیب بہ من اشاء و رحمتی وسعت کل شیٔ میرا عذاب جس کو میں ارادہ کرتا ہوں پہنچتا ہے اور میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔

اس مضمون میں میرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی اسلام صلعم کی محبت اور رحم کا نقشہ پیش کیا جائے اسلام کا اصل مقصد قرآن شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ کنتم خیر

---

[۱] علم و عمل دونوں سے۔

[۲] یہ عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ خدا باپ میں صفت انصاف ہے۔ اور رحم نہیں اور یسوع میں رحم ہے اور انصاف نہیں۔ دونوں ناقص ٹھہرے۔

(دارالترجمہ-۱۹)

امۃٍ اُخرجت للنّاس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (آل عمران) تم سب سے اعلیٰ قوم ہو جو دنیا کی بھلائی کیلیئے بھیجی گئی ہے تمھیں چاہیئے کہ لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرو اور برائیوں سے روکو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی امام بخاری کی صحیح میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ من کان یؤمن باللہ فلیقل خیرًا او لیصمت۔ جو خدا پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ بھلی بات کرے یا چُپ ہو رہے۔ قال کے معنی عربی زبان میں بہت وسیع ہیں زبان کی بات اور جسم کے فعل دونوں پر آسکتا ہے اس لیئے اسجگہ فلیقل خیرًا کے معنے "بھلی بات کرے" لکھے ہیں کیونکہ "بات کرنا" قول اور فعل دونوں کے معنی دیتا ہے۔ فلیقل خیرًا کے معنی یہ ہوئے کہ بھلی بات کہے اور کرے اسلام کی وسیع نفع رسانی کا نبی کریم صلعم نے اور بھی بیان کیا۔ من رای منکرًا فلیغیرہ بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان۔ جو کوئی بُری بات دیکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ اُسے ہاتھ سے درست کردے اور اگر نہ کرسکے تو پھر زبان سے ہی سہی اور اگر یہ نہ کرسکے تو دل سے برا مانے اور یہ نہایت کم درجہ کا ایمان ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں آئی ہے۔ اور ایک حدیث بخاری میں لکھی ہے جس کا یہاں مطلب بیان کیا جاتا ہے نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ ہر ایک شخص کو کوئی ہمدردی کا کام کرنا چاہیئے لوگوں نے پوچھا کہ اگر نہ کرسکے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے خود فائدہ اُٹھائے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ کسی نے پھر پوچھا کہ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو۔ فرمایا کہ کسی غریب محتاج کو اُسکے کام میں مدد کرے کسی نے پوچھا کہ اگر یہ بھی نہ کرسکے تو فرمایا کہ نیکی کا حکم کرے اور بدی سے منع کرے اور جو یہ بھی نہ کرسکے تو لوگوں کو اپنے شر سے بچائے اور یہ اُس کے لیئے نیکی ہوگی۔ ایک اور جگہ بخاری میں فرمایا کہ ایک اچھا کلمہ خیرات کا حکم رکھتا ہے غیر اقوام کے ساتھ سلوک کرنیکے لیئے یہ جامع تعلیم قرآن شریف میں موجود ہے۔ لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظٰلمون۔ (ممتحنہ)

اللہ تعالیٰ تمھیں اُن لوگوں کے ساتھ نیکی اور سلوک کرنیسے نہیں روکتا جنہوں نے تمھارے ساتھ لڑائی نہیں کی اور تمھیں گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ تو تمھیں اُن لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنہوں نے

تمھارے دین کی وجہ سے تمھارے ساتھ جنگ کی اور تمھارے نکالنے میں مدد کی اور جو کوئی انکی دوستی کرتا ہے وہ ظالم ہے۔ پھر قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا[1]۔ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرنا اللہ زیادتی کرنیوالوں سے پیار نہیں کرتا۔ و اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا (نساء)۔ جب تم دعا دیئے جاؤ تو اس سے احسن دعا دو یا ویسی ہی۔ و ان جنحوا للسلم فاجنح لھا و توکل علی اللہ (انفال)۔ اگر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کر لو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھو یعنی خواہ تمھیں بدعہدی کا خوف ہو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کر کے صلح کر لو۔ فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب المتقین (توبہ ۲)۔ جبتک یہ صلح پر پابند رہیں تم بھی رہو اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے یعنی عہد کے پورا کرنے میں تقویٰ سے کام لو۔ ان آیتوں کے سیاق سباق سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ سلوک غیر مسلمانوں سے تعلق کے بارے میں ہیں اور اسلام کے اندر تو جنگ ہونی ہی نہیں چاہیئے کیونکہ ایک مسلمان بھائی کا خون اگر کوئی مسلمان بھائی ارادۃً اور بغیر شرعی وجہ کے تو قاتل کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور بھی کئی جگہ مسلمانوں کو کفار کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنیکا حکم کرتا ہے اور لا ینھٰکم والی آیت سے جسکو ہم اوپر لکھ چکے ہیں خوب صفائی اور کمال سادگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی جنگوں کا اصل کیا تھا اور کفار کو مسلمانوں سے کس سلوک کی امید رکھنی چاہیئے موجودہ دنیا کی عالمگیر شکایت یہ ہے کہ زبردست قومیں اپنی ماتحت رعایا کے حالات سے آگاہ ہونیکی تکلیف بھی نہیں اٹھاتیں حکومت کا واحد اصول حکمرانوں کا فائدہ تصور کیا جاتا ہے نہ کہ محکوموں کا۔ جو گورنر اپنی گورنمنٹ کی پالیسی اور اغراض کو مدنظر رکھتے ہیں انہیں مدبر کہتے ہیں اور جو لوگوں کی خیرخواہی کا خیال مقدم رکھتے ہیں انہیں حاکم کہتے ہیں۔ گورنمنٹ کے اغراض کو ہمیشہ رعایا کے منفعات پر ترجیح دیجاتی ہے۔ موجودہ گورنمنٹیں حاکم نہیں چاہتیں بلکہ آجکل تو چالاک مدبروں کی بڑی مانگ ہے۔ ہمارے ...... خود غرض زمانے میں کمزور کو تباہ ہونا پڑتا ہے اور دولت کمانیکی سر توڑ کوشش میں جو پیچھے رہ جائیں انہیں بیکسی اور ماندگی کیحالتمیں راستہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جنگلی درندے یعنی دنیا کی آفات اُسے نوچ ڈالیں اور تمام نیکی اور انسانیت کے قوانین کو اس زمانے کے خود غرض فلاسفروں نے بالائے طاق رکھدیا ہے اور اس خود غرضی کا نام یہ رکھا ہے کہ جو جینے کے قابل ہو وہ جیئے۔ پھر بھی

[1] ان اللہ لا یحب المعتدین (بقرہ - ۲۴)

یورپی ممالک میں بیکار لوگوں کی کثرت اور اُنکے تقاضے نے ان خود غرض دولتمند فلاسفروں کو مجبور کر دیا ہو کہ وہ ہمدردی کے کاموں میں حصہ لیں مگر یہ نیکی کے خیال سے نہیں بلکہ اپنی ہی اغراض کے لیئے اور اسکا خوب نقشہ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہو "فقیر کو پیسہ پھینک دو یہ ہمارے امن میں خلل انداز ہوتا ہے" آپ اس ملک کے ساری طول اور عرض میں سفر کر جائیں مگر آپ کو سو مالک ایسے نہیں ملیں گے جو اپنے نوکروں پر اعتبار کرتے ہوں یا نوکر جو اپنے مالکوں سے محبت رکھتے ہوں۔ انسان انسان کے درمیان ایک عجیب قسم کی بیگانگی پیدا ہو رہی ہو۔ خیر البشر صلعم نے بہت مدت پہلے ان سب مصائب کو دیکھا ہے اور کیا خوب علاج بتایا ہو۔ اخوانکم خولکم جعل الله تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یأکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم۔ جو تمھاری خدمت کرتے ہیں وہ تمھاری بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے انکو تمھارے ماتحت رکھا ہے۔ پس چاہیئے کہ جس کسی کا بھائی اُس کے ماتحت ہو وہ اُسکو ویسا ہی کھانا کھلائے جیساکہ خود کھاتا ہے اور اُسکو ویسے ہی کپڑے پہنائے جیسے کہ وہ خود پہنتا ہے اور اُنکو اس قدر کام نہ دو جتنا کہ وہ برداشت نہ کرسکیں اور اگر انکو زیادہ کام دو تو اُنکی اُسمیں مدد کرو۔ کام اور مزدوری اور حق اور اجر کے سوالات کو جنھوں نے موجودہ دنیا کو حیران کر رکھا ہے کس خوبی سے نبی کریمؐ نے حل کر دیا ہو۔ ہماری نوکر اور ہماری رعایا کسی طرح سے اصل یا نسل میں ہم سے ادنیٰ نہیں۔ ہم انسان ہونیکی لحاظ سے سب بھائی ہیں۔ تو یہ نوکری نوکری نہیں بلکہ اعانت اور مدد ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم اُنسے اُسطرح کام لیں جسطرح حیوانوں سے لیتے ہیں اور یہ نوکری اور خدمتگزاری کسی انسان کی زندگی میں کوئی قائم اور دائم دھبا نہیں ہے بلکہ یہ ایک عارضی گرہن ہے۔ حیوانوں کی طرح ترقی اور بڑائی کے دروازے اُنپر بند نہیں ہیں وہ ہر وقت ہماری برابری حاصل کرسکتے ہیں اور اسی لیئے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اُنکے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کرو۔ اگر اسلام کی کسی مفتوح قوم پر حکومت ہو تو وہ اس قاعدے کے مطابق ہونی چاہیئے۔ ایک دن نبی کریمؐ ایک شخص کا قصہ سُنا رہے تھے جس نے ایک کتے کی جان بچائی تھی کسی نے پوچھا کہ کیا ہمیں حیوانوں کا بھی اجر ملے گا آپ نے فرمایا ہاں ہر ایک جاندار چیز کا اجر ملے گا۔

نبی کریم صلعم کے ذاتی حالات بھی کوئی کم دلچسپ نہیں ہیں۔ انس رضؓ جس نے دس سال تک نبی کریم
کے مدینہ میں وردو سے یوم وصال تک خدمت کی۔ کہتا ہے کہ اس عرصہ میں مجھے کبھی کسی خطا پر
جھڑکا نہیں تھا۔ نبی کریمؐ کی وفات پر انسؓ کی عمر بیس سال کی تھی۔ نبی کریمؐ کی چالیس سالہ
زندگی قبل از نبوّت بالکل خاموش زندگی معلوم ہوتی ہے آپ میں کوئی بڑا بننے کی طرف توجہ
نہیں معلوم ہوتی بالکل ایک پرائیویٹ صالح زندگی تھی جو راہ تیز طبع عربی نوجوان ترقی اور
عروج کے لیئے عموماً اختیار کرتے تھے وہ شاعری اور فصاحت کے کمالات کی تحصیل ہوتی تھی
اور انہی ذرائع سے اپنے ہموطنوں میں عزت اور قوّت حاصل کر لیتے تھے۔ شاعر ملک کے
ذی عزت سردار کیئے جاتے تھے اور لوگ کسی شاعر کو مدعو کرنا باعث عزت خیال کرتے تھے
قبل اسلام تاریخ عرب کے ماہر اس امر کو خوب جانتے ہیں مگر نبی کریمؐ نے کوئی ایسی راہ اختیار
نہیں کی۔ آپکو نہ شاعری کی طرف رغبت تھی اور نہ ہی کوئی اس قسم کی قابلیت فطرت نے بخشی تھی۔
قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ اس امر کی گواہی دیتا ہے وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ
ہم نے اُس کو شعر کی تعلیم نہیں کی اور نہ یہ اسکی شان کے لائق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ
میں شاعری کا مادہ ہی نہیں رکھا تھا۔ نبی کریمؐ نے ساری عمر کسی اور کا شعر بھی کبھی نہیں
پڑھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا منشا نہ ہوتا تو آپ دنیا سے گمنام ہی چلے جاتے جیسا کہ آپکی اوائل
چالیس سالہ زندگی کی طرز سے معلوم ہوتا ہے اور یہی عمر جوانی کا زمانہ بڑی بڑی ارادوں اور
ترقیات کا وقت سمجھا گیا ہے۔ اس وقت تک انسانی قویٰ تکمیل پا چکتے ہیں اور جو قوتیں
اسوقت تک ظاہر نہیں ہوتیں گویا کہ ہوتی ہی نہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے طوفان جیسے اسکندر رومی
یا تیمور یا نپولین سب جوان تھے نبی کریمؐ کے پاس ذاتی نیکی اور پاکیزہ زندگی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ جب
وحی نازل ہوئی تو آپ بڑے مضطرب ہوئے اور گھر کو دوڑ گئے اور اپنی بیوی کو بلایا اور کہا خدیجہ مجھے کپڑوں سے
ڈھانپ دو میری تو جان بھی خطرہ میں ہے۔ تب آپنے اسے سارا ماجرا سنایا۔ حضرت خدیجہ نے تسلی دی
اور کہا خدا کی قسم خدا تمھیں کبھی ذلیل نہیں کریگا تو صلہ رحمی کرتا ہے یعنی اپنے رشتہ داروں
کے ساتھ سلوک کرتا ہے اور تو مہمان نواز ہے اور تو دکھی کا بوجھ بٹاتا ہے اور تو مصیبت کے وقت میں
نیک صلاحیں دیتا ہے۔ اب جوں جوں وحی آنی شروع ہوئی نبی کریمؐ نے تبلیغ کا کام شروع کردیا

ساری تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات میں سے کسی چیز میں بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ذاتی کمال نہیں اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اپنے قیام اور پرورش کیلئے۔ یہی معنے ہیں لا الٰہ الا اللہ کے۔ عرب کے بُت پرستوں نے اِس خیال پر ناک چڑھائی اور سخت مقابلہ کیا اس وقت کی سچی تصویر قرآن شریف کی مکی سورتوں میں پائی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ جو اور...... نبیوں کے حالات کا قرآن شریف میں بیان ہے وہ اصل میں نبی کریمؐ کے حالات کا ہی ایک نقشہ ہے۔ فقال الملأ الذین کفروا من قومہ ما نرٰک الا بشرًا مثلنا وما نرٰک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کاذبین قال یا قوم ارایتم ان کنت علیٰ بینۃ من ربی واٰتٰنی رحمۃً من عندہٖ فعمیت علیکم۔ انلزمکموھا وانتم لھا کارھون۔ (ہود ۳) قال یا قوم ارایتم ان کنت علیٰ بینۃٍ من ربی ورزقنی منہ رزقًا حسنًا ما ارید ان اخالفکم الیٰ ما انھٰکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعتُ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔ ویٰقوم لایجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوحٍ او قوم ھود او قوم صٰلح وما قوم لوطٍ منکم ببعید واستغفروا ربکم ثم توبوا الیہ ان ربی رحیم ودود۔ قالوا یٰشعیب ما نفقہ کثیرًا مما تقول وانا لنرٰک فینا ضعیفًا ولولا رھطک لرجمنٰک وما انت علینا بعزیز۔ (ہود ۸) اتقتلون رجلًا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم وان یک کاذبًا فعلیہ کذبہ وان یک صادقًا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ لایھدی من ھو مسرفٌ کذاب۔ (مومن ۴) واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک۔ (انفال ۴) اُس کی قوم کے امیر لوگوں نے جو منکر تھے کہا تو تو ہماری طرح ہی ایک انسان ہے اور تیرے پیچھے چلنے والے ظاہرًا ہم میں سے نہایت ذلیل لوگ ہیں اور تمھیں کوئی ہم پر فضیلت نہیں ہے بلکہ ہمیں خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو اُس نے کہا کہ اے قوم تم دیکھتے ہو کہ میں اپنے رب کی طرف سے کُھلے کُھلے نشان لیکر آیا ہوں اور اُس نے مجھے رحمت عطا کی ہے اب تمھاری آنکھیں اسپر اندھی ہوگئی ہیں کیا میں تمھیں زبردستی وہ رحمت دیدوں حالانکہ تم اُسے لینا نہیں چاہتے۔ اے میری قوم میں اپنے رب کی طرف سے کُھلے کُھلے نشان لیکر آیا ہوں اور اُس نے مجھے عمدہ رزق دیا ہے اور جو کچھ میں تمھیں کہتا ہوں میں خود بھی

اُسکے خلاف نہیں کرنا چاہتا اور مَیں صرف اصلاح چاہتا ہوں جسقدر کہ مجھ سے ہو سکے اور مجھے اللہ ہی
توفیق دیگا اُسی پر میرا بھروسا ہے اور اُسکی طرف مَیں جھکتا ہوں اور اے میری قوم میری دشمنی تمہیں مجرم
نہ بنا دے اور ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی نوحؑ اور ہودؑ اور صالحؑ کی قوم کی طرح عذاب پہنچے اور لوطؑ کی بستی
تو تمہارے قریب ہی ہے اور اپنے رب سے گناہوں کی معافی چاہو پھر اسی کی طرف رجوع کرو میرا رب رحم کرنیوالا
ہے اور بڑا مہربان ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اے شعیب ہم تیری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے اور تجھ کو ہم دیکھتے ہیں
کہ تو ہمارے سامنے کمزور ہے اور اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو پتھروں سے مار دیتے اور تو کوئی ہم پر قادر نہیں ہے
(ایک مومن نے کہا) کیا تم ایک شخص کو قتل کرتے ہو اسلیئے کہ اُس نے کہا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس
نشان بھی تمہارے رب کی طرف سے لایا ہے اگر یہ جھوٹا ہے تو اس جھوٹ کا وبال اسپر اور اگر یہ سچا ہے تو جو تم کو وعید
کرتا ہے اس میں سے بعض تمکو پہنچکر رہیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ جھوٹے بدکار کو کبھی کامیاب نہیں کرتا۔ اور جب منکر تیرے
قتل کیلیئے منصوبے کر رہے تھے اور یا تجھے قید کرنا چاہتے تھے اور یا تجھے جلاوطن کرنا چاہتے تھے۔

جب بات اس حد تک پہنچ چکی تھی اور عرب کے سرکش لوگوں کے لیئے تمام علاج بے سود ہو گئے تو یہ مجرم ٹھہر اُنکا قتل
تھا چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ قل انظروا ماذا فی السموات والارض وما تغنی الایات والنذر
عن قوم لا یؤمنون فهل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلهم قل فانتظروا
انی معکم من المنتظرین ثم ننجی رسلنا والذین اٰمنوا کذلک حقا علینا ننج المؤمنین
آسمانوں اور زمین میں دیکھو کس قدر نشانات ہیں مگر نہ ڈرانا اور نہ نشان اس بے ایمان قوم کو کچھ فائدہ پہنچاتے
ہیں۔ کیا وہ اُن دنوں کا انتظار کرتے ہیں جو اُن سے پہلے بدکار قوموں پر گذر چکے ہیں کہو مَیں بھی تمہارے ساتھ انتظار
کرتا ہوں تم بھی منتظر رہو پھر اُس دن ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کو بچا لیا کرتے ہیں اور مومنوں کو بچانا ہم
فرض ہے۔" جب وہ عذاب کی ساعت آئی تو یہ اعلان کیا گیا کہ اب اٰل فرعون والذین من قبلهم
کذبوا بایٰت ربهم فاهلکنٰهم بذنوبهم واغرقنا اٰل فرعون وکل کانوا ظٰلمین ٥ فرعون
کے لوگوں اور اُن سے پہلوں کی چال پر انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا تو ہم نے اُنکو ہلاک کر دیا اُنکے
گناہوں کی وجہ سے اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا تھا اور یہ سب ظالم تھے۔

یہ نبی کریم صلعم کی حیات کا ایک مختصر نقشہ ہے اور اگر ہم تمام انبیاء کے حالات کو جو توریت میں لکھے
ہیں پڑھیں اور خاصکر حضرت موسیٰؑ کے واقعات کو تو ہمیں معلوم ہو گا کہ سب نبیوں کی زندگیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل نمونہ کے مطابق واقع ہوئی ہیں مگر عیسائی پھر بھی کہے جاتے ہیں کہ آپ نعوذ باللہ اپنے دعویٰ میں راست باز نہ تھے اگر یہ سچ ہو تو کوئی معیار قائم نہیں ہو سکتا جس سے ایک سچا دعویدار جھوٹے سے پہچانا جا سکے۔ ہمیں اسجگہ اس بات کے ذکر کرنیکی چنداں ضرورت نہیں کہ نبی کریمؐ کے پیرووں کو آپ سے کیا موت وحیات کا تعلق تھا اسکو ہر ایک جانتا اور مانتا ہے۔ ذیل کی عبارت سے جو بخاری سے نقل کیگئی ہے خوب روشن ہوتا ہے کہ آپکے متبع آپ پر کیسے فدا تھے۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ ؛ اذا انشق معروف من الفجر ساطع

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ ؛ اذا استقلت بالمشرکین المضاجع

ارانا الھدیٰ بعد العمی فقلوبنا بہ ؛ مطمئن ان ما قال واقع

یہ اشعار ایک صحابی نے کہے تھے جو بخاری میں نقل کیے ہیں اور یہ نبی کریمؐ کے حالات پر خوب روشنی ڈالتے ہیں۔ انکا مطلب یہ ہے ہم میں خدا کا رسول ہے جو فجر کے وقت اپنی کتاب پڑھتا ہے اور راتیں گذارتا ہے اور اس کے پہلو اس کے بستر سے نہیں چھوتے جبکہ مشرکوں کے بوجھ سے انکے پلنگ ٹوٹ رہے ہوتے ہیں ہمیں اس نے اندھے پن کے بعد ہدایت کا راستہ دکھایا اور ہمارے دل مطمئن ہیں کہ جو اس نے کہا ہے وہ پورا ہو گا۔

نبی کریمؐ کے زندگی کے ذیل کے واقعات آپکے ذاتی اخلاق پر خوب روشنی ڈالتے ہیں اور آپکا برتاؤ نرمی اور خوش خلقی کا نمونہ معلوم ہوتا ہے جیسے کہ قرآن شریف نے فرمایا ہے رحمۃ للعلمین یعنی سب جہانوں کیلیے اس رسول کو رحمت کر کے بھیجا ہے۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریمؐ کے ساتھ جا رہا تھا جبکہ ایک اعرابی آیا اور اس نے آپکے گلے میں کپڑا ڈالکر زور سے کھینچا اور مینے دیکھا کہ اس کپڑے کے نشان آپکے گلے پر پڑ گئے اور اس اعرابی نے یہ کہا "اے محمدؐ مجھے بھی کچھ مال دے جو تیرے پاس ہے" نبی کریمؐ مسکرائے اور اسے کچھ دینے کے لیے حکم دیا۔ یہ واقعہ نبی کریمؐ کے دنیاوی عروج کے وقت مدینہ میں ہوا (دیکھو بخاری) ایک عورت نبی کریمؐ کے پاس آئی اور اس نے ایک چادر نبی کریمؐ کو پیش کی اور کہا کہ یہ مینے آپکے لیے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے نبی کریمؐ کو اس کی ضرورت تھی آپنے اسکو لے لیا اور اسے پاجامہ کی جگہ پہن کر باہر تشریف لائے ایک آدمی نے اس چادر کو چھوا اور کہا کہ یہ مجھے دیدیجئے نبی کریمؐ نے کہا "اچھا" اور پھر آپ کچھ دیر باتیں کر کے اندر تشریف لے گئے اور اسے وہ چادر بھیجدی۔ لوگوں نے اسکو ملامت کی کہ کیا تو نہیں جانتا تھا کہ

رسول صلعم کو اس چادر کی ضرورت تھی اور وہ کسی سائل کو رد نہیں کرتے اُسنے جواب دیا کہ میں نے چاہا کہ میں اس چادر کا کفن اپنے لیے بناؤں۔ سہل روایت کرتا ہے کہ ایسا ہی ہوا وہ چادر اُس کا کفن بنی۔ (بخاری) بخاری اور مسلم میں سینکڑوں اس قسم کی احادیث ملیں گی جنہیں نبی کریم کے اعلیٰ اخلاق کی جھلک پڑتی ہے انکو یہاں اسلیئے نقل کیا ہے کہ تا پڑھنے والے کو آپ کے رحم اور محبت جو خلق اللہ کے ساتھ تھی اُسکا اندازہ ہو جائے

بعض دفعہ کہا جاتا ہے کہ رسول خدا صلعم قتل انسان کو معمولی بات سمجھتے تھے اور جان کو ضائع کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اصل واقعات سے بہت ہی دور ہے۔ اول تو اللہ تعالیٰ کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً جو شخص بغیر قصاص کے کسی کو مار دے یا بغیر فساد مٹانے کی نیت کے تو گویا اُسنے ساری انسانوں کو قتل کر دیا یعنی ایک شخص کا ناحق قتل ساری مخلوق کے قتل کے برابر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کو نبی کریم کتنا عزیز سمجھتے تھے مگر ذیل کے واقعہ سے نبی کریم کے عمل کا خوب پتہ لگتا ہے۔ مقداد نے نبی کریم کو کہا کہ میں کفار میں سے ایک شخص کو ملا وہ مجھ سے لڑنے لگا اور اُسنے میرا ایک بازو کاٹ دیا اور ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا اور کہا کہ میں خدا کا فرمانبردار ہوا۔ اے رسول خدا کیا میں اُسکو قتل کر دوں کیونکہ اُس نے میرا ہاتھ پہلے کاٹا تھا اور یہ کلمہ پیچھے کہا تھا۔ نبی کریم نے فرمایا کہ تم اُسکو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ اگر تم کرو تو وہ بمنزلہ تمھارے ہو گا جب تم نے اُسکو قتل نہیں کیا تھا اور تم اُس کی جگہ ہو گے جبکہ وہ ایمان نہیں لایا تھا مطلب یہ کہ اگر اُس کو قتل کرو گے تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ یہ بخاری کی حدیث ہے رسول اللہ کے اصل لفظ یہ ہیں قال رسول اللہ لاتقتلہ فان قتلتہ فانہ بمنزلتک قبل ان تقتلہ وانک بمنزلتہ قبل ان یقول کلمۃ التی قال۔ اسی قسم کی ایک اور حدیث ہے۔ بعثنا رسول اللہ صلعم فی سریۃٍ فصبحنا الحرقات من جھینۃ فادرکت رجلاً فقال لا الٰہ الا اللہ فطعنتہ فوقع فی نفسی من ذلک فذکرتہ للنبی صلعم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقال لا الٰہ الا اللہ و قتلتہ قال قلت یا رسول اللہ انما قالھا خوفاً من السلاح قال افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا فما زال یکررھا علیّ حتی تمنیت انی اسلمت یومئذٍ۔ نبی کریم نے ہمیں ایک قافلے کے ساتھ بھیجا۔ میں نے ایک شخص کو پکڑا اور اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہا مگر میں نے اُسے نیزہ سے مار دیا مگر میرے دل میں خدشہ ہوا اور میں نے نبی کریم سے ذکر کیا۔ نبی کریم نے فرمایا کیا اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا

اور تُو نے اُسے قتل کر دیا۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ اُس نے یہ میرے ہتھیار کے خوف سے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تُو نے اُس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا کہ اُس نے دل سے کہا ہے یا ڈر سے اور آپ نے اس کلمہ کو اسقدر دُھرایا کہ میں خواہش کرتا تھا کہ میں آج ہی ایمان لایا ہوتا یعنی اپنے کیے پر اسقدر نادم تھا۔

مسلمانوں کی کفار کے ساتھ ایک جنگ میں ایک کافر نے بہت سے مسلمانوں کو مار دیا پھر وہ ایک مسلمان کی زد میں آیا اور اس نے تلوار اُٹھائی کہ اس موذی کو قتل کر دے جب اُس نے تلوار سر پر دیکھی تو لا الٰہ الا اللہ کہدیا مگر مسلمان نے ہاتھ نہ تھاما اور کافر قتل ہو گیا۔ پھر وہ مسلمان نبی کریمؐ کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کیا تُو نے قتل کیا ہے اُس نے جواب میں بہت سے صحابیوں کے نام لیے جنکو اُس مقتول نے تہ تیغ کیا تھا نبی کریمؐ نے فرمایا حساب کے دن لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کرو گے اور آپ اُسکو دُہراتے رہے۔

ان واقعات سے بہت سے قیمتی نتائج پیدا ہوتے ہیں اول تو یہ کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں داخل ہوتے ہی سب گذشتہ عناد اور جھگڑے بند ہو جاتے ہیں بلکہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہی دشمن دوست بنجاتے ہیں اور یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ نبی کریمؐ اپنے سخت سے سخت مخالفوں کی جان بچانیکی کوشش کرتے رہے جنکو دنیا کا کوئی قانون موت کی سزا سے بچا نہیں سکتا تھا اور یہ بھی کہ نبی کریمؐ کو رات دن تڑپ لگی رہتی تھی کہ کسطرح کوئی روح نجات پا جائے یہانتک کہ قاتل موذی بھی اگر سزا کے وقت لا الٰہ الا اللہ کہدے تو اُسکو بھی چھوڑ دیا جاتا تھا اور یہ بھی ان واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ ایمان وہی ہے جو دل سے ہو چنانچہ صحابی کے عذر کی کہ اُس نے دل سے نہیں کہا تھا نبی کریمؐ نے تردید نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ تمہیں دل کے حالات کیسے معلوم ہو سکتے ہیں۔ ان سب واقعات پر غور کرنیسے پتہ لگتا ہے کہ نبی کریمؐ کا مسلمان بنانیکا ذریعہ تلوار نہیں تھی بلکہ تلوار تو کسی اور غرض کیلئے استعمال کی گئی تھی اور وہ غرض ان واقعات سے خوب کُھلتی ہے کیونکہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کو قتل سے سخت نفرت تھی اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی جان ضائع ہو۔ آپ نے ایسے مشکل وقت میں میدان کارزار میں صحابی کو ایک سخت دشمن کے قتل کرنیسے منع فرمایا تاکہ کوئی جان بے فائدہ ضائع نہ ہو اور کوئی روح ہدایت پانیسے محروم نہ رہے۔ یہ آپکا کمال رحم تھا۔ ایسا رحم اور ایسی ہمدردی سوائے نبی کریمؐ کے کسی میں نہیں پائی جاتی۔ یورپ کا عام خیال کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے کسی ایسی ہی روایت کی غلط فہمی سے پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور نبی کریمؐ کے رحم کے نمونے آخری ایام حیات تک ملتے ہیں۔ جب آپکی زندگی کی بڑی کامیابی کا دن تھا جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے قریش مکہ کو جو آپ کی جان کے دشمن تھے حضرت یوسفؑ کے الفاظ

میں جو قرآن کریم میں ہیں خطاب کیا۔ جب قریش سے پوچھا گیا کہ تم کس سلوک کی امید رکھتے ہو تو انہوں نے کہا وہی جو یوسفؑ نے اپنی بھائیوں کے ساتھ کیا اور گویا کہا لقد آثرك الله علينا وان كنا لخاطئين ۔ خدائے تعالیٰ نے آپکو ہمپر ترجیح دی ہے اور ہم تو غلطی ہی پر رہے ہیں۔ نبی کریم نے فرمایا لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو ارحم الراحمين ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں خدا انھیں معاف کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔

جو آخری لفظ آپ بولے وہ یہ تھے بالرفيق الاعلیٰ انگلی سر اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رفیق اعلیٰ سے اب ملنا ہوگا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ نبی کریم کا پیشہ محبت الٰہی تھی تو یہ سچائی کے بہت قریب ہوگا۔ شہروں اور جنگلوں میں کثرت اور قلت غربت اور امارت میں آپ خدا ہی کے نشان دیکھنے تھے۔ جنگوں میں لڑتے ہوئے بھی اور دوستوں میں بیٹھے ہوئے بھی گھر میں لیٹے ہوئے یا اونٹ پر سفر کرتے ہوئے آپکی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہی جاری رہتی تھی۔ اونٹ پر چڑھتے ہوئے۔ کھانا کھاتے ہوئے یا رات کو سوتے ہوئے سب وقتوں اور سب کاموں میں حمد الٰہی کرتے تھے۔ پہلا لفظ جو سونے سے اٹھکر آپ کی زبان مبارک سے نکلتا تھا وہ بھی حمد الٰہی پر مشتمل ہوتا تھا۔ نبی کریم صلعم کی ہر موقع کی دعائیں اصل الفاظ میں محفوظ ہیں اور ان سے ہم آپکی ذات اور اخلاق اور آپکی محبت کا جو ذات باری سے تھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں اسلام محبت کا مذہب نہیں ہے ہم انکو کہتے ہیں کہ اسقدر محبت کے الفاظ جو نبی کریم نے اللہ تعالیٰ کیلئے ہر موقع پر بولے ہیں تم اپنے مسیح کے کلام میں تو دکھاؤ کوئی اس کی دعائیں ہی ہوں جن میں اللہ تعالیٰ کو اس نے پکارا ہو مگر مسیح کے الفاظ جو ہمیں پہنچے ہیں وہ وہی دردناک فقرہ ہے جو صلیب کے موقعہ پر انکی زبان سے نکلا۔ ایلی ایلی لما سبقتانی اے میرے خدا اے میرے خدا تونے کیوں مجھے چھوڑ دیا غور کیجئے کیا یہ شاندار لفظ ہیں؟ قرآن شریف فرماتا ہے والذين آمنوا اشد حبا لله جو ایمان والے ہیں وہ خدا سے سب سے بڑھکر محبت کرتے ہیں۔ ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ۔ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو تو میری (یعنی رسول اللہ صلعم کی) پیروی کرو خدا تم سے محبت کریگا۔ ظاہر ہے کہ انسان کی زندگی کا بے تعداد محبتوں اور منافعوں پر مدار ہے جو اسے مختلف اشیاء کی طرف کھینچتی ہیں۔ بیوی بچوں کی محبت اپنے نفس کی محبت۔ خاندان اور دوستوں کی محبت اور اپنے وطن اور عام انسانوں کے

ساتھ ہمدردی یہ ہر ایک شریف انسان کی زندگی کے ضروری لوازمات ہیں۔ پھر آرام دہ گھر، عمدہ خوراک بھی انسان کی ضروریات ہیں اور اگر ہم گننے لگیں تو بے انتہا ضروریات انسانی معلوم ہونگی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ انسان ان میں سے کسی چیز کو بھی چھوڑ سکتا ہے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان سب سے یکساں محبت کرتا ہے۔ وقت آتے ہیں جب اُسے ایک کو دوسری کیلئے چھوڑنا پڑتا ہے۔ چھوٹی اُلفت کو بڑی کیلئے ترک کرنے کا عام قاعدہ معلوم ہوتا ہے۔ جب مختلف محبتوں کا مقابلہ ہوتا ہے تو یہی قانون کام آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ مجھ سے سب سے بڑھکر محبت کرو اُس کا یہی مطلب ہے کہ سب محبتوں کو خدائے تعالیٰ کی محبت کے نیچے رکھنا چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں جس چیز سے محبت ہو وہ خدا ہی کیلئے ہو۔ ہماری دوستی و دشمنی اور عزت سب خدائے تعالیٰ کیلئے ہو۔ دنیاوی خواہشات میں بھی اُسی کی رضامندی مدِ نظر ہو۔ اسطرح سے ہماری ادنیٰ خواہشات بھی خدائی رضا کے موجود ہونے سے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائیں گی۔ نبی کریم نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ عن انس عن النبی صلعم ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان ان یکون الله ورسوله احب الیه مما سواهما وان یحب المرءُ لا یحبه الا الله وان یکره ان یعود فی الکفر بعد ان انقذه الله منه کما یکره ان یقذف فی النار۔ جس میں تین صفات ہوں وہ ایمان کا مزہ پاگیا۔ یہ کہ اللہ اور رسول سے غیروں کی نسبت بڑھکر محبت ہو۔ اور یہ کہ کسی انسان سے اگر محبت ہو تو صرف اللہ ہی کیلئے ہو اور یہ کہ کفر میں لوٹ جانے سے ایسا ڈرے جیسا آگ میں داخل ہونے سے ڈرتا ہے۔"

کامل قدرت اور کامل ذات والے خدا کی رضا کے ساتھ کوئی کام بھی ادنیٰ اور کمینہ نہیں۔ وہ جس نے ہمیں نیستی سے ہست کیا ہے آئندہ ترقیات کیلئے بھی اپنے آپکو اُسی کے سپرد کرنا چاہیئے۔ اُسکی محبت انسان کی محبت سے متعارض نہیں ہے بلکہ انسانوں کی محبت کی صحیح وجہ ہی خدا کی محبت میں ملتی ہے۔ انسانوں سے محبت کے بارے میں نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے۔ لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لاخیه او لجاره ما یحب لنفسه۔ جو چیز تم اپنے لیئے پسند کرتے ہو وہی تمھیں اپنے بھائی کیلئے کرنی چاہیئے اور جب تک تم ایسا نہ کروگے تم مومن نہیں بن سکتے۔ ایک عیسائی فقرہ بھی اسی قسم کا مشہور ہے مگر

دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ یہ ہے ا۔" اور لوگوں سے ایسا سلوک کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے کریں۔" عیسائی قول کے مطابق ایک انسان اپنی ساری عمر بغیر ایک ہمدردی کا کام کرنیکے بھی گذار سکتا ہے اُس سے یہی چاہا گیا ہے کہ وہ بُرائی نہ کرے کیونکہ خود غرض انسان جو مالدار بھی ہے اور کسی کی حاجت بھی نہیں رکھتا اُسے کیا پڑی ہے کہ وہ لوگوں سے ہمدردی کرتا پھرے جب اُسے خود لوگوں کی ہمدردی کی ضرورت نہیں وہ کہتا ہے نہ کوئی ہم سے سلوک کرے اور نہ ہم کسی سے کرتے ہیں۔ قصہ تمام ہوا اور مسیح کے قول کے مطابق وہ پورا عامل ہے۔ اور جرائم کیلئے بھی یہ قانون کوئی مفید نہیں کیونکہ ایسے بدمعاش بھی دیکھے گئے ہیں جو بالکل لاابالی ہوتے ہیں اور وہ کھلے طور پر کہتے ہیں کہ جس کی مرضی ہو وہ جو چاہے ہمارے ساتھ کرے ہم اُسی طرح کریں گے جیسے ہم کرتے ہیں۔ اب مسیح کے قول کے مطابق وہ صحیح طور پر ہی سلوک کر رہے ہیں جو وہ دوسروں سے چاہتے ہیں۔ مگر نبی کریمؐ کا قول کیسا پُر حکمت ہے کہ دوسروں سے ایسا سلوک کرو جیسا تم اپنے نفس کے ساتھ پسند کرتے ہو اب اپنے نفس کے لئے بُرائی تو کوئی بے وقوف بھی نہیں چاہتا۔ پھر جو سلوک ایک انسان دوسرے سے امید کرسکتا ہے اُس میں اور جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اُس میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مسیح نے ہماری نیکی کو دوسروں کے سلوک پر منحصر رکھا ہے مگر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم پروا نہ کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کیا کرتے ہیں تم انکے ساتھ اپنی جان کی طرح نیکی کرو۔ مسیح کی تعلیم خود غرضی کی طرف مائل کرتی ہے مگر نبی کریمؐ کا قول اعلیٰ درجہ کی بے نفسی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں پھر اللہ تعالیٰ کے رحم کی طرف توجہ کرتا ہوں جس پر ہم سب کی نجات کا مدار ہے۔ قرآن شریف میں فرمایا ہے ا۔ اذا جاءك الذين يؤمنون بآياتنا فقل سلام عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة انه من عمل سوءً بجهالةٍ ثم تاب من بعده واصلح فانه غفور رحيم۔ جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو انکو کہو کہ تمہارے ربنے اپنے اوپر رحمت لکھ رکھی ہے جو کوئی تم میں سے جہالت کے ساتھ بدی کرے اور پھر توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ پھر فرمایا ہے۔ قل لعبادی الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعًا۔

میرے اُن بندوں کو کہدو جنہوں نے خطا کاری کی ہے کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔ بخاری میں آیا ہے جس کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے۔ "کیا تم نے دیکھا کہ ماں بچے کو کس طرح دودھ دیتی ہے مگر ہمارا خدا اُس سے بھی زیادہ مہربان ہے اور اُس کی رحمت قیامت کے دن سوگنا ہوگی"

اطلاع

چودھری غلام سرور رفانوگوسے۔ اور قاضی محمد عبداللہ منشی ضلعداری سرگودہ نے محض خدا کی خوشنودی اور سلسلہ کی خدمت کی خاطر احمدی احباب سے چندہ فراہم کرنیکی تکلیف گوارا فرمائی ہے خدائے تعالیٰ اُنکو جزائے خیر عطا فرماوے۔ اس غرض کیلیے چھپی ہوئی مجلد رسید بکیں اُنکو دیگئی ہیں۔ امید ہے کہ احباب چندہ کی وصولی میں اُنکی مدد فرماویں گے جو چندہ دیں گے اُنکو اُنکی تسلی کیلیے چھپی ہوئی رسید دیں گے جس کا مثنیٰ کاپی میں اُنکے پاس رہے گا۔ محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

احمدی۔ اس نام کا ماہوار رسالہ جس کا اشتہار اس میگزین میں پہلے شائع ہو چکا ہے مولوی قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق دہلی تراہا بہرام خاں نے جاری کیا ہے اس کا پہلا نمبر شائع ہو چکا ہے اس کا اصلی مقصد سلسلہ احمدیہ کے اندرونی مخالفوں کے اعتراضوں کا مفصل ومدلل جواب دینا ہے۔ پہلے نمبر میں آجکل کے مولویوں کا حسب پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل یہود ہونا مدلل طریق سے ثابت کیا ہے۔ قیمت سالانہ عہ

نظم براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱ - براہین احمدیہ حصہ پنجم کی ۸۰ سے زیادہ اشعار کی نظم کو جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کے ثبوت میں ایک اعلیٰ درجہ کی نظم اردو زبان میں ہے محمد یسین و محمد یٰمین تاجران قادیان نے الگ خوشخط لکھواکر شائع کیا ہے۔ احمدیوں کے لیے اس کا پڑھنا موجب ازدیاد ایمان ہے اور غیر احمدیوں میں اسکی اشاعت بہت مفید ہے

قیمت فی کاپی ۱ر

۲۰ کاپی کی قیمت عہ

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ جلسہ:۔ چونکہ سال گذشتہ کے جلسہ میں جو مارچ میں تعطیلات ایسٹر میں ہوا تھا احباب کو بہت سی دقتیں تھوڑے دن ملنے کی وجہ سے پیش آئی تھیں اسلئے مجلس معتمدین نے اس دفعہ دسمبر میں ہی جلسہ کے ہونیکا فیصلہ کیا ادھر ریل کے کرایہ میں گذشتہ سال کے برابر تخفیف بھی منظور ہو گئی۔ جلسہ کی تاریخیں ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر قرار دی گئیں۔ اس اعلان کے بعد حضرت خلیفۃ المسیحؓ کو گھوڑے سے گر جانیکی وجہ سے چوٹیں آئیں اور آپکی طبیعت ایسی ناساز ہوئی کہ آپ چارپائی سے اٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ آپکی اس علالت کی وجہ سے یہ خیال ہوا کہ بہتر ہو کہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی صحت یابی تک جلسہ کو ملتوی کر دیا جاوے چنانچہ آپکی خدمت میں عرض کیا گیا مگر آپ نے پسند نہ فرمایا کہ اب کسی قسم کی تبدیلی اعلان میں کیجاوے اس کی وجہ وہی تڑپ ہے جو آپ کے دل میں رکھی گئی ہے کہ کسی نیک نصیحت سے کسی متنفس کو فائدہ پہنچ جائے۔ کیونکہ فرمایا کہ آئندہ کی کیا خبر ہے۔ اس حالت میں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کچھ تکلیف اٹھا کر بھی کوئی نیک کلمہ لوگوں کے کانوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ مہمانوں کی آمد ۲۲ دسمبر سے ہی شروع ہو گئی۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی علالت طبع کی وجہ سے پروگرام کی کوئی تعیین نہ ہو سکی۔ جلسے کے پہلے دن یعنی ۲۵ دسمبر کو سب احباب نماز ظہر و عصر سے فراغت کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام کے صحن میں جمع ہو گئے۔ اور اسی جگہ بہت سی تکلیف اٹھا کر حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے ایک تقریر فرمائی جو اعلیٰ درجہ کی نیک نصائح اور پاکیزہ اخلاق کو اپنے اندر لیئے ہوئی تھی۔ یہ تقریر گو اخبار بدر میں شائع ہو چکی ہے مگر مزید اشاعت کے لیئے اسے اس جلسہ کی رپورٹ میں بھی درج کیا جاتا ہے۔ ۲۵ دسمبر کو جلسہ کی کارروائی اسی پر ختم ہوئی۔ ۲۶ دسمبر کا جلسہ دار العلوم کے میدان میں ہوا۔ ساڑھے دس بجے صبح کے سب احباب مسجد نور میں جمع ہو گئے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے دو گھنٹہ تک تقریر فرمائی اسکے بعد نماز ظہر و عصر جمع کر کے پڑھی گئی۔ نماز کے بعد اول جناب میر حامد شاہ صاحب نے اپنی نظم سنائی اور اس کے بعد جناب خواجہ کمال الدین صاحب وکیل کی تقریر ہوئی۔ یہی وقت رپورٹ سالانہ کے سنانے کا بھی تھا مگر وقت تھوڑا ہونیکی وجہ سے رپورٹ کے متعلق اسیقدر کافی سمجھا گیا کہ موٹی موٹی رقوم آمد و خرچ سے خواجہ صاحب ہی اپنی تقریر کے اثنا میں احباب کو مطلع فرما دیں جن میں کل آمد قریباً ننا نوے ہزار اور خرچ قریباً چورانوے ہزار دکھایا گیا۔ خواجہ صاحب کی تقریر کے آخر میں کسیقدر چندہ بھی ہوا۔ چونکہ اس سال کے اثنا میں تعمیر کے چندہ کیلیے احباب کو بہت کچھ کوشش کرنی پڑی تھی اس لیے جلسہ کے موقعہ پر مستقل سرمایہ کے چندہ یا کسی اور چندہ

کیلئے کوئی خاص تحریک کی جانی مناسب نہیں سمجھی گئی تاہم ایام جلسہ میں سات ہزار روپے کے قریب دفتر محاسب میں آیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ ۲۷ دسمبر کی صبح کو حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کا وعظ جامع مسجد میں ہوا اور نماز ظہر و عصر کے بعد پھر سب احباب صحن مدرسہ میں حضرت خلیفۃ المسیح سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ پالکی میں تشریف لائے اور گو ۲۵ دسمبر کو زیادہ دیر تک بلند آواز سے تقریر کرنے اور کثرت سے احباب سے ملاقات اور مصافحہ کی وجہ سے آج کے دن آپکی طبیعت ایسی کمزور تھی کہ ڈاکٹر صاحبان نے یہی مشورہ دیا تھا کہ آپ بولیں نہیں مگر پھر بھی اس دردمند دل نے اپنی تکلیف کی پروا نہ کر کے چند کلمات جماعت کو سنائے۔ اسکے بعد میر عابد علی شاہ صاحب نے مختصر طور پر چند باتیں فرمائیں اور پھر مسجد مبارک میں کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کا اجلاس ہوا۔ کانفرنس میں اہم امر جو طے ہوا وہ مجلس معتمدین کا یہ رزولیوشن تھا کہ جملہ انجمنہائے احمدیہ یہ کوشش کریں کہ ہر ایک احمدی دوست اپنی ماہوار آمد میں سے کم از کم بحساب دو پیسے فی روپیہ چندہ چار مدات یعنی لنگرخانہ۔ مدرسہ تعلیم الاسلام۔ مدرسہ احمدیہ۔ اور اشاعت اسلام کیلئے دیں اور ایسے معاونین کی تعداد کو دس ہزار تک پہنچانیکی کوشش کی جاوے۔ یہ بھی قرار پایا کہ سب انجمنیں تین ماہ کے اندر اندر ایسے معاونین کی فہرستیں تیار کر کے دفتر صدر انجمن احمدیہ میں بھیجدیں اور اس چندہ کی باقاعدہ وصولی ہوتی رہے جو چندہ اسطرح پر آئیگا وہ دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ میں ان جملہ مدات میں تقسیم ہو کر داخل ہو جایا کریگا۔ اور انجمنوں کو اپنی اپنی جگہ تقسیم مدات کی ضرورت نہیں ہوگی اور حساب میں آسانی ہوگی۔ نیز کانفرنس نے جملہ انجمنوں کو قواعد شائع شدہ صدر انجمن احمدیہ کی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔ اس کانفرنس کے بعد نماز مغرب ہوئی اور اسکے بعد جملہ سکرٹری و پریزیڈنٹ صاحبان انجمنہائے احمدیہ جو کانفرنس میں جمع تھے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسجگہ پھر آپ نے اتفاق اور وحدت کی طرف توجہ دلائی اور باہمی نزاع اور فساد کے بدنتائج سے ڈرایا۔ عہدہ داروں کو سمجھایا کہ انکے فرائض کسقدر نازک ہیں اور انکو ہدایت کی کہ وہ دوسروں کیلئے نمونہ بنیں۔ گو اعلان کے مطابق ۲۷ دسمبر کو سالانہ جلسہ ختم تھا مگر دو نہایت ضروری لیکچر ۲۸ دسمبر کی صبح کو ہوئے۔ یہ دونوں تقریریں پشتو زبان میں تھیں۔ اور غرض انکی یہ تھی کہ جو افغان لوگ علاقہ کابل اور سرحد سے آئے ہوئے تھے اور جن میں سے بعض ایسے تھے جو اردو کی تقریروں سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے انہیں بھی کچھ سنا دیا جاوے۔ چنانچہ ان تقریروں میں جن میں سے پہلی تقریر جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی تھی اور دوسری ملا سید احمد نور صاحب کی۔ ہر دو صاحبان

نے حاضرین کو فوائد و برکات برٹش گورنمنٹ سے آگاہ کیا اور یہ سمجھایا کہ سلسلہ احمدیہ ان تمام خیالات کا استیصال کرتا ہے
جو جہاد کے متعلق خصوصاً سرحدی لوگوں اور افغانوں کے دلوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ بتایا کہ کس طرح پر اس گورنمنٹ کے
نیچے ہمیں وہ مذہبی آزادی حاصل ہے جو اسلامی سلاطین کے نیچے ہمیں نہیں مل سکتی۔ یہ جلسہ کی مختصر کیفیت
ہے۔ مہمانداری کے انتظام میں بہت سے احباب نے نہایت سرگرمی اور جوش سے کام کیا۔ بیرونی احباب میں سے
اس دفعہ صرف مولوی عمرالدین صاحب مدرس صریح اور ان کے ساتھی تھے جن کے سپرد کھانا پکوانے کا انتظام تھا۔
جزاہم اللہ خیراً۔ آئندہ کیلئے تجویز ہے کہ باہر کے احباب کو زیادہ حصہ اس کام میں دیا جاوے۔ اس سے یہ بھی فائدہ
ہوگا کہ وہ اپنی اپنی جماعتوں کی ضرورتوں کو بہتر سمجھیں گے اور اس طرح پر شکایت کا موقعہ کم ہوگا۔ مدرسین
میں سے ماسٹر عبدالعزیز صاحب اور منشی اکبر شاہ خاں صاحب نے قابل تعریف مستعدی سے کام کیا گو محنت
اور جانفشانی سے تو سب ہی کام کرتے ہیں مگر بٹالہ میں مہمانوں کے استقبال اور انکی اسائش کا انتظام
اس ساری کام میں ایک ایسا حصہ ہے جس میں بہت سے دینی فوائد کی بھی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اس جگہ
جانیوالے احباب عملی طور پر جلسہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اس فرض کے ادا کرنے میں بہت
سے احباب کو معذوریاں پیش آجاتی ہیں۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے دلی خلوص سے اس کام کو اپنے ذمہ لیا
اور میاں غلام قادر و منشی غلام محمد وغیرہ دیگر احباب انکے ساتھ شامل ہوئے جزاہم اللہ خیراً۔ میں اس بات
کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب بعض احباب نے بٹالہ جانے میں عذر کیا تو قاضی امیر حسین صاحب نے
نہایت خوشی سے اس کام کو اپنے ذمہ لینا چاہا مگر چونکہ کھانا پکوانے کے انتظام میں انکی یہاں بھی ضرورت تھی
اسلئے قاضی صاحب کو اسی جگہ رکھا گیا۔ قاضی صاحب کا نمونہ ہماری بہت سے دوستوں کیلئے قابل تقلید ہے۔
قادیان میں مہمانوں کے استقبال اور انکے اسباب وغیرہ کو اتار کر ڈیروں میں پہنچانیکا کام اور پھر کھانا کھلانے
میں مدد دینے کا کام منشی اکبر شاہ خان صاحب اور انکے ساتھ کے نوجوان طالبعلموں نے قابل تعریف
مستعدی سے کیا۔ ایسا ہی منشی برکت علی صاحب و میاں فخرالدین صاحب و ماسٹر فقیر اللہ صاحب
و شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی نے بھی شب و روز محنت اور جانفشانی سے مہمانوں کی آسائش کے
لئے ہر طرح سے کوشش کی۔ روشنی کا انتظام ماسٹر محمد دین صاحب کے سپرد تھا اور پانی کا میاں شادیخان صاحب
کے اور دونوں صاحبوں نے اپنے فرائض کی ادائگی میں پوری سرگرمی سے کام کیا۔ حساب کتاب
جلسہ کا کام شیخ محمد نصیب صاحب محرر اول دفتر سکرٹری کے سپرد تھا۔ اور انہوں نے قابل قدر محنت

اور دیانت سے اس کام کو سرانجام دیا۔ اور کسی قسم کی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھا۔ باورچی خانہ کیلئے اشیاء مہیا کرنیکا کام حکیم محمد عمر خاں صاحب کے سپرد تھا اور انکے ساتھ سیکھواں کے مخلص اور محنتی دوست میاں امام الدین۔ میاں جمال الدین اور میاں خیر الدین اور بعض اور احباب تھے۔ جو کھانا کھلانے میں بھی مدد دیتے رہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو اور ان دوسرے احباب کو جن کے نام طوالت کے خوف سے میں لکھ نہیں سکتا بہت بہت جزائے خیر دے اور انکی ہمت اخلاص اور جوش میں برکت دے آمین۔ ہاں ایک امر کا اظہار ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مہمانوں کی تعداد کی کوئی تعیین نہ ہو سکنے سے منتظمین کو بہت سی مشکلات ہوتی ہیں۔ ہمارے مہمان خدا کا شکر ہے کہ اس بات کو سمجھتے ہیں اور اگر کوئی تکلیف بھی پیش آجائے تو اسے خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔ چونکہ جو لوگ انکی مہمانداری کا انتظام کرتے ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہے میں امید کرتا ہوں کہ اگر کوئی نقص بھی کثرت کار کی وجہ سے ہو جاوے تو وہ وسعت حوصلہ سے کام لیکر ان احباب کیلئے دعائے خیر کریں گے۔

اس مختصر کیفیت کے بعد میں اس نہایت ضروری چٹھی کی طرف سب احباب کو توجہ دلاتا ہوں جو علیحدہ چھپواکر مختلف انجمنوں میں جا چکی ہے۔ اور یہ استدعا کرتا ہوں کہ جہاں کہیں ہمارے دوست ہوں وہ اس تجویز کو جو اس چٹھی میں درج ہے بہت جلد عملدرآمد میں لانیکی کوشش کریں۔ وہ چٹھی اگلے صفحہ پر درج ہے۔

تعمیر فنڈ:۔ بورڈنگ ہوس کی عمارت جسے جلسہ پر آئے ہوئے احباب دیکھ چکے ہیں تکمیل کیلئے بہت سا روپیہ چاہتی ہے اسکے لئے میں بھی جملہ انجمنوں اور سب احباب کی خدمت میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ ایک ماہ کی سالم تنخواہ والی تجویز کی طرف بہت جلد توجہ کیجاوے۔ ابھی ہمارے دوستوں میں کثرت سے ایسے احباب ہیں جنہوں نے تعمیر کا چندہ اس تجویز کے مطابق ادا نہیں کیا۔ سب انجمنیں بہت جلد توجہ کریں۔

مدرسہ احمدیہ۔ مدرسہ احمدیہ کی بنیاد رکھے جانے پر بعض احباب نے خاص اس مد کیلئے چندوں کے وعدے کئے تھے جبتک کہ اس چٹھی جو ساتھ شائع کیگئی ہے عملدرآمد ہو۔ مدرسہ احمدیہ احباب کی خاص توجہ کو چاہتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت ابھی تک علیل چلی جاتی ہے۔ اصل زخم اچھا ہو گیا تھا مگر قریب ہی یعنی جبڑے کی ہڈی کے نیچے کچھ پیپ ہو گئی۔ آج ۱۶ جنوری کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسپر ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے بڑی کامیابی سے اپریشن کیا۔ سب احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نافع وجود کو شفائے عاجل اور کامل عطا فرماوے۔ آمین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مکرم بندہ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کے اجلاس منعقدہ ۲۷ - دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء میں منجملہ اور امور کے جو پیش ہوئے ایک اہم امر مجلس معتمدین کی یہ تجویز تھی کہ جملہ انجمنہائے احمدیہ یہ کوشش کریں کہ انکے سب ممبران کم از کم بحساب دو پیسے فی روپیہ اپنی ماہوار آمد میں سے سلسلہ کی چار بڑی مدات یعنی لنگرخانہ - ہائی سکول - مدرسہ احمدیہ اور اشاعت اسلام کیلیئے چندہ دیں - اور کہ ایسے معاونین کی تعداد کو دس ہزار تک پہنچانیکی کوشش کیجاوے جس جوش اور اخلاص سے مختلف انجمنوں کے سکرٹری یا پریزیڈنٹ صاحبان نے اس موقعہ پر اس تجویز کی تائید کی اس سے مجھے یقین ہوتا ہے کہ کانفرنس کی اس کارروائی کی بنا پر جو اپیل میں آپ کی خدمتمیں اسوقت کرتا ہوں وہ بے سود نہ ہو گی -

گذشتہ سال کی آمد پر جب میں نظر کرتا ہوں جس کی اطلاع مفصل عنقریب آپ کو بذریعہ مطبوعہ رپورٹ پہنچیگی تو اس میں چار مدات مذکورہ بالا کی کل آمد اس سال کی ۰-۸-۲۰۱۵۹ نظر آتی ہے جسمیں سے نصف سے کچھ زیادہ یعنی ۳-۷-۱۰۵۲۲ لنگرخانہ کی آمد ہے اور نصف سے کچھ کم باقی تینوں مدات کی تعلیم الاسلام ۶-۸-۴۹۴۵ اشاعت اسلام ۹-۱۱-۳۴۱۷ مدرسہ احمدیہ ۶-۱۲-۱۲۷۳ - ان میں سے دو مدات ایسی ہیں جنکی آمد کا ذریعہ سوائے چندہ کے کچھ نہیں یعنی لنگرخانہ اور مدرسہ احمدیہ - اور دوسری دو مدات یعنی تعلیم الاسلام ہائی سکول میں علاوہ چندہ کے سرکاری گرانٹ - عید فنڈ - فیس کی آمد اور اشاعت اسلام میں فروخت رسالہ کی آمد علاوہ چندہ کے ہے - جس کا نتیجہ یہ ہے جیسا کہ رپورٹ سے آپ کو معلوم ہو گا کہ ہائی سکول کو چھوڑ کر جسکو مختلف قسموں کی مدد پہنچنے سے دوسرے ذرائع سے خاصی آمد ہو جاتی ہے یعنی چار ہزار روپے کے قریب فیس کی امداد تین ہزار سے اوپر سرکاری گرانٹ اور عید فنڈ کی آمد - باقی تینوں مدات میں خرچ آمد سے بڑھا رہا - اسطرح پر کہ اشاعت اسلام میں خرچ آمد سے ۹۸۷ زیادہ ہے - مدرسہ احمدیہ میں ۱۱۹۹ اور لنگرخانہ میں ۱۰۲۵ - یہ تو گذشتہ کیحالت ہے اور آیندہ کیلیئے اس سے بھی زیادہ مشکلات نظر آتی ہیں ایک مدرسہ احمدیہ کے لیئے ہی ۵۹۴۴ یعنی قریباً چھ ہزار روپیہ خرچ کا اس سال میں بکار ہے - اور یہ خرچ سوائے چندہ کے اور کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا - ادھر آمد کا اگر یہی حال ہے تو بارہ تیرہ سو سے بڑھنے کی امید کم ہے - یہی وہ حالات ہیں جنپر غور کر کے گذشتہ پیوستہ سال کی رپورٹ میں اس امر کی طرف احباب کو توجہ دلائی گئی تھی کہ "اگر ہم انجمنوں کے ذریعہ صرف دس ہزار آدمیوں سے بھی باقاعدہ چندہ وصول کر سکیں اور یہ دس ہزار آدمی عہد کر لیں کہ وہ اپنی آمد میں سے دو پیسے فی روپیہ اس سلسلہ کی

اغراض لنگرخانہ، مدرسہ احمدیہ و اشاعت اسلام کیلئے دیدیں گے تو پانچہزار روپے ماہوار یا ساٹھہزار روپے
سالانہ کی مستقل آمد اس ذریعہ سے ہو سکتی ہے" اب ایک اور سال کا تجربہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہمیں اس تجویز کو
عملی رنگ میں لانیکے لیئے کوئی دن کیا کچھ گھنٹے بھی ضائع نہیں کرنے چاہییں۔ اور جس طرح ممکن ہو اس
تجویز کو عملی جامہ بہت جلد پہنانا چاہیئے۔ مجلس معتمدین اور پھر کانفرنس انجمنہائے احمدیہ نے بھی اس ضرورت کو
سخت محسوس کیا ہے اور اس لیئے ان سب باتوں کو آپ کی خدمتمیں پیش کرکے میں یہ درخواست آپکی خدمتمیں
کرتا ہوں کہ آپ اس امر کو کسی قریب تر اجلاس انجمن میں پیش کرکے ان سب احباب کو جو اس سلسلہ میں
شامل ہیں پُرزور تحریک کریں کہ وہ اس تجویز پر کاربند ہوں۔ مانا کہ ہماری کوئی قہری حکومت نہیں۔
ہم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ ضرور اتنا چندہ دو اور وعدہ کرکے وقت پر نہ دو تو ہمارے پاس کوئی ذریعہ
نہیں کہ ہم جبراً اس موعودہ رقم کو بھی وصول کر سکیں۔ لیکن کیا اس سلسلہ میں جو لوگ داخل ہوتے
ہیں وہ جبراً ہوئے ہیں۔ یا اب انکو کوئی مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اس میں شامل رہیں۔ ہمارے جو احباب انشراح صدر
سے اس سلسلہ میں شامل ہیں۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ سب احباب انشراح صدر سے ہی اسمیں شامل
ہیں۔ کیا وہ اس بات سے ناواقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس سلسلہ کو اس زمانہ میں قائم کرنیکی غرض
ہے ہی خدمت اسلام اگر اس میں ہو کر بھی ہم خدمت اسلام میں حصہ نہیں لیتے تو عملی رنگ میں ہم اس
سلسلہ میں نہیں کہلا سکتے۔ اور فرضی طور پر ایک ایسے سلسلہ میں رہنے سے حاصل کیا ہے جو دنیا
کی طرف سے مورد طعن و ملامت ہو رہا ہے اور تکفیر کا نشانہ بن رہا ہے۔ ایمانی رنگ میں یہ ماننا کہ حضرت مرزا
غلام احمد صاحب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور وہی مسیح اور مہدی تھے جسکے آنیکا وعدہ دیا گیا تھا اور
عملی رنگ میں اسلام کی خدمتمیں لگے رہنا یہ دونوں امر سلسلہ میں شمولیت کے لیئے ضروری ہیں جیسا کہ اگر
یہ سلسلہ خدانخواستہ خدمت اسلام کے کام کو چھوڑ دے تو پھر یہ مسیح موعودؑ کا سلسلہ نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح
پر اگر کوئی شخص اس سلسلہ میں شامل ہو کر خدمت اسلام کے کام کو چھوڑتا ہے۔ تو وہ بھی عملی طور پر سلسلہ میں
داخل نہیں کہا جا سکتا۔ خدمت اسلام کے کیا کیا پہلو ہیں انکی بنیاد خود بانی سلسلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے رکھدی ہے۔ اور انہی کاموں میں حصہ لیکر ہم عملی طور پر اس سلسلہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔
انہی کاموں کو چلانیکے لیئے ایک یہ تجویز ہے جو اسوقت آپ کی خدمتمیں پیش کیجاتی ہے۔
دو پیسے فی روپیہ اپنی آمد میں سے اس سلسلہ کے لیئے کاٹ دینا کوئی ایسی درخواست نہیں

جیسے غریب سے غریب شخص بھی جو اس سلسلہ میں شامل ہو پورا نہ کرسکتا ہو۔ یہ کوئی جان کی قربانی نہیں کوئی عزت و وجاہت کی قربانی نہیں۔ ان بڑی بڑی دنیوی امیدوں کی قربانی نہیں جو ہر ایک دل میں ہوتی ہیں۔ ہاں ایک مالی قربانی ہے اور وہ بھی بہت چھوٹے پیمانہ پر۔ مگر یاد رکھو کہ اس تمہاری چھوٹی سی قربانی سے دنیا میں عظیم الشان کام ہو سکتے ہیں۔ کتنی چھوٹی سی بات ہے کہ جو شخص سولہ روپیہ ماہوار کماتا ہے وہ یہی سمجھ لے کہ میں سولہ نہیں ساڑھے پندرہ کماتا ہوں۔ جو بتیس روپے کماتا ہے وہ اپنے نفس کو آسانی سے سمجھا سکتا ہو کہ میں بتیس نہیں اکتیس کماتا ہوں۔ یاد رکھو کہ اس چھوٹے سے حصہ کے کاٹ دینے میں تمہارا نقصان کوئی نہیں اور فائدے بہت سے ہیں۔ اس حصہ کے خدا کی راہ میں خلوص نیت سے کاٹ دینے سے تمہارے اموال پاک ہو جائیں گے اور انہیں برکت ہوگی تمہارے ایمان عملی رنگ اختیار کرکے مضبوط ہو جائیں گے۔ تم انصار اللہ کہلاؤ گے تم دنیا میں بڑے بڑے کاموں کو سرانجام دیکر ایک بڑی قوم بن جاؤ گے۔ تم اللہ کے نزدیک اجر و ثواب کے مستحق ٹھہرو گے۔ تم سے پہلے ان لوگوں نے جنکے نقش قدم پر تمھیں چلنے کا دعویٰ ہے وہ وہ قربانیاں کرکے دکھائی ہیں کہ مالوں گھروں جائدادوں قریبیوں رشتہ داروں عزت و وجاہت سب کچھ قربان کرکے آخر جانیں بھی قربان کردیں۔ انکے نام آسمان پر روشن ستاروں کی طرح دنیا کی آخر تک چمکیں گے۔ ان مثالوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور اسی راہ پر قدم مارنیکی کوشش کرو۔ اگر تم میں سے وہ اشخاص ہیں جنہوں نے اپنی کل کی کل امیدوں کو خدا کی راہ میں قربان کردیا۔ یا جنہوں نے اپنے مالوں کے بڑے حصے کو خدا کی راہ میں صرف کردیا تو تم خود ہی غور کرکے دیکھ لو کہ آیا وہ فی الواقع دنیا میں غریب اور ذلیل ہو گئے اور معیشت کی تنگی ان پر وارد ہو گئی؟ اور اگر تم میں سے وہ اشخاص ہیں جنہوں نے اپنے مالوں کے کسی معتد بہ حصہ کو اس راہ میں آجتک صرف نہیں کیا تو کیا وہ اس کے نہ دینے سے دنیا میں معزز اور امیر بن گئے ہیں؟ یہ مال جو تم کماتے ہو یہ تو کسی نہ کسی طرح فنا ہوتے چلے ہی جاویں گے مبارک ہے وہ جو انکے کسی حصہ کو قربان کردیتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ حصہ ہے جو بیج کی طرح بویا جاتا ہے اور جو آخر کار وہ ثمر لاتا ہے جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ پس اب بھی گذشتہ نقصان کی تلافی کے لیئے کمربستہ ہو جاؤ۔ ہمنے آگے

سب مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔

یاد رہے کہ اس تحریک سے یہ غرض ہے کہ (۱) جو احباب ابتک چندہ نہیں دیتے یا دو پیسے فی روپیہ یعنی اپنی آمد کے بتیسویں حصہ سے کم چندہ دیتے ہیں انسے کم از کم اس حساب سے چندہ لیا جاوے نہ یہ کہ جو احباب اب زیادہ چندہ دیتے ہیں وہ اسے کم کردیں۔ (۲) چندہ کی وصولی باقاعدہ ماہوار ہوجاوے دینے والے بھی یہ کوشش کریں کہ مہینہ کے مہینہ اس رقم کو شروع سے ہی کاٹ کر الگ کردیں اور وصول کرنیوالے بھی یہ کوشش کریں کہ وہ دوسرے مہینہ تک بقایا نہ رہنے دیں کیونکہ اسطرح سے دینے والے کے لیئے مشکل ہوجاتا ہے (۳) نئی فہرستیں اگر ممکن ہو تو ۳۱ جنوری تک ورنہ اخیر فروری تک ضرور دفتر سکرٹری میں پہنچ جانی چاہییں تاکہ یہاں بھی حساب کتاب جملہ چندہ دہندگان کا کھول دیا جاوے اور بقایا وغیرہ کا مطالبہ کیا جاسکے۔

نوٹ جو احباب وصیت کے رو سے دسواں حصہ آمد دیتے ہیں ان کے سب چندے اسی دسویں حصہ میں شامل سمجھے جاویں گے۔

نوٹ:- یہ نہایت ضروری ہے کہ اس جلسۂ انجمن میں سب احباب کو جمع کرنیکی کوشش کی جاوے اور جو نہ شامل ہوسکیں۔ انکو اس تجویز میں شامل کرنے کے لیئے ہر ایک انجمن میں سے ایسے تین مستعد احباب جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ یہ جوش ڈالے انکے پاس گھروں میں جاویں اور حتی الوسع یہ کوشش ہو کہ کوئی فرد اس سے باہر نہ رہے۔ والسلام

خاکسار
محمد علی

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان
مورخہ ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آج کل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کے لیئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اس کے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق کی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضانِ چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلیئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اول قسم عما قسم دوم عہ قسم سوم عہ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اول للعہ جس کو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع مرح مشتہی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر جذام و استسقاد زردی رنگ تنگی نفس و دق و تسیحوجیت و فساد بلغم و قاتل کرم شکم متفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل بول سیلان منی و یبوست درد مفاصل غیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ قیمت فی تولہ ؏

لنگیاں اور کلاہ :- ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی سوتی ٹسری صاف سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں عا سے ۲۵ تک۔

حمائل خورد روسی ہدیہ عہ۔ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد قیمت عہ

المشتہر :- احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور۔ (پنجاب)

فہرست مضامین رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو بابت سال ۱۹۱۱ء

قادیان ضلع گورداسپور سے ہر مہینہ کی ۲۰۔ تاریخ کو صدر انجمن احمدیہ کے

اہتمام سے شائع ہوتا ہے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۲

چندہ سالانہ | عوام سے ؏ طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- فروری سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام*

پیشتر اس کے کہ میں اصل مضمون کو شروع کروں۔ میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمام احمدیہ قوم کی طرف سے کنونشن آف ریلیجنس (جلسہ مذاہب) کے معزز بانیان کا شکریہ ادا کروں جن کی قابل تعریف کوششوں سے اس کنونشن کا دوسرا جلسہ الہ آباد میں قائم ہوا۔ فی الحقیقت احمدیہ جماعت اس کنونشن کے ذریعہ اپنے مقدس امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی اس خواہش کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہی ہے جو عرصہ دراز سے آپ کے دل میں تھی اس آخری زمانہ کے مصلح کی یہ بڑی خواہش تھی کہ مختلف مذاہب کے لیڈر ایک جگہ جمع ہو کر ایک ہی پلیٹ فارم سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ اور کوئی شخص دوسرے مذاہب کے بانیوں یا مقدس کتابوں پر حملہ نہ کرے۔ اس تجویز کے پیش کرنے سے آپکی غرض یہ تھی کہ آجکل جو مذہبی عداوت اور قومی نفرت کا بازار گرم ہے وہ ٹھنڈا ہو کر اسکی جگہ

---

* یہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے جو حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ نے جلسۂ الہ آباد کیلئے تحریر فرمایا اور جناب مولوی صدرالدین صاحب بی۔اے۔ بی۔ٹی۔ نے ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کو جلسۂ مذکور میں پڑھکر

دوستانہ اتحاد اور برادرانہ محبت کا بیج بویا جاوے۔ آج سے پندرہ سال پہلے یعنی ۱۸۹۵ء میں جبکہ احمدیہ فرقہ ابھی ابتدائی حالت میں تھا آپنے ایک اشتہار شائع کیا جس کا مدعا یہ تھا کہ مذہبی تحقیق کیلیئے ایک کانفرنس یعنی مجلس قائم کی جاوے جس کا صدر مقام قادیان ہو اور مختلف مذاہب کے علماء و فضلاء ایک مجلس میں جمع ہوکر اور تعصب و ضد سے خالی ہوکر اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں اور ایک دوسرے کے دلائل کو ٹھنڈے دل سے سنیں اور اُنپر غور کریں۔

اُس اشتہار میں اس کانفرنس کے اجلاسوں کی کارروائی کے لیئے ایک قاعدہ آپنے یہ تجویز کیا تھا کہ کوئی صاحب اپنی تقریر میں کسی دوسرے مذہب کا ذکر کنایۃً یا اشارۃً بھی نہ کریں۔ مگر بعض ایسے وجوہات سے جنکا ذکر کرنا میں یہاں مناسب نہیں سمجھتا اس مجوزہ کانفرنس کا انعقاد نہ ہوسکا مگر فرقہ احمدیہ کے بانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی خواہش کو خدائے تعالیٰ نے اس رنگ میں پورا کردیا کہ دوسرے سال ہی دسمبر میں جلسہ اعظم مذاہب مقام لاہور میں قائم ہوا اور جو پرچہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے اُس جلسہ میں پڑھا گیا وہ نہایت مقبول ہوا اور تمام فرقوں اور قوموں کے لوگوں نے اُس کو سُنکر بلا اختیار نہایت مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ مگر افسوس ہے کہ جلسہ اعظم مذاہب (دھرم مھوتسو) کا اس کے بعد کوئی دوسرا اجلاس نہ ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج کل لوگوں میں مذہبی امور کی طرف بہت ہی کم توجہ ہے۔ اس سے دو سال بعد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اُسی تڑپ کی وجہ سے جو آپ کو مختلف مذاہب کے لوگوں میں صلح کے خیالات پھیلانے کے بارے میں تھی ایک میموریل برٹش گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجا۔ اور اُس میں سرکار انگریزی سے یہ استدعا کی کہ چونکہ مذہبی مباحثات میں بعض لوگ حد سے بڑھ جاتے ہیں اور سرکار

انگریزی نے جو مذہبی آزادی دے رکھی ہے اُس سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر عداوت اور بُغض اور بدامنی کا بیج بو رہے ہیں۔ اس لیئے بعض ایسے قواعد پاس کیئے جاویں جن سے اِس بدی کا انسداد ہو اور اس کے لیئے عملی تجاویز پیش کیں مگر گورنمنٹ ان تجاویز پر عمل نہ کر سکی۔ پھر بھی اس صلح کے رسول کا حوصلہ کچھ کم نہ ہوا اور اُس نے ۱۹۰۸ء میں اپنا صلح کا پیغام پھر پبلک کو پہنچایا مگر پیشتر اس کے کہ آپ کا یہ **پیغام صلح** چھپکر شائع ہو سکے وہ صلح کا پیغام پہنچانے والا اس عالم سے رخصت ہو کر اپنے **رفیق اعلیٰ** سے جا ملاقی ہو۔ اور اُس کا **پیغام صلح** اُسکی رحلت کے بعد شائع ہوا۔ اُس **پیغام صلح** میں آپ نے جو اصول صلح کی بنیاد ڈالنے کے لیئے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مختلف ممالک میں مختلف کتابوں کے ذریعہ جو مختلف قوموں میں مختلف نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوئیں اپنے تئیں ظاہر کیا ہے۔ اور یہ کہ خدائے تعالیٰ کے مکالمات اور الہامات کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہوا اور نہ آئندہ کبھی بند ہو گا۔ اور آپ نے اس پیغام میں کُل قوموں کو مدعو کیا ہے کہ وہ اس اصول کو قبول کریں تا صلح کی بنیاد محکم طور پر قائم ہو جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ احمدیہ سلسلہ اس مذہبی کنونشن میں نہایت ہی گہری دلچسپی لیتا ہے جس کے پہلے اجلاس کا اعلان **پیغام صلح** کے شائع ہونے سے صرف ۶ ماہ بعد ہوا۔

اسلام کی تصویر آپ صاحبان کے سامنے پیش کرتے ہوئے میں اُس اصول کی پیروی کروں گا جو سب سے پہلے سلسلہ احمدیہ کے مقدس بانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے قائم کیا اور وہ اصول یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو دعویٰ اپنے مذہب کے متعلق پیش کرے اُس کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اُس دعویٰ کو اپنی ہی الہامی کتاب میں سے پیش کرے اور جو دلیل اُس دعوے کے ثبوت میں پیش کرے وہ دلیل بھی اُسی الہامی کتاب میں سے پیش کرنی چاہیئے تا ایسا نہ ہو کہ مدعی سُست۔ گواہ چست کی مثل صادق آئے۔ پس اسی اصول کے مطابق میرے تمام دعاوی اور دلائل قرآن شریف سے ہی ماخوذ اور اُسی پر مبنی ہونگے۔ درحقیقت یہ نہایت ہی ضروری امر ہے کہ

ہر ایک شخص جو کسی کتاب کو الہامی سمجھتا ہے اور اُس کو خدا کا کلام یقین کرتا ہے اُسے چاہیئے کہ اپنے مذہب کے اصول کی تشریح کرتے ہوئے اس الہامی کتاب سے باہر نہ جائے یا ایسے دلائل پر انحصار نہ کرے جو اُس کی مسلّمہ الہامی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ اس کی پابندی کرنے سے ایک مذہب کی حقیقت بہت جلد کھُل سکتی ہے۔

مَیں نے اپنے مضمون کا عنوان "محمدی مذہب" کی بجائے "اسلام" تجویز کیا ہے کیونکہ یہی نام قرآن مجید میں اس مذہب کو دیا گیا ہے۔ یہ اس مذہب کی پہلی خصوصیت ہے کہ جس نام سے یہ مذہب مشہور ہے وہ اُس کے پیرؤوں نے بعد میں بانی مذہب کے نام پر تجویز نہیں کیا بلکہ جس مذہب کی ایک مسلمان پیروی کرتا ہے وہ ایسا مذہب ہے کہ خود اُس کتاب میں اُس کے لیئے ایک نام تجویز کیا گیا ہے جس کو وہ الہامی کلام مانتا ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا دین اسلام ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا ہے وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ - ۱) یعنی خدائے تعالیٰ نے تمھارے لیئے الاسلام کا دین پسند کیا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام کا نام ایک پُر معنی نام ہے بلکہ یہ نام تمام قرآن کی تعلیم کا ایک خلاصہ ہے اس کے اصلی معنے ہیں صلح کرنا اور صلح اسلام کی کُل تعالیم کی روح ہے۔ قرآن مجید کے رُو سے مسلمان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے صلح کر لے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (بقرہ - ۱۳) اور چونکہ وہ خدائے تعالیٰ سے پوری صلح رکھتا ہے۔ اس لیئے اُسکو ہمیشہ اطمینان قلب اور راحت حاصل رہتی ہے۔ (وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ۔ نحل - ۱۴)۔ جب ایک مسلمان دوسرے بھائی کو ملتا ہے تو اُسے سلام یعنی صلح ہی کا تحفہ دیتا ہے اور بہشت میں بھی مسلمان ایک دوسرے کی ملاقات کیوقت سلام ہی کہیں گے۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ (یونس - ۱) یعنی بہشت میں اہل جنّت کی دعائے ملاقات سلام ہوگی۔ بلکہ جس

بہشت کا قرآن شریف نے نقشہ کھینچا ہے اُس میں سوائے سلام کے اور کوئی بات نہ ہوگی۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّ لَا تَأْثِیْمًا اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝ (واقعہ - ۱) یعنی جنت والے بہشت میں کوئی بیہودہ یا گناہ کی بات نہیں سُنیں گے مگر یہی کہنا کہ سلام ہے سلام ہے۔ قرآن شریف میں اَلسَّلَامُ خدائے تعالیٰ کا ایک نام ہے جس کے معنے ہیں امن اور سلامتی کا سرچشمہ۔ (حشر - ۳) اور جس منتہیٰ کی طرف اسلام بلاتا ہے اُس کا نام بھی دارالسلام ہے یعنی سلامتی کا گھر۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ۔ (یونس - ۳) یعنی اللہ تعالیٰ سلامتی کے مقام کی طرف بلاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سلامتی اور صلح اسلام کے مذہب کی روح ہے کیونکہ سلامتی ہی اس کا سرچشمہ ہے جس سے یہ پیدا ہوتا ہے اور سلامتی ہی اُس کا ثمرہ ہے جو اس سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیئے اسلام سب سے بڑھ کر ایک صلح اور سلامتی کا مذہب ہے اور اس سلامتی اور صلح کی تعلیم پر احمدیہ سلسلہ خصوصیت کے ساتھ زور دیتا ہے۔

اسلام کے اصول پر بحث کرنے سے پہلے مَیں چاہتا ہوں کہ آپ صاحبان کی توجہ اسلام کی ایک اور خصوصیت کی طرف پھیروں۔ یہ کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب اپنی اصلیت کے لحاظ سے ایک ہیں اور شکل میں مختلف۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جس کو آجکل عام طور پر قبول کیا جاتا ہے مگر جب اسلام دنیا میں نمودار ہوا اُس وقت اِس صداقت کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اِس روشن صداقت کے لیئے مقدر تھا کہ اس کا سب سے پہلے ایک ایسے شخص کے مُنہ سے اعلان کیا جاوے جو ایک ایسے ملک کا رہنے والا تھا جو کبھی کسی مہذب قوم کے زیر اثر نہیں رہا تھا اور جو بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اُس ملک کے باشندے مُدت سے غیر ممالک کے باشندوں کو گویائی کی قوت سے محروم خیال کرتے تھے اور جو لفظ انہوں نے غیر ملک کے باشندوں کے لیئے تجویز کیا ہوا تھا یعنی عجم

اُسی لفظ کے معنے گونگے اور بے زبان کے بھی تھے۔ ایسے ملک میں مذہب اسلام پیدا ہوا اور یہی مذہب تھا جس نے قومی علیحدگی کے برخلاف آواز اٹھائی اور یہ قومی علیحدگی اگرچہ ہر ایک جگہ موجود تھی مگر سب سے بڑھکر یہ روح اہل عرب کی قوم میں پائی جاتی ہے جو سب دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہتے تھے۔ پہلا لفظ جو ایک مسلمان کو سکھایا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص قوم یا خاص قبیلہ یا فرقہ کا رب نہیں بلکہ تمام نوع انسان اور تمام عالمین کا رب ہے۔ اور اسلیئے پہلی شرط اسلامی برادری میں داخل ہونیکی یہ تھی کہ انسان نہ صرف اُس وحی کی صداقت پر ایمان لائے جو اسلام کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی بلکہ جو کچھ اُس نبیؐ کے ظہور سے پہلے دنیا کے تمام انبیاءؑ پر نازل ہوا اُس سب پر ایمان لائے ابتداء ہی میں قرآن مجید کھلے الفاظ میں یہ بیان کرتا ہے کہ اسکی ہدایتیں صرف ایسے لوگوں کے لیئے رہنمائی کا موجب ہونگی جو اُس وحی پر ایمان لائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُتاری گئی اور نیز جو کچھ اس نبیؐ سے پہلے اُتارا گیا اُسپر ایمان لاویں۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ - ۱) جابجا قرآن مجید کی نسبت فرمایا ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی یہ اُس سچائی کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ اس لیئے ایک مسلمان نہ صرف قرآن شریف کی صداقت پر ایمان لاتا ہے بلکہ وہ تمام الہامی کتابوں پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ کسی ملک میں اور کسی زمانہ میں نازل ہوئی ہوں۔ وہ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے بلکہ وہ تمام انبیائے عالم کو خدا کی طرف سے مامور اور خدا کے فرستادے یقین کرتا ہے خواہ وہ کسی قوم کے نبی ہوں اور کسی زمانہ میں مبعوث ہوئے ہوں۔ یہ خیال کرنا ایک غلطی ہے کہ قرآن کریم صرف اُنہی انبیاءؑ کو خدا کی طرف سے بیان کرتا ہے جو قوم اسرائیل میں پیدا ہوئے۔ اور یہ کہ اُس کے نزدیک الہامی کتابیں صرف توریت - زبور اور انجیل ہی ہیں۔ قرآن مجید کھلے الفاظ میں فرماتا ہے

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۔ یعنی کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نذیر (خدا کی طرف سے ڈرانے والا) نہ گذرا ہو۔ (فاطر - ۳) اور اس سے چند آیات آگے چلکر فرماتا ہے وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۔ (فاطر - ۴) یعنی جو کتاب ہم نے تیری طرف وحی کی ہے وہ حق ہے اور جو سچائیاں اس کے پہلے موجود ہیں اُنکی تصدیق کرتی ہے۔ اور چونکہ دنیا کے تمام انبیاءؑ کے نام قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں جیساکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن - ۸) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے۔ اُن میں سے بعض کا ذکر ہم نے تجھے سنایا ہے اور بعض کا ذکر تجھے نہیں سنایا اس لیئے ایک مسلمان کے اعتقاد کو مندرجہ ذیل عام الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۵ (بقرہ - ۴۰)

پس احمدیہ سلسلہ کا مقدس بانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) قرآن شریف کی صریح تعلیم کے باہر نہیں گیا جب آپنے یہ اعلان کیا کہ ”قرآن مجید اپنے پیرؤوں کے لیئے یہ لازمی ٹھہراتا ہے کہ وہ اُن تمام انبیاءؑ کو قبول کریں جن کو انسانی نسل کی ایک عظیم تعداد نے قبول کیا ہے“ اور جبکہ آپنے اس سے بھی زیادہ کھلے الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ ”وہ مقدس نفوس جن کے ذریعہ آریہ ورت کے لوگوں کو ہدایت پہنچائی گئی اور آریہ قوم کے دیگر راستباز لوگ جیسے رام چندرؑ اور کرشنؑ یہ سب خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے جنپر اُس نے اپنا فضل نازل فرمایا اور جنپر اُس نے اپنی برکات کی بارش برسائی“۔

اس لیئے اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے پیرؤوں سے

یہ منواتا ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے ادیان جو اسلام سے پہلے دنیا میں موجود تھے اُن سب کی بنیاد الہام الٰہی پر تھی۔ اور اس طرح اسلام جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے دنیا کے تمام مذاہب کے درمیان صلح اور اتحاد کی بنیاد ڈالتا ہے۔ قرآن کریم کے رو سے دنیا کے تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہی ہے جس سے وہ شروع ہوتے ہیں یعنی الہام الٰہی۔ مگر اسلام کا بڑا کام صرف یہی نہیں تھا کہ وہ اس نئی صداقت کا وعظ کرے جس کا پہلے کسی شخص نے وعظ نہیں کیا تھا بلکہ اسلام کا کام یہ بھی ہے کہ وہ اُن غلطیوں کی اصلاح کرے جو مرورِ زمانہ کی وجہ سے پہلے مذہبوں میں داخل ہوگئی تھیں۔ اور صداقت کو جھوٹ اور غلطی سے الگ کر دے اور نیز یہ کہ وہ اُن صداقتوں کا وعظ کرے جن کا سوسائٹی کے خاص حالات کی وجہ سے اور نوع انسان کی ابتدائی حالت کے سبب کسی نبی نے پہلے وعظ نہیں کیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام سچائیاں جو پہلے کسی ملک کی کسی الہامی کتاب میں پائی جاتی تھیں اُن سب کو انسان کی ہدایت کیلئے ایک جگہ جمع کر دے اس لیئے اسلام یہ امر اپنے لیئے بطور امتیازی نشان کے پیش کرتا ہے کہ وہ آخری شریعت اور کامل ہدایت ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝ (مائدہ - ۵) یعنی آج مینے تمھارا دین تمھارے لیئے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا ہے اور مینے اسلام کا دین تمھارے لیئے پسند کیا ہے۔ جو بات اسلام میں اور باقی ادیان میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ یہ انکی طرح ایک الہامی مذہب ہے اور اسلام میں اور دوسرے مذاہب میں فرق یہ ہے کہ اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا آخری اور کامل الہام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس پر یہ کامل اور جامع کلام نازل ہوا اُس کا نام خاتم النبیین رکھا گیا اور اُس آخری کتاب کی نسبت کہا گیا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ یعنی

پاک صفحات جن میں تمام درست کتابیں شامل ہیں۔ (بعینہ)

جہانتک اس مضمون کا دائرہ مجھے اجازت دیتا تھا میں اس بارے میں کہ دنیا کے مذاہب میں اسلام کیا درجہ رکھتا ہے اور دنیا کی الہامی کتابوں سے قرآن مجید کو کیا نسبت ہے کافی بیان کرچکا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ اپنے مضمون کے لیئے بطور تمہید کے اسلام کی ایک اور خصوصیت کا یہاں ذکر کردوں۔ اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ اسلام بلاشک وشبہ ایک تاریخی مذہب ہے اور بانی اسلام (علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام) ایک تاریخی انسان ہے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے نزدیک مسلّم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ایک واقعہ ہم تاریخ کی مدد سے پڑھ سکتے ہیں۔ اور قرآن مجید جو کہ اسلام کے تمام روحانی۔ اخلاقی اور تمدنی قواعد کا سرچشمہ ہے بقول باسورتھ سمتھ "ایک ایسی کتاب ہے جو کہ اپنے اصل اور اپنی حفاظت کے لحاظ سے بالکل بے نظیر ہے اور جس کے مستند اور صحیح ہونے کی نسبت کوئی شخص شبہ نہیں کرسکتا"۔ میور بھی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ "دنیا بھر میں غالباً کوئی اور ایسی کتاب نہیں جو ۱۲۰۰ سال تک ایسی محفوظ رہی ہو جیسا کہ قرآن مجید اور وہ دان ہیمر کے اس قول کی تصدیق کرتا ہے" کہ جیسا مسلمانوں کو اس امر کا یقین ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام ہے ایسا ہی ہمیں یقین ہے کہ یہ بعینہ وہی قرآن ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مُنہ سے نکلا" یعنی اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ چونکہ ہر ایک مسلمان کے پاس ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو صدہا سال سے بالکل محفوظ چلی آتی ہے جس میں اُس کی روحانی اور اخلاقی بہتری کے لیئے کامل ہدایتیں موجود ہیں اور چونکہ اُس کے سامنے ایک ایسے عظیم الشان اور مقدس نبی کا نمونہ موجود ہے جسکی زندگی میں اُس کو ہر ایک موقع اور ہر ایک کام کے لئے مثالیں ملتی ہیں اسلیئے اُسکو یقین ہے کہ اُس نے کسی ایسی سچائی کو ترک نہیں کیا جو کسی قوم پر کسی زمانہ میں نازل ہوئی اور اُس نے کسی ایسی خوبی کو رد نہیں کیا جو کسی نیک انسان کی زندگی میں ملتی ہے۔ اسطرح وہ نہ

صرف تمام الہامات کی صداقت پر ایمان لانا اور تمام قوموں کے مقدس لیڈروں کو قبول کرتا ہے بلکہ وہ آخری اور کامل الہام کی پیروی کرکے اُن تمام مستقل اور دائمی سچائیوں کی بھی پیروی کرتا ہے جو دنیا کی الہامی کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور سب سے اکمل اور احسن اُسوہ کی پیروی کرکے وہ تمام نیک آدمیوں کی اُنکے نیک کاموں میں پیروی کرتا ہے اور یہ کامل اُسوہ وہ ہے جس کے تمام فعل بقول باسورتھ سمتھ جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اسلام کے بڑے بڑے اصول قرآن مجید کے ابتدا ہی میں بیان کیئے گئے ہیں سورہ بقرہ کے ابتدا میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ یہ کتاب (اس میں کچھ شک نہیں) متقیوں کے لیئے ہدایت ہے۔ یعنی اُنکے لیئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنکو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو تیری طرف اُتارا گیا اور اُس پر جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا اور جن کو آخرت پر یقین ہے۔ ان آیات میں اُن ضروری اصول کا ذکر ہے جو ہر ایک مسلمان کو ماننے پڑتے ہیں۔ ان آیات میں تین ضروری اعتقادوں کا ذکر ہے اور دو بڑے بڑے اعمال کا۔ پیشتر اسکے کہ میں اِن پانچ امور پر یکے بعد دیگرے بحث کروں میں اتنا ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام میں صرف اعتقاد کچھ حیثیت نہیں رکھتا جبتک کہ اسکے ساتھ عمل نہ ہو۔ قرآن مجید میں بار بار مومنوں کی تعریف میں لکھا ہے:۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی وہ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ اعتقاد صحیح کی مثال ایک بیج کی طرح ہے اور یہ بیج بڑھکر اُسی صورت میں ایک درخت بن سکتا ہے جبکہ اُس کو زمین میں سے غذا حاصل ہو۔ یہ غذا ایمان کے بیج کو اعمال صالحہ کے ذریعہ پہنچتی ہے۔

ایک اور بات جو اِن پانچ اصول اعتقادی و عملی کے متعلق یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ان پانچوں امور کو تمام نسل انسان کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مانتی ہے یہ پانچ اصول جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے یہ ہیں (۱) خدا کی ہستی پر ایمان جو غیب ہے (۲) الہام الٰہی پر ایمان (۳) آخرت پر ایمان (۴) عبادت الٰہی جو محبت الٰہی کا سرچشمہ ہے (۵) صدقہ و خیرات اپنے وسیع معنوں میں۔

اِن پانچ امور میں سے آخری دو اعمال کے متعلق ہیں اور ان میں سے ایک کا تعلق حق اللہ سے ہے اور دوسرے کا تعلق حقوق العباد اور دیگر مخلوقات کے حقوق سے ہے۔ یہ پانچ امور اعتقادی اور عملی ایسے ہیں جن کو اصولی طور پر کل قومیں تسلیم کرتی ہیں اور دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی بنیاد انہی پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے یہ پانچ بنیادی اصول انسانی فطرت کے صفحہ پر نقش کیئے ہوئے ہیں۔ اس لیئے انکے قبول کروانے کے لیئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں بجز اس کے کہ کل نسل انسان عام طور پر ان کو قبول کرتی ہے اور یہ کہ یہ اصول انسان کی فطرت میں نہایت گہرے طور سے گڑے ہوئے ہیں۔ اب میں انپر قرآنی تفصیل کے مطابق علیحدہ علیحدہ بحث کرتا ہوں۔

(۱) تین اعتقادی امور میں سے پہلا امر خدائے تعالیٰ کی ہستی کا اعتقاد ہے۔ انسان سے ایک بالاتر ہستی پر اعتقاد ابتداء سے جہانتک تاریخ کے ذریعہ ہمیں پتہ ملتا ہے چلا آتا ہے مگر مختلف قومیں مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں خدائے تعالیٰ کی نسبت مختلف قسم کے تصور رکھتی رہی ہیں اوّلاً اسلام ایک ایسے خدا کو پیش کرتا ہے جو تمام قومی دیوتوں اور مقامی معبودوں سے بالاتر ہے۔ اسلام کا خدا کسی خاص قوم کا خدا نہیں جو صرف اسی قوم کی پرورش کرے بلکہ اُس کو قرآن شریف کے ابتداء میں ہی رب العٰلمین یعنی سب عالموں کا رب بیان کیا گیا ہے۔ اسطرح ایک طرف تو خدائے تعالیٰ کی ربوبیت کو وسیع قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف اخوت کے دائرہ کو ایسی وسعت دی گئی ہے کہ روئے زمین کی تمام قومیں اس میں شامل کی گئی ہیں اور اسطرح انسانی ہمدردی کے احاطہ کو بہت وسعت

دی گئی ہے۔ قرآن کریم کا بڑا مضمون جس کو بہت زور سے بیان کیا گیا ہے وہ توحید الٰہی
کا مضمون ہے۔ خدائے تعالیٰ کی ذات میں خالص وحدانیت ہے جس میں کسی قسم کی شرکت
یا کثرت کی گنجایش نہیں ہو سکتی۔ اسلام میں توحید خدائے تعالیٰ کے تصور کی کلید ہے۔ اسلام
اس بات سے انکار کرتا ہے کہ خدا میں ایک سے زیادہ اشخاص یا اقنوم شامل ہیں اور وہ اس بات
کو تسلیم نہیں کرتا کہ دنیا کے معاملات میں اُس کے ساتھ کوئی اور ہستی بھی شریک ہے۔
نہایت ہی اعلیٰ اور نہایت ہی کامل صفات اسکی طرف منسوب ہیں مگر رحمت کی صفت
سب صفات پر غالب ہے۔ قرآن شریف کی ہر ایک سورۃ الرحمٰن اور الرحیم کے ناموں کے
ساتھ شروع ہوتی ہے جن الفاظ کے ساتھ ان ناموں کا انگریزی اور اردو زبان میں ترجمہ کیا
جاتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کے اُس وسیع اور بلیغ رحم کو پورے طور پر ظاہر نہیں کرتے جو
کہ رحمٰن اور رحیم کے ناموں میں پایا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَرَحْمَتِیْ
وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف - ۱۹) یعنی میری رحمت ہر ایک چیز کو جو وہم میں آسکتی ہے
گھیرے ہوئے ہے۔ اس لیئے جس رسول نے خدائے تعالیٰ کی اس عالمگیر رحمت کا
وعظ کیا اُسے قرآن شریف میں نہایت مناسب طور پر رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء-۷)
کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ توحید الٰہی کے اس یگانہ واعظ کے وہم و گمان میں بھی کبھی ایسا
خدا نہیں آسکتا تھا جو ہر ایک موجود چیز کا پیدا کرنے والا نہ ہو۔ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور
علم میں اس قسم کی کمی ڈالنا اُس نبی کے نزدیک خدائے تعالیٰ کی طرف ایک ایسا عیب منسوب
کرنا تھا جس سے اُس کی عظمت اور علوّ شان بالکل مٹ جاتے۔ قرآن شریف کی چھوٹی
سورتوں میں سے ایک سورۃ کے آخری کلمات اس طرح پر ہیں:۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ٥ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ
الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ٥ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ
الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥ (حشر - ۳) وہ ہے اللہ جس کے سوا کوئی

معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ بادشاہ۔ بہت پاک۔ سلامتی کا سرچشمہ۔ امن کا دینے والا۔ سب کا نگہبان۔ غالب۔ ہر ایک نقصان کی تلافی کرنے والا۔ ہر ایک بڑائی کا مالک اللہ پاک ہے اُس چیز سے جسکو اُس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ وہ ہے اللہ ہر ایک چیز کا بنانے والا۔ تمام موجودات کا پیدا کرنے والا۔ اور تمام صورتوں کا بنانے والا۔ تمام خوبصورت اور اعلیٰ نام جو وہم میں آسکتے ہیں اُس کی طرف منسوب ہیں۔ ہر ایک چیز جو آسمان میں یا زمین پر ہے اُسی کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ ہر ایک چیز کو سننے والا۔ ہر ایک چیز کو دیکھنے والا۔ ہر ایک مصیبت سے نجات دینے والا۔ فیاض۔ مہربان۔ بخشنے والا۔ اور قریب ہے جو نیکی کو پسند کرتا اور بدی سے نفرت کرتا ہے۔ اور جو تمام انسانی اعمال کا محاسبہ لے گا۔

پس اسلام اگرچہ دوسرے مذاہب کی طرح خدائے تعالیٰ کی ہستی پر اپنی بنیاد رکھتا ہے مگر اس میں اور دوسرے مذاہب میں یہ فرق ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی ذات کی طرف ایک خالص وحدانیت منسوب کرتا ہے جس میں کسی قسم کی شرکت کی گنجائش نہیں اور وہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اُسکے علم پر کوئی اس قسم کی حدبندی نہیں کرتا جیسی کہ خدائے تعالیٰ کو روح اور مادہ کا خالق نہ ماننے سے لازم آتی ہے۔ اور نہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی انسان کی شکل میں ڈھل سکتا ہے۔ اگر نسلِ انسان عام طور پر خدائے تعالیٰ کی ہستی کو مانتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ایسی کامل اور خوبصورت اور اعلیٰ صفات والے خدا سے نفرت کرے جس کو اسلام پیش کرتا ہے۔

(۲) دوسرا اعتقادی اصول جس کو اسلام پیش کرتا ہے وہ الہام الٰہی پر ایمان ہے اور یہ ایمان صرف اُسی وحی الٰہی تک محدود نہیں جو قرآن شریف میں پائی جاتی ہے بلکہ اس میں تمام زمانوں اور روئے زمین کی تمام قوموں کے الہامات شامل ہیں۔ اگرچہ تمام مذاہب کی بنیاد الہام الٰہی پر ہے۔ مگر اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں کسی نہ کسی رنگ میں الہام الٰہی کی حدبندی کی گئی ہے۔ بعض مذاہب کے پیرؤوں کا یہ اعتقاد ہے

کہ الہام صرف ایک ہی مرتبہ ہوا۔ بعض اُس کو صرف خاص قوم تک محدود خیال کرتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ایک خاص زمانہ کے بعد الہام کا دروازہ مسدود ہو چکا ہے۔ مگر اسلام جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت علم۔ ربوبیت اور دیگر صفات کو وسیع بیان کرتا ہے ایسا ہی اُس میں الہام الٰہی کے متعلق بھی وسیع خیالی پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید الہام کے بارے میں نہ زمانہ کے لحاظ سے کوئی حد بندی قائم کرتا ہے اور نہ مورد الہام کی قومیت کے لحاظ سے وہ کسی حد بندی کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کے رُو سے تمام قوموں پر ایک نہ ایک زمانہ میں الہام الٰہی نازل ہوا اور یہ الہام الٰہی کے دروازہ کو اب بھی اور آئیندہ کے لیئے بھی اسی طرح کھُلا ہوا بتاتا ہے جیسا کہ زمانہ ماضی میں کھُلا ہوا تھا۔ الہام الٰہی کی مدد کے بغیر کوئی قوم خدا رسیدہ نہیں بن سکتی تھی۔ اس لیئے یہ ضروری تھا کہ خدائے تعالیٰ جو تمام دنیا کا رب ہونیکی وجہ سے تمام انسانوں کے لیئے بلا امتیاز قوم ملک جسمانی ضرریات کا سامان مہیا کرتا تھا۔ اُسی طرح اُنکی روحانی ضروریات کا سامان بھی اُنکے لیئے مہیّا کرتا۔ پس اگرچہ دوسرے مذاہب الہام الٰہی کے وجود کو ماننے میں اسلام کے ساتھ شریک ہیں مگر اسلام اُنکی طرح کسی پہلو سے وحی الٰہی کی حد بندی جائز نہیں سمجھتا۔

ایک اور پہلو کے لحاظ سے بھی الہام الٰہی کے متعلق اسلامی عقیدہ دوسرے مذاہب کے اعتقاد سے ممتاز ہے۔ اور وہ امتیاز یہ ہے کہ وہ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ خود خدائے تعالیٰ انسان کی شکل اختیار کرکے ہمارے درمیان میں ظاہر ہو۔ یعنی وہ خدائے تعالیٰ کے تجسم کے عقیدہ کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ بات عام طور پر قبول کی جاتی ہے کہ مذہب کا سب سے اعلیٰ مقصد خدائے تعالیٰ سے ملنا ہے۔ اسلام کے رُو سے یہ غرض اس طرح حاصل نہیں ہو سکتی کہ خود خدائے تعالیٰ مجسم ہو کر زمین پر ظاہر ہو اور ہمارے ساتھ میل جول اختیار کرے بلکہ وہ غرض اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ انسان نفسانی خواہشوں اور ادنےٰ ارادوں سے پاک ہو کر روحانی طور پر درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہوا خدا کی طرف بڑھے۔ وہ کامل وجود جو دنیا پر خدا کا چہرہ ظاہر کرتا ہے وہ خدا نہیں ہوتا جو انسان کی شکل میں مجسم ہو کر ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ ایک انسان ہوتا ہے

جس کی ذات خدائے تعالیٰ کی محبت میں بھسم ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ خدائی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اُس کا نمونہ دوسروں کے لیئے ایک محرّک ہوتا ہے اور وہ دوسروں کی پیروی کیلیئے ایک اُسوہ حسنہ بن جاتا ہے وہ اپنی مثال سے یہ دکھاتا ہے کہ کس طرح ایک محض انسان خدا سے مل سکتا ہے اسی وجہ سے اسلام میں اس وسیع اصول کی تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی شخص اس سے محروم نہیں کیا گیا کہ وہ خدا سے ملے اور الہام الٰہی کے سرچشمہ سے سیراب ہو اور یہ کہ یہ انعام اُس کامل وحی کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے جو قرآن شریف میں موجود ہے۔

(۳) آخرت پر ایمان بھی ایک ایسا اعتقاد ہے جو سب مذہبوں میں پایا جاتا ہے اور ایک مسلمان کے اعتقادی اصول میں یہ تیسرا اصل ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو اعمال انسان اِس عالم میں کرتا ہے اُنکے لیئے وہ ایک دوسرے عالم میں جوابدہ ہوگا۔ دوسرے عالم کا مسئلہ جیسا اسلام میں کھولکر بیان کیا گیا ہے ایسی صفائی سے کسی اور مذہب میں بیان نہیں کیا گیا۔ اسلام کی تعلیم کے بموجب دوسری زندگی موجودہ زندگی سے کسی لمبی چوڑی حد فاصل کے ذریعہ جدا نہیں کی گئی بلکہ آنے والی زندگی اسی زندگی کے سلسلہ میں واقع ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل - ۲) یعنی ہم نے اسی زندگی میں انسان کے اعمال کے نتائج اُس کی گردن کے ساتھ لگا دیئے ہیں اور ان مخفی نتائج کو قیامت کے دن ایک کتاب کی شکل میں نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ پھر اسی سورۃ میں ایک اور مقام پر فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل - ۸) یعنی جو شخص اس عالم میں (روحانی طور پر) اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اس آیت کے رُو سے انسان کی دوزخی زندگی جس کو اندھاپن کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی عالم میں شروع ہو جاتی ہے اسی طرح بہشتی زندگی بھی اسی عالم سے شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف

فرماتا ہے یَآ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ (فجر) یعنی اے اطمینان یافتہ دل اپنے رب کی طرف واپس آ - اس حال میں کہ تیرا رب تجھ پر راضی ہے اور تو اپنے رب پر راضی ہے اس لیے میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے جنّت میں داخل ہو جا۔

عقبیٰ کے متعلق قرآنی تعلیم سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دوسری زندگی کا بہشت اور دوزخ انہی نیک یا بداعمال کے روحانی نتائج کی محض تصویریں ہیں جو انسان اس دنیا میں کرتا ہے مثلاً دوزخ کی آگ اِس زندگی کی دل کی سوزشوں کی ایک واضح تصویر ہے اور اُس زندگی کے زنجیر اِس زندگی کی اُن خواہشات کی تصویریں ہیں جو انسان کو ہر وقت زمین کی طرف جھکائے رکھتی ہیں علیٰ ہٰذا القیاس جنّت کی نعمتیں صرف اُس روحانی راحت اور لذّت کی تصویریں ہیں جو راستباز لوگ اسی عالم میں محسوس کرتے ہیں۔

اب مَیں مختصراً اسلام کے اُن تین اصول کا ذکر کر چکا ہوں جو اعتقاد سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے ساتھ میں یہ بھی ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ایمان بالغیب میں وہ وسائط بھی شامل ہیں جن کو ہم ملائکہ کہتے ہیں اور جو کہ خدائے تعالیٰ اور انسان کے درمیان بطور واسطہ کے کام کرتے ہیں - لیکن ایمان بالملائکہ کا یہ مطلب نہیں کہ محض زبانی طور پر اس مضمون کے چند کلمات زبان پر جاری کیے جاویں - برخلاف اسکے - ایک سچّے مسلمان کی زندگی پر اس ایمان کا ایک عملی اثر واقع ہوتا ہے - مَلَک کا کام ہے کہ وہ انسان کو نیکی کی ترغیب دیتا ہے اور ملائکہ کو ماننے کا یہ مطلب ہے کہ فوراً اس ترغیب کے بعد اُس نیکی پر عمل کرے یہ ہے اصلی حقیقت ایمان بالملائکہ کی۔

اس کے بعد مَیں اسلام کے اُن دو اصول کی .... طرف رجوع کرتا ہوں جو عمل سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں اسلام میں

اعمال مذہب کا ایسا ہی ضروری جزو ہیں جیسا کہ ایمان - اسلام کے علاوہ جو مذاہب دنیا میں موجود ہیں وہ دو اقسام میں منقسم ہوتے ہیں اوّل وہ جنہوں نے مذہب کے عملی پہلو کو بالکل فراموش کر دیا ہے اور دوسرے وہ جنہوں نے اپنے پیروؤں کے سروں پر رسومات کا ایک پہاڑ لاد دیا ہے اور چھوٹی چھوٹی رسوم کے پیچ در پیچ پھندوں میں اُن کو جکڑ دیا ہے۔ اسلام ان دونوں قسم کے مذاہب کے درمیان ایک اوسط حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام انسان کے قویٰ کی تکمیل کیلئے عام ہدایتیں دیتا ہے اور پھر ہر ایک شخص کے لیئے کافی گنجائش چھوڑتا ہے کہ وہ موقعہ اور محل دیکھکر اُن ہدایات کو کام میں لاوے۔ اگر مذہب کے ساتھ ایک مضبوط عملی پہلو نہ ہو تو ایسا مذہب جلد ہی ایک خیالی مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اُس کا انسان کی عملی زندگی پر کوئی اثر نہیں رہتا۔ اسلام کے احکام دو حصوں پر منقسم ہیں ایک حصہ حقوق اللہ کے متعلق ہے اور دوسرا حصہ حقوق العباد کے متعلق ہے اور اِن دونوں قسموں کے احکام انسانی فطرت کے اُس گہرے علم پر مبنی ہیں جو اُس فطرت کے خالق کو ہی ہو سکتا تھا اور اُس کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ وہ انسان کی ترقی کے تمام مرحلوں کو اپنے اندر لیئے ہوئے ہیں اور اس لیئے اُن میں مختلف اقوام کی ضروریات کے لیئے عجیب موزونیّت پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں جیسا کہ ایک معمولی درجہ کے انسان کے لیئے ہدایات ملتی ہیں ایسا ہی اُس میں بڑے بڑے حکماء اور فلاسفروں کے لیئے بھی ارشادات موجود ہیں اور جیسا کہ ادنےٰ درجہ کی قوموں کے لیئے یہ کتاب ایک ہدایت نامہ ہے ایسا ہی نہایت ہی مہذب قوموں کے لیئے بھی یہ نور اور ہدایت اور شفاء ہے۔ اس کے احکام کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آسانی سے قابل عمل درآمد ہیں اور اس لیئے جیسا کہ اسلام کے اصول وسیع اور عالمگیر ہیں ایسا ہی اس کے احکام بھی وسیع اور عالمگیر ہیں جو تمام زمانوں اور تمام قوموں کی ضروریات کے لیئے نہایت موزون ہیں۔

سورہ بقرہ کی وہ آیات جو میں اوپر درج کر چکا ہوں وہ اسلام کی تعلیم کو (جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں) خلاصہ کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ وہ دو اصول جو عمل سے تعلق رکھتے ہیں جب انکو وسیع معنوں میں لیا جاوے تو وہ علی الترتیب اُن احکام کو ظاہر کرتے ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے متعلق ہیں صلوٰۃ یا نماز میں انسان اپنے دل کے خیالات کا اظہار کرتا۔ خدائے تعالیٰ کے آگے عاجزی سے التجا کرتا اور روح کی نہایت ہی سچی خواہشوں کو ادب اور انکسار کے ساتھ روح کے خالق کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام میں جیسا دوسرے اصول کی توسیع اور تکمیل کی گئی ہے ایسا ہی عبادت کے مسئلہ کو بھی انتہائی نقطہ تک پہنچایا گیا ہے۔ قرآن مجید کے رو سے عبادت اُس تزکیۂ قلب کا سچا ذریعہ ہے جس کے بغیر انسان خدائے تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور جو کہ خدائے تعالیٰ سے ملنے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (عنکبوت - ۵) یعنی جو کچھ کتاب میں سے تیری طرف وحی ہوا ہے اُسے پڑھکر سُنا اور نماز پر قائم رہ کیونکہ نماز بے حیائی کے کاموں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لیئے اسلام نماز کی تاکید کرتا ہے کیونکہ یہ اخلاقی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ ایسی نماز جو صرف ایک رسمی رنگ میں ادا کیجاوے جس میں کوئی روح اور کچھ جان نہ ہو اور جس کو دل کے اخلاص کے بغیر پڑھ لیا جاوے ایسی نماز وہ نماز نہیں جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے ایسی نماز کے متعلق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ (ماعون) یعنی ہلاکت ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیئے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں وہ

جو صرف دکھلاوے کی نماز پڑھتے ہیں۔

روح کے تزکیہ کے لیئے قرآن شریف روزے کا بھی حکم کرتا ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ اگرچہ یہ الفاظ اوّل اوّل ایک دوسرے نبی کے مُنہ سے نکلے مگر یہ ایک ایسی سچائی ہے جس پر اسلام نے ہی عمل کیا ہو۔ روزہ صرف کھانے یا پینے سے پرہیز کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر ایک قسم کی بدی سے پرہیز کرنا بھی روزہ دار کے لیئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ کھانے یا پینے کی چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بلکہ کھانے سے پرہیز کرانے میں بھی انسان کو یہ سبق دینا منظور ہے کہ جب وہ خدا کے حکم سے ایک جائز اور حلال چیز کو ترک کر دیتا ہے تو اُس کے لیئے اُن چیزوں سے پرہیز کرنا کس قدر زیادہ ضروری ہونا چاہیئے جو جائز اور حلال نہیں بلکہ حرام اور ممنوع ہیں۔ قرآن شریف میں کھلے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ روزہ انسان کی اخلاقی بہبودی کے لیئے تجویز کیا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ .... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥ (سورہ بقرہ ۲۳) یعنی تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں .... تاکہ تم بدیوں سے بچنا سیکھ جاؤ۔

بیت اللہ کا حج روحانی ترقی کی آخری منزل کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ اس روحانی سیڑھی کا نشان ہے جس میں انسان کے سارے ادنیٰ تعلقات بالکل منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے تئیں بالکل خدا کی رضا کے حوالے کر کے اپنے سارے فوائد کو خدا کے لیئے قربان کر دیتا ہے۔

اس طرح آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ اسلام کے سارے احکام صرف انسان کی اخلاقی بہبودی کے لیئے تجویز کیئے گئے ہیں۔ اسلام کوئی ایسا قاعدہ قائم نہیں کرتا جسکو خدائے تعالیٰ کی بے معنی عبادت کہا جا سکے۔ جو احکام اسلام نے دیئے ہیں اُن سب کی غرض انسان کے نفس کا تزکیہ ہے تاکہ وہ مزکّی و مطہر ہو کر خدائے تعالیٰ سے مل سکے جو کہ تمام پاکیزگی کا سرچشمہ ہے۔

اسلامی احکام کی دوسری شاخ اُن حقوق سے تعلق رکھتی ہے جو حقوق العباد کہلاتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان دو قسم کے احکام کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے قرآن شریف کا ایک عظیم الشان مضمون انسان کی اخلاقی ترقی ہے۔ اور اوّل سے آخر تک قرآن شریف نے اس مضمون کو مدّ نظر رکھا ہے۔ اس کے سارے احکام کی غرض یہ ہے کہ انسانوں کو درجہ بدرجہ اُس اعلیٰ اخلاقی ترقی تک پہنچایا جاوے جہاں تک کہ انسان کے لیئے پہنچنا ممکن ہے۔ لا یؤمن احدکم حتّی یحب لاخیه ما یحب لنفسه یعنی جبتک انسان اپنے بھائی کے لیئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے تو وہ مومن نہیں کہلا سکتا۔ یہ ایک ایسی تعلیم ہے جو سونے کے حروف میں لکھنے کے لائق ہے۔

اوّل۔ اسلام ہر ایک بناوٹی قومی تمیز کو مٹاتا ہے۔ قرآن کریم کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ شریف وہ ہے جو تم سب سے زیادہ متقی ہے یہ قول ذات کی بڑائی یا ذات کے چھوٹاپن کے اصول کو جڑھ سے اکھیڑتا ہے۔ شرافت یا کمینہ پن قرآن شریف کے نزدیک ذات پات پر مبنی نہیں بلکہ اعمال پر مبنی ہے۔ اسلامی تعلیم کے رو سے کل نسل انسان ایک کنبہ کی طرح ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (حجرات - ۲) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمھارے قبائل و کنبے بنا دئے جس کی غرض صرف یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ مگر خدائے تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اِسطرح اسلام ایک وسیع اخوّت کی بنیاد ڈالتا ہے جس میں تمام مرد و زن خواہ کسی قوم۔ ذات یا خاندان سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ سوسائٹی میں ان کی کیسی ہی حیثیت ہو اور خواہ کونسا پیشہ رکھتے ہوں خواہ امیر ہوں یا غریب ہوں اُن کے حقوق یکساں ہیں اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اپنے بھائی کے حقوق کو دبالے۔ اس اخوّت میں ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ دوسرے سے ایسا ہی سلوک کرے

جیسا اپنے بھائی سے سلوک کرنا چاہیئے چنانچہ اسلام میں حکم ہے کہ آقا اپنے غلام کو وہی کپڑے پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور وہی کھانا کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اُس کو کمینہ یا حقیر نہ سمجھے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۝ یعنی جیسا مرد کے حقوق عورت پر ہیں ایسا ہی عورت کے حقوق مرد کے ذمہ ہیں۔ کوئی شخص کسی حق سے اپنے پیشہ یا ذات کی وجہ سے محروم نہیں ہوسکتا۔ اور یہ عظیم الشان اخوت صرف لفظوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم اور آپ کے خلفاؓ اور صحابہؓ کے اعلیٰ نمونوں کی وجہ سے یہ اخوت عملدرآمد میں آکر ایک زندہ طاقت بن گئی۔ اسلامی اخوت کا محکم اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ یعنی تم میں سے ہر ایک اُسی وقت مومن کہلاسکتا ہے جب وہ اپنے بھائی کے لیئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے۔

لیکن اگرچہ اسلام حقوق کی مساوات کی تعلیم دیتا ہے مگر ساتھ ہی اس کے اولی الامر کی نہایت اعلیٰ درجہ کی اطاعت کا بھی سبق سکھاتا ہے۔ گھر وہ اصلی درس گاہ ہے جہاں انسان کی اخلاقی تربیت کا آغاز ہوتا ہے اور اس لیئے قرآن شریف میں والدین کی اطاعت پر بڑا زور دیا گیا ہے اس بارے میں قرآن کریم کی ایک آیت یہاں نقل کی جاتی ہے۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل۔ ۳) اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا اور کسی کی پرستش نہ کیجاوے اور تیرے رب نے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے

بڑھاپے تک پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک بھی نہ کہو اور نہ اُن کو جھڑکو۔ نہایت مہربانی سے اُن سے کلام کرو اور نہایت محبت سے عاجزی کے بازو اُن کے آگے جھکاؤ۔ اور اُن کے لیئے یہ دُعا کرو کہ اے میرے رب اُن دونوں پر رحم کر جیسا کہ اُنہوں نے میری پرورش کی جب کہ میں چھوٹا تھا۔ ایک اور مقام قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایک ہی صورت ہے جس میں انسان کو اپنے والدین کا حکم نہیں ماننا چاہیئے اور وہ صورت یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم کریں۔ والدین کی یہ اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ ہر ایک فرماں روا کی اطاعت کا اعلیٰ خلق انسان کو باسانی حاصل ہوتا ہے۔ اور ہر ایک با اختیار انسان کی فرمانبرداری کے بارے میں قرآن شریف فرماتا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (نساء - ۸) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اُن کی اطاعت کرو جن کے ہاتھ میں عنانِ حکومت ہے۔ اولی الامر کے لفظ سے صرف حکام ہی مراد نہیں ہیں بلکہ ہر ایک ایسا شخص بھی مراد ہے جس کو کسی طرح کا اختیار حاصل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ یعنی تم میں سے ہر ایک بادشاہ ہے اور ہر ایک سے اُس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائیگا۔ اسلام کا حکم ہے کہ ہر ایک شخص اپنے افسروں کی اطاعت کرے اور یہ ایسی تعلیم ہے جس سے تمام قسم کی بغاوتیں اور شورشیں جڑھ سے کاٹی جاتی ہیں۔ صاحبِ اختیار افسر خواہ کسی مذہب کا پیرو ہو۔ اُس کی اطاعت مسلمانوں پر ایسی ہی فرض ہے۔ جیسی کہ والدین کی اطاعت فرض ہے خواہ والدین اسلام کے سوا کسی اور مذہب کے پیرو ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے رُو سے ایک مسلمان کا فرض ہے کہ خواہ ایک حبشی غلام کو بھی امیر بنایا جاوے تو اُس کی بھی اطاعت کرنی چاہیئے۔ الغرض حقوق کی مساوات اور افسر یا حاکم کی اطاعت یہ دو اسلامی سوسائٹی

کے بنیادی اصول ہیں۔ اور اس بنیاد پر اسلام نے جو ایک وسیع عمارت کھڑی کی ہے۔ میرا مختصر وقت مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں اس موقعہ پر اُس کی تفصیل بیان کروں تاہم میں اسلامی اخوت کی ایک خصوصیت بیان کرنے سے نہیں رُک سکتا۔ ہر ایک مذہب نے خیرات اور صدقہ کی تعلیم دی ہے مگر اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنے پیرؤوں کیلئے صدقہ کا ادا کرنا فرض اور لازم ٹھہرا دیا ہے اس کا نام زکوٰۃ ہے اور اس کا ادا کرنا ایک مسلمان کے لیئے ایسا ہی فرض ہے جیسا نماز۔ روزہ۔ اور حج کا ادا کرنا۔ ہر ایک شخص کو جو ایک مقدار مقرّرہ سے زیادہ مال کا مالک ہو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُس مال کا ایک مقرّرہ حصّہ الگ کر دے ایسے الگ کیئے ہوئے حصّہ کو بادشاہ یا امام جمع کر کے مندرجہ ذیل مصارف پر خرچ کرے۔

(۱) مساکین و فقرار کی امداد کے لیئے۔

(۲) محکمہ زکوٰۃ کے ملازمین کی تنخواہیں ادا کرنے کے لیئے۔

(۳) غلاموں کو اپنی آزادی حاصل کرنے میں مدد دینے کے لیئے۔

(۴) ایسے قرضداروں کی امداد کے لیئے جو قرض ادا نہیں کر سکتے۔

(۵) ابنار سبیل کی امداد کے لیئے۔

پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس صدقہ کے علاوہ جس کا ادا کرنا مسلمان کے لیئے فرض ہے اور جس کا نام زکوٰۃ ہے عام صدقہ و خیرات کے لیے قرآن شریف میں جابجا تاکید کی گئی ہے۔ غلاموں کا آزاد کرنا اور غریبوں کو کھلانا انکو بار بار بڑی نیکی کے کام بیان کیا گیا ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ تجھے کونسی چیز بتلائے گی کہ گھاٹی کسے کہتے ہیں یہ گردنوں کے آزاد کرنے اور بھوک کے دن یتیم رشتہ دار یا خاک میں پڑے ہوئے مسکین کو کھانا

کھلانے کا نام ہے (سورہ بلد)

میں اس مختصر پرچے میں اسلام کی اخلاقی تعلیم کی تفاصیل بیان نہیں کر سکتا۔ یہ انسانی اعمال کی تمام شاخوں پر حاوی ہیں اور ان کے ذریعہ انسان کے تمام قویٰ کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسلام ہر ایک صفت کو جو انسان کے اندر رکھی گئی ہے عمل میں لاتا ہے اور ان صفات کے استعمال پر صرف ایک قید لگاتا ہے اور وہ قید یہ ہے کہ ہر ایک صفت کا استعمال اُس کے مناسب محل اور موقع پر ہونا چاہیئے۔ مثلاً وہ عفو کی تعلیم دیتا ہے مگر ساتھ ہی یہ شرط ہے کہ جب جرم اس قسم کا ہو کہ اُس کی اصلاح اور انسداد کے لیئے سزا کا دینا ضروری ہو تو اس جرم کے اندازہ کے مطابق سزا دینی چاہیئے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ یعنی معاف کرو جب تم دیکھو کہ معافی کا نتیجہ اصلاح ہوگا۔ اسی طرح اسلام سکھاتا ہے کہ نہایت ہی دشوار موقعوں پر بھی اعلیٰ اخلاق سے کام لو۔ دیانتداری اختیار کرو خواہ ایسا کرنے سے تم مشکلات میں کیوں نہ پھنسو۔ سچ بولو خواہ سچ بولنے سے تمھارا اپنا یا تمھارے پیاروں اور عزیزوں کا نقصان کیوں نہ ہو اپنے فوائد و اغراض کی قربانی کر کے بھی دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرو اور سخت سے سخت مصائب کے وقت صبر سے کام لو اور اُن لوگوں سے بھی نیکی کرو جو تم سے بدی کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے وہ درمیانی راہ پر چلنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ سکھاتا ہے کہ جو اعلیٰ صفات تم میں رکھی گئی ہیں اُن کو عمل میں لاؤ مگر ساتھ ہی اپنا کاروبار بھی کیئے جاؤ۔ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ تم دنیاوی تعلقات کو قطع کر دو۔ یہ عفت کی تعلیم دیتا ہے مگر یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے تئیں خوجہ بنا دو۔ وہ کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت کرو مگر یہ نہیں کہتا کہ کاہن بن کر عبادت کرو۔ وہ کہتا ہے کہ اپنے مالوں کو خرچ کرو مگر اس طرح نہیں کہ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا کے مصداق ہو جاؤ (یعنی ایسا نہ ہو کہ خود تہیدست ہو کر پچھتاؤ اور لوگوں کی ملامتوں کا نشانہ ٹھہر جاؤ) وہ کہتا ہے کہ اطاعت کرو مگر اس طرح نہیں کہ اپنے تئیں ذلیل بنا دو۔ وہ عفو کی تعلیم دیتا ہے مگر ایسی عفو نہیں جس سے جرائم پیشہ لوگ جرم کے ارتکاب میں دلیر ہو جاویں ...... اور ملک پر تباہی نازل ہو۔

وَ آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت خدا کے فضل سے دن بدن صحت کی طرف ترقی کر رہی ہے اور امید ہے کہ غالباً ایک ماہ تک زخم بالکل بھر جائیگا۔ جلسہ کے بعد آپ کی دوبارہ بیماری پر جملہ انجمنوں کو خصوصیت سے دعا کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ سو خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان دعاؤں کو جو سب جماعت کے دلوں سے نکل رہی تھیں قبول فرمایا اور حضرت خلیفۃ المسیح کو مرض کے ایسے خطرناک مراحل سے با امن گذارا کہ آپ کی شفایابی ایک اعجازی رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ رؤیا جس میں اتنی مدت وقت سے پہلے آپ کا گھوڑے سے گرنا بتایا گیا تھا صاف اشارہ کر رہا تھا کہ یہ کوئی خطرناک امر ہے۔ کیونکہ معمولی طور پر تو لوگ گھوڑوں سے گرتے ہی ہیں ان ایام میں مرض نے بعض وقت ایسی خطرناک اور پیچیدہ صورتیں اختیار کیں کہ خدام گھبرا گئے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حضرت کو گویا دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی اس بیماری نے جماعت کے دلوں میں خاص طور پر دعا کی طرف توجہ پیدا کر دی اور اس طرح پر آپ کا مرض نہ صرف آپ کے اپنے مراتب کی ترقی کا باعث ہی ہوا بلکہ ساری احمدی قوم میں سوز و گداز اور انابت الی اللہ پیدا کرنے کا موجب ہو کر عملی طور پر ان کو وہ روحانی مدارج طے کرانے والا ٹھہرا ہے۔ جو بڑے بڑے مجاہدات سے طے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب احباب کو حضرت کی اس بیماری سے یہ فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے کہ وہ ہر ایک قسم کی شوخیوں اور گستاخیوں کو چھوڑ کر خدا کے سچے فرمانبردار بندوں کی طرح عجز و نیاز سے اس کی درگاہ میں جھکے رہیں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ اس تذلل اور انکسار سے برتاؤ کریں جو رحماء بینھم کا الٰہی ارشاد چاہتا ہے۔ درحقیقت جو ابتلا خدا کے برگزیدہ لوگوں پر آتے ہیں وہ نہ صرف انکے اپنے اصطفا کے لیئے ہوتے ہیں بلکہ ان سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جو ان سے روحانی تعلق رکھنے والے

ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ مصائب گو بظاہر مصائب کہلاتی ہیں مگر انکے نیچے بڑے بڑے ثمار الٰہی مخفی ہوتے ہیں۔

چندہ کی تحریک جیسا کہ گذشتہ نمبر میں اطلاع دی گئی تھی مجلس معتمدین کی یہ تجویز کہ سب احباب کم از کم بحساب دو پیسے فی روپیہ اپنی آمد میں سے چندہ دیں۔ عملی رنگ میں لانیکے لیئے احباب کے سامنے پیش کی جا چکی ہے۔ اس وقت تک بہت تھوڑے احباب کی طرف سے اس کا جواب آیا ہے۔ سب سے اول قابل ذکر انجمن احمدیہ فیروزپور ہے۔ جہاں منشی فرزند علی صاحب نے سب سے پہلے اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا۔ اور بجائے دو پیسے کے اڑھائی پیسے فی روپیہ چندہ کا سب احباب سے اقرار لیا۔ زائد رقم مقامی ضرورت کا کام دے گی۔ منشی فرزند علی صاحب کی یہ کوشش بہت قابل شکریہ ہے جزاہ اللہ خیراً۔ اسکے علاوہ ذیل کی انجمنوں اور احباب کی طرف سے بھی اس تجویز پر عملدرآمد کی اطلاع آئی ہے۔

بابو ایوب احمد صاحب خوشاب۔ انجمن احمدیہ چندوسی۔ انجمن احمدیہ پشاور۔ انجمن احمدیہ ڈیرہ غازیخاں۔ بابو عبدالحی صاحب۔ منشی ہاشم علی صاحب گرداور۔ اور انجمن انبالہ۔

اب دوبارہ سب انجمنوں کو میں اس تجویز کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ معمولی ماہوار چندوں کی کمی کی وجہ سے بعض مدات مقروض ہو رہی ہیں اور جتنے دن اس نئی تجویز کے عملدرآمد میں آنے میں زیادہ لگیں گے اسی قدر بوجھ ان مدات پر بڑھتا چلا جاوے گا جسے پھر خاص چندوں سے پورا کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ مدرسہ احمدیہ کی آمد تو اس وقت بہت ہی کم ہو رہی ہے اور خرچ بڑھ رہا ہے اور ابھی اور بھی اس کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ تاوقتیکہ آمد میں کوئی معقول ترقی کی صورت نظر نہ آوے۔ مدرسہ میں کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔ لنگرخانہ کی آمد بھی ابتک اسکے اخراجات کو پورا نہیں کرتی اشاعت اسلام کی مد میں بھی آمد نی سال گذشتہ کے خرچ سے کم رہی ہے۔ اور ابھی صرف ایک کتاب دو سو صفحہ کی اور وہ بھی پانچ ہزار کی تعداد میں چھپی ہے۔ حالانکہ اسکے بعد ایک دو سال تک قرآن شریف کے ترجمہ کے چھپوانیکا

اہم خرچ در پیش ہوگا جس کے لئے ابھی سے انتظام خرچ رکھنا ضروری ہے
عمارت جو شروع ہو چکی ہے خود اس کی تکمیل ابھی بہت سا روپیہ چاہتی ہے ان
ساری ضرورتوں کو پیش کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ اگر ماہوار چندوں میں
کافی اضافہ ہو جاوے تو معمولی اخراجات کے چلانے کے لئے وہ کافی ہو سکتے
ہیں۔ مگر اس کے لئے ضرورت ہے کہ انجمنوں کے سکرٹری اور دیگر کارکن احباب کچھ
دنوں کے لئے کمر ہمت باندھ لیں۔ اور ان ضروریات کو ایسی طرح پر احباب کے ذہن نشین
کریں کہ یہ نئی تجویز جلدی عملدرآمد میں آسکے۔ میرے دوستو بہت سے ضروری کام
رُکے پڑے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تو اپنے شغلوں میں لگے رہیں اور ہمارے نام
غافلوں میں لکھے جاویں ہمیں اس وقت بہت باتوں کی ضرورت نہیں کام کی
ضرورت ہے۔ عملی رنگ کو اختیار کرو کیونکہ یہی وہ رنگ ہے جس میں ہر ایک نبی خدا
کے ہاتھ سے رنگا جاتا ہے۔ اور یہی وہ گُر ہے جو ہر ایک نبی نے لوگوں کو سکھایا
ہے۔ پس اپنی عملی قوتوں کو تیز کرو اور ہر ایک بات میں عملی رنگ اختیار
کرو۔ اگر عملی رنگ ہم لوگ اختیار نہیں کرینگے تو ہماری سب باتیں ایک نرا
تخیلات کا مجموعہ رہ جاوے گا۔ جو دنیا میں کبھی بارور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ
بغیر عمل کے کوئی کامیابی نہیں اگر تم کوئی کام کرکے دکھاؤ گے تو تمہیں یہ کہنے
کی بھی ضرورت نہیں رہے گی کہ ہم نے فلاں کام کیا ہے لوگوں کے دل خود
محسوس کریں گے۔ پس میں دوبارہ سہ بارہ یہ التجا کرتا ہوں کہ ان امور کی طرف
بہت جلد توجہ کرو ایسا نہ ہو کہ سال کے اخیر پر ہم جہاں تھے وہیں ہوں اور ہمارے
کاروبار میں کوئی نمایاں ترقی نظر نہ آوے اس وقت سال میں سے پانچ ماہ کے قریب
تو گذر چکے ہیں۔ اگر اخیر فروری تک یا زیادہ سے زیادہ پندرہ مارچ تک سب
انجمنوں کی طرف سے اطلاع آجاوے تو اس نئی تجویز پر چھ ماہ کے تجربہ سے ہم آئندہ
سال کے لئے کچھ کہنے کے قابل ہو جاویں گے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کا سالانہ معائنہ یکم و ۲- فروری کو ہو چکا ہے۔ افسران

ملاحظہ کر کے بہت خوش ہوئے ہیں ضروری حالات رپورٹ معائنہ کے پہنچنے پر درج ہو سکیں گے۔ بورڈر باہر کی عمارت میں چلے گئے ہیں۔ امید ہے ...... کہ انشاء اللہ تعالیٰ گورنمنٹ ہمیشہ کے لیئے مولوی صدر الدین صاحب کی خدمات منتقل کرنا منظور کرے گی۔

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

نورِ دل۔ ایک چھوٹی سی نظم ہے جو شیخ رحیم بخش صاحب نومسلم واعظ اسلام کی تصنیف ہے اور جس کی دوسری ایڈیشن انہوں نے حال میں شائع کی ہے۔ شروع میں حمد الٰہی ہے اور اس کے بعد ایک لمبی مناجات ہے آخر میں مختصر الفاظ میں بائبل کے اُن حصوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو فحش کی حد سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ افسوس ہے کہ پادری صاحبان ایسی غلیظ تعلیم اپنی بغلوں میں دبائے قرآن جیسی پاک کتاب پر حملہ کرتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ اسلام پر ناپاک حملے کرنے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں جب اُنکی اپنی مقدس کتابوں اور پستکوں کو ٹٹولا جاتا ہے تو اُن میں اس قدر گند پایا جاتا ہے کہ ایک شریف آدمی اُن کو پڑھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ یہ اُن کے اسلام پر حملہ کرنے کی ایک سزا ہے جو خدائے تعالیٰ نے اُن کے لیئے تیار کی ہے۔ ہندوؤں میں اسلام پر حملہ کرنے والے آریہ صاحبان ہیں اور اُن کو خدائے تعالیٰ نے یہ سزا دی ہے کہ اُن کی کتاب میں اُن کے گرد کے ہاتھوں سے نیوگ جیسی ناپاک تعلیم لکھوا دی دوسری قوم جو اسلام پر حملے کرتی ہے وہ پادری صاحبان کی جماعت ہے۔ اُن کی بائبل میں جو جو فحش باتیں لکھی ہیں اُن کو نقل کر کے میں اپنے ریویو کے صفحات کو ناپاک کرنا پسند نہیں کرتا۔ نورِ دل میں سے ایک حوالہ صرف اس لیئے یہاں نقل کرتا ہوں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ مسیحی صاحبان جو اسلامی جہاد پر اعتراض کرتے

ہیں اُن کی اپنی بائبل میں دشمنوں سے کیسا سلوک کرنے کی تعلیم دی گئی ہے
استثنا کی کتاب ۲۱ ملاحظہ کرو۔ "جب تو لڑائی کے لیے اپنے دشمنوں پر خروج
کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھ میں گرفتار کرے اور تو انہیں اسیر
کر لائے اور اُن اسیروں میں خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی اُسے چاہے۔
تو اسے اپنی جورو بنائے تو تو اُسے اپنے گھر میں لا۔ اُس کا سر منڈوا۔ اور ناخن کٹوا۔
تو وہ اپنا اسیری کا لباس اُتارے اور تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ بھر اپنے
باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے۔ بعد اُس کے تو اس کے ساتھ خلوت کر
اور اُس کا خصم بن اور وہ تیری جورو بنے۔ بعد اس کے اگر تو اُس سے خوش
وقت نہ ہو تو جہاں وہ چاہے اُسے جانے دے۔" پادری صاحبان اب بھی
ہماری نصیحت مانیں تو اسلامی اصول کے زیر سایہ آ کر وہ اس گند سے نجات
پا سکتے ہیں اور خدا کا مقدس کلام بھی ایسے اعتراضوں سے بچ سکتا ہے۔ اور
وہ یہ بات ہے کہ یہ کتابیں چونکہ خدائے تعالیٰ کی حفاظت میں نہیں رہیں۔ اسواسطے
ان میں بہت کچھ بیگانے ہاتھوں سے مل جل گیا ہے۔ جس کا نکالنا اور الگ
کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ بہتر ہے کہ اِس ساری کتاب کو ہی تحریف شدہ اور منسوخ
شدہ تسلیم کر کے بالائے طاق رکھا جائے۔ اور اسلام کو قبول کر لیا جائے تاکہ
سب جھگڑے دُور ہوں۔ یہ رسالہ مصنف سے اور نیز محمد یٰسین و محمد یٰسین تاجران
قادیان سے بقیمت ۱۔ مل سکتا ہے ۱۶ جلد کے لیے ۵ؕ ر ۵۰ جلد کیلیے ۱۲ ر
گوشت خوری ؀۔ اس نام کا رسالہ حال میں منشی برکت علی صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ
شملہ نے شائع کیا ہے۔ اس رسالہ میں منشی صاحب نے اپنی اُن تین تقریروں کو نقل
کیا ہے جو انہوں نے اکتوبر ۱۹۰۴ء میں آریہ سماج کے ساتھ ایک مباحثہ کے
موقعہ پر پڑھیں۔ تقریریں نہایت معقول اور مدلل ہیں۔ علاوہ ازیں آریوں کی
کتابوں سے نہ صرف گوشت خوری کو جائز ثابت کیا ہے بلکہ یہ بھی دکھایا ہے کہ ویدوں کے
زمانہ میں گائے کا گوشت بھی آریہ ورت میں عام طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور

جابجا ہندوؤں کی دوکانوں میں بکتا تھا قیمت ۲ر مصنف سے مل سکتی ہے۔

پیدائیش عالم:- جس میں پنڈت دیانند کے اُن تمام دلائل پر محققانہ رنگ میں بحث کی گئی ہے جو پنڈت مذکور نے ازلیت دنیا کے بارے میں ستیا رتھ پرکاش وغیرہ کتابوں میں دیئے ہیں اور قوی دلائل سے دنیا و اجزا ئے دنیا کا حادث ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ منشی محمد عمر الدین صاحب احمدی مقیم شملہ کی تصنیف ہے۔ ۶۴ صفحہ۔ قیمت ۳ر ملنے کا پتہ۔ مولوی قاسم علی صاحب مالک اخبار الحق۔ تراہا بیرام خاں دہلی۔

فغان دل دردمند یعنی مسدس ناصر مصنفہ سید ناصر علی صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری انجمن احمدیہ اٹاوہ یہ ایک نہایت ہی مفید اور مؤثر نظم بدعات محرم کے بیان میں سید صاحب نے نہایت دردِ دل سے لکھی ہے۔ ۱۸ صفحہ۔ ۸ کاپیوں کی قیمت ۴ر۔ ملنے کا پتہ سید معصوم علی صاحب محلہ حکیماں۔ اٹاوہ۔

ایک مسلمان دا سدّا:- یعنی ایک مسلمان کا پیغام سکھ بھائیوں کے نام۔ اس رسالہ میں مندرجہ ذیل مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ مسلمان اور محمدی کی فلاسفی۔ مساجد بنانے کا راز۔ مصلح عالم حقیقۃً کون ہے۔ باوا صاحب کے مسلمان ہونے کا ثبوت۔ یہ نہایت مدلل اور مفید رسالہ منشی محمد حسین صاحب کلرک چھاؤنی لاہور مصنف اذان کی فلاسفی قبلہ نما۔ وغیرہ کی تصنیف ہے جس کو انہوں نے ایک سکھ صاحب کی تازہ تصنیف کے جواب میں تحریر کیا ہے۔ ملنے کا پتہ مولوی قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق۔ تراہا بیرام خاں دہلی۔

خورشید عاقل مصنفہ بابو محمد حسین صاحب (لاہور چھاؤنی) یہ کتاب جو ناول کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔ پھلہاری سبھا (حیدر آباد سندھ) کے رسالہ سماچار کا ایک معقول جواب ہے جس میں گوشت خوری کے قائل وید دلائل بیان کئے گئے ہیں اور آریہ صاحبان کے خیالات کی مہذبانہ پیرایہ میں تردید۔ اور ختنہ کا اصل راز بیان کیا گیا ہے منشی دوست محمد صاحب کوچہ چابک سواراں شہر لاہور سے بقیمت ۱ر مل سکتی ہے۔ صفحہ ۲۴۔

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں۔ آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کے لئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اس کے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق کی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنے کے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور بارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کے لئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ قسم اول عہ قسم دوم عہ قسم سوم عہ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اول صہ جس کو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے، اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

سَت سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع صرع منشی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر جذام و استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق و شیخوخت و فساد بلغم و قاتل کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل بول سیلان منی و یبوست و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ قیمت فی تولہ ۸ر

لنگیاں اور کلاہ۔ ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ہاتھی ریشمی سوتی ٹسری صافے سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں عا ر سے صہ ۲۵ تک ٭ حمائل خورد روسی ہدیہ عہ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام احمد چھوٹی جلد قیمت ۱ا ر

المشتہر:- احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء

چندہ سالانہ
عوام سے عا طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے
صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام

ترجمہ تقریر انگریزی
جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے۔ ایل ایل بی
بہ تقریب جلسہ مذاہب منعقدہ الہ آباد

اسلام یعنی کامل فرمانبرداری جس سے مراد یہ ہے۔ کہ ہم اپنے طریق و عمل زندگی میں خالص الٰہی حکومت کے ماتحت آجاویں۔ اور اپنے خیالات۔ میلان طبع اور محاکموں کو چھوڑ کر ان قوانین کی کامل اطاعت کریں جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے انسان پر الہام ہوئے ایک ایسا مذہب ہے۔ کہ جس کا اطلاق ہر ایسے مذہب پر ہو سکتا ہے جو مقدس معلمین نے مختلف زمانوں اور ملکوں میں خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر تعلیم کیا چنانچہ اس امر میں قرآن کریم فرماتا ہے:- قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (پ ۱ ع ۱۶) کہو ہم ایمان لائے خدا پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل ہوئی۔ اور ایسا ہی جو ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحٰقؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوئی۔ اور ایسا ہی ہم ان کو بھی مانتے ہیں جو موسیٰ عیسیٰ اور دنیا

کے تمام نبیوں کو دیا گیا۔ ہم اُن سب انبیاءؑ کو قبول کرتے ہیں۔ اور اُن میں کوئی فرق اور تمیز نہیں کرتے +

قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے جہاں ہر ایک قوم اپنے اپنے مذہب کو ربانی چشمہ سے نکلا ہوا مانتی تھی وہاں اُنہوں نے دوسرے مذاہب کو یہ عزت دینے سے انکار کیا۔ جس سے لوگوں میں نخوت تکبر اور حقارت کے خیالات پیدا ہوگئے اور خدائے تعالیٰ کے کُنبہ میں سخت اختلاف اور عداوت بڑھی۔ کسی شخص نے بھی ایک لمحہ بھر کے لیئے اُن ربانی اخلاق پر غور نہ کیا۔ جن کا مشاہدہ ہم روزانہ اُس کی قدرت کے کارخانہ میں کرتے ہیں۔ وہ خدائے تعالیٰ جس نے جسمانی پرورش کے اسباب بہم پہنچانے میں کُل نسل انسان پر یکساں مہربانی کی ممکن نہ تھا کہ وہ ان انعامات کے عطا فرمانے میں کسی قوم کی طرفداری یا رعایت کرتا جن پر ہماری رُوحانی ترقی حصر رکھتی تھی۔ کیا اُس کا سورج اُس کا چاند اُس کے ستارے اور اُس کا کُل کا کُل نظام شمسی کُل بنی نوع کا یکساں طور پر خادم نہیں ؟ اگر نسل انسانی کی کوئی شاخ پانی زمین ہوا اور ایسا ہی دیگر مظاہر قدرت کے فوائد سے محروم نہیں کی گئی۔ تو کیوں خدائے تعالیٰ کی غیر طرفدارانہ اور عامہ ربوبیت پر معاملات الہام میں ایمان نہیں لایا جاتا۔ حالانکہ الہام ہی انسانی قویٰ کی نشو ونما کے لیئے ضروری اور از بس مفید ہے۔ دراصل دنیا نے ربوبیت الٰہی کا ایک غلط مفہوم قائم کر رکھا تھا۔ اور انسانی اخوت عامہ کے قیام کے خلاف یہ ایک خطرناک غلطی تھی جس میں قوموں کی قومیں صدیوں تک پڑی رہیں۔ حتیٰ کہ خدا کا آخری کلام نازل ہوا۔ جس نے پہلے ہی فقرہ میں اس غلط اور طرفدارانہ مفہوم ربوبیت کا بطلان کیا۔ قرآن کریم ذیل کے الفاظ سے شروع ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تمام حمد و ستائش اُسی اللہ کے لیئے ہے جو ہندوستان یا عرب یا ایران یا شام کا ہی رب نہیں۔ بلکہ وہ کُل عالموں کا رب ہے۔ جس نے جسطرح تمام انسانوں کو جسمانی نشو ونما کے ذرائع عطا فرمائے ویسے ہی اُس نے یکساں طور پر

سب کی روحانی آبیاری کی۔ اس وسیع دل کے عقیدہ نے جو قرآن میں تعلیم ہوا ازسرِنو انسانوں میں اخوت اور یگانگت کی روح پھونک دی۔ اور اس سنگدلی کا قلع قمع کیا۔ جس نے انسانی سوسائٹی کے ڈھانچ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خدائے تعالیٰ کے کنبہ میں بھائی سے بھائی کو جدا کر رکھا تھا؛

لہٰذا قرآن کریم کی یہ فیاضانہ تعلیم اگر میرے دل میں جناب موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے لیئے محبت اور عزت کے خیالات پیدا کرتی ہے۔ تو وہی تعلیم مجھے اس بات پر بھی مجبور کرتی ہے۔ کہ میں عزت اور محبت کے ساتھ شری رامچندر جی مہاراج۔ اور شری کرشن جی مہاراج اور عارف بدھ کو دیکھوں۔ اگر قرآن کے علاوہ میں بائبل کو اصلی صورت میں کلام ربانی سمجھتا ہوں۔ تو میں ہندو بھائیوں کے ساتھ گیتا اور ہندوستان کے دیگر مقدس نوشتوں کو بھی اپنی جائداد مشترکہ قرار دیتا ہوں۔

الغرض قرآن کریم کی تعلیم کے ماتحت **اسلام** ہر ایک مذہب یا عقیدہ کا نام ہے۔ جو مختلف ممالک اور اقوام میں وقتاً فوقتاً ربانی ملہمین نے تعلیم کیا۔ یہ تمام کے تمام مذاہب ایک ربانی چشمہ سے نکل کر ایک ہی قسم کی صداقت دنیا میں لائے۔ لیکن امتداد زمانہ نے اور ایسا ہی پرانے وقتوں میں ان مناسب اسباب کے نہ ہونے نے جن سے تعلیم اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہ سکتی ہو تحریف و تبدیل اور غلط تعبیر کے موقعے پیدا کر دیئے۔ اسی طرح وہ زبانیں جن میں قدیم مقدس صحیفے نازل ہوئے متروک ہوگئیں جس سے آنیوالی نسلوں کو ان پاک الفاظ کے حقیقی معانی تک پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہوگیا۔ علاوہ ازیں اگر ایک طرف انسانی قوٰی نے ترقی کی تو دوسری طرف گناہ اور بدی نے پیچیدہ شکل اختیار کی جو زمینی تہذیب کا لازمی نتیجہ تھا۔ یہ باتیں نئی تعلیم کو چاہتی تھیں۔ چنانچہ اس ضرورت حقہ کے رفع کرنے کے لیئے پیغمبر یکے بعد دیگرے تشریف لائے جنہوں نے نہ صرف انہی صداقتوں کی تجدید کی

جو پہلے الہام ہو چکی تھیں۔ بلکہ ضرورتِ زمانہ کے مناسب حال اُن پر مناسب ایزادیں بھی کیں
اُن وقتوں میں نسل انسانی کی مختلف شاخیں ایک دوسرے سے دُور دُور آباد تھیں۔ اور
قدرتی سدِ راہوں نے اُن کو ایک دوسرے سے جُدا کر رکھا تھا۔ آپس میں میل جول اور
آمد و رفت کے ذرائع بھی محدود تھے۔ ایسے وقت میں ہر ایک قوم کو ایک الگ نبی کی ضرورت
تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے:-

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

کوئی قوم ایسی نہیں کہ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اگر ہندوستان میں ویدک
رشی آئے اور اُن کے بعد کرشن رامچندر گوتم مبعوث ہوئے تو چین نے اپنا معلّم
کنفیوشس کی صورت میں دیکھا۔ اگر زردشت نے آتش روحانیت ایران میں سلگائی
تو وادی دریائے یردن اُس ربّانی ندی سے سیراب کی گئی جو زیتونی پہاڑ سے اُتری۔
چنانچہ جب کبھی اور جہاں کہیں بدی پھیلی اور انسان گمراہ ہوا خدائے تعالیٰ کی طرف سے
مُلہمین اُس قدیمی مذہب اسلام کی تجدید کے لیئے آئے۔ حتّٰی کہ زمانہ نے ایک نئے
انقلاب کو دیکھا۔ جب یک لخت دنیا کے تمام گوشوں میں الٰہی قوانین سے انحراف کیا گیا۔
اور ایک ہی وقت تمام روئے زمین پر ربّانی حدود توڑے گئے۔ ہر ایک ملک اور قوم نے
کامل ضلالت اور اخلاقی گمراہی کو دیکھا نیکی کالعدم ہوگئی اور ایسا نظر آنے لگا کہ گویہ خدائے
تعالیٰ نے زمین کو چھوڑ دیا ہے۔ اور شیطان اپنی جہنمی سلطنت کو قائم کر رہا ہے۔ کوئی
مورّخ تاریخ زمانہ میں چھٹی صدی مسیحی سے بدتر زمانہ نہیں دکھلا سکتا۔ جب انسانی
سوسائٹی رُوحانی اور اخلاقی پستی کے ادنےٰ سے ادنےٰ نقطہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ اب
اگر صحیفۂ قدرت میں ہر ایک تاریکی کے بعد روشنی اور ہر امساکِ باراں کے بعد بارش لازمی ہے۔ اگر
پیغمبرانِ زمانہ ایسے ہی وقتوں میں آتے ہیں جب ظلمتِ گمرہی کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے
اگر ہندوستان میں وشنو کے اوتار آسمان سے اُسی وقت نازل ہوتے ہیں جب دھرتی
زیادہ تر پاپوں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتی۔ اور اگر کرشن بھگوان اپنے الفاظ مندرجہ گیتا کے
پورا کرنے کے لیئے ادھرمی زمانہ میں تشریف لایا کرتے ہیں۔ تو چھٹی صدی مسیحی بڑے

سے بڑا وقت ان صداقتوں کے پورا ہونے کا تھا۔ حالات زمانہ اس امر کے متقاضی تھے۔ کہ یا مختلف ممالک میں مختلف پیغمبر پیدا ہوں یا ایک زبردست انسان پیدا ہو جو کل روئے زمین پر اسی قدیمی پراچین مذہب اسلام کو کامل صورت میں قائم کرے۔ لیکن تاریخ زمانہ نے ایک نئی صورت اختیار کر لی تھی۔ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے دنیا کی مختلف اقوام میں آمد و رفت اور میل جول کے ذرائع آسان کر دیئے۔ انسانی سوسائٹی کے مختلف اعضا و جوارح جنہیں قدرتی اور مصنوعی رکاوٹوں نے ایک دوسرے سے جدا کر رکھا تھا وہ عنقریب باہم ترکیب پا کر ایک ہونیوالے تھے وقت قریب تھا کہ جب یہ بڑی اور وسیع دنیا ایک ملک کے رنگ میں آ جاوے جس میں ممالک دنیا بمنزلہ شہر اور شہر بمنزلہ محلوں کے ہو جاویں مختلف قوموں اور مذاہب کے افراد باہمی اختلاط و ارتباط کے آستانہ پر کھڑے تھے۔ کل افراد عالم کے اس میل جول پر مختلف قوموں کو مختلف تعلیمیں دینا ایک کامل بدنظمی اور خطرناک اختلاف کو پیدا کرنا تھا۔ لہٰذا حکمت بالغہ نے یہی پسند کیا کہ ایسے وقت میں وہ آخری نبیؐ کو اس جگہ مبعوث کرے جو معلومہ دنیا کے مرکز میں ہو۔ چنانچہ نبی آخرالزمان نے عرب میں پیدا ہو کر اسی قدیمی اسلام کی تعلیم کی۔ جو دوسروں نے اس سے پہلے تعلیم کیا تھا وہ ایک کتاب لایا جس میں قدیمی صداقتوں کو انسانی امیزش سے پاک کر کے جمع کیا گیا۔ اور اس پر دیگر امور ضروریہ ایزاد کیئے گئے جیسے قرآن شریف نے فرمایا۔

صحفا مطهرة ۝ فيها كتب قيمة (سورہ بینہ)۔ ما فرطنا في الكتب من شيء۔

قرآن تو وہی قدیمی صحیفے ہیں جنہیں انسانی آمیزش سے پاک کر دیا گیا ہے۔ ہاں اس میں جہاں صداقتہائے مندرجہ کتب مقدسہ کو جمع کیا گیا ہے وہاں وہ تمام نئی باتیں بھی درج کر دی گئی ہیں جو تمام انسانی نشو و نما کے لیئے ضروری تھیں۔ دراصل قرآن از سرِ نو ان صداقتوں کو سکھلاتا ہے جو وید مقدس یا بائبل یا رامچندر یا بدھ اور دیگر انبیاءؑ کے ملفوظات میں تھیں اور ان پر کثرت سے ان باتوں کو ایزاد کرتا ہے جو ان پہلی تعلیموں میں موجود نہیں ۔

یہ فیاضانہ تعلیم جس کے ماتحت ہم تمام مذاہب کو ربّانی چشمہ سے نکلا ہوا مانتے ہیں قرآن مجید نے اور ایسا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح اور صاف الفاظ میں مسلمانوں کو تعلیم کی۔ اور آپ کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مسلمان علمائے ربّانی یہ تعلیم دیتے رہے لیکن صدیوں کے گذرنے نے اس وسعتِ قلبی کو پھر فراموش کرا دیا اور تنگ ظرفی اور تنگدلی کی بیماری اور اہل مذاہب کی طرح ہم پر بھی اثر کرنے لگی۔ ہم نے بھی دیگر مذاہب کی خوبیوں سے انکار کرنا شروع کیا جس کا نتیجہ وہ کشیدگی ہوئی جس سے انسانوں میں تمام ہمدردانہ خیالات کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کشیدگیٔ خیالات کا خصوصاً ہندوستان پر اثر ہوا جو قریباً کُل مذاہب کا گھر ہے۔ مذہبی مباحثات بُرے مذاق اور بُرے دل کے ساتھ خطرناک طور پر شروع ہو گئے۔ نکتہ چینی شعار دنیا ہو گیا۔ اور مذاہب کے اُن مقدّس بانیوں کے متعلق جن کی عزّت اور اطاعت دنیا کے کروڑہا انسان اسوقت بھی کر رہے ہیں نہایت بے رحمی سے گندی سے گندی بدزبانی کی گئی۔ اور اُن لوگوں کے ہاتھوں سے اُن مقدّس معلّمان کی عزّت پر بے حجابانہ حملہ کیا گیا جنہوں نے نہایت قلیل علمیّت کے ساتھ اس ناپسندیدہ مذہبی تنقید کو بطور تجارت اختیار کیا۔ مَیں بلاخطرہ اختلاف کہہ سکتا ہوں کہ مذہبی مباحثات کا یہ کینہ افزا طریق پولیٹیکل معاملات کے مقابل کہیں زیادہ تر اُس جدائیگی کا ذمہ وار ہے۔ جو اس ملک کے ہندو اور مسلمانوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ مثال کے طور پر مَیں صوبۂ پنجاب کی طرف اشارہ کر سکتا ہوں جو اِن ناملائم مذہبی مناقشات کا مرکز بن رہا ہے۔ لیکن خدائے امن نے جو امن کو پسند کرتا ہے۔ اور اپنی مخلوق میں امن دیکھنا چاہتا ہے ایسے وقت میں ہماری دستگیری کی۔ اُس نے عین وسط پنجاب میں ایک مصلح اسلام میں بھیجا جس نے حضرت محمد صلعم کی غلامی کا دعویٰ کر کے از سرِ نو اُس مذہبی فیاضی اور طریق وسعت قلبی کی تجدید کی۔ جو اُس کے مخدوم و مطاع نے آج سے تیرہ سو برس پہلے تعلیم کیا تھا۔ اس نے ہم میں پھر اس امر کا احساس پیدا کیا کہ ہم دنیا کے مقدّس معلّمین کی عظمت اور قدردانی کریں۔ اس نے ہر مذہب کی خوبیوں کا اعتراف کیا اور اس ملک کے

متضاد عناصر میں اتفاق اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیئے وہ مسلمانوں کے لیئے مہدی اور عیسائیوں کے لیئے مسیح موعود اور ہندوؤں کے لیئے کرشن ہو کر آیا۔ وہ لوگ جو ہندو مسلمانوں کے درمیان یگانگت اور ہمدردانہ خیالات پیدا کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ اس سے بہتر کوئی اور صورت تجویز نہیں کر سکیں گے۔ جو اس مصلح زمانہ حال نے اپنے اُس پیغام صلح میں لکھ دی جو آپنے عین اس دن ہندو اصحاب کے لیئے لکھا جس دن وہ بہشت بریں میں چلے گئے ۔

اب مَیں پھر اپنے مضمون کی طرف آتا ہوں۔ یہ حقیقت ہے اس عالمگیر مذہب کی جسکا نام اِسلام ہے۔ جس کی آخری کتاب یعنی قرآن نے اپنے اندر ان تمام صداقتوں کو جمع کیا جو وید میں بائبل اور دیگر کتب مقدسہ میں تھیں۔ اور اُن پر اُن قوانین کو ایزاد کیا جو ایسے زمانہ کے مناسب حال ہوں جبکہ خدا کے کنبہ کے اُن مختلف افراد نے جمع ہو جانا تھا جو قدیمہ کتب الہامی کے وقت ایک دوسرے سے جدا جدا رہتے تھے ۔

قرآن میں وہ تمام قواعد و ضوابط ہیں جن کی متقاضی زندگی کی ضروریات مختلفہ تھیں۔ قرآن صرف چند اخلاقی جملوں کا مجموعہ نہیں نہ یہ چند رسموں کی کتاب ہے۔ اگر یہ ایک طرف ہم کو خدا کی صفات کاملہ کا پتہ دیتی ہے تو دوسری طرف اُن عظیم الشان صداقتوں پر روشنی ڈالتی ہے جن میں ملائکہ الہام نبوت قیامت بہشت دوزخ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ ایسا ہی یہ اُن اصولوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ جو ہمیں پولیٹکل سوشل اقتصادی اور معاشرت کے امور میں مدد دے سکیں۔ تاکہ تمام نسل انسانی ان قوانین پر چلکر کمال حقیقی کو حاصل کرے۔ قرآن نماز روزہ اور قربانیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں زندگی کا ایک کامل سے کامل ضابطہ ہے۔ ایک بادشاہ وقت کے لیئے اگر اس میں قانون ہے جو اُس نے امور ملکداری میں برتنا ہے۔ تو ایسے ہی اُس میں اطاعتِ فرمانروا کی ہدایات بھی ہیں خواہ وہ اپنی قوم سے ہو یا غیر قوم سے۔ اسی طرح ایک مقنن ایک مدبّر سلطنت۔ ایک جج ایک فوجی افسر ایک سوداگر ایک اہل حرفہ ایک بیٹا ایک باپ ایک بھائی ایک خاوند ایک عورت ایک ہمسایہ ایک دوست ایک دولتمند ایک مفلس الغرض ہر ایک انسان ہر حیثیت اور حالت میں ایسے اصول ہدایت اس کتاب میں دیکھیگا۔

کہ جس پر چل کر وہ سوسائٹی کے لیئے مفید ہو سکے۔ یہ مکمّل تعلیم مجھے قرآن میں ہی ملی۔ اور اس لیئے ہم مسلمان ایمان رکھتے ہیں۔ کہ اس قدیمی مذہب یعنی اسلام نے جسے پیغمبروں کی جماعت نے وقتاً فوقتاً تعلیم کیا اپنی مکمّل صورت خدا کی اُس کتاب میں پائی جس کے بعد الہام شریعت بند ہو گیا جیسے قرآن نے فرمایا

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

آج ہم نے تمھارے لیئے شریعت کو کامل کر دیا

وقت[1] اجازت نہیں دیتا کہ میں ان امور کی جن کا خلاصہ میں نے اوپر دیا ہے چھوٹی سے چھوٹی تشریح بھی کر سکوں۔ لیکن خاتمہ سے پہلے میں ایک ضروری امر کا ذکر کرونگا جسے تعلیم کر کے قرآن کریم نے نسل انسانی پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ انسان کا بڑے سے بڑا محسن وہی ہو سکتا ہے جو انسانوں میں یہ احساس پیدا کر دے کہ اُن میں اعلیٰ سے اعلیٰ استعدادیں موجود ہیں۔ اور پھر اُن کے سامنے اُن کے نصب العین اور مقصود بالذّات کو بلند کر دے۔ اس لیئے قرآن کریم نے یہ قبول نہیں کیا کہ گناہ ہماری جزو فطرت ہے اور ہم اپنے اعمال کے ذریعہ اس کی زنجیروں سے نجات نہیں پا سکتے۔ بلکہ ہمیں یہ سکھلایا ہے۔ کہ انسان اس دنیا میں معصومی کی حالت میں داخل ہوتا ہے۔ اور بعض قوانین پر چل کر لامحدود اور لاانتہا ترقیات حاصل کر سکتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ پ۳۰ ع ۲۰

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

تحقیق ہم نے انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ اور عمدہ سے عمدہ استعدادوں کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ بعض صداقتوں پر ایمان لاکر اور ان پر عمل کر کے لامحدود نتائج حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اُن کی پروا نہ کرے تو یقیناً ادنیٰ سے ادنیٰ نقطہ پر پہنچے گا۔ اس تعلیم سے بڑھکر نہ کوئی زبردست تحریک ترقی کی ہو سکتی ہے اور نہ اس سے

[1] منتظمان جلسہ کی طرف سے ہر ایک شخص بولنے والا تیس منٹ سے زیادہ تقریر نہ کر سکتا تھا۔

بڑھ کر کوئی اور روک انسان کے لیئے تنزّل اور زوال کے مقابل ہوسکتی ہے۔ اگر ہم یہ یقین کرلیں کہ گناہ ہماری جزوِ فطرت ہے۔ تو اس کی گرفت سے آزاد ہونیکے لیئے ہماری تمام کوششیں رائیگان سمجھنی چاہئیں۔ یہ امر ہمارے قویٰ کے دبا دینے کے لیئے اور ہمارے عزم کو ڈھیلا کرنے کے لیئے کافی ہے۔ اس سے بڑھ کر ہماری پستی روحانیت کا اور کیا اندازہ ہوسکتا ہے؟ اور عجیب بات ہے۔ کہ مادی دنیا میں یہ تسلیم کرلیا گیا ہے۔ کہ ہم لامحدود ترقیات کرسکتے ہیں۔ پیغمبرِ عرب نے یہ تعلیم نہیں کیا۔ کہ انسان دنیا میں گناہ لے کر آیا۔ بلکہ یہ سکھلایا۔ کہ انسان پیدا ہونے کے وقت اپنے اندر اطاعت قوانین کی استطاعت رکھتا ہے۔ اور اس لیئے وہ بیگناہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ عدم اطاعت قوانین کا نام ہی گناہ ہے۔ اور دنیا میں کوئی ترقی پیروی قانون کے سوا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا انسان کو بروقت پیدائش معصوم فطرت قبول کرلینے سے ہی اُسے لامحدود ترقیات کا وارث بنا دیتا ہے۔ اسی لیئے اس اشرف اور وسیع دل کے نبیؐ نے یہ تعلیم دی کہ انسان اپنی پیدائش کے وقت معصوم ہوتا ہے۔ نہ اس لیئے کہ وہ مسلمان کا بیٹا ہے۔ بلکہ اس لیئے کہ وہ انسان کا بیٹا ہے۔ اب اگر اس پاک فطرت کو عمدہ قوانین بھی مل جاویں تو یقیناً وہ معراج کمال تک پہنچ جاویگا۔ اگر دنیا نے اپنی مادی ترقی میں آئے دن نیوٹن۔ ہرشل۔ ایڈیسن پیدا کیئے ہیں تو کیوں دوبارہ کرشنؑ۔ مسیحؑ اور بدھؑ جیسے انسان دنیا میں پیدا نہ ہوں۔ خصوصاً جب اُن بزرگ معلموں نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا۔ اور میرے نزدیک وہی کتاب آخری کتاب ہونیکا دعویٰ کرسکتی ہے جیسے کہ ہر اہل مذہب اپنی کتاب کو سمجھا ہوا ہے۔ جس میں وہ ہدایات مندرج ہوں جن پر چلکر انسانوں میں سابقین کا سا کمال پیدا ہوسکے آخر سابقین نے بھی بعض ہدایات پر ہی چل کر تکمیل روحانیت کی تھی۔ اگر کسی کتاب میں یہ ضروری تعلیم نہیں تو اُس کے بعد کسی اور ناطق اور آخری کتاب کی ضرورت پڑیگی۔ ایسا ہی انبیاء میں سے خاتم النبیین کہلانے کا وہی مستحق ہے۔ اور مجھے حق الیقین ہے کہ وہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے) جو ہم کو اُس راہ پر چلائے۔ کہ جس پر چلکر ہم وہ کمالات روحانی حاصل کر سکیں کہ جہاں الہام ربّانی کا فیض ہوتا ہے۔ اگر روحانی کمال یافتہ انسان مکالمہ الٰہیہ سے ممتاز تھے جیسے کہ اُن کے متبع اُن کے متعلق مانتے ہیں۔ اور اگر انسان کے ساتھ خدا کا کلام کرنا خدا کی ایک صفت ہے تو پھر کن وجوہ پر یہ امر یقین کیا جاسکتا ہے کہ دروازہ الہام پہلے کھلا تھا اور اب بند ہو گیا ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ اب بھی ویسے ہی علیم حاضر ناظر رحیم اور دیگر صفات رکھتا ہے جیسے کہ وہ پہلے رکھتا تھا اور اگر صفات الٰہیہ پر تعطّل لازم نہیں تو ضروری ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اسی طرح بولتا رہے۔ جیسے کہ وہ پہلے ایّام سابقہ میں بولا۔ لیکن ہم میں سے بعض یہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ کسی خاص واقعہ کے بعد خدا نے انسان سے کلام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ منطقیانہ طور پر دو امور میں سے ایک امر ضرور واقعہ ہوگا۔ یا تو معاذ اللہ خدائے تعالیٰ کی بعض صفات ضائع ہو گئی ہیں یا تنزل سے انسان میں وہ استعدادیں نہیں رہیں۔ جو اس کے بزرگوں میں تھیں لیکن یہ ہر دو امور بالبداہت غلط ہیں۔ کامل خدا کے صفات ہمیشہ کامل ہونے چاہئیں اور از روئے علم تشریح موجودہ انسان کے قوٰی وہی ہیں جو پہلوں کے تھے۔ بعض لوگ اب بھی کہیں گے کہ انسان ناقابل ہے۔ لیکن میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ جب مَیں نے گیتا میں پڑھا کہ کرشن بعض حالات کے پیدا ہو جانے پر دُنیا میں دوبارہ آجایا کرتا ہے۔ اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ مَیں ایک ایسی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں کہ جس نے ذیل کے الفاظ میں مجھے وعدہ دیا ہے۔

(سورۂ فاتحہ)
اھدنا الصراط المستقیم ۰ صراط الذین انعمت علیھم۔ الذین انعم اللہ علیھم من النبیّین والصدیقین والشھداء والصلحین

اے خدا ہم کو وہ سیدھے سے سیدھا راستہ دکھلا کہ جس پر تیرے انعام یافتہ چلے یعنی نبی صدیق شہدا اور صالحین ؛ اِس دعا کے جواب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (پ۲۱ ع۳)

جو ہمارے راستہ میں کوشش کیا کرتے ہیں۔ ہم انہیں ضرور راستہ دکھلا دیا کرتے ہیں ؛

لہٰذا بالفاظ قرآن کسی انسان کا ربّانی راہوں پر قدم زن ہونا اس کو اس خاص الخاص انعام الٰہی کا مستحق ٹھہرا دیتا ہے جس کا نام الہام ہے۔ قرآن نے وہ قواعد اور قوانین بتلائے ہیں۔ کہ جن کے ذریعہ انسان ان ربّانی فیوض کو حاصل کرتا ہے جو خدائے تعالیٰ نے کاملین سابقہ کو عطا فرمائے۔

الغرض جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ہم آخری نبی قرار دیتے ہیں۔ تو نہ صرف اس لیئے کہ انہوں نے ہمیں زندگی کے متعلق کامل ہدایات دی ہیں بلکہ اس لیئے بھی کہ انہوں نے ہمیں انبیاء کا ورثہ حاصل کرنے کے قابل ظاہر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

میری اُمّت کے علمائے رَبّانی اسرائیلی نبیوں جیسے ہوں گے

آپ نے ہمیں یہ بھی وعدہ دیا کہ ہر صدی کے سر پر ایک الہام پانے والا مصلح اسلام میں پیدا ہوگا جسے اسلامی اصطلاح میں مجدد کہا گیا ہے۔ اور حضور والا کی پیشین گوئی کو ہم اسلامی تاریخ کے ہر زمانہ میں پورا ہوتا دیکھتے آئے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ آیا وید پر چلنے والوں میں سے کرشن اور رامچندر جیسے انسان اور بھی ہندوستان میں پیدا ہوئے یا نہیں اور اور نہ مجھے یہ پورا علم ہے۔ کہ عیسائی مذہب نے پطرس اور یوحنا جیسے انسان پیدا کیئے یا نہیں جن میں یقینی طور پر بعض مسیح جیسی صفات تھیں۔ لیکن اسلام پر تو کوئی صدی نہ گذری کہ جس میں الہام پانے والے مقدس انسان پیدا نہ ہوئے۔ مثال کے طور پر۔ عمر بن عبدالعزیز۔ بایزید بسطامی۔ جنید بغدادی۔ محی الدین ابن عربی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی اور ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی۔ خواجہ نظام الدین اولیا۔ باوا فرید شکر گنج۔ داتا گنج بخش۔ شاہ ولی اللہ اور سید احمد بریلوی وہ لوگ ہیں کہ جو خدا سے ہمکلام ہوئے۔ یہ صداقت قرآن کریم نے بڑے صریح الفاظ میں تعلیم کی۔ لیکن زمانہ حال کے مادی خیالات جو اس تمام تشکک اور توہم کے ذمہ دار ہیں جو چاروں طرف ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس قدر زبردست تاثیر رکھتے ہیں۔ کہ یہ صداقت بھی حوالہ نسیان ہوکر الہام کو فسانہ کے رنگ میں لے آتے۔ جیسا کہ اس وقت یورپ میں ہو چکا ہے۔ اگر اس صدی کے سر پر موعود مجدد نہ آتا۔ خدا نے پنجاب میں احمد کو پیدا کیا جس نے اپنے ہمجنسوں کے آگے اپنا نمونہ پیش کیا۔ اس نے دکھلایا کہ قرآن کریم کی کامل اطاعت اور سنّت نبوی کی کامل متابعت نے بقولئے آیت کریمہ ومن یطع اللّٰہ و الرسول فاولئك مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصٰلحین اسے خدائے تعالیٰ کے

اعلیٰ سے اعلیٰ انعام کا جس کا نام الہام ہے وارث کیا۔ اس نے ظاہر کیا کہ یہ دروازہ ہر ایک کھٹ کھٹانے والے کے واسطے کھلا ہے یہی اعلیٰ سے اعلیٰ نصب العین انسان کا ہونا چاہیئے۔ اور یہی بلند سے بلند منزل مقصود انسانی کوشش کی ہے۔ اسی امر کے حاصل کرنے کے واسطے اسلام نامعلوم وقتوں سے دنیا میں آکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مکمل ہوا۔ خدا کے خاص الخاص درود اور سلام اس پر ہوں۔ آمین

مبارک ہے وہ کتاب جو تم میں اعلیٰ استعدادوں کا احساس پیدا کر کے تمہارے نصب العین کو بلند کرے اور ایسا ہی مبارک ہے وہ انسان جو اپنے عملی نمونہ کو تمہارے سامنے پیش کر کے تم میں اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کے حاصل کرنے کی تحریک و تحریص پیدا کرے۔ آمین

تصحیح

گذشتہ نمبر میں صفحہ ۶۴ سطر ۱۴ پر جو آیت کریمہ درج ہے وہ اس طرح ہے۔ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی الآیۃ۔ ترجمہ۔ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ الخ

ریویو۔ ہائے حسین مظلوم۔ اس نام کا ۸ صفحہ کا رسالہ منشی خادم حسین خادم بھیروی احمدی نے لکھا ہے جس میں انہوں اپنی کتاب تحقیق کربلا کے مضامین کا ایک مختصر خلاصہ بطور مشتے نمونہ خروار درج کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ قاتلان امام سُنی نہ تھے بلکہ شیعہ تھے اور شیعہ بھی شیعان علیؓ و امام حسنؓ جن سے پہلے کوئی شیعہ ہی نہیں ہوا۔ قیمت فی کاپی ۲ رہم کاپی سے کم درخواست نہ ہونی چاہیئے۔ اور درخواست کے ساتھ ٹکٹ ۳ر کے ہوں۔ ملنے کا پتہ میاں شمس الدین ہیڈ ماسٹر متصل ڈاکخانہ بھیرہ۔

ابطال کفّارہ

(۱)

مرقومہ مولوی الہ دین صاحب واعظ اسلام

ہر خاص و عام پر واضح ہو کہ نجات عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے ہائی چھٹکارا ۔ مخلصی کے ہیں ۔ نجات کی امید ہر ایک مذہب کا آدمی اپنے دل میں رکھتا ہے اور کوئی نہ کوئی وسیلہ مغفرت کا اپنی مانی ہوئی کتاب سے متصور کرتا ہے ۔ اس تحریر میں ہم صرف عیسائیوں کی نجات کا بیان کرنا چاہتے ہیں ۔ وسیلہ نجات عیسائیوں نے مسیح کا کفّارہ تجویز کیا ہے ۔ چنانچہ حضرت یوحنا حواری اپنے خط اول کے باب ۲ ورس اول و دوم میں فرماتے ہیں ۔ یسوع مسیح جو صادق ہے باپ کے پاس ہمارا وکیل ہے اور وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے فقط ہمارے گناہوں کا نہیں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی ؛

اور پادری فنڈر صاحب اپنی میزان الحق مطبوعہ ۱۸۶۲ء کے صفحہ ۱۲۱ سطر ۱۶ میں فرماتے ہیں ۔ یسوع مسیح سب کی نجات کا واسطہ اور سبب ہے ، اور اس کے دُکھ اور صلیبی موت جو اس نے ہمارے لیئے اپنے اوپر قبول کیئے وہی اس بات کے باعث ہوئے کہ خدا اس کی خاطر اُن لوگوں کے گناہ کی سزا سے جو یسوع مسیح پر ایمان لائے درگذر کرتا اور انہیں ہمیشہ کی نیک بختی کو پہنچاتا ہے انتہیٰ ؛

صاحب موصوف اپنی دوسری کتاب طریق الحیات مطبوعہ ۱۸۶۷ء کے صفحہ ۱۱۲ سطر ۱۹ میں فرماتے ہیں ”غرض کہ گناہ کی معافی اور نجات حاصل کرنے کے وسیلے جو گنہگار بندوں کے لیئے خدا کے حضور سے مقرر اور انجیل میں بیان ہوئے ہیں سو مسیح کا وہی دُکھ اور موت ہے ۔ پس جو کوئی مسیح پر ایمان لاوے گا اور اس کے کفارہ کو قبول کریگا اس کے سارے گناہ معاف ہوں گے اور مسیح کی خاطر خدا کی رضامندی اس پر ہوگی اور وہ حقیقی اور ابدی نیک بختی کا مالک بنے گا“ انتہیٰ ؛

اور پولوس صاحب اپنے خط رومیوں باب ۳ ورس ۲۸ میں فرماتے ہیں "پس ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آدمی ایمان ہی سے بے اعمال شریعت کے راستباز ٹھہرتا ہے" انتہی۔

دیکھئے بقول۔ پولوس صاحب صرف مسیح اور کفارے پر ایمان لانے سے نجات حاصل ہوسکتی۔ بے اعمال صالح کا بجالانا بالکل ضروری نہیں ہے۔ اول تو ایمان بدون اعمال حسنہ جو نجات کا ذریعہ یا راستبازی کا زینہ پولوس صاحب نے ٹھہرایا ہے۔ اس کو خود سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری یعقوب مردود قرار دیتا ہے۔ دیکھو خط یعقوب باب ۲ ورس ۲۴ میں لکھا ہے۔ "تم دیکھتے ہو کہ آدمی اعمال سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے صرف ایمان سے نہیں اسی طرح راحب بھی جو فاحشہ تھی جب اس نے جاسوسوں کی مہمانی کی اور انہیں دوسری راہ سے باہر کر دیا گیا اعمال سے راستباز نہ ٹھہری۔ پس جیسا بدن بے روح مردہ ہے ویسا ہی ایمان بے اعمال مردہ ہے"۔

دیکھئے۔ یعقوب حواری صرف ایمان کو بدون اعمال صالح کے مردہ قرار دیتے ہیں کیا مردہ ایمان نجات کا وسیلہ ہوسکتا ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ دوم صرف مجرد ایمان پر نجات یا راست بازی کا مدار ٹھہرانا پولوس صاحب کا صریح گمراہی پھیلانا اور گناہوں پر دلیر کرنا ہے چنانچہ پولوس کی اس آزادی بخشنے والی یا گناہوں پر افروختہ کرنے والی ناقص تعلیم نے عیسائیوں کو یہاں تک بے لگام کر دیا اور خصوصاً مسئلہ کفارہ نے چنانچہ لوتھر مارٹین فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیشوا فرماتے ہیں کہ فقط ایمان رکھو اور بغیر روزہ کی سختی اور کسی پرہیز کے بار کے بغیر اعتراف کی تکلیف کے اور نیک کاموں کی سختی کے یقین ہی جانو تم بچائے جاؤ گے تمہارے واسطے نجات ایسی تحقیق اور بے شک ہے جیسی مسیح کے واسطے ہاں گناہ کرو اور خوب دلیری سے گناہ کرو فقط ایمان رکھو اور اگرچہ ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری یا خون کرو صرف ایمان رکھو کہتا ہوں میں۔ تمہارا ایمان تم کو بچا وے گا۔ دیکھو پادری بیڈیلی صاحب کی کتاب کا ترجمہ طامس انگلش مطبوعہ ۱۸۵۱ء کا صفحہ ۳۳۔ انتہی۔

اب رہا ذات خود مسئلہ کفارہ اور اس کی حقیقت بھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے اول تو اس کفارے کو بائبل ہی رد کرتی ہے۔ دیکھو کتاب حزقی ایل باب ۱۸ ورس ۲۔ تم اسرائیل کے ملک

کے حق میں کیوں یہ کہاوت کہتے ہو کہ باپ دادوں نے کھٹے انگور کھائے اور بیٹوں کے دانت کُند ہو گئے۔ خداوند یہوواہ کہتا ہے کہ مجھے اپنی حیات کی قسم کہ تم پھر اسرائیل میں یہ مثل نہ کہو گے۔ دیکھو ساری جانیں میری ہیں۔ دیکھو جس طرح باپ کی جان اسی طرح بیٹے کی جان دونوں میری ہیں۔ وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مرے گی۔ باب ایضاً ورس ۲۰ وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مریگی۔ بیٹا باپ کی بدکاری کا بوجھ نہیں اُٹھاویگا اور نہ باپ بیٹے کی بدکاری کا بوجھ اُٹھاوے گا۔ صادق کی صداقت اسی پر ہو گی اور شریر کی شرارت اسی پر پڑے گی۔ انتہیٰ۔

کیوں عیسائیو! جب الٰہی قانون سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ باپ بیٹے کا یا بیٹا باپ کے گناہوں کا ذمہ وار نہیں ہو سکتا اور یہی عدل بھی ہے اور صادق کی صداقت کا فائدہ صادق کو ہو گا اور شریر کی شرارت کی سزا خود شریر کو ہو گی جو عین انصاف ہے پھر برخلاف عدل خداوندی اور قانون الٰہی کے حضرت مسیح خدا کے صادق بندے پر عیسائیوں کی شرارت اور گناہوں کا بوجھ اللہ جل شانہٗ اپنے انصاف اور عدل کو توڑ کر کیونکر رکھ دیگا ہرگز نہیں ہرگز نہیں اور بائبل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شریر صادقوں کا کفارہ ہونگے۔ دیکھو کتاب امثال باب ۱۱ آیت ۸ میں صاف لکھا ہے۔ صادق مصیبت سے رہائی پاتا ہے اور اُس کے بدلے شریر پکڑا جاتا ہے۔ کتاب ایضاً باب ۲۱ آیت ۱۸۔ شریر لوگ صادقوں کے بدلے اور خطاکار راستبازوں کے عوض فدیہ دیئے جاویں گے انتہیٰ۔

خلاف بائبل کے عیسائی صاحبان شریروں کے عوض صادق کو فدیہ ٹھہراتے ہیں۔ یعنی اپنی شرارت اور گناہوں کا فدیہ حضرت مسیح صادق کو بناتے اور بائبل کی تکذیب کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتے۔

فدیہ و کفارہ بذات خود باطل ہے اور اس کے ابطال پر قانون قدرت اور ہمارا مشاہدہ یعنی دو کافی گواہ موجود ہیں۔ دیکھئے کتاب پیدائش باب ۳ آیت ۱۳ سے ۱۹ تک جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ منع کیئے ہوئے پھل کھانے پر خدا نے اول سانپ کو سزا دی کہ تُو ملعون ہوا۔ اور اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور تمام عمر مٹی کھائیگا۔ دوم حوا کو

یہ حکم سنایا گیا کہ تیرے حمل میں درد زیادہ ہوگا اور تو درد سے جنے گی۔ اور تیرا شوق تیرے خصم کی طرف ہوگا اور تیرا خاوند تیرے پر حکومت کریگا۔ سوم آدم کو کہا گیا کہ زمین تیرے باعث سے لعنتی ہوگی۔ وہ تیرے لیئے اونٹ کٹارے اُگائے گی۔ اور تُو اپنے مُنہ کے پسینے سے روٹی کھائے گا۔

یہ تمام سزائیں سانپ اور حوّا اور آدم کو خدائے تعالیٰ نے باغ عدن میں منع کیئے ہوئے پھل کھانے کی وجہ سے دیں اور عیسائیوں کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ آدم کے گناہ کرنیسے تمام بنی آدم گنہگار ہی پیدا ہوتے ہیں آدم کے گناہ کے باعث تمام نوع انسانی کا گنہگار پیدا ہونا اس گناہ کو عیسائی موروثی یا فطری کہتے ہیں۔ عیسائیوں کا یہ بھی خیال خام ہے کہ مسیح تمام بنی آدم کا کفارہ ہوا تھا چنانچہ یوحنا حواری اپنے خط اول باب ۲ درس ۲ میں لکھتے ہیں۔ وہ یعنی مسیح ہمارے گناہوں کا کفّارہ ہے فقط ہمارے ہی گناہوں کا نہیں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی۔

اب اس کفّارے کے ابطال پر بڑی دلیل یہ ہے کہ بقول عیسائیوں کے مسیح کو کفّارہ ہوئے آج ۱۰۔ نومبر ۱۹۱۰ء کو ۱۸۷۷ برس ہو چکے مگر کفارے کا کوئی نتیجہ تسلّی بخش ظاہر نہیں ہوا کیونکہ باغ عدن میں جو منع کیئے ہوئے پھل کھانے پر حوّا اور آدم کو سزائیں ہوئیں تھیں وہ جوں کی توں موجود ہیں آدم کے بجائے اس کی ذرّیت جو موروثی اور فطری گناہ میں ملوّث ہوگئی ہے جس کی سزا مشقّت سے روٹی کمانا اور زمین کا لعنتی ہونا کانٹے اُگانا مقرر ہوا تھا اور عورت کا خاوند کی طرف شوق ہونا اور درد سے اولاد پیدا ہونا اور خاند کا عورت پر حکومت کرنا یہ سزائیں اب بھی ہماری آنکھوں کے سامنے برقرار ہیں حالانکہ حضرت آدم وحوّا بقول پادری فنڈر صاحب مسیح کے کفّارے پر ایمان بھی لا چکے تھے۔ دیکھو طریق حیات مطبوعہ ۱۸۶۷ء کے صفحہ ۱۹ سطر ۳ میں لکھا ہے۔ اور موعودہ نجات دینے والے پر ایمان لانے سے جو توریت اور انجیل کی آیۃ کے موافق یسوع مسیح ہے آدم کی توجہ خدا کی درگاہ میں قبول ہوئی۔ انتہی۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت آدم وحوّا کی توبہ اور مسیح کے کفّارے پر ایمان لانے۔

بخشش ہو جاتی اور کفارے کا نیک اثر پایا جاتا تو آدم کی ذرّیت میں فطری گناہ کا اثر بالکل نہ رہتا اور جو سزائیں آدم و حوّا کو تجویز ہوئی تھیں موقوف ہو کر ذرّیت آدم بدون مشقت روٹی کھاتی اور زمین بھی لعنت سے پاک ہو کر کانٹے اُگانے سے رُک جاتی اور عورتیں بدون درد کے بچے جنتیں وغیرہ وغیرہ مگر اُن سزاؤں کا جاری رہنا ثابت کر رہا ہے کہ مسیح کا کفّارہ درگاہ الٰہی میں ہنوز منظور ہی نہیں ہوا۔ اگر منظور ہو جاتا تو یہ عام سزائیں ضرور اُٹھ جاتیں پس ہمارا مشاہدہ عینی قانونِ قدرت پر نظر ڈالنے سے شہادت دے رہا ہے کہ مسیح کے کفّارے سے گناہوں کی بخشش کا ہونا سراسر باطل ہے ؛

اب ہم مثال کے طور پر مسئلہ کفّارہ کا بیکار ہونا ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ مثلاً پنڈت گنگا رام نے اپنی عمر کا ایک حصہ تقریباً چالیس سال اپنے آبائی مذہب بُت پرستی میں بسر کیا۔ بعد ازاں پنڈت صاحب کو تحقیق ہو گیا کہ میرا قدیم مذہب بالکل باطل ہے اور مذہب مسیحی نہایت عمدہ ہے پنڈت صاحب موصوف بڑی خوشی سے مسیحی ہو گئے اور اس تبدیلیٔ مذہب میں پنڈت گنگا رام صاحب کو محض نجات ابدی مدِ نظر ہے کوئی دنیوی لالچ عام مسیحیوں کی طرح نہیں ہے اور اصطباغ بھی ناشاہد پادری بشپ صاحب سے لیا اور عشائے ربّانی میں بھی داخل ہوئے۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ پنڈت گنگا رام صاحب نے جو بعد بلوغت چالیس برس کی عمر تک گناہ کیئے تھے وہ مسیح کے خون سے دھوئے گئے اور پنڈت صاحب بالکل گناہوں سے پاک ہو گئے اور گناہوں سے پاک ہو کر آدمی نجات ابدی پا سکتا ہے اس لیئے پنڈت صاحب نجات یافتہ ہو گئے۔ عیسائیوں کی اس خام خیالی کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ از روئے بائبل اور قرآنِ پاک سچی توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور توبہ کا منظور ہونا خدا کی رحمت کا ثبوت دے رہا ہے۔ دیکھیئے کتاب یسعیاہ باب ۵۵ آیت ۷ میں لکھا ہے۔ جو شریر و فاسق اپنے اندیشوں سے باز آوے اور خدا کی طرف پھرے سو وہ رحم کریگا اور کثرت سے عفو کریگا۔ انتہیٰ ؛

توبہ کے معنے گناہ سے پھرنا۔ باز آنا کے ہیں اور توبہ سے گناہوں کا بخشا جانا۔ انجیل لوقا

باب ۱۵ آیت ۳ سے ثابت ہے "تب اس نے یعنی مسیح نے اُن سے یہ تمثیل کہی کہ تم میں سے کون ہے کہ جس کے پاس سو بھیڑ ہوں اگر اُن میں سے ایک کھوئی جائے اُن ننانوے کو جنگل میں نہ چھوڑے اور اس کھوئی ہوئی کو جب تک نہ پاوے ڈھونڈھا نہ کرے اور پا کے خوشی سے اپنے کاندھے پر اُٹھا نہ لے اور گھر میں جا کے دوستوں اور پڑوسیوں کو بلا کے نہ کہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ میں نے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ پائی میں تم سے کہتا ہوں کہ اس ہی طور پر آسمان میں ایک گنہگار کے واسطے جو توبہ کرتا ہے ننانوے راستبازوں سے جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے زیادہ خوشی ہوگی"۔ انتہیٰ ۔

دیکھئے سچی توبہ سے آسمان پر خدا خوش ہوتا ہے اور خدا کی خوشی کا نتیجہ اس کی رحمت ہے جس سے گناہ معاف کر دیتا ہے چنانچہ پولوس اپنے خط دوم قرنتیوں کے باب ۷ ورس ۹ میں فرماتے ہیں۔ "اب میں خوش ہوا ہوں اس واسطے کہ تم غمگین ہوئے پر اس واسطے کہ تمھارے غم کا انجام توبہ ہوا کیونکہ تم خدا کے لیے غمگین ہوئے تاکہ ہم سے بات میں نقصان نہ پاؤ۔ کیونکہ وہ غم جو خدا کے لیے ہے ایسی توبہ پیدا کرتا ہے جس سے نجات ہوتی ہے" انتہیٰ ۔

دیکھئے سچی توبہ سے نجات کا حاصل ہونا پولوس صاحب نے تسلیم کر لیا ہے اور توبہ سے گناہوں کی معافی کا ذکر بائبل میں بکثرت پایا جاتا ہے جس کا کوئی عیسائی انکار نہیں کر سکتا پھر کیوں عیسائی صاحبان توبہ سے گناہوں کی معافی کا مسئلہ بائبل میں موجود پا کر پنڈت گنگا رام صاحب کے گناہوں کا سچی توبہ سے ۔۔۔ معاف ہونا تسلیم نہیں کرتے اور ناحق کفّارہ کا مسئلہ جو سراسر عدلِ خداوندی کے خلاف ہے ازراہِ نادانی پیش کرتے ہیں عیسائیوں کا سچی توبہ سے گناہوں کا معاف ہونا نہ تسلیم کرنا بائبل کی تکذیب کرنا ہے۔ بالفرض اگر بقول عیسائیوں کے سچی توبہ سے گناہ معاف نہیں ہوتے اور جہاں جہاں بائبل میں سچی توبہ سے گناہ معاف ہونے کا بیان ہے بالکل غلط اور سراسر جھوٹ ہے، اور پنڈت گنگا رام صاحب کے گناہ مسیح کے خون ۔

دھوئے گئے یعنی مسیح کے کفارے پر ایمان لانے سے پنڈت گنگا رام اپنے پہلے گناہوں سے پاک ہوگیا تو یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پنڈت صاحب موصوف جب چالیس برس کی عمر میں عیسائی ہوئے اور عیسائی ہونے سے ان کے پہلے گناہ بقول عیسائیوں کے مسیح کے خون سے دھوئے گئے۔ پھر عیسائیت کی حالت میں پنڈت گنگا رام صاحب بیس سال اور جی کر ساٹھ برس کی عمر پوری کرکے فوت ہوئے اس بیس سال میں جو عیسائیت میں گذرے پنڈت صاحب سے گناہ سرزد ہوئے ہونگے یا نہیں۔ شق اول اگر پنڈت صاحب بالکل گناہ نہیں کرینگے اور ان کو گناہوں سے بکلی نفرت ہوجائے گی جیسا کہ پادری فورمن صاحب لاہوری اپنی کتاب تیغ و سپر عیسوی مطبوعہ ۱۸۸۵ء کے صفحہ ۷۰ میں فرما چکے ہیں تو یہ خیال پادری فورمن صاحب اور عام عیسائیوں کا بالکل غلط ہے کیا عیسائیوں کو بحالتِ عیسائیت یہودہ حواری کا جو از روئے انجیل متی باب ۱۹ آیت ۲۸ بارھویں تخت کا وارث تھا چوری کرنا یاد نہیں ہے؟ دیکھو انجیل یوحنا باب ۱۲ آیت ۶۔ اور پطرس حواری کا اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹی قسمیں کھانا عیسائیت کی حالت میں انجیل متی باب ۲۶ ورس ۷۲ و ۷۳ سے عیسائی صاحبان معلوم کر سکتے ہیں علیٰ ہذا القیاس یہی حال تمام مؤلفین اناجیل کا تھا حتیٰ کہ مؤلفین اناجیل حضرت مسیح سے بے ایمانی کا خطاب حاصل چکے ہیں دیکھو انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۱۴۔ اور یوحنا حواری کلیہ طور پر جمع کے صیغہ سے اپنے خط دوم باب اول آیت ۸ میں فرماتے ہیں۔ اگر کہیں کہ ہم بے گناہ ہیں تو ہم اپنے تئیں فریب دیتے ہیں اور سچائی ہم میں نہیں۔ جائے انصاف ہے کہ مسیح کے ہاتھ پر ایمان لانے والے خاص حواری حالتِ عیسائیت میں گناہ کرتے رہے اور خود وہ اپنے گنہگار ہونے کا اقرار بھی کریں باوجود انجیل میں یہ حالات دن رات پڑھتے ہوئے کس شیخی پر پادری فورمن صاحب نے لکھ مارا کہ سچا عیسائی بحالتِ عیسائیت گناہ نہیں کرتا افسوس عیسائی از روئے بائبل پیغمبروں کو تو حالتِ پیغمبری گنہگار خیال کریں جیسا کہ پادری فنڈر صاحب اپنی کتاب طریق النجات مطبوعہ ۱۸۶۷ء کے ۲۹ سطر ۱۲ میں لکھتے ہیں۔ مقدس کتابوں میں آدم کا اور بعض پیغمبروں کا گناہ مثل داؤد و سلیمان و یونس وغیرہ کے لکھا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ ہر آدمی بلکہ پیغمبر بھی گناہ میں

پھنسے ہیں۔ انتہیٰ ؛

جائے غور ہے کہ جب بقول پادری فنڈر صاحب پیغمبر حالتِ پیغمبری میں گناہ کرتے رہے تو نو مرید خاکروب وچمار اور ہندو مشرک جو بموجب کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۵ کے اپنے والدین کے شرک کی وجہ سے چار پشت تک پاک نہیں ہو سکتے مسیحی ہوتے ہی گناہوں سے پاک ہو کر بے گناہ ہو جائیں اور پھر اُن میں گناہ کا مادہ ہی نہ رہے اس سفید جھوٹ کا کیا ٹھکانہ ہے۔ شق ثانی اگر پنڈت گنگا رام صاحب بعد عیسائی ہونیکے اور حالتِ عیسائیت میں گناہ کریں گے اور ضرور کریں گے۔ اور عام عیسائی حالتِ عیسائیت میں رات دن گناہ کرتے ہیں تو عیسائیت کی حالت میں گناہ کرنیوالوں کے حق میں خط عبرانیہ کے مصنّف کا یہ فتویٰ موجود ہے کہ حالتِ عیسائیت میں گناہ کرنیوالے ابدی جہنّمی ہیں دیکھو خط عبرانیہ باب ۶ آیت ۴ میں صاف لکھا ہے۔ کیونکہ وے جو ایک بار روشن ہوئے اور آسمانی بخشش کا مزہ چکھا اور روح قدس میں شریک ہوئے اور خدا کے عمدہ کلام و آئندہ جہان کی قدرتوں کا مزہ اُڑایا اگر گر جاویں تو انہیں پھر از سرِ نو کھڑا کرنا تاکہ وے توبہ کریں ناممکن ہے کیونکہ انہوں نے خدا کے بیٹے کو اپنے لیئے دوبارہ صلیب پر کھینچکر ذلیل کیا۔ کیونکہ جو زمین اس مینہ کو کہ بار بار اس پر برسے پی جاتی ہے اور ایسی سبزی جو کسان کو مفید ہو لاتی ہے سو خدا سے برکت پاتی ہے پر وہ جو کانٹے اور اونٹ کٹارے پیدا کرتی ہے نامقبول اور نزدیک ہے کہ لعنتی ہو جس کا انجام جلنا ہوگا۔ انتہیٰ ؛

دیکھئے عبارت مذکورہ بالا سے صریح اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی ہو کر آسمانی روشنی سے روشن یعنی روح قدس سے فیض یاب ہو کر اور کلام الٰہی کے راز کے مزے پاکر۔ اگر گر جاویں یعنی گناہ کر کے تنزّل کی حالت میں گر جاویں تو ان لوگوں کا از سرِ نو کھڑا کرنا یعنی ان کا توبہ کر کے اصلی حالت پر آ جانا غیر ممکن ہے کیونکہ انہوں نے ایک دفعہ اپنے گناہ کا بوجھ مسیح پر رکھ کر دوبارہ پھر گناہ کا بوجھ مسیح پر ڈالنا چاہا یہ دوبارہ اپنے گناہوں کا بوجھ مسیح پر رکھنا مسیح کو دوبارہ صلیب پر کھینچکر ذلیل کرنا ہے اس لیئے

حالتِ عیسائیت میں گناہ کرنیوالے کی توبہ قبول ہونی امکان سے خارج ہے جب توبہ قبول نہ ہوئی تو یہ گناہ دوزخ کا باعث ہونگے۔ چنانچہ اس بیان مذکورہ بالا کی تائید خط عبرانیہ باب ۱۰ ورس ۲۶ سے بخوبی ہوتی ہے کیونکہ اگر بعد اس کے کہ ہم نے سچائی کی پہچان حاصل کی ہے جان بوجھ کے گناہ کریں تو پھر گناہوں کے لیئے کوئی قربانی نہیں مگر عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور آتشی غضب جو مخالفوں کو کھائے گا باقی ہے۔ انتہیٰ ؛

سچائی کی پہچان یعنی دین عیسوی کی سچائی جان کر عیسائی ہونا اور پھر حالتِ عیسائیت میں گناہ کرنا تو ان گناہوں کے لیئے کوئی فدیہ باقی نہیں کیونکہ عیسائی ہونے کے پہلے جو گناہ ہوئے تھے وہ تو مسیح کے خون نے دھو دیئے اب بعد عیسائی ہونے کے جو گناہ ہونگے ان کے لیئے کوئی اور قربانی باقی نہیں جو یہ گناہ دھوئے جاویں مگر ایسے گنہگاروں کے لیئے عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور آتشی غضب یعنی دوزخ جو گنہگاروں کے لیئے تیار کیا گیا ہے باقی ہے یعنی حالتِ عیسائیت میں گناہ کرنے والا سیدھا جہنم میں داخل کیا جاویگا۔ عیسائی ہوکر گناہوں سے بچنا غیر ممکن اور گناہوں کا بدلہ صریح دوزخ گویا عیسائی ہونا جہنمی ہونا ہے اگر کسی عیسائی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ جو گناہ حالتِ عیسائیت میں عیسائیوں سے ہوتے ہیں وہ بذریعہ توبہ بخشے جاسکتے ہیں اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ پادری فنڈر صاحب اپنی کتاب طریق النجات مطبوعہ ۱۸۶۷ء کے صفحہ ۵۴ سطر ۹ میں فرماتے ہیں۔ توبہ و بازگشت کے سبب گناہ کی سزا سے درگذر نہ کرے گا۔ انتہیٰ ؛

اِس سے ظاہر ہے کہ گناہ کی سزا سے درگذر نہ ہوگی اور بقول پادری فنڈر صاحب مندرجہ میزان حق صفحہ ۳۵ سطر ۱۶ توبہ و بازگشت گناہوں کا کفارہ نہیں ہوسکتا اور گناہ صرف اسی سے معاف نہ ہوگا۔ انتہیٰ ؛

الغرض عیسائی مذہب کا دارومدار اور نجات کا ذریعہ مسئلہ فدیہ اور کفارہ نجات کے لیئے کافی نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی مسیحی مسیحیت کی حالت میں گناہوں سے بچ سکتا ہے اور نہ نجات ابدی پاسکتا ہے بلکہ از روئے خط عبرانیہ دوزخی ہوسکتا ہے سو عیسائیوں!

نجات کا ٹھیکہ ٹوٹ گیا اور مفت کی نجات کا ستون یعنی تمہارے فرضی کفارے کا ابطال درحقیقت تمہاری نجات کا ابطال ہے جو انجیل ہی سے کرکے دکھلا دیا گیا ہے۔

اسلام اور دیگر مذاہب

مرقومہ حضرت میر ناصر نواب صاحب

عیسائیوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قرآن شریف پچھلی کتابوں سے بطور سرقہ لیا گیا ہے کیونکہ تعلیمیں ملتی جلتی ہیں لہٰذا وہ انسانی تصنیف ہے پھر عیسائیوں کے خوشہ چین آریہ صاحبان نے اُن کی پیروی کرکے یہی الزام قرآن شریف پر لگایا ہے اس لئے مجھے خیال آیا کہ اپنی مبارک و حقانی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سے مَیں بھی بقدر اپنی طاقت کے اس الزام کو دُور کروں۔

حقیقت یہ ہے کہ ملتی جلتی تعلیم سے ان لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے یا مخلوق خدا کو دھوکہ دینا چاہا ہے سو سب سے پہلے خیال کرو کہ پچھلے زمانہ کے دولتمندوں کے پاس روپیہ اشرفیاں لعل جواہر موتی ہیرے گھوڑے ہاتھی وغیرہ ہوتے تھے۔ اور اس زمانہ کے اُمرا بھی یہی چیزیں رکھتے ہیں تو کیا اگر پچھلے لکھ پتیوں سے زیادہ اس زمانہ میں کوئی کروڑپتی یا پدم پتی ہو تو وہ اس سبب سے دولتمند نہ گنا جاوے کہ یہ دولت تو پہلے بھی ہوتی تھی اور ایسے امیر تو پہلے بھی ہو چکے ہیں یہ دولت اُنکی چرائی ہوئی ہے جب دولتمندی کے بھی مسلم نشانات ہیں تو کیا اب یہ مخالفان اسلام چاہتے ہیں کہ اب جو دولتمند ہو اسکے خزانہ میں بجائے روپیہ کے نجاست کے ڈھیر ہوں تب معلوم ہو کہ وہ دولتمند ہے یا پہلے امرا کے باغوں میں امرود و انار و انگور کھجوریں ناشپاتیاں کیلے وغیرہ کے درخت ہوتے تھے اور اب جو نہایت عمدہ باغ کوئی لگائے تو اسمیں

ان درختوں میں سے کسی کا نام بھی نہ ہو بلکہ نیم بکائن ببول اندرائن دھتورہ وغیرہ لگائے جائیں تب ثابت ہو کہ یہ باغ انوکھا ہے ورنہ ثابت ہوگا کہ پچھلوں کا سرقہ ہے اسپر بھی غور کرو پہلے بادشاہ اپنے اعلیٰ درجہ کے امیروں کو خطابات دیا کرتے تھے تو اُن کا مضمون اس قسم کا ہوتا تھا ہمارے قوت بازو یا ہمارے خیرخواہ یا سلطنت کی پشت و پناہ وغیرہ اب اسکے برخلاف باغی سرکش دشمنِ سلطنت حرام خور وغیرہ خطابات عطا ہوں تب معلوم ہو کہ پچھلوں کا سرقہ نہیں ہے پچھلے خوبصورتوں کی تعریف ہوئی تھی عمدہ بوٹا سا قد چاند کی طرح چہرہ گورا رنگ دانت موتی کی لڑیاں آنکھیں حور جیسی ناک سو توان ٹھوڑی تارا ما تھے چاند کان جیسے پھول وغیرہ۔

اب ہمارے مدعی چاہتے ہیں کہ یہ تعریفیں تو باسی ہو چکی ہیں اب اس کے برخلاف یہ تعریف معشوقوں کی ہونی چاہیئے تاڑ کے برابر قد سور کا سا چہرہ شب دیجور کی طرح رنگ کُتے جیسے دانت ہاتھی کی طرح آنکھیں پکوڑے جیسی ناک مسے والی ٹھوڑی رسولی والا ماتھا خرگوش کی طرح کان۔ پچھلے انبیاء توحدانیت کی تعلیم دیتے تھے:۔ راست گفتاری اور نیک کرداری کا حکم فرماتے تھے زنا سے روکتے تھے فساد سے اور لوٹ مار سے ہٹاتے تھے حرص و لالچ سے منع فرماتے تھے عبادتِ الٰہی کا حکم کرتے تھے وغیرہ۔ اب جو نبی تشریف لاویں تو انکی صداقت کا معیار یہ ہو کہ شرک کا حکم کریں عبادت سے روکیں راست گفتاری و نیک کرداری کے پاس قطعاً نہ جانے دیں زنا کو جائز فرماویں فساد اور لوٹ مار کو فرض و واجب ٹھہرادیں حرص و لالچ کو باعث ثواب کہیں وغیرہ۔ پہلے نبیوں نے حکم فرمایا ہے خون نہ کرو ماں باپ کا ادب کرو اب جو نبی ہو وہ اس کے برخلاف حکم دے کہ خونریزی ثواب ہے اور ماں باپ کا ادب باعث عذاب۔ ماں باپ کو خوب جوتے مارنے چاہئیں اور ہرگز اُن کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے اور ہر ایک گھر میں ایک پتھر عبادت کے لیئے ضرور رکھا جاوے تب ثابت ہو کہ اس نبی نے توراۃ سے اپنی تعلیم نہیں چرائی اور نیز یہ حکم کرے کہ خدا سے پیار نہ کرو بلکہ دنیا سے دل لگاؤ اور مخلوقِ خدا کو پیار نہ کرو بلکہ جسقدر ممکن ہو انکو ستاؤ تو معلوم ہو کہ انجیل

سے اس بزرگ نے کچھ نہیں حاصل کیا بلکہ اس شخص کی طرح جس نے گندہ بروزہ کے ساتھ خشکہ کھا کر کہا کہ خشکہ باگندہ بروزہ اگرچہ گندہ است لیکن ایجاد بندہ است۔

پیارے ناظرین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب فرمایا ہے کہ میں تمام دنیا سے جداگانہ مذہب لایا ہوں جو پچھلے مذاہب سے بھی بالکل الگ ہے اور فطرت انسانی سے مغائر ہے اور قرآن شریف نے کس جگہ دعوٰی کیا ہے کہ میرا گذشتہ مذاہب سے کچھ بھی تعلق نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور قرآن شریف نے تو بار بار ذکر کیا ہے کہ قرآن شریف گذشتہ مذاہب کی اصلاح کے لیئے آیا اور اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کتابوں کی غلطیوں کی اس میں اصلاح فرمائی ہے پچھلے کل باغوں کے درخت اس باغ میں لگا دیئے ہیں اور پچھلے کل خزانوں کے مال و دولت اس خزانہ میں جمع کر دیئے ہیں اور کل معشوقوں کے خدوخال و حسن و جمال اس قرآن شریف کے پاک چہرہ میں اکٹھے فرما دیئے ہیں۔

نزول قرآن شریف کے وقت نبوت کا خوشنما چہرہ بدنما کیا گیا تھا اور نبوت کے باغ ویران ہو گئے تھے اور اس کے مالی پانی دینے والے اور صاف کرنیوالے مر چکے تھے اور نبوت کے محل بوم و چغد کا مسکن بن گئے تھے نبوت کے خزانے تاراج ہو چکے تھے ہر ایک چیز اپنی جگہ سے سرک گئی تھی نمک اور مٹھاس میں کوئی فرق کرنیوالا نہیں تھا آب شیریں و آب شور ایک برتن میں جمع کیئے گئے تھے موتی اور ٹھیکریاں ایک جگہ میں اکٹھی کی گئی تھیں سوئر اور بھیڑ کے گلے ایک مکان میں رکھے جاتے تھے اور دونوں کو یکساں حلال سمجھکر کھایا جاتا مذہبی نشانات بھی مٹائے گئے تھے ختنہ کی رسم عیسائیوں نے موقوف کر دی تھی اور حرام خوری و حرام کاری سے نہیں شرماتے تھے لکڑیوں کی صلیبیں بڑے بڑے عقلمندوں کے گلوں کا ہار تھیں۔ ادھر ہندوستان میں بت پرستی اور دیوی دیوتا کی پوجا ترقی پر تھی بے حیائی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ فرج پرستی بھی ہوتی تھی اور شرک و بت پرستی و فرج پرستی کو ثواب سمجھا جاتا تھا ترقی کے رستے مٹ گئے تھے بلکہ دین و دنیا میں ترقی معکوس ہو رہی تھی لوٹ مار اور کشت و خون کے

بازار گرم تھے خدا کی عبادت کا ایک مکان بھی نہ تھا نہ اب ہے۔ بلکہ لاکھوں کروڑوں دیوی دوالے اور ٹھاکردوارہ بنے ہوئے تھے اور بنتے جاتے تھے بلکہ اب بھی بن رہے ہیں اور آئندہ بھی بنتے جائیں گے آریوں نے بھی کوئی خالص خدا کی عبادت کا مکان ہنوز نہیں بنایا اور نہ خدا کی عبادت کا اُن کو اسطرح شوق ہے جسطرح مسلمانوں کو ہے۔

غرضکہ نزول قرآن کے وقت تمام ادیان مرچکے تھے اور تباہ ہوگئے تھے قرآن کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرے ہوئے مذاہب کو دوبارہ زندہ کیا اور جو نقص ان میں تھے انکو نکالدیا اور دوسرے کمال انہیں اضافہ کرکے اس کا نام اسلام رکھا جس کو اسم بامسمیٰ کہنا واجب ہے۔

پچھلے ادیان کہنہ محلوں کی طرح شکستہ و ویران ولائق مرمت ہوگئے تھے اور ایک زمانہ دراز سے اس کے ساکنین مرکھپ چکے تھے اور ان کا کوئی وارث حقیقی زندہ نہیں تھا بلکہ موجودہ اینٹوں کے ڈھیر پر دو گنوار اور نااہل قابض تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب ویران اور اُجاڑ محلوں کے مصالحہ سے ایک نیا محل تیار کیا جس کا نام قرآن ہے اور اپنے فضل و کرم سے اور مصالحہ بھی اس کی تکمیل میں اپنے خزانہ عامرہ سے لگایا یہانتک کہ وہ محل مکمل ہوگیا پچھلے محلوں میں کوئی ایسا کمرہ نہیں تھا جو اس میں نہیں ہے نہ کوئی ایسی شاہ نشین تھی جو اس میں نہیں تعمیر کی گئی ہر موسم کے آرام کے ارکان ہیں خلوت و جلوت کے ہال ہیں ہر قسم اسباب سے یہ محل سجا ہوا ہے کوئی ضروری سامان نہیں جو اس میں مہیا نہ ہوں اندر باہر سے یہ محل آراستہ و پیراستہ ہے۔ دربار کے مکان بھی ہیں زنان خانے بھی ہیں پائیں باغ بھی ہیں کچہریاں بھی ہیں اصطبل بھی ہیں فیل خانے اور شتر خانے بھی ہیں سول اور ملٹری محکمہ موجود ہیں ججوں اور منصفوں کے لئے جگہ ہے

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ٭ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جو کچھ پچھلے متعدد محلوں میں تھا وہ بھی اس محل میں ہے اور اس سے زیادہ بھی ہے اب اس پر زیادت ناممکن ہے جیساکہ انسان کی پیدائش جامع کل موجودات ہے اسی طرح قرآن شریف کل مذاہب کی حقانی باتوں کا جامع ہے ایک دائرہ کی طرح کل صداقتوں پر

محیط ہے اسپر زیادتی ہوگی تو بدنمائی ہوگی کیونکہ خوشنمائی اور کمال کی اسپر حد ہو چکی ہے کسی آدمی کے ہاتھ میں اگر چھ انگلیاں ہوں تو یہ زیادتی باعث نقصان ہوگی نہ کہ سبب کمال یا اگر انسانی جسم پر خصوصاً چہرہ پر مسّے اور رسولیاں پیدا ہو جاویں تو بیماری کہلائے گی نہ زیادت حُسن و جمال۔

عیسائیوں کو اپنے کفارہ اور تثلیث پر بہت ناز ہے اور آریوں کو آواگون اور نیوگ پر بڑا گھمنڈ ہے۔ الله الله اسلام کے معترض اپنے نقصوں کی طرف خیال بھی نہیں فرماتے اور اسلام کے حُسن کو قبح سے تعبیر کرتے ہیں اپنی آنکھ کے شہتیر کو تنکے سے بھی کمتر سمجھتے ہیں اور اسلام کی خوبیوں کو معائب بتاتے ہیں تعصّب بھی عجب بُری بلا ہے اس میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے بہرا ہو جاتا ہے عقل ماری جاتی ہے غیرت اُڑ جاتی ہے شرم نہیں رہتی انصاف کا خون ہوتا۔ بھلے چنگوں کو مذہبی جنون ہوتا ہے دنیا کے معاملات میں بڑے ہشیار بڑے لائق فائق بڑے موجد بڑے صناع بڑے سوداگر بڑے امیر بڑے مدبّر بڑے منصف۔ مگر دین کے معاملہ میں بڑے نادان بڑے کمزور بڑے پست .... بڑے بودے بڑے ناقص بڑے لاپروا ؏ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا ❀ مناسب تو یہ تھا کہ دین کا نام ہی نہ لیتے اس کا ذکر بھی درمیان نہ لاتے۔ نہیں بلکہ دنیا سے زیادہ ان کے پادری دین کی منادی میں سرگرم ہیں کروڑوں روپیہ پانی کی طرح لٹاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ امیر غریبوں کو ہندوؤں کو مسلمانوں کو چوہڑوں کو چماروں کو عیسائی بنالیں اور اپنی طرح انسان پرستی پر قائم کریں۔ اصل غرض وہی عیسائی بنانا ہے اور کوئی مطلب نہیں عیسیٰ عیسیٰ بول تیرا کیا لگے کا مول۔ یہ اُن عقلمندوں کا وظیفہ ہے انکے مُنہ سے خدا کا نام کہیں نہیں سنا خدا کو چھوڑ کر مسیح کے نام کے گیت گاتے پھرتے ہیں اور اس کا جلال سناتے پھرتے ہیں پھر اپنی نجات کیلئے حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے مقدس و مطہر انسان کیلئے ملعون ہونا اور تین دن کے لیئے دوزخ میں رہنا قبول کرتے ہیں خدا سے نہیں شرماتے خدائے تعالیٰ ہدایت دے ❀ آریہ صاحبان جنہوں نے چالیس

سال سے ہندوؤں کے گھر میں جنم لیا ہے جب سے ان آریہ مہاشوں نے رشی دیانند کے وید بھاش کو پڑھا ہے اور بھبوتی سبھا کا مطالعہ کیا ہے تب سے ان لوگوں کے دلوں میں ایک خاص ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا ہے جس کے باعث یہ لوگ اپنے سے غیر مذاہب والوں کو عموماً نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے مذہبی طبقہ میں آزردگی اور کشیدگی کی کھاڑی وسیع ہوئے جا رہی ہے ....

... اپنے نئے مذہب کی تائید میں اخبار نکالتے ہیں رسالے چھاپتے ہیں سماجیں بناتے ہیں سکول اور کالج بناتے ہیں لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کر لینے کیلئے کوشش کرتے ہیں خدا اور رسول کو گالیاں دیتے ہیں بزرگوں اور پیشواؤں کی ہجو کرتے ہیں جھوٹے الزام مسلمانوں کے بزرگوں پر لگاتے ہیں مسلمانوں کو بھی اکساتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہوں سکھوں کو بھی ورغلاتے ہیں شدھیاں دو چار کر چکے ہیں جس میں بجز ندامت کچھ ہاتھ نہیں آیا اور شدھ ہونے والے بھی اکثر بڑے جھوٹے نکلے انہیں مردم شناسی بھی نہیں ایک شخص کو جو مسلمان نہیں تھا مسلمان ٹھہرا کر آریہ بنایا اس نے عجیب عجیب گل کھلائے مگر انہوں نے سبق حاصل نہ کیا اور ایک انگریز کو آریہ بنایا وہ کھا پیکر چمپت ہوا ایسا گیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور ایک شخص کو مولوی اور سید بنا کر مسلمانوں کو اس کے نام سے گالیاں دیں آخر اس کا بھانڈا پھوٹ گیا اور معلوم ہو گیا کہ یہ سب آریہ صاحبان کی عنایت تھی وہ شخص پڑھا لکھا بھی معمولی تھا چہ جائیکہ مولوی۔ معلوم نہیں کہ اصل میں آریہ صاحبان کا کیا قصد ہے اُن کے وید میں بے شک جہاد کا حکم ہے لیکن اب وہ زمانہ نہیں۔

ہمارے امام عالی مقام علیہ السلام نے آجکل جہاد کے حرام ہونے میں ایک نظم لکھی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال ٭ دیں کے لیئے حرام ہے اب جنگ اور جدال

اب زمانہ بدل گیا ہے یہ علم و عقل کا زمانہ ہے دنیا نے کایا پلٹ لی ہے۔ آج یہ پادری

اور آریہ دونوں اسلام کے برخلاف تُلے ہوئے ہیں اور ہم پر چڑھے آتے ہیں اور کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ لڑائیاں* شروع ہیں آخر اسلام کی فتح ہوگی جتنا اسلام نے گھٹنا تھا گھٹ چکا اب یہ بڑھے گا خوش نصیب اور عقلمند اسلام میں داخل ہونگے۔ اور بیوقوف اور بے عقل پست حالت میں گر جائیں گے اور لاجواب ہوکر شرمندہ ہونگے اسلام کا باغ پھولے گا پھلے گا اور کانٹے دار جھاڑیاں کاٹی جائیں گی اور جلائی جائیں گی خدا کے فضل کی ہوا چلے گی اور آنکھوں سے پردہ اُڑا دے گی کانوں کے بوجھ دُور ہو جائیں گے عقلیں اور ذہن مصفا و معطر ہو جائیں گے۔ اندھاپن اور بہراپن دُور ہو جائے گا۔ حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعودؑ کی تصانیف لوگ غور سے پڑھیں گے اور فائدہ اُٹھائیں گے۔ اور قرآن شریف و رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائینگے۔ جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کافر تلوار اُٹھاکر خود قتل کیئے گئے تھے اسی طرح اسلام کے برخلاف قلم اُٹھانیوالی قلم سے ذبح ہونگے کچھ اسلام میں داخل ہونگے اور کچھ چُپ چاپ ہو جائیں گے اسلام سربلند ہوگا سچے مسلمان اقبال مند ہونگے سارے جھگڑے مٹ جائینگے امن وامان ہو جاویگا یا اللہ وہ زمانہ جلد لا اور ہمیں ہماری آنکھوں سے قدرت ثانیہ کا تماشا دکھا۔ آمین یا رب العالمین

اسلامی یونیورسٹی

حامداً ومصلیاً

ہم مسلمانان ہندوستان کے لیئے ۱۹۱۱ء (یا ۱۳۲۹ھ) کیسا مبارک سال ہے جس میں مرحوم سر سید احمد خان بہادر کے پُرانے خواب (اسلامی یونیورسٹی) کی تعبیر کا آغاز ہوگیا۔ کون خیال کرتا تھا کہ مسلمان اسقدر دلی جوش کے ساتھ ایک اسلامی یونیورسٹی قائم

* یعنی مذہبی مقابلہ و مباحثات۔ ایڈیٹر

کرنے کے لیئے اتنی جلد آمادہ اور مستعد ہو جائیں گے۔ مگر خداوند تعالیٰ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کے سامان ہی جُدا نظر آتے ہیں۔ اسلامی یونیورسٹی کی ایسی عام تحریک جو اسوقت ہندوستان کی اسلامی آبادی میں پائی جاتی ہے ہمیں بتاتی ہے کہ اس کا تعلق ارادہ الٰہی کیساتھ ہے جو پورا ہو کر رہیگا ہمیں اِس نعمتِ عظمیٰ کے حاصل کرنے کیلیئے پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اور دنیا کو دکھا دینا چاہیئے کہ جس قوم پر سستی کاہلی۔ جہالت کے اعتراضوں کا انبار ہے وہ خدا کے فضل سے اب چست۔ چالاک اور علم دوست قوم بن رہی ہے۔ خداوند تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو سب سے پہلے عام طور پر اُس کے اسباب اس دنیا میں پیدا کرتا ہے (اذا اراد اللّٰہ شیئًا ھیّأ اسبابہ) یعنی جب خدا کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے اسباب مہیّا کر دیتا ہے ٹھیک اِسی سُنتِ الٰہی کے مطابق اِس وقت بھی ایسا ہو رہا ہے ایک طرف تو حضور ملک معظم قیصر ہند کے جشن تاج پوشی کا غلغلہ بلند ہوا اور دوسری طرف ہماری قوم کے پرنس ہز ہائینس سر آغا خان بالقابہ نے اسلامی یونیورسٹی کی تکمیل کا ارادہ کر کے کم سے کم بیس لاکھ روپیہ کے فراہم کرنیکے لیئے تمام ہندوستان میں بذاتِ خود سفر کرنا شروع کر دیا۔ جس سے تمام مسلمانان ہندوستان کے دلوں میں وہ روح چمک اُٹھی جس کے دیکھنے کا شوق ہر ایک قوم کے بہی خواہ کے دل میں تھا اور جس کے دیکھنے کی آرزو مرحوم سرسید افسوس ہے کہ اپنے ساتھ لے گئے میرے عزیزو و بزرگو! اب صرف کام کا وقت ہے اُٹھو اور اس ارادہ الٰہی کو پورا کر کے دنیا کو دکھا دو کہ تم میں وہی روح اب تک باقی ہے جو تمھارے اسلاف میں تمھارے مقدس دین اسلام نے ودیعت کی تھی۔ اور اُن قوموں کو جو آج دنیا میں زندگی کا دعویٰ کرتی ہیں اپنے طریق عمل سے یہ سمجھا دو کہ حجازی رسول (ارواحنا فداہ) کی پاک اور روحانی تعلیم جو ہر ایک مسلمان کے دل میں ہے کسطرح مشکل سے مشکل کاموں کو آسان کر دیتی ہے

میرے بھائیو! میری آخری عمر کی صرف ایک بڑی تمنا یہ ہے کہ اب تم میں سے ہر شخص اپنا یہ فرض سمجھکر کہ اسلامی یونیورسٹی کو اُسکی تکمیل کرنا ہے اپنی پوری کوشش چندہ کی فراہمی میں صرف کرے۔ اور تاج پوشی کے مبارک جشن سے پہلے کم سے کم بیس لاکھ روپیہ فراہم کر کے اپنی قومی زندگی کا عملی ثبوت دیدے ۔ ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد ۔ اگر خارے بود گلدستہ گردد

خاکسار ۔ مشتاق حسین ۔ آنریری سکرٹری تکمیل محمڈن یونیورسٹی کمیٹی ۔ علیگڈھ ۱۱ ۔ فروری

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی طبیعت اب خدا کے فضل سے بہت اچھی ہے گو ابھی باہر تشریف نہیں لاتے مگر تھوڑی دور اُٹھکر چل لیتے ہیں زخم کا اب بہت تھوڑا حصہ باقی ہے خدا کے فضل سے امید ہے کہ اگلی رپورٹ لکھنے تک زخم پورا مندمل ہو جاویگا ؛

اسلامی یونیورسٹی ۔ اسلامی یونیورسٹی کے متعلق جو اعلان عالی جناب نواب وقار الملک کی طرف سے شائع ہوا ہے وہ دوسری جگہ اس رسالہ میں درج ہو چکا ہے ۔ چونکہ بہت احباب دریافت کرتے تھے کہ ہمیں اس تحریک میں شریک ہونا چاہیئے یا نہیں اس لیئے اسکے متعلق حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے ان سب احباب کی ہدایت کے لیئے جنہوں نے آپکے ہاتھ پر بیعت کی ہے ایک عام اعلان شائع فرمایا ہے ۔ جسپر ہمارے سب احباب کو کاربند ہونا چاہیئے ۔ وہ اعلان جس کا عنوان ہے ۔ "اعلان ضروری بہ تعلق تکمیل تجویز محمڈن یونیورسٹی" حسب ذیل ہے :۔

"چونکہ اس وقت ایک عام تحریک ایک اسلامی یونیورسٹی کی ہندوستان میں قائم کرنیکے لیئے ہو رہی ہے ۔ اور بعض احباب نے یہ دریافت کیا ہے کہ اس چندہ میں ہمیں بھی شامل ہونا چاہیئے یا نہیں اس لیئے ان سب احباب کی اطلاع کے لیئے جو اس سلسلہ میں شامل ہیں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اگرچہ ہمارے اپنے سلسلہ کی خاص ضروریات بہت ہیں اور ہماری قوم پر بہت بوجھ چندوں کا ہے ۔ تاہم چونکہ یونیورسٹی کی تحریک ایک نیک اور مفید تحریک ہے اس لیئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے احباب بھی اس تحریک میں شامل ہوں اور قلمی قدمی سخنی درمی مدد دیں" ۔ نور الدین

بعض اخبارات میں یہ غلط خبر چھپی ہے کہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب نے احمدی جماعت کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ چندہ فراہم کر دینے کا وعدہ کیا ہے ۔ یہ درست نہیں ۔ خواجہ صاحب نے جہانتک ہمیں معلوم ہے کوئی ایسا

وعدہ نہیں کیا۔ احمدی جماعت کی شرکت جو کچھ اسلامی یونیورسٹی میں ہوگی وہ اس اعلان کے مطابق ہوگی جو اوپر درج ہے۔ یعنی ہماری جماعت کوئی خاص رقم علیحدہ فراہم کرکے دینے کا وعدہ نہیں کرسکتی۔ ہاں خود حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک ہزار روپیہ اس چندہ میں دینے کے لیئے تکمیل کمیٹی کو لکھدیا ہے۔ دوسرے احباب جہانتک اُن کو توفیق ہوگی اسمیں شریک ہوسکیں گے۔ جہانتک چندوں کا سوال ہے ہماری جماعت دوسری جماعتوں یا عامہ اہل اسلام سے ایک حد تک ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس چھوٹی سی جماعت پر چندوں کا اسقدر بوجھ ہے کہ دوسری کسی جماعت میں اسکی نظیر نہیں ہے۔ دو مدرسے ایک خالص دینی تعلیم کے لیئے اور ایک دینی و دنیوی تعلیم کے لیئے۔ اشاعت اسلام کا ایک عظیم الشان سلسلہ ایک لنگر خانہ۔ مساکین و یتامیٰ کی پرورش۔ عمارتوں کا وسیع سلسلہ۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس جماعت کے چندوں سے ہو رہے ہیں اگر سب مسلمان اسطرح پر دینی کاموں کے لیئے چندے دیں جس طرح احمدی جماعت دیتی ہے تو بیس لاکھ کیا بیس کروڑ روپیہ کا جمع ہو جانا کچھ مشکل امر نہیں ہے۔ ایک ماہ کی آمدنی دیدینا بہت سے لوگوں کو گراں معلوم ہوتا ہے مگر ہماری جماعت نے علاوہ معمولی چندوں کے ابھی تعمیر بورڈنگ و مدرسہ کے لیئے ایک ایک ماہ کی آمد دینی منظور کی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے انفاس طیبہ کی برکت سے اس جماعت میں دینی خدمت کا وہ رنگ پایا جاتا ہے جس کی نظیر بحیثیت جماعت دوسری جگہ ملنی مشکل ہے پس ہمارے دوست بہرحال ان سب چندوں کے علاوہ اسلامی یونیورسٹی کے چندہ میں بھی اپنی استطاعت کے مطابق شامل ہونگے اور دوسرے چندہ دینے والوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ علاوہ روپیہ یا قلمی مدد دینے کے ہم دل سے بھی اس تحریک میں شامل ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس تحریک کو مسلمانوں کے لیئے مفید اور بابرکت بنا دے۔ اور اس کو کامیاب کرے۔ آمین

مردم شماری میں سلسلہ احمدیہ:۔ گذشتہ مردم شماری میں جو مشکلات سلسلہ احمدیہ کے افراد کے شمار میں پیش آئی تھیں اس دفعہ پھر انہی کا اعادہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ گورنمنٹ کی

طرف سے شمار کنندوں کو صاف ہدایات ملی تھیں کہ جو فرقہ کوئی اہل مذہب لکھا دے وہ
لکھا جاوے اور اس کے لیئے علیحدہ خانہ بھی صوبہ پنجاب کے فارموں میں ہے۔ مگر
شمار کنندوں کو چونکہ اپنے کام کی پڑتال کا کوئی ..... خوف نہیں وہ جو چاہتے ہیں کر گذرتے
ہیں۔ امرتسر سے ہمیں یہ شکایت پہنچی ہے کہ احمدی نام کا اندراج فرقہ کے خانہ میں
درست نہیں ہوا اور شمار کنندوں نے پرواتک نہیں کی کہ دریافت کر کے لکھیں
بلکہ بعض وقت کسی کے احمدی لکھوانے پر بھی نہیں لکھا۔ اس کا علاج اسوقت
تو کچھ بھی ہونا مشکل ہے کیونکہ شمار کا کام عموماً بہت تنگ وقت میں شروع ہوا ہے
اور جبتک کہ سپرنڈنٹ صاحب مردم شماری کے نوٹس میں ایسی باتیں لائی جاینگی
اسوقت تک مردم شماری کا کام ختم ہو چکا ہوگا۔ اور ان شکایتوں پر اب کوئی نتیجہ
مرتب نہیں ہو سکتا۔ جب امرتسر جیسے شہر میں یہ حال ہے تو باہر مفصلات میں
کیا امید ہو سکتی ہے کہ شمار کنندے فرقہ کے درست اندراج کی پرواکریں گے۔
اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صحیح تعداد کا پتہ لگنا پھر مشکل ہوگیا۔

ادھر بنگال سے خطوط آئے ہیں جنسے معلوم ہوا کہ وہاں فرقہ کا خانہ علیحدہ
کوئی رکھا ہی نہیں گیا۔ پنجاب میں جس بے ترتیبی سے فرقہ کا اندراج ہوتا ہے اس سے
بہتر تو یہی تھا کہ ایسا اندراج نہ ہی ہوتا تاکہ کم از کم گورنمنٹ اور پبلک کو صحیح اعداد
کے متعلق کوئی دھوکہ تو نہ لگتا۔ اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ایک صوبہ میں فرقوں
کی تعداد علیحدہ معلوم کرنے سے اور دوسروں میں نہ کرنے سے محکمہ مردم شماری کا
کیا منشا ہے۔ اگر فرقوں کی تعداد کا پتہ لگانا مقصود تھا تو کل ہندوستان میں یک
ہی عملدرآمد ہونا چاہیئے تھا اور اگر اس کی ضرورت نہ تھی تو پنجاب میں اس خانہ کے
رکھنے اور اسپر ہدایات کے دینے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ بنگال میں انجمن احمدیہ
مونگیر کے سکرٹری حکیم خلیل احمد صاحب نے سپرنڈنٹ صاحب مردم شماری بنگال کو
اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ فرقہ کا اندراج بھی ہو تو ان کو یہ جواب ملا کہ صرف بڑے
مذاہب جیسے ہندو اور مسلمان ہی مردم شماری میں لکھے جاویں گے۔ اور فرقوں کے

نام نہیں لکھے جاویں گے۔ حالانکہ اسی ضلع مونگیر میں وہاں کے سپرنڈنٹ مردم شماری نے احمدی فرقہ کے متعلق یہ رپورٹ کی ہے کہ اس ضلع میں یہ فرقہ بہت ترقی کر رہا ہے۔ بہرحال یہ اچھا ہوتا اگر فرقوں کی عدد شماری کے متعلق ہندوستان کے سب صوبوں میں ایک ہی راہ اختیار کی جاتی۔

انجمنہائے احمدیہ:۔ فروری ۱۹۱۱ء کے آخر جو اجلاس مجلس معتمدین کا ہوا اس میں چند تجاویز انجمنہائے احمدیہ کے متعلق منظور کی گئی ہیں۔ (اوّل) کانفرنس انجمنہائے احمدیہ منعقدہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں ایک تجویز ایک واصل باقی نویس کے رکھا جانیکی پیش کی گئی تھی جس کا منشا یہ تھا کہ موجودہ صورت جس میں بقایوں کا مطالبہ مقامی انجمنوں پر ہی چھوڑا جاتا ہے اطمینان بخش نہیں اور کہ باقاعدہ وصولی چندہ کے لیئے ایک واصل باقی نویس دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ میں ہونا چاہیئے جو اسمووار فہرست جملہ ممبران انجمنہائے احمدیہ مع اندراج موعودہ چندہ کی رکھے اور جیسا جیسا چندہ کسی ممبر سے وصول ہوتا ہے وہ اس کے رجسٹروں میں درج ہوتا رہے اور جن ممبران کی طرف بقایا ہو انسے مطالبہ صدر انجمن سے کیا جاوے تا کہ ایسا مطالبہ مقامی انجمن کے کارکنوں کے لیئے بطور یاد دہانی اور مدد کے کام دے اس تجویز کے ساتھ بعض ممبران کانفرنس کو اختلاف رائے بھی تھا۔ کانفرنس کی کارروائی مجلس معتمدین میں پیش ہوکر کثرت رائے سے یہ فیصلہ ہوا ہے کہ واصل باقی نویس رکھا جاوے یہ اسامی عنقریب پر ہوکر نئے وعدوں کے مطابق چندوں کا اندراج ہوکر باقاعدہ مطالبے جاری ہونگے۔ اس تجویز کو زیادہ مفید بنانے کے لیئے مَیں پھر سب انجمنوں اور احباب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ دو پیسہ فی روپیہ چندہ والی تجویز کو بہت جلد عملدرآمد میں لادیں اہتک بہت سی بڑی بڑی انجمنیں اس بارے میں خاموش ہیں۔ اسماہ میں صرف ذیل کی انجمنوں اور احباب کی طرف سے اس تجویز پر عملدرآمد کی اطلاع آئی ہے۔ انجمن احمدیہ حصار۔ انجمن احمدیہ میرٹھ شیخ فضل کریم سٹیشن ماسٹر بابہ می باندہ ضلع کوہاٹ انجمن احمدیہ بنارس۔

انجمن احمدیہ سانگلہ - انجمن احمدیہ جموں - انجمن احمدیہ پشاور - انجمن احمدیہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں ؛

دوئم - انجمنوں کی آمد میں ترقی کے دیگر وسائل میں سے ایک یہ ذریعہ سوچا گیا ہے کہ دیہات میں چونکہ انجمنیں بننی مشکل ہیں اور دو پیسے فی روپیہ والی تجویز پر بھی عملدرآمد مشکل ہے۔ اس لیئے بجائے دو پیسے فی روپیہ . . . ماہوار آمد سے لینے کے دیہات میں، وصولی غلہ کا انتظام کیا جاوے اس کے لیئے ذیل کی تجاویز منظور کی گئی ہیں ؛

ا - دیہات میں جو احمدی رہتے ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں اُن سے بحساب ایک سیر فی من غلہ اور دیگر پیداوار سے بطور چندہ لینے کی تحریک کیجاوے ؛

ب - ایسے دیہات میں بجائے انجمنوں کے جماعتیں قائم کی جاویں اور ان جماعتوں میں صرف ایک کارکن وصولی چندہ وغیرہ کے لیئے رہے جو وصول شدہ غلہ کا حساب موٹے طور پر رکھے ؛

امید ہے کہ اگر ہمارے زمیندار احباب اس تجویز پر عمل اپنے لیئے ضروری قرار دے لیں گے تو یہ دو پیسے فی روپیہ والی تجویز سے کم مفید تجویز نہ ہوگی - اور قطرہ قطرہ بہم شود دریا کا مصداق ہوکر دکھاوے گی۔ غلہ نکلنے کے وقت یا پیداوار گھر میں آتے وقت اس میں سے صرف چالیسواں حصہ نکال دینا کچھ مشکل امر نہیں۔ چالیس سیر میں سے ایک سیر یا چالیس من میں سے ایک من خدا کی راہ میں دیدینا انکے دین و دنیا کے لیئے برکات کا موجب ہوگا - اور وہ یاد رکھیں کہ اس سے انکے مالوں میں کمی نہیں ہوگی بلکہ اگر وہ خالصًا لوجہ اللہ اس حصہ کو اپنے اوپر فرض کر لیں تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ انکی پیداوار کو بہت بڑھاوے اور چاہے تو اس چالیسویں حصہ کی بجائے انہیں دوگنا بلکہ دس گنا دیدے - انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمددکم باموال و بنین و یجعل لکم جنٰت و یجعل لکم انھارا - زمیندار کی آمد محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہی ہے پس اس کی راہ میں دے کر اس کے فضل کو

پوری طاقت سے کھینچو۔ زمیندار تو اپنا دانہ زمین میں گلنے کے لیئے پھینک آتا ہے پھر خدا کا فضل ہے جو اسے اگاتا ہے بڑھاتا ہے۔ اس میں پھل لگاتا ہے اور پھر اس کو سب آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے٭ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝

یعنی کیا جو کچھ تم بوتے ہو اسے دیکھتے ہو کیا تم اُسے اگاتے ہو اور کھیتی بناتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔ ہاں ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم اس وقت کیا کر سکتے ہو سوائے اس کے کہ کہو کہ ہائے ہم پر تو یونہی چٹی پڑی بلکہ ہم محروم رہ گئے۔" اسی لیئے زمیندار کی معیشت متوکلانہ ہوتی ہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ ہمارے زمیندار احباب اس تجویز کو عمل میں لا کر دنیا کی دوسری قوموں کو ایک نمونہ دکھائیں گے کہ ان کا پاک مرشد۔ مسیح آخر زمان ان میں دین کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی کی کیسی روح پھونک گیا ہے ہاں سب طاقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہے کہ وہ ہمارے احباب کو اپنے فضل سے ہی یہ توفیق بھی دے +

سوئم۔ جماعہ انجمنہائے احمدیہ کی اطلاع کے لیئے اس امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مجلس معتمدین نے اس اجلاس میں اس تجویز کو بھی منظور کیا ہے کہ سپرنڈنٹ دفاتر جس کے فرائض میں جسطرح صدر انجمن کے دفاتر کے حساب کتاب کی پڑتال ہے اسی طرح انجمنہائے احمدیہ کے حساب کتاب کی پڑتال بھی داخل ہے۔ عموماً سال میں کم از کم ایک دفعہ ہر انجمن کے حساب کی پڑتال وہاں جا کر کیا کریں۔ عموماً ایک طرف کی انجمنوں کی پڑتال...... سپرنڈنٹ دفاتر ایک ہی سفر میں کیا کریں گے۔ اور سفر خرچ بحصہ رسدی ہر انجمن اپنی مقامی ضروریات سے دیدیا کرے جو عموماً بہت تھوڑی رقم ہوا کرے گی ؛

میموریل فنڈ ۱۔ ایڈورڈ میموریل فنڈ میں مبلغ ایک ہزار روپیہ احمدی جماعت کی طرف سے علاوہ ان رقوم کے جو بعض احباب غلطی سے علیحدہ دے چکے ہیں

دیدیا گیا ہے۔ سب انجمنوں کو یاد دہانی کرائی گئی تھی کہ چونکہ علاوہ اس روپے کے ہسپتال کا بننا بھی ملک معظم کی یادگار میں ضروری ہے۔ اس لیئے وہ بہت جلد اس فنڈ میں سب احباب کو شامل کر کے اور چندہ جلد وصول کر کے بھیجدیں۔ اسپر بہت سی انجمنوں نے توجہ کی ہے امید ہے باقی انجمنیں اور احباب بھی جلد تر توجہ کر کے ممنون فرماویں گے ؛

شکریہ گورنمنٹ :۔ مجلس معتمدین تمام احمدی جماعت کی طرف سے گورنمنٹ کا شکریہ دس ہزار روپے کے اس عطیہ کیلیئے کرتی ہے جو بورڈنگ ہوس ہائی سکول کی تعمیر میں امداداً گورنمنٹ نے اس سال دیا ہے یہ رقم وصول ہو کر داخل خزانہ ہوگئی ہے۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ہزآنر سر لوئیس ڈین آیندہ سال میں دس ہزار روپیہ کی اور امداد کر کے احمدی جماعت کو مشکور فرماویں گے۔ کیونکہ مع کوارٹروں وغیرہ کے ساٹھ ہزار روپیہ بورڈنگ ہوس پر خرچ ہوگا ؛

لنگر خانہ و مہمانخانہ کی توسیع کے لیئے ایک ٹکڑہ قریباً ۲۳-۲۴ مرلہ زمین کا موجودہ مہمانخانہ کے مشرقی جانب حاصل کر لیا گیا ہے انجمن میاں معراج الدین عمر صاحب پرو پرائیٹر ہمدرد کی مشکور ہے جنہوں نے مہمانخانہ کی شرقی جانب کی اپنی زمین کو دوسری زمین کے عوض بدل لینا منظور کیا ہے اس طرح پر موجودہ مہمانخانہ کے ساتھ ہی نیا مہمانخانہ بھی بن سکے گا بالفعل مقبرہ بہشتی والی سڑک کے ساتھ جدید لنگر خانہ بنوانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ جو امید ہے برسات سے پہلے پہلے تیار ہو جاویگا۔ اور پھر اس لنگر خانہ اور موجودہ مہمانخانہ کے درمیان مہمانخانہ کے لیئے جدید مکانات تیار ہو کر مہمانوں کی بہت سی مشکلات رفع ہو جاویں گی۔ پہلے یہ خیال تھا کہ ہائی سکول کا بورڈنگ ہوس باہر جانے پر یہی مکانات مہمانخانہ کا کام دیں گے مگر مدرسہ احمدیہ کی ضروریات اور خود ہائی سکول کی جماعتوں کے بڑھ جانے سے یہ نہ ہو سکا۔ اس لیئے مہمانخانہ و لنگر خانہ کی توسیع دوسری طرف کرنی پڑی ؛

مدرسہ احمدیہ :۔ مدرسہ احمدیہ کی ترقی اور بہتری کے لیئے بہت کوشش کیجا رہی ہے،

اس کا ایک حصہ تو منتظمین کے متعلق ہے اور دوسرا حصہ جماعت سے متعلق۔ بہتری اور ترقی کے لیئے ضرورت ہے روپے کی۔ اور ضرورت ہے اپنے خرچ پر تعلیم حاصل کرنیوالے طالب علموں کی۔ اور ان امور کے حصول کے لیئے منتظمین سے بڑھکر جماعت کی توجہ بکار ہے منتظمین اس حد سے آگے قدم نہیں اُٹھا سکتے جس حد تک مدرسہ کی مالی حالت انہیں اجازت دے یا جس حد تک تعداد طلبا ترقی کی مقتضی ہو۔ روپیہ بھی ہو اور پڑھنے والوں کی تعداد معتدبہ نہ ہو تو مدرسہ میں کوئی ترقی ہو نہیں سکتی۔ پڑھنے والے ہوں اور روپیہ نہ ہو تو مجبوری ظاہر ہی ہے۔ موجودہ صورت کہ صرف وظیفے دیکر طالب علموں کو داخل کیا جاوے ہرگز قابل اطمینان نہیں۔ جبتک کثرت سے اچھے دلوں اور دماغوں کے لڑکے اس میں پڑھنے نہ آویں گے اسوقت تک کوئی مفید نتائج اس صرف زر سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ اور صرف وظیفے دے دیکر تعداد طلبار کو بڑھانا اس کے معنے یہ ہیں کہ جسقدر روپیہ آتا جاوے وہ بجائے مدرسہ کی بہتری پر صرف ہونے کے تعداد طلبار کے بڑھانے پر صرف ہو اور پھر اس مجبوری سے داخل ہوے ہوئے طالب علم ترقی کیا کریں گے؟ اس لیئے میں مجلس معتمدین کی طرف سے ساری احمدی جماعت کو اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے بچوں کو اپنے خرچ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیئے اس مدرسہ میں نہیں بھیجیں گے جسطرح کہ وہ انگریزی مدرسہ میں بھیجتے ہیں تو وہ مدرسہ احمدیہ سے اعلیٰ نتائج کے متوقع بھی نہ رہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی دعوت کی اصل غرض صرف دین تھی۔ اس کی طرف لانے کیلیئے ہائی سکول بھی ایک زینہ ہے۔ ابتدا میں قوم کی حالت ایسی تھی کہ وہ باوجود دنیوی تعلیم ساتھ ہونیکے بھی اپنے لڑکوں کو بہت کم یہاں بھیجتے تھے۔ اب خدا کے فضل سے وہ مرحلہ طے ہو گیا۔ اور قوم کو اب سمجھ آگئی ہے کہ یہاں بچے تعلیم کے لیئے بھیجنے سے کیا فوائد ہیں۔ لیکن اس مرحلہ پر ہمیں ٹھہر نہ جانا چاہیئے بلکہ ایک دوسرے مرحلہ کو طے کرنیکی طرف قدم اُٹھانا چاہیئے۔ تاکہ ہماری ترقی اسی حد پر رک نہ جاوے۔ مدرسہ احمدیہ اس وقت ایک کمزور حالت میں ہے اس میں تعداد طلبار کو بڑھانے سے اسکی حالت مضبوط ہو سکتی ہے

مگر صرف وظیفے دیکر پڑھانے سے نہیں۔ سردست اس مدرسہ کے لیئے طالب علم تیار کرنیکے واسطے ایک سپیشل کلاس ۔۔۔۔ کا کھولا جانا بھی منظور کیا گیا ہے۔ یعنی علاوہ پرائمری پاس شدہ طلبار کے اور لڑکے بھی جو اچھی استعداد رکھتے ہوں اس جماعت میں داخل ہو کر سیدھے مدرسہ احمدیہ میں جا سکتے ہیں۔ سکیم بھی اس سال پھر بدلی گئی ہے گو یہ تبدیلی اصول سکیم میں نہیں یعنی درجے اور جماعتیں اسی طرح رہیں گے صرف تعداد کتب چونکہ پہلی سکیم میں عموماً زیادہ تھی اس لیئے اب کم کر کے اسے ہلکا کیا گیا ہے کہ طالب علموں کے لیئے وہ ایسا بوجھ نہ ہو جس کو اٹھا کر وہ ترقی سے ہی رک جاویں۔ سکیم کو درست کرنے میں سپرنٹنڈنٹ صاحب مدرسہ احمدیہ نے بہت محنت اور توجہ کو صرف کیا ہے مگر یہ حصہ تو ایسا تھا کہ بغیر روپے کے اس میں اصلاح ہو گئی۔ اساتذہ کے سٹاف کو تقویت دینے کے لیئے روپے کی ضرورت ہے اور اس کیلیئے قوم کی توجہ کی۔ اور سب باتوں کے لیئے خدا کے فضل کی۔

تعمیر۔ بورڈنگ ہوس کی تعمیر میں اب چوتھا پہلو شروع ہے۔ اینٹ اڈھائی تین لاکھ کے قریب پکی تھی کہ جنوری کی غیر معمولی بارشوں نے ایک عارضی روک پیدا کر دی۔ امسال جو بارش جنوری میں یہاں ہوئی اس کی نظیر صرف برسات کی بارشوں میں ملتی ہے۔ تین دن اور رات سوائے بہت قلیل وقفہ کی بارش لگاتار رہی۔ اور برسات کی طرح سیلاب آگیا۔ جہاں اینٹیں پکوائی جا رہی تھیں وہاں بھی پانی پھر گیا۔ اور بھٹہ بھی باوجود کارکنان کی بہت محنت اور جانفشانی کے مقابلہ نہ کر سکا۔ ہمارے بعض احباب کو یہ خیال گذرا ہے کہ کارکنان نے کوئی غفلت کی ہو گی اور بعض نے تو یہ یقین کر لیا ہے۔ مگر میں چشم دید شہادت دے سکتا ہوں کہ سردیوں کے موسم میں بارش اور راولوں میں آندھی اور سرد ہوا کے زور میں جہانتک ہو سکتا تھا بھٹہ کی حفاظت کے لیئے کوشش کی گئی مگر چونکہ بارش کا سلسلہ بالکل غیر معمولی تھا کوششیں کارگر نہ ہوئیں۔ بادل دیکھ کر بھٹے کا کام بند ہی کیوں نہ کر دیا اس کا جواب صرف یہی ہے کہ لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر۔

بادل تو اب بھی ہونے رہتے ہیں اور بعض وقت ترشح بھی ہو جاتا ہے۔ تو آج تک گورنمنٹ کا محکمہ آب و ہوا بھی باوجود زر کثیر کے صرف کے نہ بتا سکا کہ کب بارش ہو گی یا کب نہیں یا کب بڑے زور کی ہو گی اور کب معمولی طور پر۔ مگر کاروبار اسطرح نہیں چلا کرتے کہ بادل کی شکل دیکھی اور کام بند کر دیا۔ معمولی روک تھام کے لیئے انتظام کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر غیر معمولی واقعات پیش آجاویں تو انسان بے چارہ ہے۔ بارہ سال تو مجھے بھی قادیان میں رہتے ہوئے ہو گئے مگر سردیوں کے موسم میں اتنی بارش اور ایسا سیلاب نہیں دیکھا۔ بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ بھٹہ میں اور بھٹہ سے باہر جو اینٹ گل گئی وہ پونے دو لاکھ تھی اور قریب اڑھائی سو روپیہ قیمت کی۔ سارا نقصان حساب کرنے سے سوا پانچ سو روپے کا معلوم ہوا۔ مگر خدا کے فضل سے امید ہے کہ اینٹ اب بھی گراں نہ پڑے گی۔ پچھلی دفعہ اس سے بھی زیادہ نقصان ہوا تھا مگر آخر حساب کرنے پر معلوم ہوا تھا کہ بارہ لاکھ اینٹ جو پکوائی گئی اگر قیمتاً لی جاتی تو اصل لاگت سے جس میں ملازمین کی تنخواہیں انعام وغیرہ سب کچھ شامل تھا چار ساڑھے چار ہزار روپیہ زیادہ دینا پڑتا۔

اشاعت اسلام:۔ اس حصہ میں یہ افسوس سے ذکر کرنا پڑا ہے کہ کتاب ٹیچنگز آف اسلام یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے لیکچر مہوتسو کا ترجمہ انگریزی جس کے آخری پروف کو ولایت بھیجے ہوئے چھ ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے اب تک مکمل ہو کر نہیں آئی۔ گو چھاپنے والی کمپنی یقین دلاتی ہے کہ مکمل ہو چکی۔ بل چھپوائی کا بھی پہلے تخمینہ سے دوگنا بن کر آیا ہے۔ یعنی جہاں پہلے آٹھ نو سو روپیہ چھپوائی کا اندازہ تھا اب قریب پندرہ سو روپے کا بل آیا ہے۔ اس عذر پر کہ کتاب کا سائز زیادہ نکلا ہے اور دو سو صفحہ کی کتاب ہو گئی حالانکہ پہلے یہ اندازہ تھا کہ ایک سو بارہ صفحہ کی ہو گی۔ بہرحال کمپنی کی بعض کارروائیوں سے یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ ولایت میں اس کی اشاعت اور فروخت کا ایسا عمدہ انتظام نہ ہو سکے گا جیسا پہلے خیال کیا گیا تھا۔ اور تبلیغ کے سلسلہ کو ولایت میں خود قائم کرنیکی ضرورت اور بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہیں۔

جو پرچہ جلسہ مذاہب الہ آباد میں "اسلام" پر مَیں نے تیار کیا تھا اور جناب مولوی صدرالدین صاحب نے پڑھا تھا علیحدہ رسالہ کی صورت میں دو ہزار انگریزی میں اور پانچہزار اردو میں چھپوانا منظور کیا گیا ہے۔ تقسیم مفت ہوگا مگر محصول ڈاک منگوانے والوں کے ذمہ ہوگا۔ اس کے متعلق مفصل اعلان پھر ہوگا:

تفسیر القرآن۔ تفسیر القرآن پچھلی شش ماہی کے بعد ابتک نہیں نکل سکی۔ اب گذشتہ سال کے دونوں نمبر تیار ہو گئے ہیں جو امید ہے بہت جلد خریداران تفسیر کے ہاتھ میں پہنچ جاویں گے۔ اسی توقف کی وجہ سے نئے سال کے چندہ تفسیر القرآن کا مطالبہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ اب امید ہے کہ نئے سال کا پرچہ بھی اپریل میں نکل سکے گا۔ اور آئیندہ غالباً وقت پر پرچہ نکلتا رہیگا اور موجودہ بے ترتیبی جس کے اسباب سے ناظرین کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے جاتی رہے گی۔ لیکن اس کے متعلق مَیں سب احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ تفسیر کے خریداران کی تعداد بجائے بڑھنے کے کم ہو رہی ہے۔ یہ تفسیر ایک اعلیٰ پایہ کی علمی تفسیر ہے۔ اہل علم اور کم علم اس سے برابر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب علاوہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے نکات درس قرآن کو شامل کرنے کے خود بھی نہایت خوبی سے اور تفاسیر پر وسیع نظر رکھکر تفسیر لکھتے ہیں۔ قیمت بلحاظ حجم بالکل معمولی ہے یعنی چار سو صفحہ کی کتاب کی قیمت مع محصول وغیرہ صرف ایک روپیہ ہے جو اس کا سالانہ چندہ ہے۔ انجمنیں توجہ کریں تو کم از کم ایک ہزار تک تو اس کی خریداری آسانی سے پہنچ سکتی ہے۔ جملہ انجمنوں کے سکرٹری صاحبان کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ اس معاملہ پر اپنی انجمنوں کے ممبران کو توجہ دلاویں:

محمد علی سکرٹری
صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان

ضروری نوٹ:۔ ہر قسم کا روپیہ جو صدر انجمن احمدیہ کے متعلق ہو خواہ چندہ ہو خواہ ریویو کی قیمت وہ کسی شخص کے نام پر نہ بھیجا جایا کرے بلکہ محاسب صدر انجمن احمدیہ کے پتہ پر بھیجنا چاہیئے۔ سکرٹری یا مینیجر کے نام بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اور نام بالکل نہ لکھا جاوے صرف محاسب صدر انجمن احمدیہ کافی ہے:

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

ضروری اطلاع

تفسیر القرآن کے پچھلے دو باقی ماندہ پرچے سنہ ۱۹۱۰ء کے ۹- مارچ سنہ ۱۹۱۱ء کو دفتر ہذا سے روانہ کیئے جاچکے ہیں۔ اب جن دوستوں کو اس اطلاع کے پہنچنے تک ہر دو پرچے نہ ملیں برائے مہربانی بہت جلد بذریعہ کارڈ دفتر ہذا میں اطلاع دیں۔ تا انکے پاس فوراً بھیجے جاویں۔ پندرہ روز تک انتظار کی جاوے گی۔ بعد میں دفتر ہذا ذمہ وار نہ ہوگا۔ اسی طرح خریداران رسالہ کی خدمت میں بھی التماس ہے۔ کہ آئندہ اگر کوئی پرچہ نہ ملے۔ تو اسکو کم از کم دوسرے مہینے کی دس تاریخ تک منگا لیا کریں۔ بعض احباب تین تین چار چار ماہ کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ فلاں پرچہ نہیں ملا تھا اس لیئے وہ بھیجدیں۔ حالانکہ کئی دفعہ ایسا واقع ہوتا ہے۔ کہ پرچہ کوئی دوست آشنا لیجاتے ہیں۔ اور وہ بے پرواہی سے واپس نہیں کرتے۔ پھر اس سے نتیجہ نکال لیا جاتا ہے۔ کہ فلاں پرچہ جو فائل میں موجود نہیں ضرور دفتر میگزین سے ہی نہیں آیا ہوگا۔ اس طرح دفتر کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

اب اس سال سے حتی الوسع یہ کوشش کی گئی ہے۔ کہ آئندہ تفسیر اور رسالہ باقاعدہ رہے گا۔ یعنی تفسیر اس شروع سال کی اپنے مقررہ وقت پر انشاء اللہ شائع ہوگی۔ اور رسالہ بھی اپنی مقررہ تاریخ تک شائع ہوتا رہے گا۔ اس لیئے ان احباب کی خدمت میں التماس ہے۔ جنہوں نے تفسیر کی لگاتار بے قاعدگی سے تنگ آکر تفسیر بند کرائی ہوئی ہے۔ کہ اگر انکے بند کرانے کی طرف یہی وجہ ہے تو اب اپنے نام جاری کرالیں۔ اور سلسلہ احمدیہ کی اس اکیلی بے نظیر تفسیر سے محروم نہ رہیں۔ چارسو صفحہ کی تفسیر اور پھر عمدہ چھپائی اور عمدہ کاغذ والی صرف ایک روپیہ میں گھر بیٹھے بٹھائے ملجاتی ہے۔ اس قسم کے بیش بہا تحفہ سے اپنے آپ کو محروم رکھنا میرے خیال میں کفران نعمت ہوگا۔ ہماری سلسلہ کا اصل الاصول اور منشا صرف اشاعت القرآن ہے۔ اور اس کا بڑا ذریعہ یہی ایک تفسیر ہے۔ جس سے ہر قسم کے ان اعتراضات بیجا کی بخوبی تردید ہو رہی ہے جو پہلی تفسیروں پر آجکل کے مخالفین اسلام سینہ زوری سے کر رہے ہیں۔ اس لیئے جہانتک ممکن ہوسکے اس تفسیر کی خریداری کو وسعت دینے میں برادران ملت ضرور کوشش فرماویں ؛ مینیجر میگزین

(مطبع میگزین قادیان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا)

ریویو

ثنائی چکر:- یہ ۳۲ صفحے کا رسالہ انجمن احمدیہ مونگیر نے حال میں شائع کیا ہے جسمیں ثناء اللہ امرتسری کی چالبازیوں کو بخوبی کھولا گیا ہے اور جس فرضی مباہلہ کو پیش کر کے ثناء اللہ عوام الناس کو دھوکہ دیا کرتا ہے اُس سے ثناء اللہ کا اُسی کے قول کے مطابق جھوٹا نکلنا واضح طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ عوام الناس کو ثناء اللہ کی دھوکہ دہی سے بچانے کے لیئے اور اصل معاملہ عوام کے ذہن نشین کرانے کے لیئے ایک عمدہ ہتھیار ہے اگر اس پرچہ کو خرید کر عوام میں اچھی طرح شائع کیا جائے تو انشاء اللہ تعالےٰ نہایت ہی مفید ثابت ہوگا۔

ملنے کا پتہ منشی محمد عبدالعزیز صاحب محاسب انجمن احمدیہ مونگیر یا میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر رسالہ احمدی و الحق تراہا بیرام خان۔ دہلی۔ فی نسخہ ۱؍ ایک روپیہ بیس نسخے

اخبار بیدر گزٹ ہفتہ وار

یہ اخبار عرصہ تین سال سے ضلع محمد آباد بیدر (ریاست نظام) کو اپنا مستقر کیئے ہوئے کامیابی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور ہر مذاق کے موافق عام اخباری مقاصد کے علاوہ ملکی۔ قومی۔ علمی۔ تمدنی۔ اخلاقی۔ تجارتی۔ اصلاحی۔ تاریخی معاملات پر دلچسپی سے بحث کرنیوالا۔ رعایا کی آواز حکام کے گوشگذار کرنے والا۔ مسلمانوں کا سچا مشیر۔ گورنمنٹ کا خیرخواہ۔ رعایا کا ہمدرد ریاست نظام میں اپنے رنگ کا اکیلا اُردو ہفتہ وار اخبار ؛ قیمت ارزاں کم استطاعت اشخاص وطلبہ وغیرہ سے ۱۲؍ مع محصولڈاک پیشگی۔ ٹکٹ آنے پر نمونہ مفت ؛

اشتہارات کے لیئے اچھا ذریعہ ہے اور اجرت بھی ارزاں ؛

المشتہر:- ابوالوفا غلام محمد انصاری مینیجر بیدر گزٹ ضلع بیدر (ریاست نظام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات*

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

البتہ ضرور ان کے حالات میں عقلمندوں کے لیئے عبرت ہے۔

مسیحی معترضین کو قرآنی تذکروں کے بارے میں ایک سخت غلطی لگی ہے۔ ان تذکروں کے متعلق قرآن شریف انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں اور اسی قسم کے اور الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اور نیز ان کو آیات یعنی نشان کہکر پکارتا ہے۔ مسیحی صاحبان نے ان الفاظ کے سمجھنے میں سخت غلطی کھائی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ قرآن شریف میں گذشتہ انبیائ اور گذشتہ اقوام کے حالات کو اس لیئے انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں کہکر پکارا گیا ہے تا اس سے یہ ظاہر ہو کہ ان حالات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے خبر نہ تھی اور آپ کا ان غیر معلوم قصوں کو بیان کرنا گو یا غیب کی باتوں کا بیان کرنا تھا اور اس بات کا ایک ثبوت تھا کہ یہ سب باتیں آپ کو بذریعہ وحی جتلائی گئی ہیں۔ آپ کو پہلے ان تفاصیل کی خبر نہ تھی اور نہ آپنے یہ تفاصیل کسی یہودی۔ مسیحی یا مجوسی سے حاصل کیں بلکہ جو کچھ آپنے بیان کیا خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر بیان کیا

---

* بجواب کتاب ینابیع الاسلام۔

اور اس میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف خالص وحی الٰہی کے پاک سرچشمہ سے نکلا ہوا ہے مگر جب قرآن شریف ان حالات کو انباء الغیب اور آیات کہکر پکارتا ہے تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ یہ قصے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھے اس لیئے یہ غیب کی خبریں ہیں اور آپکا ان قصوں کو بیان کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ خدائے تعالیٰ کے نبی ہیں۔ خدائے تعالیٰ کہیں بھی یہ نہیں فرماتا کہ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس لیئے سچا نبی سمجھنا چاہیئے کہ یہ ایسی ایسی کہانیاں سناتا ہے جن کا اُس کو پہلے علم نہ تھا۔ بے شک قرآن مجید اُن حالات کو جو قرآن مجید میں مذکور ہیں آیات کہتا ہے مگر جو شخص اس سے یہ خیال کرے کہ ان حالات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے علم نہ تھا اس لیئے یہ حالات آپ کی نبوت کے آیات ہیں وہ قرآن شریف کے مطالب سے بے خبر ہے۔ راڈویل مترجم قرآن سورہ یوسفؑ کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنے ایک نوٹ میں لکھتا ہے کہ "میور کا خیال ہے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس زمانہ میں یقیناً عمداً دھوکہ دینا شروع کر دیا تھا یہ ظاہر کر کے کہ یہ واقعات مجھے خدا کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہوئے ہیں"۔ مسیحی معترضین کو شرم نہیں آتی کہ کیسی جلدی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوکہ دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ عربی میں یہ مثال کیسی سچی ہے کہ المرء یقیس علیٰ نفسہ ہر ایک شخص اپنے نفس پر دوسروں کا بھی قیاس کرتا ہے۔ اگر ایک شخص خود اپنے لیئے دوسرے کو فریب و دھوکہ دینا جائز سمجھتا ہے تو دوسروں کی نسبت بھی ایسی ہی رائے لگاتا ہے مگر جو شریف انسان ہوتا ہے وہ دوسرے شریف لوگوں کے بارے میں بُری رائے قائم نہیں کرتا۔ مسیحی معترضین بڑے عقلمند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جب اسلام پر نکتہ چینی کرنے کا وقت آتا ہے تو معلوم نہیں کیوں اُنکی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اس بات کے سمجھنے کے لیئے کہ قرآن مجید گذشتہ اُمتوں اور نبیوں کے حالات کو کیوں آیات قرار دیتا ہے کسی بڑے فکر اور تدبّر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ان حالات کو بطور پیشگویوں کے بیان کرتا ہے اور اسی لیئے انکا نام آیات رکھتا ہے۔

یہ امر کہ خدا تعالیٰ کس غرض سے گذشتہ اُمتوں اور اُن کے نبیوں کے حالات قرآن شریف میں بیان کرتا ہے مندرجہ ذیل آیات فرقانی سے ہویدا ہے :-

(ا) وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔ (یوسف - ۱۲)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر مرد کہ وحی بھیجی تھی ہم نے اُنکی طرف بستیوں کے رہنے والوں میں سے۔ کیا اُنہوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلی اُمتوں کا کیسا انجام ہوا۔ اور آخرت کا گھر متقیوں کے لیئے اور بھی بہتر ہے۔ یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا (ایسی حالت میں) اُنکے پاس ہماری مدد پہنچی۔ پس جس کو ہم چاہتے تھے نجات دیگئی اور ہمارا عذاب مجرموں کے گروہ سے نہیں ٹلتا۔ ان کے حالات میں عقلمندوں کے لیئے یقیناً ایک سبق ہے ۔

(ب) أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ ...... وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ○ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○ (ابراہیم - ۲ و ۳)

ترجمہ کیا تمھارے پاس اُن قوموں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھیں - یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود کی قومیں اور وہ لوگ جو اُن کے پیچھے آئے - اُنکو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا - جب اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی کھلی دلیلیں لیکر آئے تو اُنہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھکر کہا کہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو ہم اُس کا انکار کرتے ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اُس کی طرف سے ہم شبہ اور شک میں ہیں ...... اور منکرین نے اپنے رسولوں کو کہا کہ اگر تم لوٹ کر ہمارے مذہب میں نہ آؤ گے تو ہم تمھیں اپنے ملک سے نکال دیں گے اُس وقت اُن کے ربنے اُن کی طرف (یعنی رسولوں کی طرف) یہ وحی نازل کی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کردینگے اور اُنکے بعد تم کو (یعنی انبیاءؑ اور اُن کی جماعت کو) اُس ملک میں آباد کرینگے۔ یہ اُن لوگوں کے لیئے نصیحت ہے جو میرے حضور حاضر ہونے اور میرے وعید سے ڈرتے ہیں - اور انبیاءؑ نے خدا سے دعائیں مانگیں کہ سچ کا فیصلہ ہو اور ہر ایک جبّار - دشمنی کرنے والا نامراد مرا ۔

(ج) قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِئ الْمُرْسَلِيْنَ ○

(انعام ۴)

ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ (تیرے دشمن) کہتے ہیں اُس سے تو دلگیر ہوتا ہے - یہ تیری تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کرتے ہیں - تجھ سے پہلے بھی رسولوں کی تکذیب کی گئی - اور انہوں نے مخالفوں کی تکذیب اور ایذا پر صبر سے کام لیا - یہاں تک کہ ہماری نصرت اُن کے پاس آگئی اور خدائے تعالیٰ کی باتونکو

کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اور اُن رسولوں کی خبریں تجھے (اس قرآن مجید کے ذریعہ سے) پہنچ چکی ہیں ؂

(د) وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ج (ہود - ۱۰)

ترجمہ۔ اور ہر ایک بات جو ہم رسولوں کی خبروں میں سے تیرے پاس بیان کرتے ہیں اسکی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہم تیرے دل کو مضبوط کریں ؂

مندرجہ بالا آیات سے یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں جو گذشتہ نبیوں اور پچھلی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں وہ اس غرض سے بیان نہیں کیے گئے کہ ان سے یہ ثابت کیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ کہانیاں اور مخفی قصے بیان کر سکتے ہیں اور اس طرح آپ کا نبی ہونا ثابت ہو بلکہ اُنکے بیان کرنے سے اور ہی غرض مقصود ہے۔ یہ حالات کہانیوں اور قصوں کے رنگ میں بیان نہیں کیے گئے بلکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ یعنی ان انبیاء کے حالات میں عقلمندوں کے لیے عبرت اور نصیحت ہے ۔ پھر فرمایا ہے نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ج یعنی قرآن شریف میں جو انبیاء سابقین کے حالات بیان کیے گئے ہیں اُن کی غرض یہ ہے کہ تیرا دل مضبوط ہو یعنی جیسا اس وقت تو کمزور ہے اور دشمن تیری کمزوری اور اپنی قوت اور کثرت کو دیکھ کر اتراتا اور تجھے دکھ دیتا ہے اور بظاہر تیری کامیابی کا کوئی سامان موجود نہیں ایسا ہی گذشتہ انبیاء کا حال تھا۔ جیسا اس وقت دشمن اپنی طاقت اور جتھے کے گھمنڈ میں تجھے دھمکاتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اپنے نئے مذہب کو چھوڑ کر ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ ورنہ ہم تمھیں اس قدر ستائیں گے کہ آخر تمھیں اس شہر سے بھاگ کر اپنی جان بچانی پڑے گی ایسا ہی تجھ سے پہلے جو نبی آئے اُن کو کہا گیا۔ لَنُخْرِجَنَّكُم مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا یعنی اگر تم ہمارے مذہب میں واپس نہیں آجاؤ گے تو ہم تمھیں اپنے ملک میں سے نکال دینگے مگر ایسی حالت میں خدا نے اپنے رسولوں کو

یہ تسلّی دی کہ دشمن تمھیں نابود نہیں کر سکیں گے بلکہ بجائے اس کے کہ تمھیں نابود کریں وہ خود نابود کیے جاوینگے اور جس ملک سے وہ تمھیں نکالکر خود امن سے رہنا چاہتے ہیں ایک زمانہ آئیگا کہ تمھارے مخالفین کا اُس ملک میں پتہ و نشان نہ ملے گا اور اُن کی جگہ تم ہی آباد ہو گے۔ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی خدائے تعالیٰ نے اُن نبیوں کی طرف یہ وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دینگے اور اُن کے بعد تمھیں اس زمین میں آباد کرینگے۔ جس شخص کو کچھ بھی بصارت سے حصہ دیا گیا ہے وہ صاف دیکھ سکتا ہے کہ اس آیت میں یہ پیشگوئی ہے کہ جیسا کہ تجھ سے پہلے نبیوں کے دشمنوں کو خدائے تعالیٰ نے نابود کر دیا اور اُن کی جگہ انبیائؑ کے پیروؤں کو اُس ملک میں آباد کیا ایسا ہی اب ہوگا یعنی تیرے دشمن ہلاک کیئے جائیں گے اور ملک عرب میں تیرے پیرو آباد ہونگے۔ جب خدائے تعالیٰ نے فرمایا وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝ یعنی تیرے پاس رسولوں کی خبر پہنچ چکی ہے تو ایسا کہنے سے خدائے تعالیٰ کا یہ ہرگز منشا نہیں کہ تجھے ہم نے ایسے قصے اور کہانیاں سنائی ہیں جو تو نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں بلکہ اس سے یہ منشاء ہے کہ جیسا گذشتہ نبیوں اور اُن کی قوموں کا حال ہوا وہی تیرا اور تیری قوم کا حال ہوگا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۔ یعنی جیسا اب تیری قوم تجھے جھوٹا کہتی ہے اور تجھے ایذا دیتی ہے ایسا ہی جو رسول تجھ سے پہلے آئے اُن کی بھی تکذیب کی گئی اور انکو بھی اسی طرح دُکھ دیا گیا مگر اُنہوں نے اسپر صبر کیا یہانتک کہ ہماری مدد آگئی اور خدا کی باتوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ناظرین بتلائیں کہ اس آخری فقرہ کا کیا مطلب ہے اور خدائے تعالیٰ کیوں فرماتا ہے کہ خدا کی باتوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا اُن نبیوں نے صبر کیا اور آخر ہماری مدد آپہنچی ایسا ہی اب بھی ہوگا یہ خدا کی بات ہے اور خدائے تعالیٰ کی باتیں ٹلا نہیں کرتیں۔ غرض قرآن مجید میں جو

حالات گذشتہ قوموں اور گذشتہ انبیاءؑ کے لکھے ہیں وہ کہانیاں نہیں بلکہ اُن میں اُن واقعات کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی قوم کو پیش آنے والے تھے یعنی یہ حالات آنے والے واقعات کی زبردست پیشگوئیاں ہیں یہی وجہ ہے کہ ان حالات کو خدائے تعالیٰ انباء الغیب کہکر پکارتا ہے اور یہ خیال کرنا بالکل بے ہودہ ہے کہ چونکہ یہ کہانیاں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھیں اس لیئے اُن کو غیب کی خبریں کہا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ یہ واقعات بھی اس تفصیل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھے مگر جب ان حالات کو خدائے تعالیٰ غیب کی خبریں کہتا ہے تو اُس سے مراد یہ ہے کہ اُن میں آیندہ کے واقعات کی خبر دی گئی ہے نہ یہ کہ گذشتہ قصے اور کہانیاں بیان کی گئی ہیں یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد گذشتہ اُمتوں اور نبیوں کے حالات بیان کرنے سے یظاہر کرنا نہ تھا کہ آپ ایسی کہانیاں بیان کر سکتے جن کی آپ کو خبر نہ تھی اس امر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں جن نبیوں اور قوموں کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں بعض ایسے نبی اور ایسے لوگ بھی ہیں جن کے حالات سے ملک عرب کے لوگ بے خبر نہ تھے اور جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ پوشیدہ کہانیاں ہیں جو مینے تمھارے پاس بیان کی ہیں مثلاً حضرت ہودؑ کے حالات اور قوم عاد کا بیان۔ حضرت صالحؑ کے حالات اور قوم ثمود کا بیان۔ مگر قرآن شریف میں جیسا حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰ علیہم السلام اور اُن کی قوموں کے حالات بیان کیئے گئے ہیں ایسا ہی حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے حالات بھی بیان کیئے گئے ہیں۔ بلکہ جیسا دیگر انبیاء علیہم السلام کے حالات کو آیات کے طور پر پیش کیا گیا ہے ایسا ہی حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے حالات کو بھی بطور آیات کے پیش کیا گیا ہے۔ (دیکھو سورہ شعراء) اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام اور اُن کی قوموں کے حالات کو اس لیئے آیات نہیں کہا کہ وہ پوشیدہ کہانیاں تھیں بلکہ اس لیئے آیات کہا ہے کہ اُن میں آنے والے واقعات کی پیشگوئیاں ہیں جن کا پورا ہونا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان تھا ؎

قرآن مجید میں گذشتہ نبیوں اور اُن کی اُمتوں کے تذکرے کس غرض سے بیان کیئے گئے ہیں یہ امر اور بھی واضح ہو جاتا ہے جب ہم اُن آیات پر غور کرتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو بار بار متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ گذشتہ اُمتوں اور اُنکے انبیاء کے حالات سے سبق حاصل کریں ورنہ اُن کا بھی وہی حشر ہو گا جو گذشتہ انبیاءؑ کے دشمنوں کا ہوا۔ ناظرین مندرجہ ذیل آیات قرآنی کو غور سے پڑھیں۔

(ا) وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (انعام - ۱ و ۲)

تجھ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں اُن پر بھی ہنسی کی گئی۔ مگر جس چیز پر ہنسی کرتے تھے اُسی نے آخر ہنسی کرنے والوں کو گھیر لیا۔ تو اپنے جھٹلانیوالوں کو کہہ کہ زمین میں پھر کر دیکھو پہلے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا (پس ایسا ہی تمھارا بھی انجام ہو گا)

(ب) وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝

(ق - ۳) ان (مکہ والوں) سے پہلے ہم نے کتنی نسلیں ہلاک کیں جو ان مکہ والوں سے طاقت میں . . . . زیادہ زبردست تھے۔ پس انہوں نے زمین میں چھید ڈالے کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے۔ اس میں نصیحت ہے، ایسے شخص کیلئے جس کا دل ہو اور جو کان رکھ کر سنے اور وہ دل سے حاضر ہو ؎

(ج) كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ

ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

(زمر - ۳) ان (مکہ والوں) سے پہلے بھی لوگوں نے (انبیاء کی) تکذیب کی۔ پس اُنپر عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں کہ اُن کو خواب و خیال بھی نہ تھا۔ اس ورلی زندگی میں خدائے تعالیٰ نے انکو ذلت کا مزہ چکھایا اور آخرۃ کا عذاب تو اس سے بھی بڑھکر ہے کاش کہ وہ جانتے۔ اور ہم نے لوگوں کے لیئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے تاکہ وہ سبق حاصل کریں ؛

(د) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ (فصلت - ۲) اگر (مکہ والے) منہ پھیر لیں تو انکو کہدے کہ میں تم کو ایسے ہی عذاب سے ڈراتا ہوں جیساکہ عاد اور ثمود کا عذاب تھا ؛

(ھ) وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝

(فاطر - ۵) اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی سخت قسم کھائی کہ اگر اُنکے پاس نذیر آیا تو وہ ہر ایک اُمت سے زیادہ راہ پانے والے ہونگے۔ مگر جب اُنکے پاس نذیر آیا تو اُس کے آنیسے اُنہوں نے صرف بیزاری اور نفرت میں ترقی کی۔ بہ سبب اس کے کہ اُنہوں نے زمین میں تکبر کیا اور بُری تدبیریں کیں۔ اور بُری تدبیریں تو صرف کرنے والوں کو گھیرتی ہیں۔ پس یہ لوگ صرف اُسی سلوک کا انتظار کرتے ہیں جو پہلی قوموں کے ساتھ کیا گیا۔ اور خدا کی اُس سُنت میں جو نبیوں کے دشمنوں کے متعلق ہے تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں

پائیگا اور خدائے تعالیٰ کی سنّت نہیں ٹلے گی۔ کیا تیرے دشمنوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ جو قومیں اُن سے پہلے گذری ہیں (یعنی جنہوں نے اُن کی طرح نبیوں سے عداوت کی) اُن کا کیا انجام ہوا اور وہ ان سے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے) طاقت اور قوّت میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اور کوئی چیز نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں جو اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدرت بھی رکھتا ہے ؛

(و) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ ۝ ...... وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ (ہود - ۹) یہ ہیں بعض خبریں بستیوں کی جو ہم تیرے پاس بیان کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے ابھی موجود ہیں اور بعض بالکل جڑھ سے کاٹی گئیں اور اُن کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں ...... تیرا رب جب ظالم بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اسی طرح پکڑتا ہے اُس کا پکڑنا بڑا دردناک اور سخت ہے۔ اس میں نشان ہے ایسے شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے ؛

(ز) وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ (رعد - ۵)

(جیسا تجھ پر تیرے دشمن ہنسی کرتے ہیں ایسا ہی) تجھ سے پہلے بھی رسولوں پر ہنسی کی گئی ہے۔ ہم نے منکروں کو ایک عرصہ تک مہلت دی اُس کے بعد میں نے اُنکو پکڑا اور میرا عذاب کیسا سخت تھا ؛

(ح) اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ؗ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (دخان - ۲) کیا یہ (تیرے مخالف) اچھے ہیں یا قوم تبع اور اور قومیں جو اُن سے پہلے گذری ہیں۔ ہم نے اُنکو ہلاک کیا۔ تحقیق وہ مجرم

لوگ تھے ٭

(ط) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (محمد-۲) اور بہت بستیاں ہیں جو تیری اُس بستی سے جس نے تجھے نکالا زیادہ طاقتور تھیں۔ ہم نے اُن کو ہلاک کیا اور کوئی اُنکی مدد نہ کر سکا ٭

(ی) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (مجادلہ-۱) جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرتے ہیں وہ ہلاک کیئے جائیں گے جیسا کہ وہ قومیں ہلاک کی گئیں جو اُن سے پہلے تھیں۔ اور کافروں کے لیئے رسوا کرنے والا عذاب ہے ٭

(ک) اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (روم-۱) کیا انہوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ جو قومیں ان سے پہلے گذریں اُن کا کیا انجام ہوا وہ اِن سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو پھاڑا اور مکہ والوں کی نسبت زیادہ زمین کو آباد کیا۔ اور اُنکے رسول اُن کے پاس کھلے دلائل لیکر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنپر ظلم نہیں کیا بلکہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے پھر بدی کرنیوالوں کا انجام بُرا ہوا اس لیئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی تکذیب کی اور وہ اُنپر ہنسی کیا کرتے تھے ٭

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات کافی طور سے اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن شریف میں گذشتہ انبیاء اور اُن کی قوموں کے حالات کس غرض سے بیان کیئے گئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نبی بھی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ایسا ہی نذیر ہے جیسا کہ

اس سے پہلے دنیا میں نذیر آئے۔ اور یہ کہ خدائے تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ اپنے نبیوں کے دشمنوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنے پاک بندوں کو اُن کے ستانے والوں پر فتح مبین عطا فرماتا ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ کا اٹل قانون ہے اور چونکہ یہ نبی بھی ایک سچا نبی ہے اس لیئے اس کے دشمنوں سے بھی وہی برتاؤ کیا جائیگا جو پہلے نبیوں کے دشمنوں سے برتاؤ کیا گیا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰۤئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ۝ (مجادلہ - ۳) جو اللہ اور اُس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں وہی نیچا دیکھیں گے۔ خدائے تعالیٰ نے یہ بات لکھ رکھی ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول ہی غالب آیا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ طاقتور اور زبردست ہے۔ اسی قانون کی تشریح کے لیئے قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام اور اُن کی قوموں کے حالات کثرت سے بار بار بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان حالات کے بیان کرنیکی غرض خود انہی حالات میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے اور جب ہم ان حالات کو پڑھتے ہیں تو یہ امر صاف طور پر کھل جاتا ہے کہ ان حالات کے بیان کرنے والے کی غرض یہ نہیں کہ ایک قصہ ہمیں سنائے بلکہ اُس کی غرض یہ ہے کہ سُننے والے اُس سے عبرت حاصل کریں۔ اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے میں بعض انبیاءؑ کے حالات کو جو قرآن شریف میں بیان کیئے گئے ہیں بطور مثال کے پیش کرتا ہوں :-

حضرت نوح علیہ السلام کے حالات

پہلے میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیان کو پیش کرتا ہوں۔ ناظرین اس عظیم الشان نبیؑ کے حالات کو سورہ یونسؑ میں ملاحظہ فرماویں۔ اس سورہ شریفہ میں آپکے حالات ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتے ہیں وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ یعنی ان لوگوں کو نوح (علیہ السلام) کی خبر پڑھ کر سُناؤ۔ خود یہی لفظ جن کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کے بیان کو شروع کیا گیا ہے صاف طور پر ظاہر کر رہے ہیں کہ اس بیان سے بیان کرنیوالے کی غرض کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کرتا ہے کہ تم اپنی قوم کو حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا

حال سناؤ۔ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے۔ اس لیئے کہ اس بیان میں آپ کی قوم کے لیئے ایک عبرت اور ایک سبق ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے وہ الفاظ درج ہیں جو آپنے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمائے۔ اور وہ الفاظ یہ ہیں۔ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِىْ وَتَذْكِيْرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَىَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ٥ یعنی اے میری قوم۔ اگر میرا کھڑا ہونا اور میرا اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ نصیحت کرنا تمھیں دو بھر معلوم ہوتا ہے تو میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے پس تم اپنے کام کو مقرر کر لو اور اپنے شرکا کو جمع کر و پھر تمھاری بات تم پر پوشیدہ نہ رہے پھر تم مجھ پر ٹوٹ پڑو اور مجھے مہلت نہ دو۔ کیا ناظرین یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف کہانی کے الفاظ ہیں۔ یہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ نہیں تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا بلکہ یہ آپ کے ذاتی واقعات تھے جو آپنے اپنی قوم کو سنائے۔ اور اس لیئے جو کچھ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سنایا وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے سنایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح آپنے اپنی قوم کو کہا کہ میرا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر ہے۔ تم اپنی تدبیروں کو جمع کرو اور اپنے سب معبودوں کو بھی اپنی مدد کے لیئے بلاؤ اور اپنے شرکا کو بھی اکٹھا کرو اور چھپ کر میری دشمنی نہ کرو بلکہ کھلم کھلا زور لگاؤ۔ اور سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑو اور مجھے مہلت نہ دو ان الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو کھلم کھلا چیلنج دیا کہ میرے تباہ کرنے کے لیئے تم جتنا زور لگا سکتے ہو لگاؤ اور میرے سلسلہ کی بیخکنی کے لیئے تم کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑو۔ میرا خدا میری مدد کریگا اور بجائے اس کے کہ تم مجھے تباہ کر سکو تم خود تباہ کیئے جاؤ گے جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم تم سے پہلے تباہ کی گئی۔ اس کے بعد قرآن شریف یہ بیان کرنے کے بعد کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بچایا اور آپ کے دشمنوں کو ہلاک کیا اس بیان کو مندرجہ ذیل پر معنی الفاظ میں ختم کرتا ہے فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ٥ پس دیکھ کہ ان

لوگوں کا جن کو پہلے ڈرایا گیا تھا کیسا انجام ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کو ان الفاظ پر ختم کرنے سے صاف یہ غرض ہے کہ جیسا حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفوں کا انجام ہلاکت ہوا۔ ایسا ہی اس وقت کے مخالفین کا حال ہوگا بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کریں ؎

سورۂ ہودؑ میں خدائے تعالیٰ اُن الفاظ کو نقل کرتا ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کو کہے اور وہ الفاظ یہ ہیں فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ○ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے انکار کرنے والے سرداروں نے حضرت نوحؑ کو کہا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تُو صرف ہمارے جیسا ایک انسان ہے اور تیرے تابعدار بھی ہم میں نہایت ہی چھوٹے درجہ کے لوگ ہیں اور ہم تم میں کوئی فضیلت کی بات نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمھیں کاذب خیال کرتے ہیں۔ مگر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے منکر سرداروں کی طرح قریش کے متکبر سردار ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ۔ وغیرہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اتباع کے بارہ میں اسی قسم کے الفاظ کہا کرتے تھے۔ اور اس لیئے حضرت نوحؑ کے قصہ میں اُنکے لیئے ایک عبرت اور ایک پیشگوئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور آپکے اتباع کو آپ کی قوم کے منکر سردار کمزور سمجھتے تھے اور نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی اور اُس کے کمزور اتباع کی نصرت فرمائی اور اُنکے مغرور دشمنوں کو ہلاک کیا۔ اور خدائے تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام اور آپکے متکبر دشمنوں کا یہ قصہ مکہ کے سرکش سرداروں کو سناکر یہ بتلاتا ہے کہ یہی حال تمھارا ہوگا اس سورہ یعنی سورہ ہودؑ میں بھی جن الفاظ کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ختم ہوتا ہے وہ بھی نہایت قابل غور ہیں۔ اس قصہ کو ختم کرکے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ○ یہ غیب

خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اس سے پہلے یہ نہ تجھے معلوم تھیں اور نہ تیری قوم کو پس تو صبر کر۔ اور اس بات پر یقین رکھ کہ انجام متقیوں کے لئے ہے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کو کیوں انباء الغیب کہا گیا اس کو غیب کی خبر اس لئے نہیں کہا گیا کہ طوفان نوح کی خبر کبھی پہلے کسی کو معلوم نہ تھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ آپ کی قوم میں سے کسی فرد کو بلکہ اس قصہ کو اس لئے انباء الغیب کہا گیا ہے کہ اس میں آپ کے اور آپ کی قوم کے آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو ان غیب کی خبروں کو پہلے نہیں جانتا تھا اور نہ تیری قوم ان خبروں کو پہلے جانتی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو اور آپ کے زمانہ کے لوگوں کو طوفان نوح وغیرہ کی کچھ بھی خبر نہ تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن آنیوالے واقعات کی اس قصہ کے ذریعہ خبر دی گئی ہے اُن کی خبر نہ تجھے پہلے تھی اور نہ تیری قوم کو۔ مکہ کے سردار نہیں جانتے تھے کہ ہمارے لئے بدر کے میدان میں غرق ہونا مقدر ہے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ماجرا اُن کو سنایا گیا تو اُس وقت اُن کو اپنی طاقت کا اسقدر گھمنڈ تھا کہ اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ امر نہیں آسکتا تھا کہ ہمارا انجام ہلاکت ہے اور وہ مسلمانوں کی ضعفاء کی جماعت کو جو اُن کے شہر کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کے سامنے تیار کر رہا تھا ایسی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُنکے واہمہ میں بھی یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ انہی ضعفاء کے ہاتھوں سے وہ نابود کیئے جائیں گے۔ جیسا حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اُنکی کشتی کو دیکھ کر ہنستی تھی ایسا ہی مکہ کے صنادید اس چھوٹی سی اسلامی جماعت کو دیکھکر ہنستے تھے اور اُن کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہی کشتی۔ اسلام کی نجات کا ذریعہ ٹھہریگی اور اسی کشتی کے سامنے وہ صنادید خشک بیابان میں غرق ہونگے۔ یہ عجیب وغریب خبریں تھیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اُن کو پیش از وقت سُنائی گئی تھیں اور انہی کا نام انباء الغیب رکھا گیا کیونکہ یہ واقعات ابھی غیب کے پردہ میں مخفی تھے۔ اسی لئے تو قرآن شریف حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کو ختم کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب

کرکے فرماتا ہے فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ٥ پس صبر کرو۔ اور یقیناً یاد رکھو کہ انجام متقیوں کے لیئے ہے۔ ان الفاظ سے خدائے تعالیٰ اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ جیسا نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا حال ہوا ویسا ہی اب ہوگا پس تم مت گھبراؤ اور دشمن کی طاقت اور اُن کی تعدیوں کو دیکھکر حوصلہ نہ ہارو کیونکہ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں متقیوں کا گروہ آخرکار کامیاب ہوا اور اُن کے دشمن غرق کیئے گئے ایسا ہی اب بھی خدائے تعالیٰ متقیوں کی جماعت کی مدد کرے گا اور اُن کے دشمنوں کا نام و نشان مٹا دیگا۔ غرض قرآن شریف کے پڑھنے سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ قرآن شریف میں صرف کہانی کے طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس میں آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی ہے اور یہ تبلایا گیا ہے کہ جیسا نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آپکے دشمن ہلاک ہوئے ایسا ہی اب بھی شہر مکہ کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کامیاب ہوگا اور اُس کے دشمن صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جائیں گے یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے متعلق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں اور پھر سورۂ مومنون میں اسی قصہ کے بارے میں فرمایا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ یعنی اس بیان میں نشانات ہیں۔ (مومنون ع ۲)

حضرت شعیب۔ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام

جیسا قرآن شریف میں حضرت نوح علیہ السلام کے حالات کے پڑھنے سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ یہ حالات بطور قصہ کے بیان نہیں کیئے گئے۔ بلکہ بطور پیشگوئی کے بیان کیئے گئے ہیں یہی امر دوسرے انبیاءؑ کے حالات کے مطالعہ سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ثابت ہوتا ہے۔ ان حالات کو غور سے پڑھو تو تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ ان میں سے ہر ایک بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک پیشگوئی ہے۔ ہر ایک بات میں جو انبیائے سابقین کے متعلق بیان کی گئی ہے سوچنے والوں کے لیئے ایک نشان اور ایک سبق ہے۔ جو جو باتیں پہلے نبیوں نے اپنی قوموں کو کہیں وہی باتیں مکّی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قوم پر چسپاں ہوتی تھیں۔ مثلاً

سورہ ہود میں وہ اقوال درج کیئے گئے ہیں جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنے نبی کو کہے اور نیز وہ اقوال درج ہیں جو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہے اور یہ اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم پر بھی ایسے ہی زور کیساتھ چسپاں ہوتے ہیں جیسے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم پر چسپاں ہوتے تھے۔ مثلاً خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ۝ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا اے شعیب تیری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تجھے اپنی جماعت میں بہت ضعیف دیکھتے ہیں اور اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالتے اور تو ہم پر قدرت نہیں رکھتا۔ اب ہو بہو یہی بات مکہ والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے تھے۔ اس لیئے جو جواب حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف سے اُن کی قوم کو دیا گیا وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ والوں کے قول کا جواب تھا اور وہ جواب یہ ہے یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝ وَ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ۝ اے میری قوم کیا میری برادری کی عزت تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی نسبت زیادہ ہے اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا ہے تحقیق میرا رب تمہارے کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اور اے میری قوم (تم میری برادری کا ہرگز لحاظ نہ کرو بلکہ) جہانتک تمہارا بس چلتا ہے اپنا زور لگا لو۔ میں بھی اپنا کام کیئے جاتا ہوں عنقریب تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ کس کو رسوا کرنے والا عذاب پہنچتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم بھی (خدا کے فیصلہ کا) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ ان الفاظ میں مکہ والوں کو یہ بتلایا گیا کہ جہانتک تم میں طاقت ہے تم میرے نابود کرنے کے لیئے زور لگاؤ۔ تمھاری

کوششیں کچھ کارگر نہ ہوں گی کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے اور تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس فریق کو خدائے تعالیٰ عذاب دیکر اور ذلت اور ناکامی کا مزہ چکھاکر کس کی سچائی کی گواہی دیتا ہے۔ اور مکہ والوں کو کہا گیا کہ تم بھی اس الٰہی فیصلہ کا انتظار کرو مَیں بھی انتظار کرتا ہوں؛

مَیں بوجہ خوف طوالت زیادہ مثالیں اس بات کی پیش نہیں کرسکتا کہ قرآن مجید میں جو کچھ گذشتہ انبیائؑ کے حالات بیان کیے گئے ہیں وہ کہانیاں نہیں بلکہ پیشگوئیاں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپ کے دشمنوں کی تباہی اور دیگر آنے والے واقعات کی قبل از وقت خبر دی گئی ہے۔ مَیں صرف چند اور آیات قرآنی یہاں نقل کرتا ہوں جن سے واضح ہوتا ہے کہ دشمنانِ اسلام کو بار بار متنبہ کیا گیا کہ وہ اُن انبیائؑ اور اُممؑ کے نمونہ سے سبق حاصل کریں جن کے حالات قرآن شریف میں اسی غرض سے بیان کیے گئے ہیں ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ مندرجہ ذیل آیات کریمہ کو غور سے پڑھیں تا اُن کو معلوم ہو کہ گذشتہ انبیائؑ کے حالات کس غرض سے قرآن شریف میں بیان فرمائے گئے ہیں؛

(ا) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ (ص - ۱) اُن سے پہلے (یعنی تیرے مخالفین سے پہلے) نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اور عاد اور فرعون ذوالاوتاد نے اور ثمود اور قومِ لوط (علیہ السلام) اور بن والوں (یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم) نے نبیوں کی تکذیب کی۔ یہ تھیں بڑی جماعتیں۔ ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی پس اُن پر میرا عذاب ثابت ہوا؛

(ب) وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝

سَیُھۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ہ (قمر - ۳) فرعون کی قوم کے پاس ڈرانے والے آئے۔ اُنہوں نے (یعنی اُس قوم کے لوگوں نے) ہمارے سارے نشانوں کی تکذیب کی۔ پس ہم نے اُنکو پکڑا جیسا ایک طاقت ور قدرت والا پکڑتا ہے (بھلا اے مکّہ والو بتلاؤ) کیا تمھارے کفّار اُن کفّار سے بہتر ہیں یا تمھارے لیئے آلہی کتابوں میں بریّت آچکی ہے کیا وہ (کفّارِ مکّہ) کہتے ہیں کہ ہم ایک بدلا لینے والی جماعت ہیں۔ یہ جماعت (کفار) ہزیمت اُٹھائیگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ؛

(ج) اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ہ فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰہُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا ہ فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبًا ہ (مزمل - ۱) ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا ہے تم پر گواہی دینے والا جیساکہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا فرعون نے اُس رسول کی نافرمانی کی اس لیئے ہم نے سخت عذاب کے ساتھ پکڑا پس تم کس طرح کفر کرکے اُس دن سے بچ سکتے ہو جو (سخت عذاب کی وجہ سے) بچّوں کو بھی بوڑھا کر دیگا ؛

(د) کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ہ .... کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ فَاَہۡلَکۡنٰہُمۡ بِذُنُوۡبِہِمۡ وَ اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَ کُلٌّ کَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ہ (انفال - ۷) ان کا حال ایسا ہے جیساکہ فرعون کی قوم کا اور اُن قوموں کا جو اُن سے بھی پہلے تھے۔ اُنہوں نے خدائے تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کیا پس اللہ تعالیٰ نے اُنکو اُنکے گناہوں کی وجہ سے پکڑا۔ اللہ تعالیٰ طاقتور اور عذاب دینے میں سخت ہے ...... اُن کا حال ایسا ہے جیساکہ فرعون کی قوم کا اور اُن قوموں کا جو اُن سے پہلے تھے۔ اُنہوں نے اپنے ربّ کے نشانوں کی تکذیب کی سو ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے

ہلاک کر دیا اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور سب ظالم تھے۔

(ھ) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْہَادُ ۝ (مومن - ۶) اس ورلی زندگی میں بھی ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی نصرت کرتے ہیں اور اُس دن بھی جبکہ گواہ کھڑے ہونگے۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن شریف میں جو قصص پہلے نبیوں اور اُن کی اُمتوں کے بیان کیئے گئے ہیں وہ یونہی کہانیوں کے طور پر بیان نہیں کیئے گئے بلکہ وہ ایک غرض اور مدعا رکھتے ہیں یعنی اُن میں سے ہر ایک ایک پیشگوئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپکے دشمنوں کی ذلت اور ہلاکت اور دیگر امور متعلقہ کی خبر دی گئی ہے۔ ان قصوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے تسلّی اور بشارت تھی اور آپکے دشمنوں کیلئے ہلاکت کی خبر تھی۔ اور نہ صرف عام طور پر مومنوں کی کامیابی اور دشمنوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی تھی بلکہ ان قصوں میں سے بعض میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آنے والے واقعات کو بھی قبل از وقت ظاہر کر دیا گیا تھا۔ میں اوپر قرآن شریف کی وہ آیات نقل کر چکا ہوں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہم السلام سے مشابہت دی گئی ہے اور آپکے دشمنوں کو بتلایا گیا ہے کہ وہ ایسی ہی سزا کے منتظر رہیں جو فرعون کو دی گئی تھی (دیکھو آیات نمبر ج اور د صفحہ ۱۳) چنانچہ ہم انہی آیات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گہری مشابہت پاتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مشابہت کی طرف اشارہ کیا جب آپنے مکّہ کے بدقسمت انسان ابوجہل کو فرعون ھٰذہ الامۃ کا خطاب دیا۔ دیکھو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہمراہیوں سمیت ملک مصر سے بھاگے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو شہر مکّہ سے ہجرت کرنی پڑی اور جیسا فرعون نے طیش میں آکر بھاگنے والے اسرائیلیوں کا اپنے لشکر سمیت

تعاقب کیا ایسا ہی مکّہ کے فرعون نے ایک لشکر جرّار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ پر ہجرت کے بعد چڑھائی کی مگر اُس کا وہی انجام ہوا جو فرعون کا ہوا تھا یعنی جیسا فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپکے ہمراہیوں کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوا ایسا ہی ملک عرب کا فرعون اپنے ہمرکاب سرداروں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی جماعت کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن فرعون مصر اور اُس کے ہمراہیوں کے غرق ہونے کے لیئے تو دریا کی ضرورت پڑی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن فرعون عرب اور اُس کے ساتھیوں کو خدا کی غیرت نے خشکی ہی میں غرق کر دیا اور اس طرح خدائے تعالیٰ کا وہ کلام پورا ہوا جو کئی سال پہلے شہر مکّہ میں نازل ہوا تھا اور جس کے الفاظ یہ ہیں۔ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ٥ (باقی آیندہ)

ابطال کفّارہ (۲)

(مرقومہ مولوی اللہ دیا صاحب واعظ اسلام)

نجات کی تعریف نجات عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے رہائی۔ چھٹکارا۔ مخلصی کے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ چھٹکارا یا مخلصی کس بات سے ہے۔ جو لوگ نجات یا مکتی اور خدا کی ذات پاک کو مانتے ہیں انکی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ خدا کی نافرمانیوں کی وجہ سے آدمی لائق سزا کے ہو جاتا ہے اس سزا سے خلاص ہونا اور پھر خدا کے فضل سے یا اعمال صالح کی وجہ یا کسی شفیع کی شفاعت سے آرام دائمی کا وارث ہونا اس کا نام نجات ہے۔

بہشت کی کنجیاں نجات کے وسائل ہر مذہب وملت میں مختلف بیان کیئے

جاتے ہیں مگر اس تحریر میں ہم صرف مسیحی مذہب کے وسائل نجات پر غور کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو نجات یافتہ یقین کرتے ہیں یہانتک کہ بہشت کی کنجیاں اپنی جیب میں ڈالے ہوئے ہیں چنانچہ ان کے بزرگ پادری کچھ نقد لے کر گناہوں کی معافی کی ایک سند بھی دیا کرتے تھے جس کا مضمون یہ ہوتا تھا "اے فلانے ہمارا خداوند یسوع مسیح تجھ پر رحم کرے میں حواریوں کی نیابت کے اقتدار سے جو مجھ کو میسّر ہوا ہے تجھ کو کلیسیا کی اُس ملامت اور الزام اور تکلیف سے جن کا تو مستوجب ہوا ہے بری کرتا ہوں علاوہ اسکے اُن تمام زیادتیوں اور تقصیروں اور گناہوں سے جو تجھ سے سرزد ہوئے ہیں کیسے ہی کیوں نہ بڑے ہوں اور کسی سبب سے وقوع میں آئے ہوں اگر وہ خطائیں پوپ ہمارے مرشد کی معافی کے لئے رکھے ہوں میں ساری نالیاقتی کے نشان اور بدنامی کے داغ جو تجھ پر اسوقت تک ہوئے ہوں مٹاتا ہوں اور اُن تکلیفات کو جو مقام پر گیٹوری میں پاوے دُور کرتا ہوں کلیسیا کے تمام سکرمنٹ میں تیرا حصہ نیا قائم کرتا ہوں اولیاؤں کے گروہ میں تجھکو شامل کرتا ہوں اور اُس پاکی اور نیک نامی میں جو اصطباغ کے وقت تجھ کو حاصل تھی پھر داخل کرتا ہوں پس مرنیکے وقت سب دروازے جس سے گنہگار رنج و سزا میں داخل ہوں تیرے لیئے بند ہوجابئں اور اُس کے بدلے خوشی اور عیش کا دروازہ جو بہشت کو جاتا ہو تیرے واسطے کھولا جاوے اگر تُو برسوں کے بعد مرے تو یہ معافی تیری زندگی کے آخر ساعت تک قائم رہے گی۔ باپ اور بیٹے۔ اور۔ روح القدس کے نام سے آمین۔ دستخط فرائر جان تٹزل انتھی"۔ تواریخ کلیسیا بپٹسٹ مشن کلکتہ سنہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۱۶۵ میں لکھا ہے کہ پاپا صاحب نے آپ ہی عفونامہ کا مطلق اختیار اپنے ہاتھ میں لیا اور وہ ایسے عفوناموں کو روپے لیکر بیچا کرتا تھا انتھی۔ یہ پاپا صاحب اپنے آپ کو پطرس کا نائب قرار دیتا تھا اور پطرس کو مسیح نے بہشت کی کنجیاں دینے کا وعدہ انجیل متی باب ۱۶ ورس ۱۹ میں یوں کیا تھا۔ اور میں آسمان کی بادشاہت

کی کنجیاں تجھے دونگا جو کچھ تو زمین پر بند کریگا آسمان پر بند کیا جاویگا اور جو کچھ تو زمین پر کھولیگا آسمان پر کھولا جائیگا انتہیٰ * سبحان اللہ یہ بہشت کی کنجیاں مسیح نے اس شخص کو دینے کا وعدہ کیا جس کو چند منٹ کے بعد ہی آپنے شیطان کے خطاب سے عتاب کر کے شرمندہ کر دیا دیکھو انجیل متی باب ۱۶ ورس ۲۳ - اور مرقس باب ۸ ورس ۳۳ -

مسیح نجات دہندہ نہیں ہوسکتا - علاوہ ازیں بہشت کی کنجیاں عنایت کرنیوالے حضرت مسیح علیہ السلام کو جو ذاتی اختیار رکھا ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے دیکھو انجیل متی باب ۲۰ ورس ۱۷ سے ۲۴ تک جس کا خلاصہ اور مطلب صرف یہ ہے کہ ایک عورت اپنے بیٹوں کو لے کر مسیح کے پاس آئی اور ملتجی ہوئی کہ میرے لڑکے تیری بادشاہت میں ایک تیری دہنی اور دوسرا تیری بائیں طرف بیٹھیں مسیح اس عورت کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میری دہنی اور بائیں طرف بیٹھنا میرا اختیار نہیں کسی کو دوں مگر اُن کو جن کے لئے میرے باپ نے مقرر کیا - انتہیٰ -
کیوں حضرات مسیحی صاحبان مسیح بیچارے کو تو خود اتنا بھی اختیار نہیں تھا کہ بدوں مرضی خدا کے کسی کو میدان حشر میں اپنے دائیں یا بائیں بٹھا سکیں ایسے بیکس اور بے بس اور عاجز انسان کا کسی اپنے خادم کو بہشت کی کنجیاں عنایت کرنا کیا معنے اور کنجیاں بھی ماشاء اللہ ایسے . . . . شخص کو دینا جس کو خود ہی شیطان کے بدلقب سے یاد کیا یہ بہشت کی فرضی کنجیاں صرف طفل تسلی کی باتیں گھڑی گئی ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے دیکھو مسیح کا وجود بعد قصہ صلیب کے عنصری ہی تھا ثبوت اس امر کا - انجیل لوقا باب ۲۴ ورس ۳۹ میں لکھا ہے - میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا مجھ میں دیکھتے ہو * حضرت مسیح کا جسم خاکی عنصروں سے مرکب خون اور ہڈیوں کا ڈھانچا باعث ترکیب شدہ ہونے کے فنا ہونیوالا - ایسے ناقص وجود کی بابت پولوس اپنے خط اول قرنتیوں باب ۱۵ ورس ۵۰ میں لکھتا

ہے۔ اے بھائیو! میں اب یہ کہتا ہوں کہ جسم اور خون خدا کی بادشاہت کے وارث نہیں ہوسکتے اور نہ فانی بقا کا وارث ہوسکتا ہے انتہیٰ۔ جائے انصاف ہے کہ جب مسیح خون اور جسم اور فانی وجود رکھتے ہوئے خود ہی بقول پولوس صاحب خدا کی بادشاہت کے وارث نہیں ہوسکتے۔ تو اوروں کو وہ بہشت کی کنجیاں کیونکر دے سکتے ہیں یا نجات کا ٹھیکہ دار کیونکر بنا سکتے ہیں جن کو خود آسمانی بادشاہت حاصل نہیں ہوئی نجات تو خدا کے ہاتھ میں ہے نہ مسیحؑ کے ہاتھ میں۔ دیکھو دوم سمویل باب ۲۲ ورس ۴۷ میں حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ خداوند زندہ ہے اور میری چٹان مبارک ہے میری نجات کی چٹان کا خدا بلند اور بالا ہے۔ یہ میں ہوں جو راستبازی کی شہرت دیتا ہوں اور نجات دینے پر قادر ہوں انتہیٰ۔ ہاں مسیحؑ نجات کے لیے شفاعت کر سکتے ہیں جیسے کہ خط رومیوں باب ۹ ورس ۳۴ میں لکھا ہے۔ وہ تو ہماری سفارش کرتا ہے۔ جائے انصاف ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ خود نجات دینے پر قادر ہوتے تو خدا سے نجات کے بارے میں لوگوں کی سفارش کیوں کرتے اور خدا کی جناب میں سفارش یا شفاعت گنہگار بندوں کے حق میں کرنا یہ منصب نبوت ہے چنانچہ سیدنا حضرت موسیٰؑ کا تشفیع ہونا حوالجات مندرجہ ذیل سے ثابت ہے۔ گنتی ۱۴/۱۹ ایضاً ۱۲/۱۳ استثنا ۹/۱۹ اسی ۲۲ خروج ۸/۸ ایضاً ۹/۲۸ و ۳۰ بیان مذکورہ بالا سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ مسیحؑ بذاتِ خود نجات دینے والے نہیں ٹھہر سکتے۔ اور تشفیع ہونا ہمارے پیغمبر علیہ السلام کا قرآن شریف سے بخوبی ثابت ہے۔

مسیحی نجات رحمت الٰہی سے حاصل نہیں ہوتی یہ بھی عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوا ہے۔ یوحنا حواری اپنے خط اول باب ۲ ورس اول میں مسئلہ کفارے کا ذکر یوں بیان کرتا ہے "اگر کوئی گناہ کرے تو یسوع مسیح جو صادق ہے باپ کے پاس ہمارا وکیل ہے اور وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے فقط ہمارے گناہوں کا نہیں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی انتہیٰ۔ فدیہ اور کفارے کے معنے ہیں عوض و معاوضہ چنانچہ۔ اس لیے پولوس صاحب اپنے خط

گلیتیوں باب ۳ ورس ۱۳ میں لکھتا ہے " مسیح نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنتی ہوا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے " انتہی ۔ دیکھئے پولوس صاحب کے قول سے صریح معلوم ہوگیا کہ مسیح ؑ نے اپنے خون کے بدلے سے مسیحیوں کو مول لیا ہے گویا حضرت مسیح ؑ مشتری اور خدا بائع اور مسیحی لوگ مبیع ٹھہرے ۔ ناظرین با نصاف غور فرمائیں کہ جب مسیحیوں کی نجات معاوضہ پر ٹھہری تو پھر رحمت اور شفقت خداوندی سے مسیحیوں کی نجات کا کیا تعلق اور یہ امر ظاہر ہے کہ جہاں عوض و معاوضہ ہے وہاں رحمت اور شفقت نہیں اور جہاں رحمت و شفقت ہے وہاں عوض معاوضہ کیا ۔ پس عیسائیوں کو خود ہی اپنے فرضی کفارے کو غلط قرار دینا پڑیگا یا رحمت اور شفقت خداوندی سے دربارہ نجات محروم و مایوس ٹھہرینگے کیونکہ مسئلہ فدیہ و کفارہ متضاد اور منافی ہے صفت رحمت اور شفقت خداوند کریم رحیم کے ۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام زبور ۶ درس ۴ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۳ء میں فرماتے ہیں ۔ " اے خداوند پھر آ میری جان کو مخلصی دے اپنی رحمت کے سبب مجھے نجات بخش " انتہی ۔ جائے غور ہے کہ حضرت داؤد ؑ کا بامر الٰہی نجات کا ... خدا کی رحمت پر منحصر کرنا ۔ اور عیسائیوں کا نجات کو عوض و معاوضہ پر ٹھہرانا اور صریح خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام اور زبور کا جس کو خود بھی عیسائی کلام الٰہی مانتے ہیں خلاف کرنا سراسر ایمان سے ہاتھ دھونا ہے اس لئے مسئلہ فدیہ و کفارہ جو خدا کی رحمت و شفقت کے متضاد ہے بالکل رد کرنے کے قابل ہے پھر اس کو نجات کا ذریعہ خیال کرنا زبور اقدس کی تکذیب کرنا ہے ۔

مسئلہ کفارہ الوہیت مسیح کو باطل کرتا ہے ۔

علاوہ ازیں عیسائیوں کا مسیح کے فدیہ و کفارے پر نجات منحصر کرنا کئی وجہ سے باطل ہے ۔ اول مسیح کی فرضی خدائی کا ابطال لازم آتا ہے کیونکہ مسیح کو یہودیوں نے اپنے خیال میں بباعث کفر قتل کیا تھا جیسے انجیل یوحنا باب ۱۰ ورس ۳۲ میں ہے " تب یہودیوں نے پھر پتھر اٹھائے کہ اس پر پتھراؤ کریں ۔ تب یسوع نے

انہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے لیئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو یہودیوں نے اسے جواب دیا اور کہا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لیئے نہیں بلکہ اس لیئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے اور انسان ہوکے اپنے تئیں خدا بناتا ہے" انتہیٰ۔ الغرض یہود قاتل اور مسیح مقتول باعث اس قتل کا بقول عیسائیوں کے مسیح کا عیسائیوں کے گناہوں کی خاطر قتل ہونا اور یہود کے نزدیک اپنے کفر کی وجہ سے قتل کیا جانا۔ مگر اس قتل سے مسیح کی فرضی خدائی کا ابطال کتاب حزقیل باب ۲۸ درس ۹ سے بخوبی ہوتا ہے چنانچہ لکھا ہے "کیا تو اس کے آگے جو تجھے قتل کریگا پھر کہیگا کہ میں اللہ ہوں لہٰذا تو اپنے قتل کرنے والے کے ہاتھ میں اللہ نہیں بلکہ انسان ٹھہرا"۔

مسیح صرف بنی اسرائیل کے لیئے آیا۔

یہودیوں کے ہاتھ سے مسیح قتل ہوکر انکا خدا کیونکر ٹھہر سکتا ہے جائے انصاف ہے کہ مسیح خالص قوم بنی اسرائیل ہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے جیسے انجیل متی باب ۱۵ درس ۲۴ میں لکھا ہے میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی پاس نہیں بھیجا گیا۔ جس قوم بنی اسرائیل کی طرف مسیح مبعوث ہوئے تھے اس قوم نے بقول حضرت حزقیل انکی فرضی خدائی خاک میں ملادی اور مسیح بنی اسرائیل کے ہاتھ سے قتل ہوکر انکا خدا تو ہو ہی نہیں سکتا اور دوسری قوموں سے مسیح کا کوئی تعلق تھا ہی نہیں پھر مسیح کی خدائی سے دنیا کو کیا فائدہ واہ رے عیسائیوں کے فرضی خدا تیری خدائی تیرے قتل کے غلط مسئلہ نے دنیا سے نیست و نابود ہی کردی۔

قربانیوں کے اقسام

مسیح کا قتل جس کو عیسائی اپنے خیال میں اپنے گناہوں کا کفارہ ٹھہرائے ہوئے ہیں یہود کی نگاہ میں اونے کام تھا دلیل اسپر یہ ہے کہ یہود بحکم الٰہی تین قسم کی قربانیاں کیا کرتے تھے۔ اوّل نذر کی قربانیاں ہنونت انکا

کتاب احبار باب ۲ ورس ۶۔ اور کتاب گنتی باب ۵ ورس ۸۔ اور انجیل متی باب ۵ ورس ۲۳۔ دوم شکریہ کی قربانیاں زبور ۱۰۷ ورس ۲۲۔ دوم تواریخ باب ۳۳ ورس ۱۶۔ سوم خطا کی قربانیاں کتاب خروج باب ۲۹ ورس ۱۴۔ اور احبار باب ۵ ورس ۵ و ۶ وغیرہ ؛

کفارہ میں مسیح کی تحقیر پائی جاتی ہے

خطا کی قربانیوں سے بنی اسرائیل کے گناہوں کی معافی بکثرت توریت میں بیان ہوئی ہے جائے انصاف ہے کہ جو کام یعنی گناہوں کی معافی بکرے اور بیل کے خون سے ہو سکتی تھی کیا اس کام کے لیئے یہودی کسی انسان کو ذبح کر سکتے تھے؟ مسیح کا قتل یہود نے اپنی خطاؤں یعنی گناہوں کی خاطر نہیں کیا بلکہ اس کا باعث وہی تھا جس کا ذکر انجیل یوحنا باب ۱۱ میں بیان ہو چکا ہے اب عیسائیوں کا یہ خیال کہ مسیح کا قتل ہماری خطاؤں کی بخشش کا موجب تھا قوم یہود سے ہنسی کرانا ہے کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری خطائیں تو ہمارا خدا بھیڑ۔ بکری اور بیل کے خون کی عوض بخشدے اور زیادہ سے زیادہ حضرت موسیٰؑ کی شفاعت سے معافی گناہوں کی ہو سکتی ہے جس کا ثبوت کتاب خروج باب ۳۲ ورس ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ میں موجود ہے پھر کتاب گنتی باب ۱۴ ورس ۱۹۔ اور کتاب استثنا باب ۹ ورس ۱۹ میں پایا جاتا ہے اور عیسائیوں کو اپنے گناہوں کی معافی کے لیئے اپنے فرضی خدا کا خون بہانا تجویز کرنا سراسر اپنے مسیحؑ کی حقارت کرانا ہے کیونکہ جو کام بھیڑ کے بچے کے خون سے ہو سکتا تھا اسکے عوض اپنے پیر و مرشد مسیحؑ کا خون بہانا۔ ۔ ۔ ۔ گویا مسیح کے خون کو ایک بھیڑ کے بچے کے برابر ٹھہرانا ہے اور صریح مسیحؑ کی توہین کرنا ہے اور سیدنا حضرت موسیٰؑ کی شفاعت کے مقابل مسیحؑ کا شفیع نہ ٹھہرنا اور بجائے شفاعت کے اپنی جان پر کھیلنا مسیحؑ کا حضرت موسیٰؑ سے کم رتبہ ہونے کی دلیل ہے ؛

گناہوں کی معافی کا ذریعہ

تمام کتب آسمانی میں سچی توبہ سے گناہوں کی معافی کا ہونا بیان ہوا ہے جس کا انکار کوئی عیسائی نہیں کر سکتا اور تمام انبیاء کرامؑ کا یہی

مذہب تھا کہ توبہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ نینوہ کے باشندوں نے مع بادشاہ کے روزہ رکھا اور ہر ایک نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور خدا کے حضور بہت روئے اور ہر ایک نے بُری عادت کو ترک کیا اور ظلم چھوڑ دیا اور خدا نے انکے ان کاموں کو دیکھا کہ وے اپنی اپنی بُری راہ سے باز آئے تب خدا ان کی توبہ قبول کر کے اپنے غضب سے باز آیا۔ دیکھو کتاب یونہ نبی باب ۳ اول سے آخر تک ÷ اور کتاب دوم تواریخ باب ۳۲ ورس ۲۶ میں لکھا ہے "تب حزقیاہ دل کے اس غرور کی بابت خاکسار ہوا اور وہ اور یروشلم کے باشندے بھی سو حزقیاہ کے دنوں میں خداوند کا غضب ان پر نازل نہ ہوا"۔ اور انجیل لوقا باب ۱۵ ورس ۳ میں سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام نے مسئلہ توبہ کو تمثیل کے رنگ میں یوں بیان کیا ہے "تم میں سے کون ہے جس کے پاس سو بھیڑ ہوں۔ اگر اُن میں ایک کھوئی جائے اُن ننانوے کو جنگل میں نہ چھوڑے اس کھوئی ہوئی کو جب تک نہ پاوے ڈھونڈھا نہ کرے اور پا کے خوشی سے اپنے کاندھے پر اُٹھا نہ لے اور گھر میں جا کے دوستوں اور پڑوسیوں کو بلا کے نہ کہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو۔ کیونکہ مَیں نے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ پائی مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس ہی طور آسمان میں ایک گنہگار کے واسطے جو توبہ کرتا ہے ننانوے راستبازوں سے جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے زیادہ خوشی ہوگی" انتہی ÷ مطابق اس کے انجیل لوقا میں (باب ۱۵ ورس ۸ سے ۱۰ تک) توبہ کا بیان موجود ہے۔ اور خط دوم قرنتیوں باب ۷ ورس ۱۰ میں لکھا ہے "کیونکہ وہ غم جو خدا کے لیئے ہے ایسی توبہ پیدا کرتا ہے جس سے نجات ہوتی ہے"۔ دیکھیئے سچی توبہ سے نجات کا حاصل ہونا۔ پولوس نے مان لیا ہے اور کتاب یونہ نبی کے باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ سچی توبہ سے غضب الٰہی نینوہ والوں سے دور ہوگیا۔ جائے انصاف ہے کہ جب بذریعہ توبہ کے از روئے بائبل گناہ معاف ہوسکتے ہیں اور ہو بھی گئے حتّٰی کہ توبہ سے بقول پولوس نجات حاصل ہو جاتی ہے پھر صریح توبہ کے مسئلہ کے موجود ہوتے ہوئے ناحق

کسی کے قتل یا خون کے بہانے پر گناہوں کی معافی کا دار و مدار ٹھہرانا سراسر نادانی نہیں تو اور کیا ہے ؛

توبہ سے مسیحیوں کا انکار مسئلہ توبہ سے عیسائی ... منکر ہیں۔ چنانچہ پادری فنڈر صاحب اپنی کتاب طریق الحیات مطبوعہ سنہ ۱۸۶۷ء کے صفحہ ۴۵ سطر ۸ میں لکھتے ہیں کہ "خدا بھی اپنی عدالت کے موافق مجھ سے تجھ سے اور ہر آدمی سے چاہیگا اور توبہ و بازگشت کے سبب گناہ کی سزا سے درگذر نہ کرے گا" عیسائیوں کا یہ خیال کہ توبہ سے گناہ بخشے نہیں جاتے صریح کلام الٰہی کی تکذیب کرنا ہے کیونکہ توبہ کا مسئلہ کتب آسمانی میں موجود ہے اور کلام ربانی کی تکذیب کا باعث صرف کفارہ کا لغو مسئلہ ہے جس کا ثبوت نہ دلائل عقلی سے ہوسکتا ہے اور نہ نقلی سے ؛

نجات کا مدار اعمال صالحہ پر اس من گھڑت تجویز انسانی یعنی مسئلہ کفارہ کا ابطال اعمال حسنہ مندرجہ بائبل سے ہوتا ہے دیکھیئے زبور ۶۲ ورس ۱۲ میں لکھا ہے "اے خداوند کہ تو ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلا دیتا ہے"۔ اور انجیل متی باب ۱۶ ورس ۲۷۔ "ہر ایک کو اس کے اعمال کے موافق بدلا دے گا"۔ خط رومیوں باب ۲ ورس ۶۔ "وہ ہر ایک کو اس کے کاموں کے موافق بدلا دیگا"۔ باب ایضاً ورس ۹۔ "ہر ایک آدمی کی جان جو برائی کرتا ہے رنج اور عذاب میں پڑے گی۔ پہلے یہودی کی پھر یونانی کی اور ہر ایک کو جو بھلائی کرتا ہے بزرگی اور عزت اور سلامتی ملے گی پہلے یہودی کو پھر یونانی کو کیونکہ خدا کے حضور کسی کی طرفداری نہیں ہوتی" انتہیٰ ؛ پولوس نے تو فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ نجات اعمال سے ہوگی اور دوزخ بداعمالی سے اور اعمال نیک و بد کرنے والا خواہ یہودی ہو یا کسی اور قوم کا اپنے نیک اعمال سے بچ سکتا ہے اور بداعمالی سے گرفتار ہوگا عیسائی ہونے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ؛ اور کتاب مکاشفات باب ۲۰ ورس ۱۲ میں لکھا ہے "پھر میں نے دیکھا کہ مردے کیا چھوٹے کیا بڑے خدا کے حضور کھڑے ہیں اور کتابیں کھولی گئیں اور مردوں کی عدالت جس طرح سے ان کتابوں

میں لکھا تھا اُن کے اعمال کے مطابق کی گئی"۔

وزن اعمال اور کتاب اوّل سموئیل باب ۲ ورس ۳ میں مذکور ہے"کیونکہ خداوند دانش کا خدا ہے اور اعمال اس کے آگے تولے جاتے ہیں" انتہی۔ کیوں حضرات عیسائی صاحبان جب جزا و سزا کا ہونا ہر ایک آدمی کے لیئے نیک و بد اعمال کے مطابق ٹھہرا تو پھر مسیح کا فرضی کفارہ بالکل ناکارہ ہوگیا اگر نجات کا دار و مدار جیسے مکاشفات باب ۲ ورس ۱۲ - اور انجیل متی باب ۱۶ ورس ۲۷ میں اعمال حسنہ پر بیان کیا گیا ہے تو کفارہ غلط ہوا اور اگر نجات کفارے پر موقوف ہے تو اعمال صالحہ پر بدلہ ٹھہرانا اور اعمال کا وزن کرنا سراسر لغو ہو جائیگا۔

ایمان بغیر اعمال کے مفید نہیں اگر کسی عیسائی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ ہمارے پولوس صاحب اپنے خط رومیوں باب ۳ ورس ۲۸ میں فرما گئے ہیں۔ پس ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آدمی ایمان سے بے اعمال شریعت کے راستباز ٹھہرسکتا ہے۔ یعنی قابلِ نجات ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پولوس نہ خدا کا نبی ہے اور نہ خدا کا رسول اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام کا حواری پھر اس کی بات کا کیا اعتبار ہے۔ عدم نبوت و رسالت پولوس صاحب پر ہم نے ایک مضمون اپنی اخبار نور علیٰ نور مطبوعہ ۲۸ - اگست ۱۸۹۳ء نمبر ۳ جلد اول کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے جس کا جواب عیسائیوں کی طرف سے ہنوز نہیں ہوا اور نہ ہونے کی امید ہے۔ پولوس صاحب کا صرف ایمان ہی کو بدون اعمال صالحہ کے نجات کا ذریعہ ٹھہرانا اس کا ردّ خود انجیل ہی میں موجود ہے دیکھو یعقوب حواری اپنے خط کے باب ۲ ورس ۲۳ میں فرماتے ہیں" تو دیکھتا ہے کہ ایمان نے اس کے (یعنی حضرت ابراہیمؑ کے) ساتھ کام کیا اور اعمال سے ایمان کامل ہوا اور وہ نوشتہ پورا ہوا جو کہتا ہے ابراہیمؑ خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کے لیئے راستبازی گنی گئی اور خلیل اللہ کہلایا تم دیکھتے ہو کہ آدمی اعمال سے راستباز ٹھہرایا جاتا ہے صرف ایمان سے نہیں اسی طرح راحب بھی جو فاحشہ تھی جب اس نے جاسوسوں کی

مہمانی کی۔ اور انہیں دوسری راہ سے باہر کردیا کیا اعمال سے راستباز نہ ٹھہری پس جیسا بدن بے روح مردہ ہے ویسا ہی ایمان بے اعمال مردہ ہے ٭ بقول حضرت یعقوب حواری مجرّد ایمان بدون اعمال صالح کے مردہ ہے کیا مردہ ایمان نجات کا باعث ہوسکتا ہے اسلئے پولوس کا صرف ایمان پر بدون اعمال کے نجات کا مدار ٹھہرانا .... سراسر لغو ہے جس کو ایک حواری نے ردّ کردیا ہے ٭

کفارہ نہ صرف قرآن مجید بلکہ مروجہ اناجیل کے بھی مخالف ہے۔

بے عیسا ئیوں گناہوں کا کفارہ ناحق حضرت مسیحؑ کو تجویز کرنا قرآن شریف اور اناجیل مروجہ حال کے بعض مقامات کے بھی منافی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ جلشانہٗ قرآن پاک کی سورہ ہود رکوع ۱۰ میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط یعنی البتہ نیکیاں دُور کرتی ہیں برائیوں کو ٭ نیکیاں بدیوں کا کفارہ کیونکر ہوسکتی ہیں اس کا جواب سورہ نور۔ رکوع ۳ میں موجود ہے وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۵ (ترجمہ) اور چاہیئے کہ معاف کریں وہ جرم جو اُن سے ہوا ہے اور چاہیئے کہ بدلہ لینے سے مُنہ پھیر لیں اور چشم پوشی کریں (اس نیک کام کا ثمرہ یہ ہوگا۔ کہ خدا تمھارے گناہوں کو بخشدیگا) کیا تم دوست نہیں رکھتے ہو اس بات کو کہ بخشدے خدا تم کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ٭

مرقس باب ۱۱ ورس ۲۵ "اگر کوئی تمھارا مخالف ہو تو اُسے معاف کرو تاکہ تمھارا باپ جو آسمان پر ہے تمھارے قصور معاف کرے اور اگر تم معاف نہ کروگے تو تمھارا باپ جو آسمان پر ہے تمھارے قصور معاف نہ کریگا" دیکھیئے اپنے قصورواروں کا معاف کرنا ایک نیک کام ہے اس نیک کام کے بدلے میں خداوند تعالیٰ معاف کرنیوالے کے گناہوں کو

معاف کرتا ہے یہ معنے ہیں نیکیاں کفارہ ہو جاتی ہیں بدیوں کا۔ انجیل متی باب ۱۸ ورس ۲۱ "تب پطرس نے اس کے پاس آکے کہا اے خداوند اگر میرا بھائی میرا گناہ کرے تو میں کتنی مرتبے تک معاف کروں سات مرتبے تک۔ یسوع نے اُسے کہا میں تجھے سات مرتبے تک نہیں کہتا بلکہ ستر کے سات مرتبے تک" اور انجیل لوقا باب ۱۹ ورس ۶ "جب سبھوں نے یہ دیکھا کُڑ کُڑا کے کہا کہ وہ ایک گنہگار کے یہاں جا اُترا ہے۔ زکی نے کھڑا ہو کے خداوند سے کہا دیکھ اے خداوند میں اپنا آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں اور اگر کسی کا مال دغا بازی سے لیا ہے چوگنا دیتا ہوں۔ تب یسوع نے اس کے حق میں کہا کہ آج اس گھر میں نجات آئی" انتہیٰ۔ دیکھیئے یہ شخص زکی اپنا مال محتاجوں کو دینے کی وجہ سے اور حق العباد کے ادا کرنے سے جو یہ اعلیٰ درجہ کے نیک کام تھے اپنی تمام بدیوں سے خلاصی پاکر نجات کا بقول حضرت مسیحؑ مستحق ہو گیا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ہنوز مسیحؑ صلیبی لعنتی موت سے کفارہ بھی نہیں ہوا تھا بدون کفارے کے یہ شخص اپنے نیک اعمال کا کفارہ دیکر نجات پا گیا۔ اب کہاں گیا نجات کے لیئے مسیحؑ کے کفارے کا ضروری ہونا جس کا ابطال ہم نے اناجیل کے اکثر مقامات ہی سے کر دیا ہے۔

لعنت میں گذشتہ نمبر میں گنگا رام کی مثال کے ذریعہ یہ ثابت کر چکا ہوں کہ از روئے عقائد مسیحیان کوئی مسیحی نجات نہیں پا سکتا میں سچ کہتا ہوں کہ از روئے اناجیل مروجہ حال عوام عیسائی تو کیا نجات پا سکتے ہیں خود مسیحؑ بھی نجات یافتہ ثابت نہیں ہو سکتے۔ پولوس صاحب اپنے خط گلیتوں باب ۳ ورس ۱۳ میں لکھتے ہیں "مسیحؑ نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلہ میں لعنتی ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے" انتہیٰ۔ اے ناظرین یسوع کا صلیبی

لعنتی موت کے تحت میں آنا یہود اور عیسائیوں کا اتفاقی مسئلہ ہے اور اس صلیبی لعنتی موت کے مدعا اور مفہوم میں اختلاف ہے چنانچہ قوم یہود اس لعنت کا موجب یسوع کا انسان ہو کر خدائی کا دعویٰ کرنا اور اس کفر کے باعث صلیب پر مارا جانا مانتے ہیں۔ اور عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ یسوع نے ہمارے گناہ اپنے سر پر لیئے اور ہمارے گناہوں کی خاطر فدیہ ہوا اور یہی فدیہ و کفارہ صلیبی لعنتی موت کا باعث ہے۔ چونکہ لفظ لعنت کا یہود اور عیسائیوں نے بالاتفاق یسوع کے حق میں استعمال کیا ہے اور خصوصاً عیسائیوں نے بڑی خوشی اور فخر سے لفظ لعنت کا یسوع کے حق میں گلیتون میں تسلیم کیا ہے۔ سو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لعنت کے معنے از روئے لغت بیان کیئے جائیں۔

دیکھیئے لسان العرب جو لغت عربی کی ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے اور قطر المحیط اور اقرب الموارد یہ دونوں لغات کی کتابیں علمائے مسیحی کی تالیفات سے ہیں جو حال ہی میں بمقام بیروت چھپی ہیں اور ایسا ہی دیگر کتب لغت کی کتابوں میں لفظ لعنت کے معنے لکھے ہیں۔ ان کتابوں کے رُو سے ملعون ایسے شخص کو کہتے ہیں جو ہر ایک خیر و خوبی اور ہر قسم کی ذاتی صلاحیت اور خدا کی رحمت اور خدا کی معرفت سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب ہو جائے اور عذاب دائمی کا وارث ہو جائے انتہیٰ۔ معاذ اللہ اگر بقول یہود و نصاریٰ کے یسوع پر لفظ لعنت کا وارد ہونا تسلیم کیا جاوے خواہ یہود کے خیال کے بموجب یا عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ہونے کی وجہ سے مگر بہر صورت لعنت کے وارد ہونے سے لعنتی شخص کا خدا کی ذات پاک سے قطع تعلق ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی رحمت سے محروم ہو کر عذاب دائمی کا وارث ہو جاتا ہے۔ لعنت کے باعث یسوع کا صلیبی موت کے بعد دوزخ میں جانا عیسائیوں کے بڑے بزرگ پادری فنڈر صاحب نے مان لیا ہے چنانچہ صاحب موصوف اپنی کتاب حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء کے صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۳ میں فرماتے ہیں "سچ ہے کہ مسیح موت کے بعد جہنم میں گیا اور اور تیسرے دن قیام و عروج کیا۔ مگر اس جگہ جہنم سے مراد ہادس ہے نہ اصل جہنم اور ہادس وہ جگہ ہے جو اصل جہنم اور آسمان کے بیچ ہے" انتہیٰ۔ دیکھیئے پادری

فنڈر صاحب نے تسلیم کرلیا ہے کہ مسیحؑ بعد موت کے جہنم میں گیا۔ مگر دفع اعتراض کیلئے اپنے پاس سے بجائے جہنم کے ہادس کا لفظ گھڑ لیا اور بول اٹھے کہ ہادس وہ جگہ ہے جو اصل جہنم اور آسمان کے درمیان ہے۔ مگر اس من گھڑت اور اور بیجا تاویل بعیدہ مجوزہ پادری فنڈر صاحب کو خود انکے بھائی بند علماء مسیحی رد کرتے ہیں۔ چنانچہ پادری جی ایل ٹھاکر داس اپنے رسالہ آیندہ زندگی مطبوعہ لودھیانہ ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۵۰ سطر ۱۹ میں لکھتا ہے۔ "یاد رہے کہ اس موت کے بعد روح آسمان میں جاتی ہے یا دوزخ میں اور کسی جگہ نہیں۔ کیونکہ کلام اللہ میں نہ تو پرگے ٹوری کا اور نہ دیگر جانوروں میں جانے کا ذکر ہے" انتہی۔ کیوں اے عیسائیو! از روئے کلام اللہ بعد از مرگ روح کے لیئے دو ہی مقام جانے کے ثابت ہوتے ہیں یعنی آسمان یا دوزخ اور پادری فنڈر صاحب مسیحؑ کا دوزخ میں جانا خود تسلیم کرچکے ہیں اور تیسرا کوئی مقام کلام الٰہی سے ثابت نہیں پھر ناحق از راہِ تاویل بعیدہ مسیحؑ کے دوزخ میں جانے کو ہادس میں جانا گھڑ لینا جس کا ثبوت کلام اللہ سے مطلقاً نہ ہوسکے صریح بندگانِ خدا کو دھوکہ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ اے عیسائیو! جہنم کا لفظ اور اسکی کیفیت اناجیل موجودہ میں کئی جگہ بیان ہوئی ہے۔ مثلاً انجیل متی باب ۵ درس ۲۲۔ باب ایضاً درس ۳۰۔ انجیل لوقا باب ۱۲ درس ۵۔ انجیل مرقس باب ۹ درس ۴۳۔ باب ایضاً درس ۴۵ و ۴۷ وغیرہ۔ اِن مقامات مذکورہ بالا میں جہنم کا جائے غضب اور عذاب الٰہی ہونا پایا جاتا ہے۔ صریح لفظ جہنم سے پادری فنڈر صاحب کا کوئی تیسرا مقام مراد لینا اناجیل کے خلاف ہے۔ اور پادری فنڈر صاحب کے اس قول کی تصدیق کہ مسیحؑ بعد موت جہنم میں گیا۔ پطرس صاحب حواری بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنے خط اول کے باب ۳ درس ۱۸ میں فرماتے ہیں۔ "کیونکہ مسیحؑ نے بھی ایک بار گناہوں کے واسطے دکھ اٹھایا یعنی راستباز نے ناراستوں کے لیئے تاکہ وہ ہم کو خدا کے پاس پہنچائے کہ وہ جسم کے حق میں تو مارا گیا جس میں ہو کے اس نے اُن روحوں کے پاس جو قید تھیں جا کے منادی کی جو آگے نافرمانبردار تھیں"۔ کیوں حضرات عیسائی صاحبان آپ کے گناہوں کی

خاطر مسیحؑ کا دکھ اُٹھانا اور لعنت کے تحت میں آنا اور قیدی روحوں کے پاس الٰہی قید خانہ میں جانا جہاں وہ خدا کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب پا رہی تھیں اسی جائے عذاب کا نام ہی تو جہنم ہے جہاں مسیحؑ کا جانا پطرس حواری بیان کر رہا ہے۔ یہ وہی قید خانہ ہے جس کا ذکر انجیل لوقا باب ۱۶ ورس ۱۹ سے ۳۱ تک میں بیان کیا گیا ہے۔ اب رہا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیحؑ الٰہی قید خانے یعنی دوزخ میں تو ضرور گئے تھے مگر منادی کرنے کے لیئے نہ عذاب پانے کے واسطے۔ تو اس کمزور حیلے اور بہانے کا جواب یہ ہے کہ اصل مدعا ہمارا عیسائیوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ مسیحؑ بعد موت کے بقول پادری فنڈر صاحب جہنم میں گیا۔ رہی یہ بات کہ جیل کے اندر ایک سزا یافتہ لوگ جاتے ہیں۔ دوم حاکم وقت یا کوئی پادری صاحب وعظ سنانے جائیں تو وہ قیدیوں میں شمار کیئے جا دیں گے۔ پس مسیحؑ کا خدائی جیلخانہ یعنی دوزخ میں جانا صرف منادی کرنیکے واسطے تھا نہ عذاب پانے کے لیئے۔ جواب اے عیسائیو! تم خود مانتے ہو کہ مسیح ہمارے گناہوں کا فدیہ ہوا اور ہمارے گناہوں کی خاطر اُس نے دُکھ اُٹھایا اور ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا وہ ہمارے عوض لعنتی ہوا۔ لفظ لعنت کے معنے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ لعنتی عذاب دائمی کا وارث ہو جاتا ہے اور خدا کی رحمت اور معرفت سے بکلی محروم ہو جاتا ہے۔ کیا واعظ صاحب یا حاکم وقت جو جیلخانے میں جاتے ہیں پناہ بخدا لعنتی ہو کر اور عذاب بھگتنے کو جاتے ہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ پھر ایک لعنتی اور غضب الٰہی میں مبتلا شخص کا شاہی قید خانہ میں جانا بھلا حاکم وقت اور واعظ کے برابر کب ہو سکتا ہے اور یہ بھی واضح ہو کہ عیسائیوں کے گناہوں کی وجہ سے مسیحؑ کا صلیبی لعنتی موت سے مرنا مسیحؑ کا آخری عمل یا فعل تھا جس کے باعث خدا سے یسوع کو بالکل علیحدگی ہو چکی تھی اور لعنت کے سبب عذاب دائمی کا یسوع پر فتویٰ ہو چکا تھا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد دفتر اعمال بند ہو جاتا ہے پھر کوئی نیک یا بد عمل نہیں ہو سکتا اور قرب الٰہی کا باعث نیک اعمال ہی ہیں جن کا بعد موت یسوع سے صادر ہونا ممکن نہیں تھا اور بدوں جدید نیک اعمال کے قرب آلٰہی کا ہونا غیر ممکن ٹھیرتا ہے۔ اب نتیجہ صاف

یہ ہے کہ لعنت کے ماتحت یسوع کا لعنتی موت پانا خدا کی دُوری اور غضب الٰہی اور دوزخی ہونے کا موجب تھا اور اس دُوری اور غضب الٰہی کی تلافی اگر ہو سکتی تھی تو بذریعہ توبہ اور نیک اعمال ہی ... ہو سکتی تھی جو یسوع بعد از مرگ کر ہی نہ سکا کیونکہ بعد از موت اعمال کا دروازہ بند ہو جاتا ہے جب لعنت کی تلافی نہ ہوئی تو خدا کی رحمت اور قرب الٰہی سے مسیح کا بالکل محروم ہونا درحقیقت نجات ابدی سے محروم ہونا ثابت ہوتا ہے جائے انصاف ہے کہ جب ... مسیحی عقائد کے بموجب یسوع مسیح نجات سے خود ہی محروم رہے اور بجائے نجات کے غضب الٰہی میں گرفتار ہو گئے تو آپکے پیروکار عیسائی جو حالت عیسائیت میں رات دن گناہ کرتے ہیں کیونکر نجات پا سکتے ہیں لو عیسائیو مسیح پر لعنت کے وارد ہونے نے تمہاری نجات کا راستہ بالکل مسدود کر دیا۔ آؤ اگر نجات ابدی کے متلاشی ہو تو اسلام کا اتباع کرو دیکھو قرآن کریم نجات ابدی کا سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ کہ اگر ہو تم چاہتے اللہ کو پس پیروی کرو میری (جس کا نیک نتیجہ یہ ہوگا) کہ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور اللہ ہی معاف کرنیوالا ہے گناہوں کی معافی کا ثمرہ نجات ابدی کا حاصل ہوتا ہے جو آج صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر منحصر ہے۔ تمام شد

(آل عمران)

نوٹ از طرف ایڈیٹر

مسیحیوں کا ایک طرف یہ کہنا کہ یسوع مسیح لعنتی ہوا اور اُس نے کُل دنیا کے گناہوں کی لعنت کو اپنے سر پر اُٹھالیا اور اُن گناہوں کی سزا کو اپنے لیئے قبول کیا اور دوسری طرف یہ دعویٰ کرنا کہ یسوع مسیح جب جہنّم میں اُترا تو سزا پانے کے لیئے نہیں بلکہ جہنمی لوگوں کو وعظ سنانے کے لیئے تو یہ دونوں قول بالکل متضاد ہیں۔ ہر ایک لفظ کا ایک مفہوم ہوتا ہے اور جب ہم ایک لفظ کو کسی شخص کے بارے میں استعمال کرتے ہیں تو اُس پر وہ لفظ بمعہ اپنے مفہوم کے اطلاق پاتا ہے نہ صرف برائے نام۔ مثلاً جب ہم کسی شخص کی نسبت یہ کہیں

کہ فلاں شخص کو جنون ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف برائے نام پاگل ہے ورنہ اس کی عقل بالکل درست ہے اور اُس کے ہوش و حواس میں کچھ فرق نہیں آیا بلکہ اسکا یہ مطلب ہے کہ جنون کے لوازمات اُس میں پائے جاتے ہیں ایسا ہی جب ہم ایک شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ بخار میں مبتلا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف نام کا بخار ہے ورنہ بخار کی کوئی علامت بھی اُس میں نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح جب ہم ایک شخص کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ملعون ہو چکا ہے تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف برائے نام ملعون ہے ورنہ لعنت کا کوئی مفہوم اُس میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ لعنت کے بعد بھی اُسکی وہی حالت رہی جو پہلے تھی۔ وہ پہلے کی طرح خدا کا پیارا اور خدا کا محبوب اور برگزیدہ اور راستباز تھا مگر ساتھ ہی اسکے وہ لعنتی بھی ہوا۔ یہ عجیب لعنت ہے۔ ایسی لعنت تو رحمت ہے نہ کہ لعنت۔ اگر لعنت کا مفہوم سمجھنا ہو تو اس کی عمدہ مثال شیطان ہے جس کا نام بالاتفاق لعین یعنی ملعون ہے اب جس شخص نے لعنت کا مفہوم سمجھنا ہو وہ شیطان کی حالت پر غور کرے جس شخص پر لعنت وارد ہوتی ہے وہ ایک رنگ میں شیطان بن جاتا ہے اور جس قدر لعنت سخت ہو گی۔ اُسی قدر اُس کو شیطان سے زیادہ مشابہت ہو گی۔ اور جو لعنت مسیحی صاحبان حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تو ایسی سخت لعنت ہے کہ اُس سے بڑھکر کوئی لعنت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اُس پر دنیا کی تمام لعنتیں جمع کی جاتی ہیں اور اوّلین و آخرین کے تمام بداعمال کی لعنت اُسپر وارد ہوتی ہے اور یہ لعنت روز بروز بڑھ رہی ہے اور جب تک دنیا کا سلسلہ قائم ہے اور جب تک لوگ مسیحی مذہب اختیار کرتے رہیں گے اور اس طرح اپنی لعنت کو مسیح کی طرف منتقل کرتے رہیں گے تب تک یہ لعنت زیادہ اور زیادہ ہوتی جائے گی اور مسیحیوں کی یہ کوشش کہ تمام دنیا مسیحی کفارہ پر ایمان لائے گویا حضرت یسوع مسیح پر لعنت کے بوجھ کو بڑھانا ہے اور حضرت یسوع مسیح کے لئے تو یہی بہتر ہے کہ جس قدر ممکن ہو کم لوگ مسیحی کفارہ پر ایمان لاویں تاکہ لعنت کا بوجھ بھی اُسی نسبت سے کم ہو۔ غرض جو لعنت مسیحی صاحبان حضرت مسیحؑ پر (نعوذ باللہ) ڈالنا چاہتے ہیں وہ کوئی کم لعنت نہیں اگر اُس کو ایک پہاڑ لعنت کا بھی کہیں تب بھی تھوڑا ہے۔ پھر جس شخص پر اس قدر لعنت

وارد ہوا اُس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ باوجود اس لعنت کے پھر بھی خدا کا مقرب اور پیارا رہا اور کچھ بھی شیطانی حصہ اُس میں نہ آیا اور لعنت کے لوازمات میں سے کوئی چیز اُس میں نہیں پائی گئی تو ایسی لعنت کو لعنت نہیں کہہ سکتے اگر مسیح نے لعنت کا مزہ نہیں چکھا اور خدائے غضب کی آگ اُسپر ایک لمحہ کے لیئے بھی نہیں بھڑکی اور خدا سے کچھ دُوری اُسکو حاصل نہیں ہوئی تو پھر ایسے شخص کی نسبت کہنا کہ وہ لعنتی ہوا اور اُس نے کُل دنیا کی لعنتوں کو اپنے سر پر اُٹھایا بالکل غلط ہے۔ مسیحی صاحبان کو پہلے فیصلہ کرنا چاہیئے کہ لعنت کا کیا مفہوم ہے اور اُسکی کیا کیا لوازمات ہیں اُس کے بعد یہ لفظ اپنے مُنہ سے نکالنا چاہیئے ؛

ہم اس امر کے فیصلہ کے لیئے پادری صاحبان سے ایک سوال کرتے ہیں ہم اُن سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا اُن کے نزدیک شیطان ملعون ہے یا نہیں۔ یقیناً ہر ایک پادری اس سوال کا یہی جواب دیگا کہ ہاں۔ بے شک شیطان ملعون ہے۔ اس کے بعد ہم اُن سے سوال کرتے ہیں کہ کیا شیطان خدا کا مقرب ہے یا خدا سے دُور ہے ؟ کیا وہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا مورد ہے یا خدا کے شدید غضب کے نیچے ؟ کیا وہ اہل جنت میں سے ہے یا جہنمی ؟ کیا وہ خدائے تعالیٰ کا دوست ہے یا دشمن ؟ کیا اُس کا دل تاریک ہے یا الٰہی نور سے منور ہے ؟ پھر ہم اُنسے یہ پوچھتے ہیں کہ جو لعنت تم حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہو وہ اُسی قسم کی لعنت ہے جس سے شیطان کو حصہ دیا گیا یا کیا وہ کوئی نرالی لعنت ہے جو عام لعنت سے بالکل مختلف ہے اور جسکے وارد ہونے سے انسان پر کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ لعنتی ہونیکی حالت میں بھی .. راستباز اور خدائے تعالیٰ کا مقرب اور برگزیدہ اور خدائے تعالیٰ کا پیارا اور محبوب ہی رہتا ہے اور باوجود لعنتی ہونیکے اُسکے اُس تعلق میں کچھ فرق نہیں آتا جو اُس کو پہلے خدائے تعالیٰ سے تھا۔ امید ہے کہ ان سوالات سے مسیحی صاحبان کی سمجھ میں یہ امر آجائیگا کہ لعنت اپنے ساتھ ایک خطرناک مفہوم رکھتی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر کسی طرح صادق نہیں آسکتا اور یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام لعنت کے صحیح مفہوم کے مطابق ایک لمحہ کے لیئے بھی ملعون نہیں ہوئے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ لعنت اپنے اصلی مفہوم کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام پر وارد نہیں ہوئی تو مسئلہ کفارہ باطل ہوا کیونکہ اسکی مدار اسی لعنت پر تھی۔ لعنت ایک بہتان تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ م

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

حضرت خلیفۃ المسیح کی صحت اب اچھی ہے گو زخم ابھی تک صاف نہیں ہوا۔ قریب پانچ ماہ بستر علالت پر اب آپ کو ہو گئے ہیں ۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول میں سالانہ امتحان ختم ہو کر دس دن کی ایام بہار کی تعطیل کر دیگئی ہے ۱۵۔اپریل کو مدرسہ کھل جائیگا۔ سب احباب کو جو اپنے بچوں کی تعلیم اور تربیت اس مدرسہ میں چاہتے ہیں چاہیئے کہ شروع سال میں ہی اپنے بچوں کو یہاں بھیجیں جو لڑکے سال کا کچھ حصہ گذر جانے پر آکر شامل ہوتے ہیں انکی تعلیم میں بہت حرج واقع ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بورڈنگ ہوس کے تین ونگ قریبًا مکمل ہو چکے ہیں۔ اور کافی گنجایش نکل آئی ہے جو لڑکے سال گذشتہ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے واپس گئے تھے وہ پھر آسکتے ہیں۔ تمام کمروں میں الماریوں کے لگ جانے سے سامان کی تنگی کی شکایت بھی جاتی رہی ہے۔ اور انتظام میں ہر طرح سے ترقی ہو رہی ہے کھانے کے متعلق بعض شکایات کی وجہ سے اس طرف بھی کافی توجہ ہو رہی ہے اور علاوہ اول درجہ کے ایک درجہ خاص بھی کھانے کا کھل سکتا ہے بشرطیکہ کافی تعداد طلباء اسکی خواہاں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس سکول کیلئے اسوقت ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ لڑکوں کی تعلیم اور تربیت میں اس مدرسہ کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مروجہ تعلیم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی دینداری اور اخلاقی تربیت کے سامان مہیا ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ شہری زندگی کے بہت سے نقائص سے یہ جگہ خالی ہے مسلمانوں کو اپنی اولاد کی بہتری کے لیئے یہ مدرسہ مغتنمات سے سمجھنا چاہیئے اور بالخصوص احباب کو اس سے فایدہ اُٹھانا چاہیئے۔ جملہ احباب کی اطلاع کے لیئے ذیل میں اس مدرسہ کا پراسپکٹس شائع کیا جاتا ہے ۔

عملہ مدرسہ

(۱) مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر (۲) ماسٹر محمد الدین صاحب بی اے (علیگڈھ) ٹرینڈ
(۳) چودھری غلام محمد صاحب بی اے (علیگڈھ) ٹرینڈ (۴) شیخ عبدالرحمن صاحب سینئر ٹرینڈ
(۵) مولوی غلام محمد صاحب سینئر ٹرینڈ اول مدرس عربی دینیات (۶) ماسٹر عبدالحق صاحب ٹرینڈ

(۷) منشی اکبر شاہ خانصاحب اول مدرس فارسی و اردو ٭ (۸) ماسٹر عبدالرحیم صاحب ٹرینڈ ٭
(۹) ماسٹر عبدالعزیز صاحب ٭ (۱۰) شیخ عبدالرحیم صاحب دوم مدرس عربی و دینیات ٭
(۱۱) منشی محمد اشرف صاحب ٹرینڈ ٭ (۱۲) منشی غلام محمد صاحب سیفکیٹڈ ٭ (۱۳)
منشی سکندر علی صاحب ٭ (۱۴) ماسٹر امونخاں صاحب ڈرل ماسٹر۔ سینئر سرٹیفکیٹڈ ٭

مضامین :۔ جملہ مضامین اس مدرسہ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ہاں بجائے فارسی کے عربی اور سائینس پر زور دیا جاتا ہے اور اب فارسی صرف ان طلباء کے لیئے رہ گئی ہے جو پنجم ہائی میں آکر داخل ہوں اور وہ عربی یا سائینس کے ساتھ فارسی لینا چاہتے ہوں۔ تعلیم دینیات اول پرائمری ہی سے شروع کر دیجاتی ہے سوم پرائمری میں قرآن شریف ختم کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر چہارم پرائمری سے لیکر پنجم ہائی تک پہنچنے میں قرآن شریف کا ترجمہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ قرآن شریف کے علمی دینیات کی تعلیم حدیث شریف سے دیجاتی ہے ٭ زبان عربی کی تعلیم چہارم پرائمری سے شروع کر دی جاتی ہے ٭

نوٹ :۔ کتابیں وہی پڑھائی جاتی ہیں جو سرکاری مدارس میں رائج ہیں ٭

فیس مدرسہ :۔ اول پرائمری۔ دوم ۲/ ۔ سوم ۳/ ۔ چہارم ۱۰/ ۔ پنجم ۱۲/ ٭ اول مڈل ۱۴/ ۔ دوم مڈل ۱۶/ ۔ سوم مڈل ۱/۲/ چہارم ہائی ۔ پنجم ہائی ٭ ۱/۴/

دو یا دو سے زیادہ حقیقی بھائی جو اس مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں ان میں سے بڑے سے پوری فیس لیجاتی ہے اور باقی سے نصف ٭

عملہ بورڈنگ

(۱) چودھری غلام محمد صاحب بی اے (علیگڈھ) سپرنٹنڈنٹ ٭ (۲) ماسٹر عبدالحق صاحب ٭
(۳) منشی اکبر شاہ خاں صاحب ٭ (۴) شیخ عبدالرحیم صاحب ٭ (۵) ماسٹر عبدالعزیز صاحب ٭
(۶) منشی محمد اشرف صاحب ٭

یہ اساتذہ بورڈروں کی تعلیم۔ کھانے۔ صحت۔ ورزش جسمانی اور دینی تعلیم کی نگرانی کرتے ہیں۔ علاوہ تعلیم کے عملی دین سکھاتے ہیں مثلاً صبح کے وقت قرآن شریف کا پڑھانا سب نمازوں کا ان کے ساتھ ملکر ادا کرنا۔ اسی طرح ان کے ساتھ

بلکہ کھیلتی ہیں غرض ان کے کھلانے پلانے نہلانے دیگر اخلاقی باتوں کا سکھانا وغیرہ وغیرہ میں ماں باپ کا کام دیتی ہیں؛

عمارت بورڈنگ ہوس:- بورڈروں کی رہائش کیلئے گاؤں کی باہر ایک وسیع بورڈنگ ہے جسکے کمرے علاوہ وسیع ہونے کے اونچی چھتوں والے ہوادار اور خوبصورت ہیں۔ یہ بورڈنگ ایک ایسے حصے میں واقع ہے جو نہایت ہی پرفضا اور صحت افزا ہے اسکے ساتھ سو بیگھہ زمین ہے جس میں کھیلنے کیلئے میدان ہے؛

فیس بورڈنگ فی بورڈر ۴ ماہوار۔ اس فیس میں خرچ ادویہ فیس ڈاکٹر اور تیل کا خرچ شامل ہے اور طلباء کو ایک چارپائی اور ایک صندوق یا الماری ملتی ہے؛

اخراجات:- کھانیکے فی الحال تین درجے ہیں اس سال چوتھا درجہ قائم کرنیکی ضرورت محسوس ہو رہی ہے جو غالباً بہت جلد قائم کر دیا جائیگا اس درجہ کا نام درجہ خاص ہوگا جو ان طلباء کیلئے ہوگا جو خصوصیت کے ساتھ آسودہ گھروں سے آتے ہیں۔ انکا خرچ غالباً عـه ماہوار ہوگا اور انسے عا ماہوار فیس بورڈنگ لی جائیگی؛ ذیل میں ان درجات کے خرچ خوراک دیئے جائیں گے یہ مقرر نہیں ہیں۔ جو اصل خرچ کسی بورڈر کے ذمہ ہر مہینے نکلتا ہے وہی اس سے لیا جاتا ہے؛ اوسط خرچ درجہ اول [illegible] ہے اسمیں دونوں وقت گوشت دیا جاتا ہے۔ مہینے میں کم از کم ایک دفعہ پلاؤ وغیرہ دیا جاتا ہے؛ درجہ دوم کا اوسط خرچ ماہوار للعہ ہے اسمیں ایک وقت گوشت اور دوسرے وقت دال دیجاتی ہے؛ سوم کا خرچ [illegible] ہے اسمیں دونوں وقت دال یا ہو سکے تو کسی دن سبزی ملتی ہے اور ہفتہ میں دو تین دفعہ گوشت دیا جاتا ہے؛

متفرق اخراجات:- (۱) دھوبی۔ حجام۔ کاغذ۔ قلم دوات وغیرہ پر تو کچھ پیسے ہی لگتے ہیں؛ (۲) دودھ پینے والے طلباء کیلئے اطلاع دیجاتی ہے کہ قادیان میں ۲ر فی سیر دودھ ملتا ہے؛ (۳) دودھ کے علاوہ جو طلباء ناشتہ وغیرہ کرتے ہیں انکا خرچ اسکے علاوہ ہوتا ہے؛ اس تفصیل سے ہر ایک شخص اندازہ لگا سکیگا کہ وہ کس حیثیت میں اپنے بچے کو رکھنا چاہتا اور کتنا خرچ اسکے لیے ضروری ہوگا؛ **نوٹ:-** ہر طالبعلم کو دو مہینے کا خرچ پیشگی جمع کرانا چاہیئے

دینی مذاکرات و علمی مشاغل:- علاوہ اس دینی تعلیم کے جو مدرسہ اور بورڈنگ میں طلباء کو دیجاتی ہے اس بات کا ذکر کرنا نہایت ہی ضروری ہے کہ سب سے ضروری اور موثر ذریعہ جو دین اور اخلاق فاضلہ سکھانیکا اس سکول کو میسر ہے قرآن کریم کا درس ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ جیسے مقدس انسان کی پاک زبان سے وہ سنتے ہیں اسکے علاوہ ہر ہفتہ مدرسہ میں ایک جلسہ ہوتا ہے جسمیں سوم مڈل سے لیکر پنجم ہائی تک کے طالب علم انگریزی میں مضامین بیان کرتے یا مباحثات میں حصہ لیتے ہیں قرآن شریف کو ترتیل سے پڑھتے اور اسکا ترجمہ سناتے ہیں آخر میں قریباً ایک گھنٹہ تک ہیڈ ماسٹر صاحب حدیث شریف کا درس دیتے اور طلباء کو اسلامی اخلاق اور اسلامی زندگی

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

کی طرز سکھاتی ہیں۔ اسی طرح بورڈنگ ہوس میں بھی اکثر جمعرات کی شب کو تمام طلباء ایک جلسہ کرتے ہیں۔ سکول کی ایک لائبریری ہے۔ اور ایک ریڈنگ روم ہے جس میں اردو و انگریزی اخبار آتے ہیں۔

ورزش و صحت جسمانی: عصر کی نماز کے بعد اور کبھی اس سے پہلے طلباء برابر ہاکی۔ فٹ بال۔ کرکٹ کھیلتے ہیں اور انمیں اساتذہ بھی حصہ لیتے ہیں۔ بیمار طلباء کیلئے اول تو حضرت خلیفۃ المسیح جیسے نادر وجود شفقت کرنیکے لئے ہیں اور اس کے علاوہ دو ڈاکٹر ہیں جو سکول کے شفاخانے پر مقرر ہیں۔ نیز سلسلہ عالیہ کے مکرم و معظم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب بھی وقتاً فوقتاً بورڈنگ میں طلباء کا معائنہ فرماتے ہیں۔

چندہ کی نئی تحریک میں اس ماہ میں ذیل کے احباب اور انجمنوں کی طرف سے اطلاع آئی ہے کہ وہ دو پیسے فی روپیہ والی تجویز پر آئندہ کے لیئے عملدرآمد کریں گے۔

میاں غلام نبی صاحب سیٹھی سوداگر راولپنڈی بجائے دو پیسے فی روپیہ کے ایک آنہ فی روپیہ دینے کا اقرار فرماتے ہیں جزاہ اللہ خیراً۔ جماعت میرٹھ۔ کاٹھ گڑھ۔ افریقہ۔ سانگلہ۔ لالہ موسیٰ۔ سید ابرار حسین صاحب منصوری۔ مولوی امام الدین صاحب گولیکی مع دیگر احباب۔ اس کے علاوہ اس ماہ میں جماعت لودھیانہ نے طبع لیکچر الہ آباد میں نصف کی مدد دی اور بابو غلام محی الدین صاحب گڈس کلرک جناب احمد اللہ صاحب انسپکٹر اور منشی حامد حسین خانصاحب سکنہ میرٹھ نے اپنے خرچ پر ایک ایک رسالہ انگریزی جاری کیا جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ مولوی عمر الدین صاحب صریح نے اپنے لڑکے کی شادی کی تقریب میں لنگر کا ایک دن کا خرچ عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ جو اطلاع جانے پر ارسال کریں گے۔ خدائے تعالیٰ انکو جزائے خیر دے اور یہ نکاح دینی دنیاوی برکات کا موجب ہو۔ چودھری غلام احمد صاحب بی اے انسپکٹر ڈاکخانہ جات علاقہ کوئٹہ نے اس تجویز پر عملدرآمد کرنے کے لیئے بہت سے احباب سے وعدے لیئے ہیں اور امید دلاتے ہیں کہ اس سال انشاء اللہ پہلے سے تگنا روپیہ وصول ہو سکے گا۔ خدائے تعالیٰ انکی سعی کو قبول فرماوے۔ آمین

جن احباب نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی انکی طرف سے مایوسی تو نہیں مگر افسوس ضرور ہے اور زیادہ تر افسوس اس وجہ سے ہے کہ ہماری بعض اول درجہ کی انجمنیں ابتک اس تحریک میں شامل ہونے سے قاصر ہیں۔ میں یہ کہنے سے رک نہیں سکتا کہ اس کی وجہ ہمارے کارکن احباب کی بے توجہی ہے۔ دو پیسے فی روپیہ سلسلہ کے اہم ضروریات کے لیئے نکالدینا کوئی ایسا امر نہ تھا جو کسی پر خواہ وہ امیر ہو یا غریب شاق گذرتا۔ جن احباب نے اب تک توجہ نہیں فرمائی وہ خدا کے لیئے اس بات پر غور کریں کہ جنہوں نے اس تجویز کو منظور کر لیا ہے وہ بھی آخر ہمارے ہی بھائی ہیں نہ کوئی مشکلات میں پڑ گئے ہیں جو ہم ڈر جائیں۔ کچھ قربانی کرو تا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحق اجر ٹھہرو۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ بہت سے دوستوں کو نئی نئی تجاویز سلسلہ کی بہتری کی سوجھتی ہیں۔ میں کہتا ہوں انکو بھی پورا کر سکتے ہو تو کرو مگر جو کام ہاتھ میں لے چکے ہو۔ جو سلسلہ کے فرائض میں داخل ہو چکا ہے اس کی طرف بہت زیادہ توجہ کرو۔ تین ماہ سے زیادہ عرصہ اس تجویز کو اس رسالہ کے صفحات میں چکر کھاتے گذر گیا ہے۔ حالانکہ اگر ہمارے احباب توجہ فرماتے تو تین دن میں ہر طرف سے لبیک کی آواز آ سکتی تھی۔

اگر میرے احباب پوری توجہ کریں تو پھر مجھے اس مضمون پر لکھنے کی ضرورت پیش نہ آوے۔

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

اعلان تمام روپیہ جو خزانہ انجمن میں داخل ہونا ہو وہ بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان بھیجا کریں اور ساتھ کوپن پر یا علیحدہ خط میں تفصیل ضرور دیا کریں کہ کس مد میں وہ روپیہ جمع ہوگا۔ اگر کسی صاحب کے نزدیک مرسلہ روپیہ کا علم سکرٹری کو دینا لازمی ہو تو یہ تفصیل میرے نام پر روانہ کر سکتا ہے۔ مگر روپیہ ضروری ہے کہ محاسب کے نام ہی آیا کرے۔

محمد علی سکرٹری

(مطبع میگزین قادیان مینجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤگے ۔ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۱ء نمبر ۵

چندہ سالانہ عوام سے عہ/ طلباء سے عہ

فہرست مضامین

دیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۱ء کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات

(۲)

سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر

حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات

قرآن مجید میں سب سے لمبا بیان حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے اور اس لیئے مناسب ہے کہ دیکھا جاوے کہ آیا اِس قدر لمبے حالات صرف دل لگی کے طور پر بیان کیئے گئے ہیں یا انکے بیان کرنے میں اُسی قسم کے اغراض مدِّ نظر ہیں جیسے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حالات بیان کرنے میں مدِّ نظر ہیں۔ راڈویل مترجم قرآن کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ "حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عالم یہودیوں کے ساتھ خفیہ تعلقات رکھتے تھے" اور میور لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودیوں سے سُنے ہوئے قصوں کا نام وحی الٰہی رکھکر لوگوں کو عمداً دھوکہ اور فریب دینا شروع کر دیا تھا۔ غرض ان ہر دو بزرگ مسیحیوں کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات مخفی طور پر یہودی علماء سے سیکھے اور پھر اُن کا نام وحی الٰہی رکھکر ان کو اپنی

نبوت کے ثبوت میں پیش کیا۔ یہ ایسے کمینہ اعتراضات ہیں کہ ان سے خود معترضین کا کمینہ پن ظاہر ہوتا ہے۔

ایک طرف قرآن شریف میں سورۂ یوسفؑ کا مطالعہ کرو اور دوسری طرف بائبل کی کتاب پیدائش کا وہ حصہ پڑھو جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات درج ہیں۔ اور آپ پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ قرآن شریف میں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ وحی الٰہی کے پاک سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں اور پیدائش کی کتاب کا قصہ انسانی ہاتھوں کی تحریر ہے جو الہام الٰہی کے نور سے بالکل خالی ہے۔ اور جس کی بنا صرف قومی روایت پر ہے اور بس۔ کتاب پیدائش کا مصنف ہمیں صرف ایک داستان سُناتا ہے۔ اس سے زیادہ اُس کی کوئی غرض نہیں۔ وہ اس قصہ کو صرف قصہ کی خاطر بیان کرتا ہے اس ساری کہانی کو کتاب پیدائش میں اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ اور تمھیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملے گا جس سے یہ ظاہر ہو کہ کہانی بیان کرنے کے سوا کچھ اور بھی تھی۔ اس کی غرض یہ نہیں کہ اس کہانی سے کوئی سبق حاصل کیا جاوے یا کوئی نتیجہ نکالا جاوے بلکہ وہ صرف ہمیں ایک کہانی سناتا ہے تاکہ ہم اُس کہانی کو سنکر خوش ہوں۔ اگر کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ غرض ہو سکتی ہے تو صرف یہی ہو سکتی ہے کہ ایک تاریخی واقعہ کو قومی روایات میں سے جمع کر کے قلمبند کیا جاوے اس سے بڑھ کر کوئی غرض کتاب پیدائش کے مصنف کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی اپنے طور پر مسیحی صاحبان خواہ ہزار نتیجے اُس داستان سے نکالیں۔ مگر اُس کہانی کا لکھنے والا کسی نتیجہ کی طرف اشارہ نہیں کرتا اور کہیں ناظرین کی توجہ کو اس طرف نہیں پھیرتا کہ اس داستان سے کوئی سبق حاصل کیا جاوے اگر مسیحی صاحبان اُس سے کوئی نتیجہ نکالیں تو ایسا ہی وہ رامائن اور مہابھارت کے افسانوں سے بھی کئی ایک سبق حاصل کر سکتے ہیں اور کئی نتیجے اخذ کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خود افسانہ گو کی بھی یہ غرض تھی کہ اس قصہ کے ذریعہ لوگوں کو کوئی سبق سکھائے یا کوئی صداقت اُن کے

کہانی بیان کرنے والے کی غرض

ذہن نشین کرے۔ برخلاف اس کے کہانی کے پڑھنے سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ اُس کی غرض صرف ایک کہانی بیان کرنا ہے اور بس۔ مگر جو حالات حضرت یوسف علیہ السلام کے قرآن مجید میں مذکور ہیں اُن کا یہ حال نہیں۔ قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بطور قصہ اور کہانی کے بیان نہیں کیئے گئے۔ اور نہ یہ ثابت کرنے کے لیئے بیان کیئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی اور پوشیدہ کہانیوں کو بھی بیان کرسکتے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ حالات اس لیئے بیان کیئے گئے ہیں کہ ہم اُن سے بڑے بڑے عظیم الشان نتائج اخذ کریں اور جا بجا ان نتائج کی طرف صریح الفاظ میں توجہ بھی دلائی گئی ہے۔ مثلاً انہی الفاظ پر غور کرو جن کے ساتھ یہ بیان شروع کیا گیا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں (جو قرآن شریف میں بیان کیئے جاتے ہیں) حق کی تحقیق کرنیوالوں کے لیئے ایک نشان نہیں بلکہ کئی نشانات ہیں۔ اس طرح ابتدا میں ہی یہ ظاہر کردیا گیا ہے کہ جو حالات اب بیان کیئے جاتے ہیں اُس میں حق کی جستجو کرنے والوں کے لیئے بہت سے نشانات ہیں جن کے ذریعہ وہ حق کی شناخت کرسکیں گے۔ پھر اُن الفاظ پر غور کرو جن کے ساتھ یہ بیان ختم ہوتا ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ پس قرآن شریف حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کو بطور انبار الغیب یعنی غیب کی خبروں کے پیش کرتا ہے یعنی قرآن شریف کے نزدیک ان حالات میں آنیوالے پوشیدہ واقعات کی خبریں قبل از وقت بیان کی گئی ہیں۔ یہی امر اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے جو اس کے بعد مذکور ہے اور وہ یہ ہے وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝ یعنی تو اُن کے پاس نہ تھا جب اُنہوں نے (حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے) اپنی بات پر ایکا کیا درحالیکہ وہ مخفی تدبیریں کر رہے تھے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں

نے اپنے بھائی کے برخلاف مشورہ کیا ایسا ہی تیرے بھائی (قریش کے سردار) تیرے برخلاف ایک آنیوالے زمانہ میں مخفی طور پر سازش کرینگے تاکہ تجھے نابود کردیں۔ اس سے اگلی عبارت میں ہے کہ اگرچہ لوگ تیرے بھائیوں کی سازشوں سے تیری نجات کا نشان دیکھینگے مگر وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ۝ اکثر ان لوگوں میں سے تجھ پر اس نشان کو دیکھکر بھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ تیری بڑی خواہش ہے کہ یہ لوگ ایمان لاکر عذاب الٰہی سے بچ جاویں ۔

جو آیات اس کے بعد آتی ہیں اُن سے بھی اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بطور قصہ کے بیان نہیں کیئے گئے بلکہ ان میں عقلمندوں کے لیئے سبق ہیں۔ ان آیات میں گذشتہ انبیاءؑ کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِؕ یعنی ان انبیاءؑ کے بیان میں عقلمندوں کے لیئے ایک عبرت ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان بھی اسی غرض سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ بھی گذشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی ہیں ۔

مگر پیشتر اس کے کہ مَیں بیان کروں کہ وہ کون کون سی غیب کی خبریں ہیں جو سورہ یوسف میں قبل از وقت بیان کی گئیں اور وہ کون کون سی آیات ہیں جن کی طرف اس سورہ کے ابتدا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ناظرین کی توجہ بعض اُن خصوصیات کی طرف پھیروں جو سورہ یوسفؑ میں پائی جاتی ہیں۔ اور کتاب پیدائش اُن سے خالی ہے ۔

سو پہلی خصوصیت تو وہ الفاظ ہیں جن سے حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان سورہ مذکورہ میں شروع کیا گیا ہے۔ یعنی لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں حق کی تلاش کرنیوالوں کے لیئے کئی نشانات ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعہ شروع میں ہی یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ یہ حالات قصہ کے رنگ میں بیان نہیں کیئے جاتے اور نہ اس بات

کے ثابت کرنے کے لیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ کہانیاں بیان کرسکتے ہیں بلکہ یہ حالات اس وجہ سے بیان کیئے جاتے ہیں کہ ان میں حق کے طالبوں کے لیئے ایک نہیں بلکہ کئی نشانات ہیں۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے نام کے ساتھ اِخْوَتِہٖ یعنی آپ کے بھائیوں کا نام شامل کرنا بھی بلا وجہ نہیں بلکہ اپنے اندر ایک معنی رکھتا ہے خدائے تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لیئے کئی نشانات ہیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو انبار الغیب (غیب کی خبریں) ان حالات کے ذریعہ قبل از وقت بیان کی گئی ہیں وہ صرف اُس زمانہ کے یوسفؑ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی تعلق نہیں رکھتیں بلکہ آپکے بھائیوں یعنی قریش سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔ اس سورہ کی تیسری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جن آنیوالے واقعات کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے وہ ایسے پوشیدہ ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِن کی خبر نہ تھی۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝ ہم تیرے پر بیان کرتے ہیں بہت اچھی طرح بیان کرنا اس طرح سے کہ وحی کیا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو (ان باتوں سے جن کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے) پہلے بیخبر تھا۔

قرآنی بیان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات ایسی طرز سے بیان کیئے گئے ہیں کہ جس سے خدائے تعالیٰ کے علم اور اُس کی حکمت کا احساس نہایت ہی محکم طور پر پڑھنے والے کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو لڑکپن کے زمانہ میں آپکے بھائیوں نے ایک تاریک اور گہرے کنوئیں میں پھینک دیا تو ایسی حالت میں جبکہ ہر طرف سے ہلاکت ہی ہلاکت نظر آتی تھی۔ خدائے تعالیٰ کا تسلّی بخش کلام آپ پر نازل ہوا جسمیں ایک عجیب اور عظیم الشان آنیوالے واقعہ کی خبر دی گئی۔ اور جو جو نظارے اور واقعات آپ کو آئندہ پیش آنیوالے تھے اُنکے حیرت انگیز خاتمہ سے اُس کنوئیں میں گرے ہوئے

بچہ کو آگاہی دی گئی اور جو ڈراما بچے کو پیش آنیوالا تھا اُس کے آخری سین کا نقشہ اُس کے سامنے کھینچا گیا۔ وہ کلام الٰہی جو کنوئیں کی تہ میں اُس بے کس بچہ پر نازل ہوا وہ یہ تھا لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت اُس کے بھائیوں نے فیصلہ کر دیا کہ اُس کو کوئیں میں پھینک دیا جاوے اور اُس وقت اُس کو اُس کے خونخوار بھائیوں کے ہاتھوں سے کوئی چھڑانے والا موجود نہ تھا تو ایسی بے بسی اور بے کسی کی حالت میں اُس ویرانہ میں اُس بچے کے کانوں میں ایک تسلی دینے والے کی آواز پہنچی اور وہ آواز یہ تھی کہ اگرچہ اس وقت تیرے باپ کے بیٹے تیرے خونی دشمن ہیں اور وہ غالب اور تو مغلوب نظر آتا ہے مگر بہت سے تغیرات زمانہ کے بعد خدائے تعالیٰ ایک ایسا وقت لائے گا کہ یہی تیری بھائی تیرے حضور پیش ہونگے اور تو اُن سے سوال کرے گا کہ تم نے اپنے بھائی یوسف سے کیا سلوک کیا اور اُسوقت تیرا جاہ و جلال اور تیری عظمت اور شان اس قسم کے ہونگے کہ وہ تجھے نہ پہچان سکیں گے کہ یہ ہمارا ہی بھائی یوسف ہے"

اور صرف قرآن شریف اسی بشارت کا ذکر نہیں کرتا جو بیابان میں کوئیں کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام کو دی گئی بلکہ جو کچھ وہ اس کے بعد ذکر کرتا ہے اُس میں بھی اُس کو یہی دکھلانا مقصود ہے کہ کس طریق اور کس راہ سے خدائے تعالیٰ کی یہ عجیب بشارت آخر کار پوری ہوئی۔ چنانچہ اثنائے بیان میں ہر ایک ضروری موقعہ پر قاری کی توجہ اس طرف پھیرتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ کن کن پُر حکمت اور لطیف راہوں سے خدائے تعالیٰ اپنے ارادوں کو پورا کرتا ہے اور جس شخص کو اُس کے بھائیوں نے نابود کرنا چاہا تھا کس طریق سے وہ اُس کی مدد کرتا ہے اور جس بے کس انسان کو اُس کے بھائیوں نے اپنے وطن سے نکال دیا تھا کن راہوں سے خدائے تعالیٰ اُس کو ایک غیر ملک میں اجنبی لوگوں کے درمیان عزت بخشتا ہے۔ چنانچہ اس بیان کے بعد کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس تاریک اور مہیب کوئیں سے نکالکر مصر میں ایک رئیس کے گھر میں ایک

عزت کی جگہ پر پہنچایا خداے تعالیٰ فرماتا ہے وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ط وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ اس طرح ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دی تاکہ ہم اُس کو باتوں کی حقیقت سمجھائیں اور اللہ تعالیٰ اپنی بات پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی طرح جب آخر حضرت یوسف علیہ السلام ملک مصر میں ایک نہایت ہی معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے تو اس امر کا ذکر کرنے کے بعد بھی خداے تعالیٰ ہماری توجہ کو اپنے عجیب کاموں اور اپنی حیرت انگیز قدرتوں کی طرف پھیر کر فرماتا ہے وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ اس طرح ہم نے یوسف کو (جسے بھائیوں نے کوئیں میں پھینک دیا تھا اور جس کو ہم نے اپنی مدد کی بشارت دی تھی) زمین میں جگہ دی (اور اُس کو اس قسم کی آزادی بخشی کہ) وہ جہاں چاہتا اپنا مقام کرتا جس کو ہم چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور ہم کسی محسن کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرۃ کا اجر مومنوں متقیوں کے لیئے اس سے بھی بڑھکر ہے

یہ تو درمیانی مرحلے ہیں جن کو بیان کرکے خداے تعالیٰ ہمیں دکھاتا ہے کہ کن راہوں سے اُس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ ان کے بعد خداے تعالیٰ اُس عبرت آمیز نظارہ کا نقشہ کھینچتا ہے جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے مصر کے ایک شاہزادے کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ قحط کی مصیبت میں گرفتار اور قریباً تہیدست اس شاہزادے سے یہ التجا کرتے ہیں۔ یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ۝ یعنی اے عزیز۔ ہم اور ہمارے گھر والے قحط کے دکھ میں مبتلا ہیں۔ ہم ایک حقیر پونجی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ ہمیں پورا تول مرحمت فرمادیں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنیوالوں کو اچھی جزا دیتا ہے۔

اسپر وہ شاہزادہ ان خیرات مانگنے والے اجنبیوں سے پوچھتا ہے هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ٥ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی سے اپنی جہالت کے دنوں میں کیا کیا۔ اُس وقت اُن کو معلوم ہوا کہ یہ شاہزادہ جس سے وہ خیرات مانگ رہے ہیں یہ تو وہی اُن کا چھوٹا بھائی یوسف ہے جس کو اُنہوں نے کوئیں میں پھینکا تھا اور جس کو وہ اُس کی شان وشوکت کی جھلک کی وجہ سے اب پہچان نہیں سکے۔ حیرت میں ہوکر پوچھنے لگے أَئِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ۔ کیا آپ ہی ہیں۔ میں ہی ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے اور جو شخص تقویٰ کرے اور صبر کرے تو اُس کو ایسا ہی اجر ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی محسن کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ تو اُس وقت اُن بھائیوں نے سخت شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور کہنے لگے تَاللهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ ٥ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی اور ہم خطاوار تھے۔ مگر اُس رحیم وکریم انسان نے پسند نہ کیا کہ اپنے بھائیوں کو ملامت کرکے اُنکو رنجیدہ خاطر کرے۔ وہ نہایت لطف کے ساتھ اُن سے پیش آیا اور اُنکے قصوروں کی معافی دیکر نہایت کرم سے فرمایا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ٥ خدائے تعالیٰ تمھیں معاف کردیگا وہ سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے۔ اس طرح وہ وعدہ پورا ہوا جو خدائے تعالیٰ نے اُس بیکس بچے سے نہایت بے بسی کی حالت میں بیابان کے اندر ایک تنہا اور تاریک کوئیں میں کیا تھا۔

اس کے بعد وہ نظارہ ہے جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا باپ اور ماں اور بھائی خدائے تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے کہ اس قدر لمبی جدائی کے بعد اور اس قدر تغیّرات اور حوادث کے گذرنے کے بعد اُس نے بچھڑے ہوؤں کو پھر ملا دیا اور غم کو خوشی سے بدلا دیا زمین پر سجدہ میں گر پڑے اُس وقت حضرت

یوسف علیہ السلام بول اُٹھے یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ میرے ابا جان! یہ ہے نتیجہ میرے اُس رؤیا کا جو مَیں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے ربّ نے اس کو سچّا کر دیا اور اُس نے میرے پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکال لایا اور تمھیں بیابان سے لایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ میرا رب جو چاہتا ہے اُس کو لطیف طریق سے پورا کرتا ہے۔ وہ جاننے والا اور حکیم ہے۔ انہوں نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنا وہ خواب یاد دلایا جو بچپن میں انہوں نے دیکھا تھا اور جو سورہ یوسف کے ابتدا میں مذکور ہے۔ یہ خواب کیسے عجیب طریق کے ساتھ آخر پورا ہوا۔

غرض قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان ایک حیرت انگیز بشارت اور ایک عجیب پیشگوئی کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اس بیان کے اثنا میں جابجا اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے اپنے ارادہ کو پورا کیا۔ اور اس سورہ شریفہ کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے کی غرض یہ نہیں کہ صرف ایک کہانی سنائی جائے بلکہ یہ دکھلانا مقصود ہے کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے اُس حیرت انگیز کلام کو پورا کیا جو اُس نے بیابان میں ایک کوئیں میں گرے ہوئے بچے پر بالکل بےکسی اور بےبسی کی حالت میں نازل فرمایا تھا۔ مگر پیدائش کی کتاب میں اس قسم کی کوئی غرض مدّ نظر نہیں بلکہ اس کتاب کے مصنف کی اتنی ہی غرض ہے کہ ایک کہانی کو قلمبند کرے۔ پادری صاحبان اپنے طور پر خواہ کتنے ہی مطالب اس کہانی میں سے اخذ کریں مگر وہ اس کہانی میں کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں دکھا سکتے جس سے صاف طور پر ظاہر ہو کہ کہانی بیان کرنے والے کی اپنی غرض قصہ گوئی کے سوا کچھ اور تھی۔

ایک اور امر جس سے صاف طور پر یہ عیاں ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی غرض کہانی بیان کرنا نہیں مگر مصنف کتاب پیدائش کی غرض صرف قصہ گوئی ہے یہ ہے کہ قرآن شریف غیر ضروری تفاصیل کو بغیر بیان کرنے کے چھوڑ دیتا ہے مگر کتاب پیدائش کا مصنف چھوٹی چھوٹی بیہودہ تفاصیل پر بڑا زور دیتا ہے اور نکمی نکمی لچر باتوں کو جن سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بڑی تفصیل اور تطویل سے بیان کرتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن شریف ایک حکیم کا کلام ہے کیونکہ اس میں لغو اور غیر ضروری تفاصیل سے اعراض کیا ہے اور صرف اُنہی امور کو خوبصورت اور پیارے پیارے دلربا پیرایہ میں بیان کیا ہے جو اصلی اغراض سے تعلق رکھتے ہیں۔ ناظرین۔ اس امر کو مدِ نظر رکھ کر دونوں جگہ یعنی قرآن شریف میں اور کتاب پیدائش میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کو پڑھیں تا اُن کو اس فرق بیّن کا پورا پورا لطف حاصل ہو؛

ایک اور بڑا بھاری فرق جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جو حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ وحی الٰہی کے ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں اور کتاب پیدائش کا بیان ایک انسان کا کلام ہے جس کو قصہ گوئی کے سوا اور کوئی غرض نہ تھی یہ ہے کہ سورۂ یوسفؑ میں خدائے تعالیٰ کے علیم اور خبیر ہونے کا ایک زبردست ثبوت دیا گیا ہے مگر کتاب پیدائش کا بیان اس وصف سے خالی ہے۔ سورۂ یوسفؑ کو پڑھو اور تمہیں معلوم ہوگا کہ شروع سے آخر تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس بات کا یقین ہے کہ میرا بیٹا ابھی زندہ ہے۔ کئی سال گذر گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کوئی پتہ و نشان نہیں ملا۔ سب اُس کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اُنکے بیٹے یہ کہکر ملامت بھی کرتے ہیں تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ کی قسم تو ہمیشہ یوسف کو یاد ہی کرتا رہے گا یہانتک کہ تو مضمحل ہو جاوے
یا (اسی غم میں) گذر جاوے۔ اس کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے
ہیں اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
مَیں تو اپنی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ
سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمھیں نہیں دیا گیا۔ ایسا ہی جب حضرت یوسف علیہ السلام
کے بھائی آپ کی قمیص کو بطور نشان کے لیئے ہوئے مصر سے روانہ ہوتے ہیں تو ادھر
کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ
لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ مجھے تو اسوقت یوسف کی خوشبو آرہی ہے اگر تم مجھے
بہکا ہوا نہ کہو غرض اوّل سے آخر تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس بات کا
یقین ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور وہ بار بار اپنے اس یقین کا
اظہار بھی کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمھیں نہیں دیا
گیا۔ چنانچہ جو علم خدائے تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور جب حضرت
یوسف علیہ السلام کا پیراہن آپکے سامنے رکھا گیا اور آپ کا علم الیقین بصیرت اور
رؤیت سے بدل گیا تو آپ فرماتے ہیں اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ کیا مَیں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک
علم دیا گیا ہے جو تمھیں حاصل نہیں۔ آپ اپنے پاس رہنے والوں کو یہ بتلاتے ہیں
کہ دیکھو جو بات مَیں تمھیں کہتا تھا وہ آخر پوری ہوئی اور خدا کا کلام سچّا ثابت ہوا۔
غرض قرآن شریف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں اپنے علیم و خبیر ہونیکا
ثبوت دیا ہے اور دکھایا ہے کہ کس طرح وہ اپنے برگزیدوں پر غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہی
اور کس طرح اُس کی بتائی ہوئی باتیں جو لوگوں کی نظر میں اَن ہونی معلوم ہوتی ہیں۔
پوری ہو کر رہتی ہے۔ غرض یہ علیم و خبیر اور قدیر ہونے کا ثبوت جو سورہ یوسفؑ
میں دیا گیا ہے کتاب پیدائش اس خصوصیت سے بالکل بے بہرہ ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش کا لکھنے والا ایک انسان تھا جس نے ان واقعات کو

صرف روائت سے اخذ کرکے جمع کر دیا اور اُس کا کلام الہام الٰہی کے رنگ سے رنگین نہیں ہے۔ اور سورہ یوسف کا طرز بیان بتا رہا ہے کہ وہ علیم وحکیم کا کلام ہے؟

ایک اور امتیاز جو سورہ یوسف کو حاصل ہے اور جس سے پیدائیش کی کتاب محروم ہے وہ یہ ہے کہ اس سورہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس تہمت سے بری کیا گیا ہے جس کی وجہ سے آپ کو قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ مگر پیدائیش کی کہانی میں آپ کو اُس خطرناک اتہام سے بری نہیں کیا گیا جو آپکے آقا کی بیوی نے آپ پر لگایا تھا اس میں شک نہیں کہ پیدائیش کی کتاب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک پاک انسان ظاہر کیا گیا ہے مگر اس میں کوئی ایسی بات بیان نہیں کی گئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ کے ہمعصروں کی نظروں میں بھی آپ کا معصوم ہونا اور تہمت معلومہ سے بری ہونا ثابت ہو گیا تھا۔ وہ الزام جسپر آپ کو قید خانہ میں داخل کیا گیا سب کو معلوم تھا مگر کتاب پیدائیش کی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقعہ پر آپنے اپنے تئیں اس الزام سے بری کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خاموشی اختیار کی جس سے شبہ کرنیوالوں کو اور بھی شک کرنے کا موقعہ مل سکتا تھا۔ مگر یہ امر وہم میں بھی نہیں آسکتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسا بزرگ نبی ایک نہایت ہی بُرے کام کے ساتھ متہم کیا جاوے اور وہ ذرا بھی اپنی بریت ثابت کرنے کے لیئے کوشش نہ کرے۔ اُس نے ضرور اس داغ کو اپنے مقدّس نام پر سے دُور کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ چنانچہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مصر کے بادشاہ نے آپکے پاس اپنا خاص قاصد اس غرض کیلئے بھیجا کہ وہ آپ کو قید خانہ سے نکالکر دربار شاہی میں لاوے آپنے پسند نہ کیا کہ اسطرح رعایتی طور پر قید خانہ سے باہر قدم بھی رکھیں۔ چنانچہ آپنے اُس شاہی قاصد کو کہا کہ تم واپس بادشاہ کے پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ میں اس جگہ سے باہر نہیں آسکتا جب تک کہ اُس مقدمہ کی بادشاہ بنفس خود تحقیقات کر کے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ نہ کرے جس کی وجہ سے مجھے جیلخانہ میں بھیجا گیا تھا۔ اور جب تک تحقیقات کے بعد آپ کا گناہ سے بکلی پاک ہونا ثابت نہ ہوا۔ آپنے قید خانہ سے قدم باہر نہ رکھا۔ اُس عورت نے جس نے

جھوٹا الزام لگاکر حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کروایا تھا یہ کہکر اپنے قصور کا اقرار کیا اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اب سچ ظاہر ہوگیا ہے۔ مَیں نے ہی اُس کو اُس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا۔ اور وہ سچا ہے۔ یہ اقرار اُس نے اُس وقت کیا جب کہ ساتھ والی عورتوں نے جو اس سازش میں شریک تھیں بادشاہ مصر کے آگے یہ بیان دیا حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے اُس میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔ غرض جب بادشاہ نے خود کُل عورتوں کو اپنے پاس بُلاکر اُن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں دریافت کیا اور بادشاہ کی تحقیق سے یہ امر کُھل گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں۔ اُسوقت حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں سے نکلنا منظور کیا۔ آپنے نہ چاہا کہ آپ کی حالت لوگوں پر مشتبہ رہے بلکہ آپنے اپنے دامن کو بالکل پاک اور صاف دکھاکر لوگوں کو اپنا چہرہ دکھایا۔ چنانچہ آپ خود ہی اس بات کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ آپنے یہ تحقیقات کیوں کرائی۔ آپ فرماتے ہیں ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝ میں نے یہ تحقیقات اس لیئے کرائی ہے تاکہ میرے سابق آقا پر یہ بات ظاہر ہوجاوے کہ مَیں نے اُس کے گھر میں رہکر اُس کی پیٹھ کے پیچھے اُسکی کسی قسم کی خیانت نہیں کی۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو کامیاب نہیں کرتا۔ کوئی شریف آدمی پسند نہیں کرتا کہ اُسپر ایسا سخت الزام بلاوجہ لگایا جاوے اور وہ اپنی بریّت کے لیئے اور اپنے چال چلن کی صفائی کے لیئے ذرا بھی کوشش نہ کرے۔ ضرور ہر ایک معزز آدمی جو علاوہ معزز ہونے کے بے قصور بھی ہے اس بات کے ثابت کرنیکی کوشش کریگا کہ جو قابل شرم الزام اسپر لگایا گیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ جب ایک معمولی درجہ کا شریف آدمی بھی پسند نہیں کرتا کہ ناجائز طور پر اُسپر خطرناک بہتان باندھے جائیں تو ایک نبی جو دوسروں کے لیئے ایک نمونہ ہوتا ہے کس طرح پسند کرسکتا ہے کہ اُس کا چال چلن مشتبہ حالت

میں رہے۔ اس پر نہایت ہی گندے الزام لگائے جائیں اور وہ ذرا بھی اپنی بریت کی کوشش نہ کرے اس کو جھوٹے الزام لگا کر قید خانہ میں بھی ڈالا جائے اور پھر بھی وہ خاموش رہے اور اس طرح اپنی خاموشی سے لوگوں کے شبہ کو اور بھی مضبوط کرے اور جب اس کو اپنی بریت کا موقعہ بھی میسر آجائے اُسوقت بھی وہ خاموشی ہی اختیار کرے۔ اور باوجود عوام الناس کا انگشت نما بن جانے کے اپنے ہونٹوں پر سے خاموشی کی مُہر کو نہ توڑے۔ ان لوگوں کو اسقدر اپنی عزّت کا فکر نہیں ہوتا جتنا کہ اس بات کا فکر ہوتا ہے کہ لوگ انکی نسبت کوئی شبہ اپنے دل میں رکھکر اپنے تئیں ہلاک نہ کردیں۔ اس لیئے وہ اس امر کو برداشت نہیں کرسکتے کہ لوگ انکی نسبت کوئی بدگمان اپنے دل میں رکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت احادیث میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے آپ کی بی بی حضرت صفیہؓ آپ کے پاس تشریف لائیں اور آپکے پاس تھوڑی دیر بیٹھکر گفتگو کرتی رہیں۔ اور جب پھر اٹھکر چلنے لگیں تو آپ بھی اُنکے ساتھ مسجد کے دروازہ تک تشریف لے گئے۔ وہاں انصار میں سے دو آدمی آپکے پاس سے گذرے انہوں نے آپ کی طرف دیکھا اور آپ کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض کیا۔ آپنے اُن دونو کو فرمایا کہ ٹھہر جاؤ اور دیکھ لو کہ یہ میری بی بی صفیہؓ ہے۔ انہوں نے عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ۔ یعنی ہم کب آپ کی نسبت کوئی بُرا گمان کرسکتے ہیں۔ آپنے جواب دیا۔ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم وانی خشیت ان یلقی فی انفسکما شیئا۔ یعنی شیطان انسان کے اندر اس طرح چلتا ہے جیساکہ خون انسان کی رگوں کے اندر چلتا ہے اور مَیں نے خوف کیا کہ شیطان تمھارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے اس لیئے میں نے تمھیں بتلادیا کہ یہ میری بی بی حفصہ ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کہاں تک محتاط ہوتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی نسبت کوئی بدظنی پیدا نہ ہو۔ تا وہ بدظنی اُن کی ہلاکت کا موجب نہ ہو۔

غرض حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ اُن پر الزام تو ایسا خطرناک لگایا جاتا اور وہ اپنی بریّت کے لیئے کچھ سعی نہ فرماتے خصوصًا ایسے وقت میں جبکہ آپ کو ایک نہایت ہی اعلیٰ موقعہ خدائے تعالیٰ نے اپنی بریت ثابت کرنے کا دیدیا تھا۔ خدائے تعالیٰ اپنے انبیاء کے بارے میں سخت غیرت رکھتا ہے۔ اور کبھی ممکن نہیں ہوسکتا تھا کہ غیور خدا اپنے ایک پاک نبی اور ایک مطہر انسان کے روشن نام سے وہ سیاہ دھبہ دُور نہ کرتا جو ایک عورت اور اُس کے مددگاروں کی شرارت سے آگیا تھا۔ ضرور خدائے تعالیٰ نے ایسا کیا۔ مگر کتاب پیدایش میں کسی ایسی بریّت کا ذکر تک نہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو قصہ اس کتاب میں کسی لکھنے والے نے درج کیا ہے وہ ایک ناقص اور نامکمل اور ناقابل اعتماد قصہ ہے۔ دیکھو تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ بعض بداندیش لوگوں نے ہمارے معظم شہنشاہ کنگ جارج پنجم قیصر ہند کی نسبت یہ الزام شائع کیا کہ آپ نے شہزادگی کے زمانہ میں ایک بحری افسر کی لڑکی سے شادی کی تھی اور بعد میں اُس کو ترک کرکے موجودہ شہزادی سے نکاح کیا اور اس لیئے یہ نکاح مسیحی قانون کے رُو سے ناجایز ہے۔ اگرچہ اکثر اخباروں نے اس الزام کی تردید شائع کی اور اس کو بے بنیاد بیان کیا اور عام طور پر اس کو ایک غلط اور نہایت ہی کمینہ بہتان سمجھا جاتا تھا اور اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور لوگ خوب سمجھتے تھے کہ اس الزام کے شائع کرنیوالے صرف بداندیشی اور حسد کی وجہ سے ایسے اتہامات کو پھیلا رہے ہیں پھر بھی ہمارے معظم شہنشاہ کی غیرت نے پسند نہ کیا کہ ایسے بے بنیاد الزاموں سے وہ اپنی پوری بریت ثابت کرکے اپنے شاہی دامن کو ہمیشہ کے لیئے اس بہتان سے پاک نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے خود اپنا مقدمہ اپنی سلطنت کے ایک جج کے پاس بھیجا تا عدالت کے ذریعہ باقاعدہ طور پر تحقیق کی جاوے کہ یہ الزام کہاں تک درست ہے اور یہ بھی لکھا کہ اگر قوانین سلطنت مجھے اجازت دیتے تو مَیں خود عدالت میں حاضر ہوکر بیان دیتا۔ چنانچہ اُس مقدمہ کی پوری تحقیق بہ پابندی قوانین سلطنت کی گئی اور جو اس الزام

کا بانی مبانی تھا اُس سے بر سر اجلاس ثبوت طلب کیا گیا مگر وہ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا بلکہ شہادتوں سے یہ ثابت ہوا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ اس تازہ مثال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شریف آدمی ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ پسند نہیں کر سکتا کہ اُسے خطرناک اتہامات سے متہم کیا جاوے اور اُسے اپنی بریّت ثابت کرنے کا موقعہ بھی ملے مگر وہ اپنی بریّت کے لیئے کچھ بھی سعی نہ کرے۔ جب ایک شریف آدمی ایسا نہیں کر سکتا تو یوسف علیہ السلام جیسا راستباز اور مقدّس اور مطہر انسان جو نبی بھی تھا کس طرح پسند کر سکتا تھا کہ وہ اپنی حالت کو لوگوں کی نظروں میں مشتبہ رہنے دے اور لوگوں کو موقعہ دے کہ وہ نہایت ہی خطرناک بہتان آپکی طرف منسوب کریں اور آپ کچھ بھی کوشش نہ فرمائیں کہ اپنا بریّ ہونا ثابت کریں۔ مگر کتاب پیدائش سے . . . . ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے کوئی کوشش نہ کی جس سے عیاں ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش ناقص اور ناقابل اعتبار ہے اور جو کچھ قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے ہر ایک سلیم الفطرت انسان کی فطرت اسکے سچّا ہونے کی گواہی دیتی ہے۔

اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن سے کتاب پیدائش کی کہانی کا ادنیٰ پن ثابت ہوتا ہے مگر اس سے زیادہ اس مقابلہ پر بحث کرنا موجب تطویل ہوگا۔ اس لیئے اب میں اُن پیشگوئیوں کی طرف رجوع کرتا ہوں جو اس سورۂ کریمہ میں پائی جاتی ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سورہ کریمہ میں بہت سی غیب کی خبریں (انباء الغیب) ہیں اس لیئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ کون سی غیب کی خبریں یعنی پیشگوئیاں ہیں جو قرآن شریف کے اس حصہ میں بیان کی گئی ہیں۔ ان پیشگوئیوں کے دریافت کرنے کے لیئے کسی بڑی سعی کی ضرورت نہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں جو اس سورہ میں بیان کیئے گئے ہیں حق کی تلاش کرنیوالوں کے لیئے بہت سے نشانات ہیں۔ جس زمانہ میں یہ سورہ شریفہ

نازل ہوئی اُس وقت بھی ایک یوسف تھا اور اُس وقت بھی اُس یوسف کے بد اندیش بھائی موجود تھے جو اُس سے عداوت رکھتے تھے اور اُسے نابود کرنا چاہتے تھے۔ وہ یوسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے مقابل میں یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی بند قریش تھے۔ اور جو واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کو پیش آئے اور ایسا ہی جو سلوک آپکے بھائیوں قریش کی طرف سے آپ کے ساتھ ہوا اور پھر آخر میں جو سلوک آپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا جب ان سب پر نظر کیجاوے اور پھر اُن کا اُن واقعات کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے جو حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کو پیش آئے۔ تو اس میں کچھ بھی شک باقی نہیں رہتا کہ وہ کون سے آنیوالے واقعات تھے جنکی اس سورہ کریمہ میں قبل از وقت خبر دی گئی۔ جیسا کہ مَیں پہلے بیان کرچکا ہوں یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖ کے الفاظ اس امر کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ جن آنیوالے واقعات کی اس سورہ کریمہ میں خبر دی گئی ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ آپکے بھائیوں قریش کا بھی اُن میں بڑا دخل ہے۔ ... ...

... ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے حالات کو حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ کے بھائیوں کے تعلقات سے ایک نہایت ہی حیرت انگیز مشابہت ہے اور وہ مشابہت اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ یہ کہنا بھی کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہُوبہُو وہی واقعات پیش آئے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئے تھے اور جن کو بطور پیشگوئی کے سورہ یوسفؑ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورہ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک رُویا دیکھا جسکی تعبیر آپکے باپ نے یہ بیان کی وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۔ یعنی تیرا رب تجھے برگزیدہ کریگا

اور تجھے باتوں کی حقیقت سکھائیگا۔ اور اپنی نعمت کو تجھ پر پورا کرے گا جیسا کہ اُس نے
اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں حضرت اسحٰق اور حضرت ابراہیم علیہما السلام پر اپنی
نعمت کو پورا کیا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی جس میں
آپ کو یہ بشارت دی گئی کہ ہم تیرے ذکر اور تیری شان کو بلند کرینگے اور اپنی
نعمتوں کو تیرے پر ایسا ہی پورا کرینگے جیسا کہ اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں
حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام پر پورا کیا تھا اور جیسا کہ حضرت یوسف
علیہ السلام کے بھائیوں کا یہ دیکھکر حسد بھڑکا کہ اُن کا باپ اپنے اس بیٹے سے
زیادہ محبت کرتا ہے اور جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا رُویا
سن کر اُن کو یہ نصیحت کی کہ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا
لَكَ كَيْدًا یعنی تیرے اس رُویا کو سنکر جس میں تجھے بڑے بڑے انعاموں کا
وعدہ دیا گیا ہے تیرے بھائی تیرے برخلاف سازشیں کرینگے ایسا ہی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا۔ جب آپکے بھائیوں قریش نے دیکھا کہ اُن کا
آسمانی باپ اُن کی نسبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیار کرتا ہے
اور اپنی نصرت اور تائید سے اُس کو روز افزوں ترقی دے رہا ہے تو اُن کا
حسد بھڑکا اُن میں یہ تاب نہ تھی کہ آپ کے سلسلہ کو ترقی کرتے ہوئے دیکھیں
جوں جوں آپ کا سلسلہ اُن کو بڑھتا ہوا نظر آتا تھا اُن کے حسد کی آگ زیادہ اور
زیادہ بھڑکتی تھی۔ آخر جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حسد کی
وجہ سے آپ کو نابود کرنے پر اتفاق کر لیا تھا ایسا ہی قریش نے بھی اُسی حسد کی
وجہ سے یہ ارادہ کر لیا کہ اپنے بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں ؛

پھر جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سازشوں کا آخر یہ نتیجہ ہوا کہ
حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل میں ایک تاریک کوئیں کے اندر رہنا پڑا ایسا ہی اِس مکّی
یوسف صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائیوں کی سازشوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کو بھی جنگل میں
ایک تنگ و تار غار کے اندر رہنا پڑا اور پھر جیسا کہ اُس کوئیں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو

خدائے تعالیٰ نے اپنی نصرت کا وعدہ دیکر تسلّی دی ایسا ہی اُس غار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کی نصرت کے وعدوں پر پورا یقین تھا اور جب آپکے یارِ غار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دشمنوں کو اپنے سر پر کھڑا دیکھکر گھبرائے تو آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ یعنی کچھ غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

پھر جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کوئیں سے نکلکر ایک غیر ملک میں گئے تو وہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو ایک عزت کا مقام بخشا چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀ اور جس شخص نے مصر والوں سے اُسے خریدا اُس نے اپنی جورو سے کہا کہ اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھنا۔ شاید یہ کسی دن ہمارے کام آوے یا ہم اُس کو اپنا بیٹا بنالیں اور اسی طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو مصر کے ملک میں جمایا اور غرض یہ تھی کہ اُس کو باتوں کی حقیقت سکھائیں یعنی اُس کو اس بات کا تجربہ ہو کہ خدائے تعالیٰ کی باتیں کس طرح پوری ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے جو کام چاہتا ہے پورا کرتا ہے۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غار سے نکلکر اپنے خون کے پیاسے بھائیوں سے ایک اجنبی شہر میں جاکر پناہ لی۔ تو وہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو عزت کے مقام پر پہنچایا۔

سورۂ یوسفؑ میں خدائے تعالیٰ قحط کے واقعہ کو بڑی بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے جو ملک مصر میں واقعہ ہوا اور نیز بیان کرتا ہے کہ کس طرح لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آکر امداد طلب کرتے۔ یہ واقعہ بھی جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا۔ صحیح بخاری میں اُس شدید قحط کا حال لکھا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں

واقع ہوا۔ عبداللہ کہتا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما راے من الناس ادبارا قال اللھم سبعا کسبع یوسف فاخذتھم سنۃ حصت کل شئ حتی اکلوا الجلود والمیتۃ والجیف و ینظر احدھم ...... الی السماء فیری الدخان من الجوع۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگوں نے حق کی طرف پیٹھ پھیر دی ہے اور آپ نے چاہا کہ لوگوں میں تضرع اور خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع پیدا ہو تو آپ نے دعا کی* کہ اے اللہ تو اسی قسم کے قحط کے سال بھیج جیسے کہ یوسف (علیہ السلام) کے زمانہ میں تو نے بھیجے تھے۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور ایسا سخت قحط پڑا جو ہر ایک چیز کو کھا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے چمڑے اور مردار اور لاشیں کھا کھا کر اپنا پیٹ بھرا اور جب ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر کرتا تو بھوک کے مارے آسمان اسے دھواں دھار نظر آتا" (دیکھو صحیح بخاری جزو اوّل ابواب الاستسقاء) یہ قحط مدنی زمانہ میں واقع ہوا۔ مگر اس کی خبر بطور پیشگوئی کے مندرجہ ذیل مکی آیت میں موجود تھی۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ یعنی اس دن کا منتظر رہ جب کہ آسمان ایک کھلا کھلا دھواں لائیگا یہ دھواں لوگوں کو ڈھانپ لے گا (وہ دھواں نہ ہوگا بلکہ) ایک دردناک عذاب ہوگا۔ چنانچہ جب اس شدید قحط کے دنوں میں لوگوں کو مارے بھوک کے

---

* معلوم ہوتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے مُرسل دنیا کو فسق وفجور کے دریا میں غرق دیکھتے ہیں تو انکی طبیعت ایسے عذاب کیلئے دعا کرنے کی طرف جھکتی ہے جس سے لوگوں میں تضرع اور رجوع الی الحق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس زمانہ کا مصلح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ صفحہ ۷۹ پر ایک قصیدہ عربی میں اسی قسم کی ایک دعا کا ذکر کرتا ہے اور وہ شعر یہ ہیں:۔

فلما طغی الفسق المبید بسیلہ ❊ تمنیت لو کان الوباء المتبر
فان ھلاک الناس عند اولی النھی ❊ احب واولی من ضلال یخسر

آسمان دھواں دھار نظر آنے لگا اُس وقت لوگوں کو یہ آیت یاد آگئی اور مومنوں کو یقین ہوگیا کہ یہ وہی عذاب الیم ہے جس کی خبر سورۂ دخان میں دی گئی تھی ؞

اور جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط زدہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جاتے اور آپکے ذریعہ اس مصیبت سے آرام حاصل کرتے تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے لوگ اس مصیبت کی فریاد آپکے پاس لاتے تھے۔ ہاں اتنا فرق تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک زمینی بادشاہ کے خزانوں سے غلہ دیکر لوگوں کی امداد کرتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمینی چیز کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ آپنے اُس بادشاہ کی طرف رجوع کیا جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ جس طریق سے آپنے قحط زدہ لوگوں کی امداد کی وہ مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے ان رجلا دخل یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ المنبر و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قائم یخطب۔ فاستقبل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قائما فقال یا رسول اللہ ھلکت المواشی وانقطعت السبل فادع اللہ یغیثنا فرفع رسول اللہ صلی اللہ

بقیہ حاشیہ۔ یعنی جب میں نے دیکھا کہ فسق و فجور کا سیلاب زور پر ہے تو میں نے یہ آرزو کی کہ کاش ایک ہلاک کرنے والی وبا ہوتی کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک ایسی گمراہی سے جو خسران میں ڈالے آدمیوں کا مرنا بہتر ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب ان لوگوں کے منہ سے کوئی بات نکلتی ہے تو خدائے تعالیٰ اُس کو پورا کر دیتا ہے۔ اور خود قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی رسول دنیا میں آتا ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے وقت میں وبائیں اور قحط پڑیں کیونکہ وہ رجوع الی اللہ اور تضرع کا زمانہ ہوتا ہے اور یہ آفات تضرع اور رجوع الی اللہ کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔ خوشحالی اور امن عافیت کے وقتوں میں غفلت زیادہ ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس اٹل قانون کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں کرتا ہے مَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

علیہ وسلم یدیہ فقال اللّٰھم اسقنا اللّٰھم اسقنا اللّٰھم اسقنا قال انس ولا واللہ ما نری فی السماء من سحاب ولا قزعۃ ولا شیئًا وما بیننا وبین سلع من بیت ولا دار قال فطلعت من ورائہ سحابۃ مثل الترس فلما توسطت السماء انتشرت ثم امطرت قال واللہ ما رأینا الشمس ستا ثم دخل رجل من ذٰلک الباب فی الجمعۃ المقبلۃ۔ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم یخطب فاستقبلہ قائمًا فقال یا رسول اللہ ھلکت الاموال وانقطعت السبل فادع اللہ یمسکھا قال فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثم قال اللّٰھم حوالینا ولا علینا اللّٰھم علی الاٰکام والجبال والظراب والاودیۃ ومنابت الشجر قال فانقطعت وخرجنا نمشی فی الشمس (صحیح بخاری جزو اوّل۔ ابواب الاستسقاء) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اُن شدید قحط کے دنوں میں) ایک

بقیہ حاشیہ۔ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ (الاعراف) یعنی جب کبھی ہم کسی بستی میں کوئی نبی بھیجتے ہیں تو وہاں کے رہنے والوں کو قحط اور بیماری کے ساتھ پکڑتے ہیں اور ہماری غرض اس پکڑنے سے یہ ہوتی ہے کہ لوگ عاجزی اور تضرع کریں۔ چنانچہ اسی قاعدہ مستمرہ کے مطابق خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ میں نہ صرف قحط اور وبائیں بھیجیں بلکہ اور بہت سی آفات نازل کیں مثلاً زلزلے اور سیلاب تاکہ لوگوں میں تضرع پیدا ہو اور چونکہ اس زمانہ کے رسول کا (جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ہے) دائرہ تبلیغ بہت وسیع تھا اور کل دنیا پر محیط تھا۔ اس لئے اُن آفات کا دائرہ بھی اُسی طرح وسیع اور کل دنیا پر محیط ہے۔ دنیا کے ہر ایک حصہ میں اس زمانہ کے رسول غلام احمد (علیہ وعلی مطاعہ الصلوٰۃ والسلام) کی صریح پیشگوئیوں کے مطابق خطرناک زلزلے جو اپنی شدت میں بے نظیر تھے آئے ہیں اور دنیا کے بہت سے حصوں میں طاعون ظاہر ہو رہی ہے اور احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی ہے کہ

دن مسجد میں خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص سامنے کے دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ و سلم کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے رسول خدا۔ (قحط کی وجہ سے) مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے (بہ سبب قزاقوں اور راہزنوں کے) چھوٹ گئے ہیں پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ بارش نازل فرما دے۔ آپ نے اُسی وقت دونوں ہاتھ اُٹھائے اور تین دفعہ دعا کی کہ اے اللہ ہمیں پانی پہنچا۔ انس کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی قسم اُس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا تو کجا کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی تھی اور ہمارے اور سلع پہاڑی کے درمیان کوئی گھر نہیں تھا (جو اُس پہاڑی کو ہماری نظروں سے چھپاتا) اُسی وقت ہمارے دیکھتے دیکھتے اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک چھوٹا سا بادل اُٹھا جو شکل میں ایک ڈھال کی طرح تھا اور جب وہ آسمان کے وسط میں پہنچا تو سارے آسمان پہ پھیل گیا۔ اور پھر بارش برسنی شروع ہوئی اور برابر چھ دن یعنی دوسرے جمعہ تک برستی رہی خدا کی قسم ہم نے اس عرصہ میں سورج کو بالکل نہیں دیکھا جب دوسرے جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر خطبہ کے لیئے منبر پر چڑھے تو ایک شخص (وہی یا کوئی اور) پھر سامنے کے دروازہ سے داخل ہوا۔ اور آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول۔ مویشی (بہ سبب بارش کے) ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے (بہ سبب پانی کے سیلابوں کے) متروک ہو چکے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس بارش کو تھام لے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دونوں ہاتھ اُٹھائے (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ یہ سُنکر مسکرائے اور ہاتھ اُٹھائے) اور دعا کی کہ اے اللہ یہ بارش ہمارے اردگرد ہو

بقیہ حاشیہ یورپ اور دیگر عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی وبا پڑیگی جو نہایت سخت ہوگی۔ اور یہ سب آفات قرآنی آیت کے رُو سے اور خود احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے مطابق اس زمانہ کے مرسل غلام احمدؐ کی صداقت کے نشانات ہیں منہ

اور ہم پر نہ ہو۔ اے اللہ اس بارش کو پہاڑیوں اور ٹیلوں اور وادیوں اور درختوں کے اُگنے کی جگہوں پر برسا (ہم پر نہ برسا) انس کہتا ہے کہ بارش فی الفور تھم گئی اور جب ہم جمعہ کی نماز ادا کر کے باہر نکلے تو بجائے بارش کے دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ صحیح بخاری کی دوسری روایتوں میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ بارش کے لیئے دعا فرمائی تو ابھی آپ منبر پر ہی تھے کہ بارش شروع ہو گئی چنانچہ جب آپ منبر پر سے اُترے تو آپ کی ریش مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا اور لکھا ہے کہ جب آپ نے دوسرے جمعہ کو یہ دعا کی اللھم حوالینا ولا علینا تو بارش مدینہ پر تو تھم گئی اور گرد و نواح کی وادیوں پر برابر برستی رہی چنانچہ بعض وادیاں برابر ایک مہینہ تک دریاؤں کی طرح بہتی رہیں اور ہر ایک آدمی جو بیرونجات سے مدینہ میں آتا وہ بارش کا ہی ذکر کرتا تھا اور مدینہ ایک گول دائرہ کی طرح آتا تھا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے نشانات اس کثرت سے دیکھے گئے کہ ابو طالب کا مندرجہ ذیل شعر اپنے لفظی معنوں میں آپ پر لگایا جاتا تھا ابو طالب نے اپنے نامی بھتیجے کی تعریف میں چند شعر کہے تھے اور یہ شعر بھی انہی اشعار میں سے ایک ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ: ثمال الیتامی عصمۃ للاؑرامل

وہ پاکیزہ ہے۔ بادل اُس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں۔ وہ یتیموں کا مددگار اور بیواؤں کی پشت پناہ ہے۔ ابو طالب نے تو استعارہ کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا تھا کہ بادل اُس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں۔ مگر جب صحابہؓ نے دیکھا کہ واقعی آپکی دعائیں ایسی جلدی مستجاب ہوتی ہیں کہ آپ ابھی منبر پر ہی تشریف رکھے ہوتے ہیں کہ بارش کے ساتھ پرنالے بہنے لگتے ہیں تو اُن کو ابو طالب کا یہ شعر یاد آیا اور وہ آپ کی تعریف میں یہ شعر پڑھا کرتے اور حقیقی معنوں میں آپ پر چسپاں کرتے (دیکھو صحیح بخاری ابواب الاستسقا

پھر ایک اور بڑی عجیب مشابہت یہ ہے کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قحط کے دنوں میں اپنے بھائی کی طرف رجوع کیا اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَھْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ۔ اے عزیز ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر قحط کی مصیبت پڑی ہے اور ہم تھوڑی سی پونجی لیکر آئے ہیں۔ آپ ہم کو پوری ماپ غلہ مرحمت فرما دیں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اسی طرح شدید قحط کے مصائب سے تنگ آکر ابو سفیان جو اس وقت قریش کا سردار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ یا محمد جئت تامر بصلة الرحم وان قومك هلكوا فادع الله تعالیٰ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو لوگوں کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم کرتا ہے۔ اور تیری قوم قحط کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ اس مصیبت کو دور کرے۔ (صحیح بخاری - ابواب الاستسقاء) غرض ملک میں قحط کا پڑنا اور لوگوں کا اور خود قریش کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا اور آپ کی خدمت میں دعا کی درخواست کرنا اور پھر آپ کی دعا کی برکت سے قحط کی مصیبت کا دور ہونا یہ ایسے امور ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات سے سخت مشابہت رکھتے ہیں۔

پھر۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ملک مصر میں جاکر جہاں وہ بطور غلام کے بیچے گئے تھے۔ آخر کار ایک نہایت ہی اعلیٰ اور معزز عہدہ پر سرفراز ہوئے چنانچہ خود اُن کے بھائی اُن کو یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ یعنی اے عزیز مصر کہکر پکارتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد خدائے تعالیٰ نے کُل عرب کا بادشاہ بنا دیا۔ چنانچہ جب آپ دس ہزار قدوسیوں کی فوج کے ساتھ مکّہ کے قریب پہنچے تو قریش کا سردار ابو سفیان آپ کے جاہ و حشم کو دیکھکر ششدر رہ گیا اور

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ لقد اصبح ملک ابن اخیک ملکا عظیما (مواہب زرقانی جلد ثانی صفحہ ۳۸۲) تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک نہایت عظیم الشان سلطنت ہے۔

سب سے بڑی عظیم الشان مشابہت جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کے درمیان ہے وہ اُس وقت پوری ہوئی جبکہ آپ فاتح ہو کر شہر مکّہ میں داخل ہوئے جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے بھائی کے سامنے طرح طرح کی مخالفتوں اور ناکامیوں کے بعد آخر شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور کہا تاللّٰہِ لقد اٰثرک اللّٰہُ علینا وان کُنّا لخاطئین۔ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برگزیدہ کر لیا ہے اور ہم خطاکار تھے۔ ایسا ہی جب قریش قریباً ۲۱ سال کی لگاتار اور جان توڑ کوششوں کے بعد آخر عاجز ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے دس ہزار مقدس ہمراہیوں کے شہر مکّہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اُن قریش سے (جو اب تک آپ کے خون کے پیاسے رہے تھے) یہ سوال کیا یا معشر قریش ماترون انی فاعل فیکم۔ اے قریش اب تم مجھ سے کیسے سلوک کی امید کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا خیرا اخ کریم وابن اخ کریم۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے کیونکہ آپ ہمارے رحیم کریم بھائی ہیں اور ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ اُس وقت آپ نے فرمایا انی اقول کما قال اخی یوسف لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم وھو ارحم الراحمین ۰ اذھبوا فانتم طلقاء۔ اب مَیں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کرے۔ وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ تم چلے جاؤ۔ مَیں تم سب کو آزاد کرتا ہوں یعنی اگرچہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح تم نے مجھے نابود کرنا چاہا مگر خدائے تعالیٰ نے میری مدد کی اور تم اپنے ارادوں میں ناکام رہے۔

لیکن مَیں آج تمھیں معاف کرتا ہوں اور تمھارے ظلموں سے درگذر کرتا ہوں اور اگرچہ تم اپنے مظالم کی وجہ سے سزائے قتل کے مستحق ہو مگر مَیں تمھیں **آزاد کرتا ہوں** اور جیسا میں تمھارے قصوروں کو معاف کرتا ہوں ایسا ہی میرا خدا بھی معاف کردیگا کیونکہ وہ سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور اگر اُس نے جنگ کا حکم دیا تھا تو وہ اس لیئے دیا تھا کہ تم نے خود پیشدستی کی اور تم نے چاہا کہ تلوار سے مسلمانوں کو نابود کردیا جاوے مگر اب چونکہ تم میں تاب مقابلہ نہیں رہی اس لیئے اب تمھیں معاف کیا جاتا ہے اور تمھارے قصوروں سے درگذر کیا جاتا ہے۔ اس معافی سے یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ زیادتی کس فریق کی طرف سے ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جیسا میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا ایسا ہی مَیں تمھیں معاف کرتا ہوں اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی قصوروار تھے کیونکہ اُنھوں نے تلوار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی جماعت کو نابود کرنا چاہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حالت کو حضرت یوسفؑ کی حالت سے مشابہ کرتے ہیں اور قریش کے حالات کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حالات سے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تئیں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح مظلوم سمجھتے تھے اور قریش کو ظالم ؛

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ سورہ یوسف کے نازل ہونے کے بعد جو واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے وہ بالکل حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کے مشابہ ہیں گویا سورہ یوسف کیا ہے آپکے آنیوالے واقعات کا نقشہ ہے۔ اسی واسطے اس سورہ کے آغاز میں یہ بیان کیا گیا ہے لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لیئے کئی نشانات ہیں۔ اب ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان حالات کو کیوں نشانات کہا گیا۔ ان کو اس لیئے نشانات کہا گیا ہے کہ یہ آنیوالے واقعات کی پیشگوئیاں ہیں اور یہ بتلایا گیا ہے کہ جس قسم کے

واقعات حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئے اور جس طرح اُن کو آخر کار عزت اور کامیابی حاصل ہوئی اور اُن کے بھائی اُنکے آگے ذلیل و ناکام ہوئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بھائیوں قریش کا حال ہوگا۔ چنانچہ آنیوالے واقعات نے اس امر کی تصدیق کی۔ اس لیئے ہر ایک بات جو اس سورہ شریفہ میں بیان کی گئی ہے وہ ایک پیشگوئی اور ایک نشان ہے اس لیئے کہ اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپکے دشمنوں کا کاذب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کی بحث کو ختم کر دوں میں ناظرین کی توجہ کو ایک اور مماثلت کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں اور وہ مماثلت یہ ہے کہ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام پر ایک جھوٹا الزام لگایا تھا مگر آخر کار خدائے تعالیٰ نے اُن کا اس لزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک جھوٹا الزام لگایا گیا تھا اور وہ الزام یہ تھا کہ آپ اپنے دعویٰ میں نعوذ باللہ کاذب ہیں مگر خدائے تعالیٰ نے آپ کی نصرت پر نصرت کرکے اور آپ کی صداقت کے بہت سے نشانات ظاہر کرکے آپ کا اس جھوٹے الزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ کیونکہ اگر آپ نعوذ باللہ اپنے دعویٰ میں صادق نہ ہوتے تو آپ کا وہی انجام ہوتا جو کاذبوں کا انجام ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جب سے کہ انبیاءؑ کا سلسلہ قائم کیا ہے اُس کا یہ اٹل قانون چلا آیا ہے کہ وہ صادقوں کی تائید کرتا اور اُن کو اُن کے دشمنوں پر آخر کامیاب کرتا ہے مگر جو جھوٹے طور پر دعویٰ نبوت کرتے ہیں اور جو جھوٹے طور پر کہتے ہیں کہ ہم پر خدائے تعالیٰ اپنی وحی نازل کرتا ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ اُن پر کوئی وحی نازل نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کو خدائے تعالیٰ ناکام کرتا ہے۔ وہ ناکامی اور حسرت کی موت مرتے ہیں اور اُن کا خاتمہ دنیا کے لیئے ایک عبرت کا مقام ہوتا ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ اس لیئے کرتا ہے تا سچوں اور جھوٹوں میں تمیز ہو جاوے۔ پس اسی قانون کے مطابق خدائے تعالیٰ نے اوّل سے آخر تک آپکی تائید فرمائی آپکے دشمن باوجود قوت اور طاقت کے آخر کار

عاجز آ گئے اور آپ غالب اور کامیاب ہوئے۔ اور اسطرح خدائے تعالیٰ نے آپ کے صادق ہونے کی خود گواہی دی اور اپنی گواہی سے آپ کا سچا ہونا ثابت کیا اور آپ کو اُس جھوٹے الزام سے بری ثابت کر دیا۔ آپ کی کامیابی کی آخری سیڑھی فتح مکّہ تھی جب کہ خدائے تعالیٰ نے آپکے زبردست اور خونی دشمنوں کو ذلیل کر کے آپ کے پاؤں میں گرا دیا اور اپنی کامل تائید اور نصرت سے آپ کا سچا ہونا ثابت کر دیا۔ اور اُن تمام الزامات سے آپ کو بری کر دیا جو آپ پر جھوٹے طور پر لگائے جاتے تھے۔ اسی واسطے جب آپنے دیکھا کہ اب خدائے تعالیٰ نے اپنی نصرت میں کمال کر دیا ہے تو آپ مکّہ معظمہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اونٹ پر ہی سجدہ میں گر پڑے اور اپنے اُس خدا کا شکر ادا کیا جس نے اُس دن پورے طور پر آپ کو کامیابی کی آخری سیڑھی پر پہنچا کر اور آپکے دشمنوں کو کُلی طور پر عاجز کر کے آپ کی صداقت کا ایک بے نظیر معجزہ دکھا دیا اور اس طرح اُن تمام فرضی گناہوں کو اپنی نصرت کے پانی سے دھو دیا جو ابتک آپ کی طرف منسوب کیے جا چکے تھے یا آیندہ آپکے بدطینت دشمنوں نے آپ کی طرف منسوب کرنے تھے۔ اسی لیئے خدائے تعالیٰ اس فتح کا ذکر کر کے فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (سورہ فتح) یعنی ہم نے تجھے کُھلی کُھلی فتح دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر عیب تیری طرف ابتک منسوب کیے گئے ہیں یا آئندہ منسوب کیئے جاوینگے وہ سب ڈھپ گئے ہیں کیونکہ ایسا شخص جس کو خدائے تعالیٰ اس طریق سے اپنی نصرت کے ساتھ مؤید کرے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا اور اُس کی طرف کوئی ایسا عیب منسوب نہیں ہوسکتا جو جھوٹوں میں پایا جاتا ہے اور اس فتح کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے تجھ پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔

اب میں اُن آیات یعنی نشانات میں سے بعض کا ذکر کر چکا ہوں جو سورہ یوسف میں پائے جاتے ہیں اور جنکی نسبت خدائے فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ

فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ یعنی یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کے حالات میں بہت سے نشانات ہیں جن سے حق کے طالب فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور جن کی نسبت اس سورہ کریمہ کی ابتدائی آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اس سورہ میں ایسے واقعات کی خبر دیجاتی ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بے خبر تھے کیونکہ وہ آنیوالے واقعات تھے جنکی خبر دی گئی۔ اب ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ کیوں اس سورہ کریمہ کے مضامین کی نسبت آخر میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ۔ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم بذریعہ وحی قبل از وقت تجھ پر اس سورہ شریفہ کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں ؛

اصحاب کہف اب میں ایک اور تذکرہ کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں بطور پیشگوئی کے بیان فرمایا ہے اور وہ اصحاب کہف کا تذکرہ ہے۔ جو سورہ کہف کے ابتدائی حصہ میں مذکور ہے اس سورہ کے پڑھنے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بطور پیشگوئی کے نازل ہوئی۔ اصحاب کہف کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا ہے اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ کیا تو گمان کرتا ہے کہ اصحاب کہف ورقیم ہمارے نشانوں میں سے کوئی عجیب نشان ہیں۔ ان الفاظ میں صریح طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اصحاب کہف کا ایک کہف میں پناہ گزین ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ آپ کے لیے بھی مقدر ہے کہ آپ بھی اصحاب کہف کی طرح ایک غار میں پناہ گزین ہونگے۔ اصحاب کہف کے متعلق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۝ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ یہ لوگ

(اصحاب کہف) چند جوان شخص تھے جو اپنے مالک پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انکو اور زیادہ ہدایت دی اور ہم نے اُن کے دلوں کو مضبوط کر دیا تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا مالک تو وہی ہے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے ہم تو ہرگز اس کے سوا کسی دوسرے خدا کو پکارنیوالے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم نے بڑی کفر کی بات کہی یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ اُن کے معبود ہونے پر کوئی کھلی سند کیوں نہیں لاتے۔ پھر اُس سے بڑھکر کون زیادہ ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔ بعینہٖ یہی عقاید اور یہی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اصحاب کہف کی طرح اُٹھکر کہا کہ خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور آپ نے بھی اُن کی طرح جھوٹے معبودوں کی مذمت کی۔ مگر سب سے بڑی مشابہت جو اصحاب کہف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جیسا کہ اصحاب کہف نے ایک کہف میں پناہ لی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک وفادار ہمراہی کے ساتھ غار ثور میں پناہ لی مگر آپ میں اور اصحاب کہف میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ آپ نے کوئی بہت لمبا عرصہ اُس غار میں نہیں رہنا تھا جیسا اصحاب کہف کی نسبت مشہور ہے۔ اس تذکرہ کے آخر میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ یعنی تو کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہہ کہ یہ کام میں کل کروں گا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور جب تو بھول جائے تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر۔ اور کہہ کہ قریب ہے کہ خدائے تعالیٰ مجھے (اصحاب کہف کی نسبت) زیادہ قریب راہ پر چلاوے۔ ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی کام کرنے والے تھے اور وہ کام اُسی قسم کا تھا جیسا کہ اصحاب کہف نے کیا۔ یعنی جیسا کہ اصحاب کہف نے بھاگ کر ایک کہف میں پناہ لی ایسا ہی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرنے والے تھے۔ لیکن یہ کہ وہ بھاگنا اور اصحاب کہف کی طرح
ایک ہولناک اور ڈراؤنی غار میں پناہ لینا کب ہوگا اس امر کے بارہ میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ آپ کوئی وعدہ نہ کریں بلکہ ہر ایک بات خدائے تعالیٰ
کے منشار پر چھوڑ دیں جس طرح اور جب خدائے تعالیٰ چاہے گا اس بات کو پورا کر دیگا۔
مگر یہ بتلا دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر عرصہ غار میں نہیں رہنا پڑیگا
جسقدر کہ اصحاب کہف کی نسبت مشہور ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَ
قُلْ عَسٰى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۔ یعنی تو کہہ
کہ قریب ہے کہ میرا رب مجھے (اصحاب کہف کی نسبت) زیادہ قریب راہ پر چلائے
یعنی مجھے خدائے تعالیٰ اس سے بچائے گا کہ مجھے بہت عرصہ تک غار میں
رہنا پڑے جیسا کہ اصحاب کہف کی نسبت کہا جاتا ہے بلکہ میرا رب بہت جلدی
مجھے اس غار میں سے نکال لے گا۔ اور مجھے ایسی راہ پر چلائے گا جس سے
کہ میں جلدی کامیابی کے منزل پر پہنچ جاؤں گا۔ خدائے تعالیٰ نے یہ نہیں
بتلایا کہ اصحاب کہف تعداد میں کتنے تھے یا کتنا عرصہ وہ غار میں چھپے رہے بلکہ
فرماتا ہے قُلْ رَّبِّيْ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ یعنی کہ میرا رب بہتر جانتا ہے کہ
اُن کی تعداد کتنی تھی اور فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا یعنی کہ
اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا عرصہ غار میں ٹھہرے رہے۔ اس سے صاف
معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کا ذکر کرنے سے خدائے تعالیٰ کی غرض کوئی کہانی
بیان کرنا نہیں۔ بلکہ یہ تذکرہ بطور پیشگوئی کے بیان کیا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ
کا یہ فرمانا کہ میں اُن غار میں پناہ لینے والوں کی تعداد اور مُدّت قیام کو بہتر جانتا
ہوں یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اُن آدمیوں کی تعداد جو ایک غار میں پناہ
لیں گے اور اُن کا غار میں رہنے کا عرصہ یہ ایسی غیب کی باتیں ہیں جن کو
اس وقت سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا ۔

غرض جس عظیم الشان واقعہ کی اصحاب کہف کے تذکرہ کے ذریعہ خبر

دی گئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بمع اپنے یارِ غار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غار ثور میں پناہ گزین ہونے کا واقعہ ہے۔ اُس وقت اگرچہ غار کے اندر دو ہی آدمی تھے اور اُن کے ساتھ تیسرا خدا تھا مگر اُن کے علاوہ بعض آدمی اور بھی تھے جنکا اس عرصہ میں اُس غار کے ساتھ تعلق رہا۔ اُن میں سے ایک حضرت ابو بکرؓ کا غلام عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ تھا جو سارا دن بکریاں چراتا اور شام کے بعد بکریوں کو ہانکتا ہانکتا غار ثور کے پاس لاتا اور اُن کا دودھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پلاتا۔ دوسرا شخص جس کا تعلق غار ثور سے رہا وہ حضرت عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما تھے - یہ سارا دن شہر مکہ میں رہتے اور شام کے بعد اپنی ہمشیرہ حضرت اسمار رضی اللہ عنہا کھانا پکوا کر لاتے اور شہر کے حالات اور قریش کے خیالات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کو مطلع کرتے لکھا ہے کہ کھانا لانے کے بعد یہ غار میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے اور پچھلی رات کو اُٹھکر چلے جاتے۔ ایسا ہی لکھا ہے کہ خود حضرت اسمار رضی اللہ عنہا بھی غار ثور میں تشریف لائیں۔ چنانچہ جب غار ثور سے روانگی کا وقت آیا تو وہ جلدی جلدی سفر کے لیئے کھانا تیار کرکے شام کے بعد غار ثور میں تشریف لائیں مگر جلدی کی وجہ سے وہ تسمہ لانا بھول گئیں جس سے کہ اُس کیسہ کا مُنہ بند کرتیں یا اُس کو اونٹ کے کجاوہ کے ساتھ باندھتیں۔ اس لیئے اپنے ہی کمر بند کے دو ٹکڑے کرکے ایک کے ساتھ کیسے کا مُنہ بند کیا اور دوسرے ٹکڑے کے ساتھ اُس کو اونٹ کے کجاوہ سے باندھ دیا۔ اسی وجہ سے وہ تاریخ اسلام میں ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہیں۔ چوتھا شخص جس کو غار ثور سے تعلق تھا اور جو اس معاملہ میں رازدار تھا وہ عبد اللہ بن اریقط تھا۔ یہ شخص مشرکین میں سے تھا مگر وہ راستے سے خوب واقف تھا۔ اس لیئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس کام کے لیئے پہلے سے مقرر کر رکھا تھا چنانچہ وہ دو اونٹنیاں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے وہ اسی عبد اللہ بن اریقط یا اریقد یا ارقد کے سپرد تھیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ غار ثور میں چھپے ہوئے تھے اُس وقت یہ شخص

اونٹنیوں کو غار ثور کے منہ کے پاس اِدھر اُدھر چرا تا رہا اور جب روانگی کا وقت آیا تو اُس نے دونوں اونٹنیوں کو لاکر حاضر کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بطور رہنما کے روانہ ہوا۔ اس مشرک لیکن وفادار خادم کو اگر اصحاب کہف کے وفادار کُتّے سے تشبیہ دیجاوے تو بیجا نہ ہوگا۔ جیسا اصحاب کہف نے کھانا لانیکے لیئے اپنا آدمی شہر میں بھیجا ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آدمی بھی کھانا لانے کے لیئے شہر میں جایا کرتا تھا اور جیسا کہ اصحاب کہف نے مشرکوں کی اذیت کے خوف سے اپنے ساتھی کو تاکید کی تھی کہ ہوشیاری اور احتیاط سے کام لینا اور کسی سے جھگڑا نہ کرنا تا ایسا نہ ہو کہ ہمارے دشمنوں کو ہماری اس پناہ گاہ کی خبر ہو جاوے اور وہ ہمیں مار ڈالیں ایسا ہی اصحاب غار ثور کی طرف سے اُن کے ساتھی عبداللہ بن ابی بکرؓ کو تاکید تھی کہ وہ کسی طرح شہر کے رہنے والوں کو خبر نہ ہونے دے کہ وہ توحید کے حامی کس جگہ پناہ گزین ہیں چنانچہ وہ دن کو چوکنا ہو کر شہر میں پھرتا اور دشمن کے حالات کی خبر رکھتا اور ایسے وقت میں کھانا لاتا جبکہ کوئی اُس کو دیکھنے والا نہ ہوتا تھا۔ چونکہ اصحاب غار ثور کی نسبت پہلے وعدہ ہو چکا تھا کہ اصحاب کہف کی نسبت خدائے تعالیٰ اُنکو زیادہ قریب راہ پر چلائیگا اس لیئے اصحاب کہف کی جائے پناہ کی تو دشمنوں کو خبر ہو گئی مگر غار ثور کا پتہ نہ لگا جب تک کہ اصحاب غار ثور وہاں سے نکل نہ گئے۔ غار ثور کے اصحاب نے اپنی غار کو چھوڑ کر ایک زیادہ محفوظ جگہ یعنی مدینہ میں جاکر پناہ لی۔ اب کل مشرکان عرب کو خبر ہو گئی کہ وہ موحدوں کی جماعت جو مشرکان مکہ کی اذیت سے تنگ آکر بھاگی تھی، اُس نے مدینہ میں آکر پناہ لی ہے اور وہ اس جماعت کے نابود کرنیکے لیئے آمادہ ہو گئے۔ یہ اس لیئے ہوا تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور موعودہ گھڑی میں کوئی شک نہیں یعنی خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والی جماعت غالب آئیگی اور اُن کے دشمن جو اُن کو نابود کرنا چاہتے تھے وہ خود نابود کیئے جائیں اور تاکہ حق اور باطل کے فیصلہ کی گھڑی ظاہر ہو جاوے۔ (وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا۔ اسی طرح ہم نے اُنکی خبر کھولدی تا اُن کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ (نصرت الٰہی کا) سچا ہے اور جس گھڑی کی خبر دیگئی

تھی اُس میں شک نہیں) یہ وعدہ بدر کے میدان پر پورا ہوا اور اُس دن کا نام خدائے تعالیٰ نے یوم الفرقان رکھا ہے (انفال - ۵) یہی وہ موعودہ گھڑی تھی جس کی نسبت خدائے تعالیٰ نے بطور پیشگوئی کے فرمایا تھا قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ (سورہ سبا) اگرچہ قریباً سارا عرب ان موحدوں کی جماعت کا جانی دشمن تھا لیکن اس ملک میں ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہوگئی جو انکی طرفدار ہوگئی اس جماعت کا نام انصار کی جماعت ہے جب موحدوں کی جماعت کو انہوں نے اپنے ہاں پناہ دی تو انہوں نے انکے لیئے ایک مسجد تیار کی اور یہ مسجد جو غریب مہاجرین کی جائے پناہ میں تیار کی گئی اب تک موجود ہے - نہیں بلکہ جس جگہ اصحاب غار ثور نے پہلے پہل آکر مدینہ سے باہر راستہ کی تکلیف اور تھکان سے آرام کیا وہاں بھی انصار نے ایک مسجد بنائی جو مسجد قُبا کے نام سے مشہور ہے اور مسجد اُس غار ثور میں پناہ لینے والے موحد کا ایک ایسا نشان ہے کہ جہاں جہاں اُسکی تعلیم پھیلی ہے وہاں یہ نشان بھی موجود ہے (قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا) اصحاب کہف کے انصار نے تو ایک مسجد بنائی مگر اصحاب غار ثور کے خدام نے ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں بلکہ بے شمار مسجدیں بنائیں - غرض اصحاب کہف کا واقعہ خدائے تعالیٰ نے بطور قصہ کے بیان نہیں کیا بلکہ یہ ایک پیشگوئی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعات کی خبر دیتی تھی اور اس کے علاوہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں اور بھی آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی ہے مگر جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے وہ اس بات کے ثابت کرنیکے لیئے کافی ہے کہ اصحاب کہف کے حالات کہانی کے رنگ میں بیان نہیں کیئے گئے بلکہ جیسا دوسرے حالات بطور پیشگوئیوں کے بیان کیئے گئے ہیں - ایسا ہی یہ بھی بطور پیشگوئی کے بیان کیئے گئے ہیں ؛

مینے گذشتہ نمبر میں اور نیز اس مضمون میں (بتوفیق ایزدی) یہ دکھایا ہے کہ قرآن شریف میں جو گذشتہ انبیاءؑ اور گذشتہ قوموں کے حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ بطور قصہ کے بیان نہیں کیئے گئے بلکہ اُن میں آنیوالے واقعات کی خبر دی گئی ہے - یہ امر - اوّل تو اُن حالات کے پڑھنے سے ظاہر ہو جاتا ہے دوسرا اس سے کہ انکی نسبت صراحتاً یہ لکھا ہے کہ یہ انباء الغیب یعنی آنیوالے واقعات کی خبریں ہیں - ایک اور بڑی بھاری

دلیل اُن کے پیشگوئیاں ہونیکی یہ ہے کہ یہ سب کے سب حالات مکی زمانہ میں نازل ہوئے اسلام مکہ میں پیدا ہوا۔ اور مکہ کے مسلمان نہ صرف ضعیف اور کمزور تھے بلکہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے ناقابل بیان اذیت اُٹھا رہے تھے۔ ایسے حالات میں جبکہ اسلام ابھی ابتدائی حالت میں تھا اور مسلمان طرح طرح کے دُکھ دیئے جاتے تھے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس مذہب کا انجام کیا ہوگا۔ ایسے وقت میں خدائے تعالیٰ نے گذشتہ انبیاءؑ اور گذشتہ اُمتوں کے حالات کے ذریعہ اور نیز دوسری پیشگوئیوں کے ذریعہ اپنے نبی کو (فداہ امی و ابی) خبر دی کہ تو مظفر و بامراد ہوگا اور تیرے دشمن ذلیل و ناکام ہونگے اور یہ کہ ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ ملک میں صرف تیرے ہی پیرو ہونگے اور تیرے دشمنوں کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت میں مشتہر کی گئیں جبکہ اُن کے پورا ہونے کا کوئی نشان موجود نہ تھا۔ دشمن طاقتور اور زور آور تھے اور اسلام کے پیرو نہایت کمزوری اور بے بسی کی حالت میں تھے۔ مسلمان مارے مارے پھرتے تھے۔ اور اُنکو سر چھپانے کے لیئے جگہ نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ جیسے عظیم الشان انسان کو مکہ سے بھاگنا پڑا اور آخر ایک قوم کے رئیس کی سفارش سے آپ کو مکہ میں بعض شرائط کے ماتحت رہنے کی اجازت دی گئی۔ ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ یہ طاقتور دشمن سب کے سب یا تو ہلاک ہوجائینگے یا اسلام میں داخل ہونگے اور یہ ملک جو اب بت پرستی کا گھر ہے اسمیں اسلام ہی اسلام ہوجائے گا۔ جن واقعات کی انبیاءؑ کے حالات کے ذریعہ خبر دی گئی وہ ایک عرصہ کے بعد ہُو بہُو پورے ہوگئے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو دیکھو۔ جن عظیم الشان واقعات کی اس میں خبر دی گئی ہے کیا کوئی انسان اُسوقت اُن واقعات کو قبل از وقت بیان کرسکتا تھا۔ کیا اُس وقت کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ یہ نبی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جنگل کے ایک گڑھے میں رہکر ایک غیر شہر میں جائے گا اور وہاں جاکر خدائے تعالیٰ اُس کو ایسی عزت اور ایسا جلال بخشے گا کہ آخر مغرور قریش حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح آپ سے نہایت عاجزی کے ساتھ طالب معافی ہونگے۔ کون ان واقعات کو اُس وقت بیان کرسکتا تھا۔ یہی حال اُن

پیشگوئیوں کا ہے جو دوسرے انبیاء کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں - ان تذکروں کا ایسے وقت میں نازل ہونا جب اُن واقعات کا ابھی نام ونشان بھی نہ تھا جن کی ان میں خبر دی گئی تھی اور پھر ان واقعات کا ہُو بہُو واقع ہونا اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ یہ تذکرے اِس بات کے ثابت کرنے کے لیئے بیان نہیں کیئے گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ کہانیاں بیان کر سکتے ہیں بلکہ انکو بطور پیشگوئیوں کے بیان کیا گیا ہے ؛

ان تذکروں کا پیشگوئیاں ہونا اُس جواب سے بھی ظاہر ہے جو خدائے تعالیٰ نے اُن مشرکوں کو دیا ہے جو حقارت سے قرآن شریف کا نام اساطیر الاوّلین رکھتے تھے - خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ کہ اسکو اُس خدا نے نازل کیا ہے جو ہر ایک پوشیدہ بات کو جو آسمان اور زمین میں ہے جانتا ہے یعنی یہ کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ آسمان اور زمین کے اسرار ہیں یعنی وہ غیب کی خبریں جن کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے اور جو زمین پر ظاہر ہونے والی ہیں ؛

اب اس بات کا جانچنا کہ آیا یہ تذکرے خدائے تعالیٰ کا کلام ہیں یا کسی انسان کی بناوٹ ہیں بالکل آسان ہے - اگر یہ صرف بطور کہانیوں کے بیان کیئے جاتے تو شاید اس امر کا فیصلہ کرنا مشکل ہوتا مگر اب چونکہ قرآن شریف اُن کو بطور پیشگوئیوں کے بیان کرتا ہے اور مخالفین اسلام کو ان سے سبق حاصل کرنے کا حکم کرتا ہے اس لیئے ہمارے ہاتھ میں اب ایک پختہ معیار آ گیا ہے جس سے ہم ان کا الہامی یا غیر الہامی ہونا آسانی سے جانچ سکتے ہیں - اب امور تنقیح طلب یہ ہیں (اوّل) آیا یہ تذکرے جو آئندہ واقعات کو ظاہر کرنیکا دعویٰ کرتے ہیں دراصل اُن واقعات کے ظہور سے پہلے نازل ہوئے یا بعد (دوم) آیا ان واقعات کی اُسوقت خبر دینا جبکہ یہ سورتیں نازل ہوئیں انسان کی طاقت میں تھا (سوم) آیا جن واقعات کی اُن میں خبر دی گئی ہے وہ پورے ہوئے یا نہ (چہارم) کیا ان پیشگویوں کا پورا ہونا ایک نبی کی سچائی کا نشان ہو سکتا ہے یا نہیں ؛ ان سوالات کے جواب صاف ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا - یہ سورتیں اُن واقعات کے ظہور سے بہت عرصہ پہلے نازل ہوئیں جنکی ان میں خبر دی گئی ہے - اور ایسے وقت میں نازل ہوئیں جبکہ کسی انسانی طاقت میں یہ تھا

کہ اُن واقعات کی خبر دے سکے۔ اور کوئی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ واقعات جنکی ان سورتوں میں خبر دی گئی تھی ہو بہو واقع ہو گئے پس اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ باتیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ اور جسپر یہ خبریں نازل ہوئیں وہ ایک سچا نبی تھا ؞

ان پیشگوئیوں کی حقیقت سمجھنے کے لیئے ضروری ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے کے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جاوے کہ اُس وقت مسلمانوں کی کیا حالت تھی ایک طرف ان زبردست پیشگوئیوں کو پڑھو اور دوسری طرف اُس زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ کرو کہ مسلمان کیسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے پھر تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ یہ کیسی زبردست پیشگوئیاں ہیں جن سے نہ صرف خدائے تعالیٰ کا علم ثابت ہوتا ہے بلکہ اُس کی قدرت اور طاقت کا بھی پتہ لگتا ہے۔ کاش کہ دنیا ان پیشگوئیوں کو غور سے پڑھے اور پھر ساتھ ہی اُس زمانہ کا نقشہ اپنے سامنے رکھے جس زمانہ میں یہ پیشگوئیاں نازل ہوئیں۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جسمیں خدائے تعالیٰ کا چہرہ صاف صاف نظر آجاتا ہے اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے ؞

سکھ صاحبان کا چیلنج اور ڈبل چیلنج منظور

ہر خاص و عام کو واضح رہے کہ آج سے سولہ سال پہلے ہمارے مرشد و آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ نے نہایت تحقیق کے بعد اپنی کتاب ست بچن میں یہ امر شائع کیا کہ حضرت باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ ایک راستباز مسلمان اور خدا کے ولی تھے۔ اس تصنیف کے بعد بھی حضرت مرزا صاحب مختلف کُتب میں اس مضمون پر کچھ نہ کچھ ارقام فرماتے رہے۔ عرصہ تین سال کا ہوا ہے کہ ہمارے ایک نومسلم دوست شیخ عبدالرحمٰن صاحب (مہر سنگھ نومسلم) نے ایک کتاب باوا نانک صاحب کا چولہ لکھی۔ یہ کتاب بھی تین سال سے شائع ہے اُس کتاب کی بنا پر سکھ صاحبان کی طرف سے دو چیلنج ایک لاہور اور دوسرا امرتسر سے شائع ہوئے ہیں۔ یہ معاملہ چونکہ نہایت اہم ہے اور اس میں اصل غرض

احقاق حق ہے اور چونکہ اس چیلنج کا جواب دِہ نہ صرف کوئی خاص احمدی فرد ہے بلکہ کُل احمدی جماعت ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت باوا صاحب مسلمان تھے۔ اس لیئے اس چیلنج کی مخاطب کُل جماعت احمدیہ ہم سمجھتے ہیں۔ ہم سکھ صاحبان کی خدمت میں بذریعہ اشتہار اطلاع دیتے ہیں کہ ہم آپ کا چیلنج قبول کرتے ہیں لیکن ہم اس امر کے متعلق تحقیق یا مباحثہ ایسی صورت میں کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے کوئی مفید نتیجہ بھی پیدا ہو اور امن عامہ میں بھی خلل نہ آوے اور معاملہ بھی خوش اسلوبی سے طے ہو جاوے۔ سکھ صاحبان جس مقام اور جس شہر میں مباحثہ کرنا چاہیں وہاں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کی اجازت اس معاملہ میں حاصل کریں۔ اور اس کے بعد ہم سے مباحثہ کی شرائط طے کریں شرائط بالتفصیل تو بروقت طے ہو جاوینگی لیکن ذیل کی شرائط کا ہونا ضروری ہوگا۔ مباحثہ کسی خاص مکان کے اندر ہوگا جس میں فریقین کی طرف سے خاص تعداد کے آدمی شریک ہونگے اس مکان میں حفظ امن قائم رکھنے کا کافی انتظام ہوگا اور اس کے ذمہ دار سکھ صاحبان ہیں سے کوئی ایسا شخص ہوگا جس کو ہم یا پبلک ذمہ وار سمجھ سکیں ذمہ یہ سکھ صاحبان نے اپنے چیلنج میں خود لے لیا ہے۔ مباحثہ تحریری ہوگا خاص وقت فریقین کو دیا جاوے گا۔ فریقین کی طرف سے ایک ایک مباحثہ کرنیوالا ہوگا اور اس کے سوا کسی اور کو بولنے کا حق نہ ہوگا ؞

اگر اس اصول پر سکھ صاحبان کوئی مباحثہ کرنا چاہیں تو ہم طیار ہیں اور ہم اُن کا چیلنج قبول کرتے ہیں۔ اُن کے جواب پر ہماری طرف سے چند اصحاب امرتسر میں شرائط طے کرنیکے لیئے آسکتے ہیں۔ جواب میں یہ بھی ہونا چاہیئے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اجازت حاصل کر لی گئی ہے ؞

ہاں یہ بھی یاد رہے کہ ست سنگھ سبھا امرتسر کے لیئے لازمی ہوگا کہ اہم مباحثہ جسکا تعلق تمام سکھ قوم کے افراد ...... کے ساتھ ہے چیف خالصہ دیوان امرتسر کو بھی اس میں شامل کریں (اور) انکی طرف سے اعلان شائع کرادیں کہ فتح و شکست کیحالت میں وہ بھی اُن کے شریک اور حصہ دار ٹھہریں گے ؞

المشتہر:- محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان - مورخہ ۶- مئی ۱۹۱۱ء

ریویو

الاسلام :- اس نام کا ایک ہفتہ وار اخبار زیر ایڈیٹری چودھری مولوی عبد اللطیف صاحب راجپوت ابھی لاہور سے شائع ہوا ہے۔ جس کا پہلا نمبر ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اس اخبار کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ صرف عام اخباروں کی طرح دنیا کی خبریں اور واقعات تازہ بتازہ شائع کیئے جاتے ہیں اور ضروری نوٹ اور رائیں درج کیجاتی ہیں۔ بلکہ اسلامی مضامین بھی درج کیئے جاتے ہیں پس یہ نہ صرف ایک عام اخبار ہے بلکہ ایک مذہبی اخبار بھی ہے اور ہم پہلے نمبر کو دیکھ کر اُمید کرتے ہیں کہ یہ ان دونوں غرضوں کو بخوبی انجام دے گا۔ جو شخص مذہبی مذاق رکھتے ہیں اور ساتھ ہی عام خبروں سے بھی آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں اُنکے لیئے اُمید ہے کہ یہ اخبار بہت مفید ثابت ہوگا۔ لکھائی اور چھپائی عمدہ ہے حجم ۱۶ صفحہ۔ عام قیمت سے ۳ سالانہ۔

آریہ دھرم کا فوٹو :- یہ رسالہ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ یہ کتاب صحیح معنوں میں آریہ دھرم کا فوٹو ہے۔ لائق مصنف نے سوال جواب کے پیرایہ میں آریہ دھرم کی تعلیم کی تمام شاخوں کا پورا نقشہ کھینچا ہے آجکل چونکہ آریہ صاحبان دوسرے مذاہب پر حملہ کرنیکا بہت شوق رکھتے ہیں۔ اسلیئے ضروری ہے کہ انکے اپنے مذہب کی حقیقت کو بھی فاش کیا جاوے اور یہ غرض آریہ دھرم کے فوٹو نے بہت اچھی طرح ادا کی ہے۔ اسکا پڑھنا نہ صرف مسلمانوں کے لیئے مفید ہوگا بلکہ دیگر مذاہب کے پیروؤں کیلیئے بھی قیمت ۶

بدھ اور اسلام :- مؤلفہ جناب میر محمد اسحق صاحب۔ اسمیں لائق مصنف نے بدھ کے ان اعلیٰ اصولوں جنپر بدھ کے پیروؤں کے علاوہ اس زمانہ میں مولوی عزیز مرزا صاحب جیسے لوگ بھی فخر کیا کرتے ہیں کہ ایسے اصول دنیا کے کسی مذہب میں بھی نہیں پائے جاتے انکے بالمقابل قرآن کریم کی تعلیم نہایت ہی آسان اور عام فہم پیرایہ میں بالترتیب بیان فرمائی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف موصوف نے نہایت ہی محنت اور جانفشانی سے اس کتاب کو طیار کیا ہے۔ بہرحال میری رائے میں یہ کتاب علاوہ بدھ مذہب کے محققوں کے دوسرے لوگوں کو بھی ضرور مطالعہ کرنی چاہیئے چھپائی اور کاغذ وغیرہ عمدہ ہے تقطیع ۲۰×۲۶ صفحات ۸۰

قیمت ۳ - محمد یامین تاجر کتب مہاجر سہارنپوری حال قادیان سے طلب کریں۔ حضرت خلیفۃ المسیح

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ جون ۱۹۱۱ء | نمبر ۶

چندہ سالانہ عوام سے عا طلبا سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- جون ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ

رسالہ

اصول اسلام

یعنی وہ لیکچر جو جلسہ مذاہب الہ آباد میں
بڑی شان و شوکت سے پڑھا گیا۔

شیخ عبد الرحمن صاحب احمدی قادیانی تاجر کتب قادیان سے
محصول ڈاک بھیجنے سے مفت مل سکتا ہے

المشتہر
مینیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کے الہامی ہونے پر بائبل کی شہادت

ہم کو نہایت افسوس اور تعجب سے لکھنا پڑتا ہے کہ یسوعی اہل قلم جب اسلام اور قرآن پر نکتہ چینی کرنے بیٹھتے ہیں تو نہ صرف عقل سلیم کو فارغخطی دیدیتے ہیں بلکہ قوت حافظہ سے بھی اُن کا اسقدر بگاڑ ہو جاتا ہے کہ فرط نسیان میں مقدس بائیبل اُن کی یادداشت سے محو ہو جاتی ہے جائے حیرت ہے کہ اگر قرآن کریم کو انسانی بناوٹ (معاذ اللہ) یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) جھوٹا نبی ثابت کرنا ہو تو ہمارے یسوعی دوست دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالیں گے مگر خیر سے دلائل دینگے تو ایسے بھونڈے اور بے جوڑ کہ جن سے اُنکی اپنی بائیبل ہی مورد الزام ٹھہر جاتی ہے۔ ہم کو رہ رہ کر اس بات پر تعجب آتا ہے کہ جب پادری صاحبان بائیبل سے عملاً فائدہ نہیں اُٹھاتے اور نہ ہی اسے اپنا دستور العمل ٹھہراتے ہیں تو پھر اس موٹی بوجھل کتاب کو کیوں بغل میں دبائے پھرتے ہیں؟ کہنے کو تو وہ ہونٹ چبا چبا کر کہدینگے کہ یہ خدا کا کلام ہے مگر اُن کا عمل اُن کے اس قول کی تکذیب کرتا ہے اور روز روشن کی طرح ظاہر کرتا ہے کہ اُن کا بائیبل کی تعلیم پر ایک شعشہ پر بھی ایمان نہیں۔ مسیح نے تو کہا تھا کہ مَیں شریعت کے مٹانے کو نہیں آیا مگر مسیح کے نام لیوا نہ صرف اس شریعت کو ہی ملیامیٹ کرتے ہیں بلکہ کتاب مقدس کی ہر ایک سچائی اب اُن کے نزدیک سچائی ہی نہیں۔ خدا کا کلام اب عیسائی پادریوں کی آنکھ میں کلام خدا نہیں رہا بلکہ ایک متروک تحریر ہے جسے وہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل سمجھتے ہیں۔

پیارے ناظرین! اگر آپ ہم سے ہمارے اس دعویٰ کی دلیل پوچھیں تو ہم آپ کی توجہ عیسائی مصنفین کے اس طرز استدلال کی طرف منعطف کراتے ہیں جو ہمارے مہربان قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے وقت استعمال فرماتے ہیں۔ ذرہ سی توجہ کے بعد آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ مسیح کے پرستار اسلام کی نسبت وہ وہ باتیں پیش کرتے ہیں جن کو انکی اپنی بائیبل غلط قرار دیتی ہے۔ یہ ہرگز ہرگز قرین قیاس نہیں کہ وہ بائیبل کے مضامین سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ بہت سی اُن سچائیوں سے تو بخوبی واقف ہیں جو حضرت موسیٰ و دیگر انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں مگر وہ دیدہ و دانستہ ان سچائیوں کو محض اس لیئے نظرانداز کرتے ہیں کہ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی کی تصدیق ہوتی ہے قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا کی طرف سے مبعوث ہوکر آنا ایسی باتیں تھیں جو بائیبل کی طرف رجوع کرنے سے بآسانی فیصل ہوسکتی تھیں لیکن جھوٹ کے پیارنے مسیحی واعظین کو راستی سے ایسا دُور کردیا ہے کہ وہ اسلام کی سچائی کو اُس محک پر ہرگز کسنا نہیں چاہتے جو انکی اپنی مقدس کتاب میں دی ہوئی ہے حالانکہ ایسا کرنے سے وہ خود بائیبل کی ایک کتابوں کا مجموعہ ہے اور یسوعی صاحبان کہتے ہیں کہ انکے مصنف صاحب الہام تھے اور وہ ان کتابوں کو انسان کا کلام نہیں کہتے بلکہ 'خدا کا کلام' کہکر پکارتے ہیں۔ اب ہم یہاں پر مسیحی دوستوں سے سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ کتابیں خدا کا کلام ہیں اور اگر اُن کے مصنفین صاحب الہام تھے تو پھر سچے اور جھوٹے نبی میں یا خدا کے کلام اور انسانی بناوٹ میں تمیز اور امتیاز کرنے کے لیئے آپکے ہاں کیا معیار رکھا گیا ہے؟ اگر ان کتابوں میں کوئی ایسا معیار نہیں تو ان کا وجود و عدم وجود برابر ہے اور یہ محض لاشئے و بے حقیقت ہیں اگر کثیر التعداد اسرائیلی انبیاء نے خدا کے سچے الہام و سچے نبی کے پہچاننے کا کوئی معیار نہیں ٹھہرایا تو انہوں نے بنی نوع انسان کے لیئے کچھ بھی نہیں کیا اور انکی تعلیم سخت ناقص اور نامکمل ہے۔ اگر عہد عتیق کی چالیس کی چالیس کتابیں ہمیں سچے نبی کی شناخت کا معیار بتلانے سے قاصر ہیں تو ان کا نزول بے سود اور بے فائدہ تھا۔ لیکن جب

بائیبل کے ماننے والوں کی تحریروں اور خصوصاً اُن تحریروں کو جو قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھی جاتی ہیں دیکھا جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُنکی کتابیں کسی ایسے معیار سے معرا ہیں۔ جو سچے نبی اور جھوٹے دعویدار نبوت میں تمیز کرائے۔ اگر ان کتابوں میں حقیقتاً سچے نبی کی شناخت کے لیے کوئی تعلیم درج نہیں اور سچے و جھوٹے میں تمیز کرنے کا کوئی معیار ہی نہیں بتلایا گیا تو ہم بڑی جرأت اور تحدی سے پوچھ سکتے ہیں کہ ایسی کتابوں کے ماننے والوں کو کسی نبی کی سچائی پر سوال کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ جن کی مقدس کتاب ہی اس امر پر ہرگز روشنی نہیں ڈالتی کہ سچے کی کیا علامت ہوتی ہے اور جھوٹا کس طرح پہچانا جاتا ہے ایسے اندھیرے والوں کو بھلا دکھائی دے تو کیونکر؟ مگر لطف یہ ہے کہ باوجود نابینا ہونیکے یہ لوگ آنکھیں رکھنے کے مدعی ہیں اور بڑی جرأت سے کہدیتے ہیں کہ فلاں نبی سچا اور فلاں جھوٹا تھا۔

معزز ناظرین! یہاں پر لامحالہ آپکے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا بائیبل جسمیں تورات زبور وغیرہ مقدس کتب اور صحائف انبیاء بھی شامل ہیں واقعی اس اہم اور ضروری مسئلہ پر یعنی راست باز اور کذاب مدعیان نبوت کے معاملہ میں خاموش اور ساکت ہیں؟ بائیبل پر کمزور اور ناقص ایمان رکھنے والے مسیحی تو اس سوال کا جواب دینا اپنے لیئے موت سمجھیں گے مگر چونکہ انکی اس موت میں اسلام کی زندگی ہے لہٰذا ہم بتلاتے اور کھولکر بتلاتے ہیں کہ نصاریٰ کی مقدس کتب میں راستباز اور کذاب مدعیان نبوت کی شناخت کا معیار موجود ہے۔ اور اس معیار کے ذریعہ سے رسالت کے کسی مدعی کا دعویٰ بآسانی جانچا جا سکتا ہے۔ اگر ہم ایسا معیار مسیحی کتب مقدسہ میں سے دکھا دیں تو یسوعی منادوں کا عین فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اسے تسلیم کریں اور جس نبی کی سچائی پر اُنکو شُبہ ہو اُس کو اس محک پر کس کر دیکھ لیں۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ بائیبل نے کہاں کہاں اس معیار کا ذکر کیا ہے۔ اگر استثنا باب ۱۸ کی مفصلہ ذیل سطر کو بہ نظرِ غور دیکھا جاوے تو ہرگز اس امر میں شک و شبہ

کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی سے خدائے تعالیٰ نے راستباز اور کذاب میں تمیز کرنے کا معیار سکھا دیا تھا اور اگر موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ یعنی مسیح ناصری علیہ السلام پر ایمان لانیوالے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ایمان میں غلو کرنیوالے لوگ ذرا سی توجہ سے کام لیتے تو اسی معیار پر پرکھنے سے انکو مثیل موسیٰ یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت نظر آجاتی ہے۔ محولہ بالا عبارت حسب ذیل ہے۔

"لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا مَیں نے اُسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی ہلاک ہوگا (اردو تراجم میں لکھا ہے کہ وہ نبی قتل کیا جاوے مگر یہ ترجمہ غلط اور محرف ہے۔ اصل عبرانی میں موت کا لفظ ہے اور انگریزی تراجم میں بھی مرنے کا ہی لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نبی ایک ناکامی کی موت مریگا) استثنا باب ۱۸ - ۲۰" اس جگہ خدائے تعالیٰ نے کسی نبی کی شناخت کے لیئے ایک یقینی معیار مقرر فرمایا ہے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے مدعی نبوت کو ہلاک کر دیتا ہے جو اپنی من گھڑت باتوں کو اس کی پاک ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ غیور خدا ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اس کے نام سے اس کی مخلوق کو دھوکہ دیا جائے اُس کے قہر کی آگ ایسے شخص کے

خلاف پورے زور سے بھڑکتی ہے جو جھوٹے الہامات دنیا میں شائع کرتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ الہامات تو درکنار خدائے تعالیٰ کی آنکھ میں وہ شخص بھی مقہور گردانا جاتا ہے جو اپنے کسی ایک لفظ کو بھی جھوٹ موٹ خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بغرض محال اگر کوئی نبی ہزاروں سچے الہامات شائع کرنیکے بعد کوئی ایک آدھ کلمہ ایسا بھی شائع کردے جو دراصل اُسکی اپنی بناوٹ ہے اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے وہ کلمہ القا نہ کیا گیا ہو تو ایسا شخص بھی غضب الٰہی کا مورد ہوگا اور صرف اس ایک طبعزاد کلمے کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے منسوب کرنیکی پاداش میں اسکے تمام اعمال حبط کیئے جائیں گے۔

اب ہم مسیحی صاحبان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا مذکورہ بالا عبارت خدا کا کلام ہے یا نہیں؟ آیا مسیحیوں کے نزدیک اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا مسلم ہے یا نہیں؟ اگر یہ الفاظ عیسائیوں کے اعتقاد کے بموجب خدا کا سچا الہام ہیں تو ضرور ہے کہ جو معیار ایک صادق نبی کی شناخت کیلئے ان میں دیا گیا ہے وہ بھی سچا ہو اور جو نبی اپنی کذب بیانی سے کسی بات کو جو درحقیقت خدائے تعالیٰ کا الہام نہیں جھوٹ موٹ اُس پاک ذات کی طرف منسوب کرے وہ ناکام و نامراد ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں گرنا چاہیئے۔

مسیحی صاحبان! اگر تمھیں کتاب مقدس کے الہامات پر ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہے اور اگر تم کتاب مقدس کے اُس حصہ کو خدا کا کلام جانتے ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا تو پیارو! ہم اُن سچائیوں کا واسطہ دیکر جو خدا کے نبی دنیا میں وقتاً فوقتاً لاتے رہے ہیں آپ کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ معیار مذکورہ پر۔ جو تمھاری اپنی کتاب میں درج ہے اور جسے تم کلام خدا بھی کہتے ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی کو پرکھ لو۔ صاحبو! دیدہ دانستہ حق کا چھپانا اور جھوٹ سے پیار کرنا انسان کو خدائے تعالیٰ اور اُس کے پاک بندوں اور خود اُس کے اپنے ضمیر کی آنکھ میں ذلیل و رسوا کر دیتا ہے آؤ حق کی طرف رجوع کرو ؎

کب تک کرو گے دوستو تم جھوٹ سے پیار حق کی طرف رجوع بھی لاؤ گے یا نہیں۔

اے جناب دیکھو اور کان کھولکر سنو! محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہیں بلکہ لاکھوں کلمات کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور ہم کو قرآن کریم کے لفظ لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ جس شخص پر یہ کتاب نازل ہوئی تھی وہ اس بات کا مدعی تھا کہ اس کا ہر لفظ براہ راست خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس کو وحی کیا گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن کریم کی ہر ایک آیت کو خدائے تعالیٰ کے مُنہ کی بات قرار دیتے تھے اور بڑی وثوق اور یقین سے اپنے ہر الہام کو کلام الٰہی کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ پھر یہ سلسلہ الہام ایک دن۔ ایک ہفتہ۔ ایک ماہ یا ایک سال میں ختم نہیں ہوا بلکہ قریباً ربع صدی یعنی

۲۳ سال . . . . . تک جاری رہا۔ اور اس عرصہ میں وہ خدا کا مقدس بندہ بجائے ناکام ہونیکے کامیاب ہوتا گیا اور بجائے زوال پانے کے بااقبال ہوا کتب سماوی کے ماننے والو! خدا کو عادل سمجھنے والو!! راستی سے پیار اور جھوٹ سے نفرت رکھنے والو!!! اللہ کے لیئے خدا لگتی بات کہنا۔ بھلا کیا جھوٹے مدعیان نبوت سے بھی یہی سلوک ہوا کرتا ہے یا ہونا چاہیئے تھا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ تورات کے قائم کردہ معیار کے بموجب تو خدائے تعالیٰ کی طرف صرف ایک جھوٹا کلمہ منسوب کرنا ہی اُسکے غضب کی آگ کو بھڑکانے اور ایسے کاذب نبی کو بھسم کر ڈالنے کا باعث ہوسکتا تھا مگر یہاں تو معاملہ ہی اور ہے۔ اسرائیل کے بھائیوں میں سے پیدا ہونیوالے نبی کی تائید کے لیئے آسمان سے ہر صبح ایک تازہ نشان اور ہر شام ایک نئی شان کا ظہور ہوتا گیا۔ ہر مہینے اُس کے فتوحات میں اضافہ اور ہر سال اُسکے جلال میں ترقی ہوتی رہی اور وہ ہرگز دنیا سے نہ اُٹھایا گیا جبتک کہ الیوم اکملت لکم دینکم کی فرحت افزا اور پر جاہ و جلال نوید اُسکے حق شنو گوش میں نہ پہنچائی گئی۔ اللّٰھم صل محمدٍ و علیٰ الٰہ و اصحابہ اجمعین؛

مسیحی دوستو! جن قدوسیوں کے سردار کو تمہاری گندی زبانیں جھوٹا نبی (نقل کفر کفر نباشد) کہتی ہیں اگر تم آنکھوں سے تعصب کی پٹی اُٹھا کر اُسکی زندگی پر غور کرتے اور عرب سے ویران ملک میں جو باغ اُس نے لگایا تھا اُس پر نظر ڈالتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ہر ایک بیج جو اس مقدس مالی نے بویا وہ اوگا۔ بڑھا۔ پھولا اور پھلا اور ایسا بارور درخت ہوا کہ اُس مالی نے اپنی عین حیات میں خود اُس کا میوہ کھایا اور جھولیوں بھر بھر لوگوں میں تقسیم کیا خدائے تعالیٰ نے اُسے ایسی کامیابی عنایت فرمائی جسکی نظیر تاریخ عالم کے صفحات پر مفقود ہے۔

پس توریت شریف کے مقرر کردہ معیار کے بموجب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے سچے اور راستباز نبی تھے اور اگر انبیاء علیہم السلام کے مدارج مقرر کیئے جائیں تو اُن تمام لوگوں کی نسبت جو نبوت کے خلعت سے سرفراز کیئے گئے ہیں اسلام کا

معزز و ممتاز نبی بڑھ چڑھکر راستباز ثابت ہوتا ہے۔

مسیحیو! اگر تمھارا یہ ایمان ہے کہ حضرت کلیم اللہ اللہ تعالیٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ سے ممتاز تھے اور اگر توریت شریف کا مقرر کردہ معیار تمھارے نزدیک غلط نہیں تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم اُس نبی کو بھی خدائے تعالیٰ کا سچا رسول تسلیم کرو جو مکہ میں مبعوث ہوا تھا۔ اس نبی کی زندگی دوسرے انبیاء کی سوانح کی طرح کوئی پوشیدہ اور مبہم امر نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو تمھارے اپنے مؤرخین کے نزدیک بھی تاریخی نبی ہیں اس لیئے دنیا اس امر سے ناواقف نہیں کہ مکہ میں مبعوث ہونے والا نبی جھوٹے مدعیان .. .. رسالت کی طرح ناکام و نامراد نہیں ہوا بلکہ تاریخی شہادت تو ہر مخالف و موافق کو اس بات کے ماننے پر مجبور کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ پرشوکت وپُر جلال کامیابی نصیب ہوئی جو آپ کی بعثت سے پہلے آنیوالے رسولوں کے حصے میں نہیں آئی تھی اور آئندہ کسی حال ہوگی دوسروں اوروں کا تو ذکر ہی کیا خود اُس نبی کو بھی یہ نصرت نصیب نہ ہوئی جس کا چودھواں خلیفہ مسیحیوں کا مقدس خداوند تھا یعنی خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سی کامیابی حاصل نہیں ہوئی حالانکہ استثنا کی محولہ بالا آیت کا نزول بھی انہی پر ہوا تھا۔ اب یسوعی اور نیز اُنکے بڑے بھائی یہودی دونوں کو ذیل کے دو نتائج میں سے ایک ضرور ماننا پڑیگا یعنی یا تو وہ یہ تسلیم کریں کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی تھے اور اگر ایسا نہ کریں تو موسیٰ علیہ السلام کے الہام مندرجہ استثنا کو غلط سمجھکر ترک کریں اور آئندہ بائیبل کو خدا کا کلام نہ کہیں بلکہ اُسکی بیانات کو جھوٹ کا پُتلا سمجھیں۔

پیارے ناظرین! اب ہمیں دیکھنا ہے کہ موسائی اور مسیحی ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات اختیار کرتے ہیں۔ ہر ایک ایسا آدمی جسے خدائے تعالیٰ نے صحیح دماغ دیا ہو ہرگز یقین نہیں کرسکتا کہ دو متضاد باتوں کو ایک ہی وقت میں مانا جائے یعنی یہ محال ہے کہ ایک طرف تو معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا نبی کہا جائے اور دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الہام کو سچا بھی مانا جائے۔ اس حالت میں

ہر ایک عقلمند آدمی اس سوال کا حق رکھتا ہے کہ آیا استثنا کا معیار مذکورہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اگر اسے صحیح مانا جائے۔ تو لازماً یہ بھی ماننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ جھوٹے مدعی نبوت کو ہلاک کرتا ہے اور سچے داعی حق کی نصرت اور تائید فرماتا ہے۔ اگر تعصب اور کسی خاص مذہب کی طرفداری کو تھوڑی دیر کے لئے ایک طرف رکھ دیا جاوے اور خدا کے کلام یا کسی عقلمند کے مقولے کی بحث کو ایک آن کے لئے اُوٹھا دیا جاوے اور تورات کو ایک پرانی تصنیف ہی سمجھ لیا جائے تو بھی باب استثناء کے ... قائم کردہ معیار کے متعلق فطرت انسانی اور عقل سلیم کا یہی فتویٰ ہوگا کہ راستباز اور کاذب کی شناخت کے لیئے اس سے بڑھکر کوئی میزان نہیں ہوتی۔

دوستو! کیا ہم آئے دن اس بات کو مشاہدہ نہیں کرتے کہ زمینی حکومتیں ایسے شخص کو نہ صرف گرفتار کر لیتی ہیں بلکہ سخت سزا بھی دیتی ہیں جو جھوٹ موٹ سرکاری افسر بنکر رعیت پر ناجائز دباؤ ڈالتا ہے اجی دباؤ تو درکنار اگر کوئی یونہی اپنے آپ کو سرکاری افسر کے نام سے مشہور کر کے فقط شہرت ہی حاصل کرنا چاہے تو وہ بھی سرکاری قانون کے مطابق عوام کو دھوکہ دینے کے جرم میں گرفتار ہو کر کیفر کردار کو پہنچتا ہے بھلا جب دنیا کے ادنیٰ حاکم اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص بہانہ سازی سے سرکاری ملازم بنکر خلق خدا کو دھوکہ دے اور ناجائز دباؤ ڈالے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ احکم الحاکمین خدا اس بات کو گوارا فرمائے کہ کوئی شخص اس کا جھوٹا نائب بنکر اسکی مخلوق کو فریب اور دغا میں مبتلا کرے اور برسوں تک ایسا کرنے کے بعد کامیابی کا مرصع تاج پہن کر دنیا سے رخصت ہو۔ پیارو! یہ ممکن ہے کہ کوئی دنیوی حکومت چند روز کے لیئے دھوکہ کھا جائے مگر یہ خیال میں لانا بھی کم سمجھی اور قلت عقل ہوگی کہ اُس عالم الغیب خدا کو جو ازل سے ابد تک کا علم رکھتا اور عالم کل ہے ایک لحظہ کے لیئے بھی دھوکہ دیا جا سکتا ہے اگر خدائے تعالیٰ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ بھی وہی سلوک

کرے جو راستبازوں کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر جھوٹے بھی سچوں کی طرح کامیاب مظفر و منصور ہو کر دنیا سے اُٹھائے جائیں تو پھر حق و باطل میں کیا تمیز رہی اور ہمارے پاس صادق اور کاذب کیا معیار رہا؟ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ جو راستی کا حامی اور باطل کا دشمن ہے ہرگز ہرگز باطل کے فرزندوں کی نُصرت نہیں فرماتا اور نہ ہی انکو وہ مدارج عنایت فرماتا ہے جو حق کی ذریت کے لئے اس کے قانون میں ابدالاباد سے مقرر ہیں یاد رہے اور خوب یاد رہے کہ

ع کبھی نُصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو ؛

ناظرین! جب ہم یرمیاہ کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو خدائے تعالیٰ کا یہ قانون اور زیادہ واضح اور بیّن ہو جاتا ہے اس کتاب پر نظر ڈالنے سے آپ معلوم کرینگے کہ خدائے تعالیٰ کس زور سے یرمیاہ نبی کے ہمعصر کاذب مدعیان نبوت کو ملامت فرماتا ہے۔ کتاب مذکور کے باب ۱۴ اور ۱۴-۱۵ کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱۴) تب خداوند نے مجھے کہا کہ (جھوٹے) انبیاء میرا نام لیکے جھوٹی نبوت کرتے ہیں۔ مینے انہیں نہیں بھیجا اور حکم نہیں دیا نہ انہیں کہا۔ وے جھوٹی رؤیا اور جھوٹا علم غیب اور بے اصل باتیں اور اپنے دلوں کی مکاریاں نبوت کی طرح تم پر ظاہر کرتے ہیں ؛

(۱۵) اس لیئے خداوند یوں کہتا ہے اُن نبیوں کی بابت جو میرا نام لیکے نبوت کرتے ہیں۔ جنہیں مینے نہیں بھیجا۔ اور جو کہتے ہیں کہ تلوار اور کال اس سرزمین پر نہ ہوگا یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کیئے جاویں گے ؛

پھر اس کتاب کے باب ۲۳ ورس ۱۶-۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹے دھوکہ دینے والے دعویداران الہام کی بات سُننے تک سے منع فرمایا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی نسبت اپنے غضب کی تباہ کن آندھی اور بگولوں کی پیشگوئی فرمائی ہے چنانچہ وہ عبارت حسب ذیل ہے:۔

ملاحظہ ہو۔ رب الافواج یوں کہتا ہے کہ اُن نبیوں کی باتیں مت سنو جو تم سے نبوت کرتے ہیں۔ وے تم کو بطالت کی طرف مائل کرتے۔ وے اپنے دلوں کے خواب خیالوں کو کہتے ہیں اور نہ کہ وہ باتیں جو خداوند کے مُنہ سے نکلیں۔ وے اُنکو جو مجھے حقیر جانتے ہیں کہتے رہتے ہیں خداوند نے کہا کہ تمھاری سلامتی ہوگی۔ اور ہر ایک کو جو اپنے دل کی کجلاہٹ پر چلتا وے کہتے ہیں

کہ تم پر کوئی بلا نہ آوے گی۔ پر اُن میں سے کون خداوند کی مصلحت میں ثابت قدم رہا۔ کس نے
اُس کے سخن پر لحاظ کیا۔ اور اُسے سنا۔ کس نے اُس کے کلام کی طرف توجہ کی اور اُس پر کان
لگایا۔ دیکھ خداوند کے قہر سے ایک آندھی اُن کی طرف چلی۔ ایک چکّر مارتا ہوا طوفان جو
شریروں کے سر پر پڑے گا خداوند کا غضب پھر دھیما نہ ہوگا جبتک کہ وہ اسے انجام تک نہ پہنچاوے
اور اپنے دل کے ارادے پورے نہ کرے۔ تم آنے والے دنوں میں اُسے بخوبی معلوم کرو گے۔
مینے نبیوں کو نہیں بھیجا پر وے دوڑے ہیں۔ مینے اُن سے نہیں کہا پر اُنہوں نے نبوت کی۔
پس اگر وے میری مصلحت میں ثابت قدم رہتے تب وے میری باتیں میرے لوگوں کو
سناتے۔ تاکہ اُن کو اُنکی بُری راہ سے اور اُنکے کاموں کی بُرائی سے پھرادیں۔ کیا میں نزدیک
ہی کا خدا ہوں خداوند کہتا ہے اور دُور کا خدا نہیں۔ کیا کوئی آدمی چھپی جگہوں میں اپنے کو
چھپا سکتا ہے کہ میں اُسے نہ دیکھوں۔ خداوند کہتا ہے کیا آسمان اور زمین مجھ سے بھرے
نہیں ہیں خداوند کہتا ہے مینے سنا جو نبیوں نے کہا جو میرا نام لیکے جھوٹی نبوت کرتے اور کہتے
ہیں کہ مینے خواب دیکھا۔ خواب دیکھا۔ کب تک یہ نبیوں کے دل میں رہے گا کہ جھوٹی نبوت
کریں ہاں اپنے دل کی فریب کاری کے نبی ہیں جو گمان رکھتے ہیں کہ اپنے خوابوں سے جو اُن
میں سے ہر ایک اپنے پڑوسی سے بیان کرتا میری قوم کو میرا نام بھلادیں جسطرح اُنکے باپ دادے
بعل کے سبب سے میرا نام بھول گئے۔ جس نبی کے پاس خواب ہے سو خواب بیان کرے اور
جس کے پاس میرا کلام ہے سو میرے کلام کو دیانتداری سے کہے۔ گیہوں کو بھوسے سے کیا
نسبت خداوند کہتا ہے کیا میرا کلام سراسر آگ کی مانند نہیں ہے خداوند کہتا ہے۔ اور
ہتھوڑے کی مانند جو چٹان کو چورچار کرتا ہے۔ اس لیئے دیکھ میں اُن نبیوں کا مخالف ہوں
خداوند کہتا ہے جو ہر ایک اپنے پڑوسی سے میری باتیں چرا رکھتے ہیں۔ دیکھ میں اُن نبیوں کا
مخالف ہوں خداوند کہتا ہے جو اپنی زبان کو استعمال کرتے اور کہتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے۔
دیکھ میں اُن کا مخالف ہوں خداوند کہتا ہے۔ جو جھوٹے خوابوں کو نبوت سے کہتے ہیں
اور اُنہیں بیان کرتے اور اپنی جھوٹی باتوں سے اور شیخیوں سے میرے لوگوں کو بھٹکاتے
ہیں۔ لیکن مینے اُنہیں نہیں بھیجا نہ اُنہیں حکم دیا۔ اس لیئے اس قوم کو اُن سے ہرگز فائدہ

نہ ہوگا خداوند کہتا ہے ۔

مقدس بائیبل کے منادو! خداوند خدا کے نام کو اور کلام کو دنیا میں پھیلانے کے مدعیو! خدارا ہمیں یہ تو بتلاؤ کہ جب خداوند خدا ہمیشہ سے جھوٹے مدعیان الہام کا دشمن ہے اور جبکہ اس کے غضب کی آگ ایسے کذابوں کو دانہ سیاہ کی طرح جلاکر خاکستر کر دیتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ الٰہی آگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ بھڑکی جبکہ تمہارے نزدیک (معاذاللہ) وہ جھوٹے نبی تھے۔ تمہارے عناد اور دشمنی سے جو تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ معاذ اللہ وہ بڑے جھوٹے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ غضب الٰہی کی خطرناک آندھی اونکے خلاف نہ چلی اور کیا وجہ ہے کہ چٹانوں کا توڑنے والا ہتھوڑا اُن کے خلاف نہ اُٹھا؟ - کیا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خدا کا قانون تبدیل ہوگیا تھا؟ کیا یرمیاہ نبی کے زمانہ کا خدا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے خدا سے جُدا اور نرالا تھا؟ کیا خداوند خدا اسرائیل کا خدا اپنے اُس قانون کو بھول گیا تھا جسکی رُو سے جُھوٹے مدعیان رسالت کو تباہ کرنا ضروری تھا؟ کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خدائے تعالیٰ نے پُرانے قانون کو منسوخ کر کے کوئی ایسا نیا قاعدہ جاری کردیا تھا؟ جسکے رُو سے وہ جھوٹوں کی تائید و نصرت اور اُنکے دشمنوں کو تباہ کرنے لگا تھا؟

مقدس ثالوث کے پُجاریو! خداوند باپ خداوند بیٹا اور روح القدس کے پرستارو! ہمارا خیال ہے کہ شاید خداوند خدا کے اکلوتے بیٹے نے اپنی لعنت کی موت کے بعد آسمان پر جاکر اور اپنے ابّا جان کے داہنے ہاتھ مسند نشین ہوکر خداوند باپ کو اپنا پرانا قانون منسوخ کرنے اور نیا رائج کرنے کی ترغیب دی ہوگی؟ اے جناب! ذرا سوچکر جواب دیجیئے کیوں یہی بات ہے نا؟ واقعات ہمارے اس خیال کی تائید کرتے ہیں کیونکہ اُس نبی کو جسے تم ہرگز ہرگز صادق ماننے کو تیار نہیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایسی تائید و نصرت ملی جس کا شمہ بھی خداوند خدا کے چاہیتے اور اکلوتے بیٹے کو اپنی زندگی میں نصیب نہیں ہوا پرانے قانون کے مطابق جھوٹا ناکام و نامراد ہوکر ہلاک ہونا چاہیئے تھا مگر پیغمبر اسلام کو تو بجائے ہلاکت کے نصرت اور بجائے ناکامی و نامرادی کے اعلیٰ درجہ کی

باجلال کامیابی اور فتح حاصل ہوئی۔ پس اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ خداوند یسوع نے اپنے باپ کو کہکر پرانے قاعدے کو تو منسوخ کرایا اور خیر سے نیا قانون جو پاس کرایا تو ایسا کہ وہ پرانے کی عین ضد بنا۔ کیا یہاں پر آپ ہمیں یہ کہنے کی اجازت دینگے کہ ایک کو تین اور تین کو ایک یا سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر کے دکھا دینا تمہارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے مگر مسیحی دوستو! ہم تمھیں مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں ایک نصیحت کرتے ہیں یعنی ؎

آؤ عیسائیو ادھر آؤ ٭ نورِ حق دیکھو راہِ حق پاؤ ٭ کب تلک جھوٹ سے کرو گے پیار ٭ کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ
کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو ٭ کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ ٭ سر پہ خالق ہے اُسکو یاد کرو ٭ یونہی مخلوق کو نہ بہکاؤ

ناظرین! یرمیاہ نبیؑ کی کتاب میں حضرت یرمیاہ کے ہمعصر ایک جھوٹے مدعی نبوت مسمی حننیاہ کے بدانجام کا ذکر بھی خصوصیت سے توجہ کے قابل ہے۔ لکھا گیا ہے کہ جب حننیاہ نے کاہنوں اور سارے لوگوں کے سامنے اپنی جھوٹی پیشگوئی بیان کی تب یرمیاہ نبیؑ نے حننیاہ نبی سے کہا اے حننیاہ سُن خداوند نے تجھے نہیں بھیجا ہے پر تُو اس قوم کو جھوٹ کہہ کہہ کے امیدوار کرتا ہے اس لئے خداوند یُوں کہتا ہے کہ دیکھ مَیں تجھے روئے زمین پر سے خارج کر دوں گا تُو اسی سال میں مرے گا کیونکہ تُو نے خداوند کی طرف سے پھر جانیکی بات کہی ہے چنانچہ اُس سال ساتویں مہینے حننیاہ نبی مر گیا یرمیاہ باب ۲۸ ورس ۱۵-۱۶

واقعہ مذکورہ کو پہلے حوالجات سے ملاکر مطالعہ کرنیکے بعد ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب سنن ماضیہ میں سنت الٰہی یہ تھی کہ کاذب مدعی نبوت خائب و خاسر ہو کر ہلاک ہوتا تو پھر یسوع مسیح کے چھ سَو سال بعد یہ الٰہی قانون کیوں منسوخ ہو گیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو جنہیں مسیحی مناد بڑی شوخی سے جھوٹا نبی کہکر پکارتے ہیں کیوں ایسی آسمانی نُصرت و تائید ملی جو آپ سے پہلے سچے نبیوں کو بھی میسر نہ آئی۔ اس سوال کا ایک جواب تو ہم پہلے دے آئے ہیں یعنی یہ کہ شاید خداوند بیٹے کی سفارش و پیروی سے خداوند باپ نے اپنے قدیمی قانون کو تبدیل کر دیا لیکن حقیقی جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ انسان پرستی کی خطرناک ظلمت نے عیسائیوں کو ایسا شپرہ چشم بنا دیا ہے کہ وہ اپنی کتب مقدسہ میں راستبازوں کی شناخت کا معیار تلاش کرنے کی بجائے خود راستی کے ہی دشمن جانی ہو گئے ہیں وہ آنکھیں تو رکھتے ہیں

لیکن حقیقی روشنی سے محروم ہیں اگر توحید کی مخالفت کا زنگ اُنکے دلوں پر نہ لگا ہوتا تو بائیبل کا قائم کردہ معیار اُنکے لیئے ضرور مفید ہوتا اور وہ سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام اور اُنکی والدہ صدیقہ کے حقیقی محسن یعنی فاران پر اُترنے والے فارقلیط پر ایمان لانے سے محروم نہ رہتے۔

خداوند مسیح کے پرستارو! شائد تم میں سے کوئی من چلا سورما اُٹھے اور کہے کہ عہد عتیق کی کتابیں اور اُس کے حوالجات ہمارے نزدیک کچھ ایسے معتبر نہیں اس لیئے ہم تمھاری خاطر سے عہد عتیق کو چھوڑکر اب رسالجات اور خطوط کے اُس مجموعہ کی طرف رُخ کرتے ہیں جس کا نام مسیحی اصطلاح میں عہد جدید ہے۔ اس مجموعہ پر نظر ڈالنے سے بھی تمھاری بدقسمتی ہمیں بکرے کی ماں والی مثال یاد دلاتی ہے یعنی عہد جدید کی کتابوں میں بھی وہی قانون مشاہدہ ہوتا ہے جو عہد عتیق کے صحائف میں موجود تھا دیکھیئے تمھارے خداوند خود فرماتے ہیں کہ ہر ایک درخت جو اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا جاتا اور آگ میں پھینک دیا جاتا ہے٭ یسوع مسیحؑ کے اس قول سے صاف واضح ہوتا ہے کہ جھوٹا نبی اپھل درخت کی طرح کاٹا جاتا اور آگ میں جھونکا جاتا ہے لہٰذا جھوٹے اور سچے مدعی نبوت کی شناخت کا معیار مسیح کے نزدیک بھی وہی ہے جو کتاب استثنا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور یرمیاہ نبی کی کتاب میں حضرت یرمیاہ علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا گیا تھا۔ لیکن جائے افسوس ہے کہ یسوع کے شاگرد نام کو تو اپنے خداوند کے لیئے جان دینے کے لیئے بھی تیار ہونگے مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس معیار حقہ کا استعمال کرنا حرام سمجھیں گے۔

پیارے ناظرین! مسیحیوں کا قول ہے کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو مسیحیوں یہودیوں اور دیگر ذرائع سے معلومات کا بڑا ذخیرہ بہم پہنچایا بعد ازاں نیم شبی ساعتوں میں بیٹھ بیٹھ کر ان معلومات کو موزون سورتوں کا لباس پہنایا اور پھر (نعوذ باللہ) اس اپنی بناوٹ کو خدائے تعالیٰ کے الہام سے تعبیر کردیا۔ اور آئے دن اس طرح نئی نئی سورتیں بناتے گئے حتیٰ کہ ٢٣ برس کا لمبا عرصہ گذر گیا اور لطف یہ کہ اس تمام زمانہ میں جھوٹ سرسبز اور جھوٹا کامیاب ہوتا گیا۔ آخر کار وہ برومند اور فاتح ہوا اُس کے دشمن جو اُس کی تخریب و بیخ کنی کے درپے

٭ دیکھو متی کی کتاب۔ باب ۷۔ ورس ١٩

تھے اُسکی آنکھوں کے سامنے خود تباہ و برباد ہو گئے اور وہ مُلک جہاں کسی وقت اس کے جانی دشمن سکونت پذیر تھے آخر وہی اُس کے دوستوں اور جاں نثار اصحاب کا وطن ہو گیا۔ ہر ایک نیا الہام جو اس شخص نے دنیا میں شایع کیا اُس کے ساتھ ہی اُسے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نئی نصرت و تائید عطا ہوئی اور جوں جوں ان الہامات کی تعداد میں ترقی ہوئی اسی طرح اس کے جلال اور شکوہ میں اضافہ ہوتا گیا اور کلام الٰہی کی تکمیل کے ساتھ ہی اس کی پُر جاہ و جلال کامیابی ترقی کے انتہائی مدارج پر پہنچ گئی۔ آہ۔ اِس پر بھی مریم کے بیٹے کو خدا سمجھنے والے۔ انسان پرست یسوعی اس کامیاب نبی کو جھوٹا نبی کہتے ہیں اور اُس کے پُر عظمت الہامات کو اس کی اپنی بناوٹ خیال کرتے ہیں۔

صاحبو! یہاں پر ہم ہرگز ہرگز یہ بات کہنے سے نہیں رُک سکتے کہ اگر ایسا کامیاب نبی جھوٹا نبی ہے تو پھر وہ الہامات جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت یرمیاہ علیہما السلام پر اُن کا نزول ہوا تھا یقیناً سراسر دروغ اور کذب ہیں پیغمبر اسلام کو جھوٹا سمجھنے سے نہ صرف پُرانے عہدنامے کے انبیاء کی تکذیب لازم آتی ہے بلکہ عیسائیوں کا خدا خود جھوٹا ٹھہرتا ہے کیونکہ وہ انجیل میں کہہ چکا ہے کہ جھوٹا نبی اپھل درخت کی طرح کاٹا جاتا ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ عیسائی لوگ موسیٰؑ اور یرمیاہؑ کے الہامات کو خدا کا کلام مانکر پیغمبر اسلام کو جھوٹا نبی کہیں۔ روشنی اور اندھیرا ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ہاں اور نہیں ایک ہی وقت میں نہیں کہے جا سکتے پس اگر نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے نبی ہیں تو موسیٰ و یرمیاہ اور خود مسیح نعوذ باللہ بڑھ چڑھ کر جھوٹے اور بائیبل جھوٹ کی پٹاری ماننی پڑتی ہے بڑی حیرت اور استعجاب کا مقام ہے کہ ایک شخص جو آسمان کی طرف سے مامور نہیں خود بخود روزانہ نئے نئے الہامات بناتا۔ خواب اور رؤیا تراشتا اپنی بناوٹ کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا اور قریباً صدی کی ایک چوتھائی حصے تک برابر ایسا کرتا چلا جاتا ہے پھر خدائے تعالیٰ بھی ایسے شخص کو اپنے غصہ کی آگ میں بھسم کر ڈالنے کی بجائے آئے دن نئی نئی نصرتیں اور کامیابیاں عنایت فرماتا چلا جاتا ہے۔ اور اُسے ہرگز دنیا سے نہیں بلاتا جبتک وہ کامیابی کے عرش پر پوری شوکت سے متمکن نہیں ہو لیتا۔

اگر جھوٹے نبی بھی سچوں کی طرح بامراد اور کامیاب ہوتے ہیں اور اگر خدائے تعالیٰ صادقوں کی طرح کاذبوں کی بھی حمایت و نصرت فرماتا ہے تو پھر صادق اور کاذب کی شناخت کا قطعًا کوئی معیار ہی نہ رہا۔ ہر ایک سمجھدار اور ذی فہم آدمی ضرور یہ کہیگا کہ صادق اور کاذب میں ضرور فرق ہوتا ہے اور جو معیار موسیٰ علیہ السلام اور یرمیاہ نبی کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے وہ واقعی راست اور محکم معیار ہے۔ پس اگر یہ معیار صحیح مانا جائے تو اسکے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ضرور خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ اور راستباز رسول تھے۔ اگر ہمارے مسیحی مہربان اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا انکار کریں تو انہیں لازم ہے کہ موسیٰ اور یرمیاہ اور مسیح علیہم السلام کے الہامات و کلمات کو جھوٹ اور دھوکہ سمجھ کر رد کر دیں آئندہ نہ تو ان کلمات کو خدا کا کلام سمجھیں نہ ان ملہموں کو صادق نبی خیال کریں۔

یسوعی دوستو! تمھاری حالت سخت قابل رحم ہے آہ۔ تمھارے عقل پر کیا پتھر پڑے ہیں کہ تمھیں اُس قدر سمجھ بھی نہیں رہی جسقدر کہ تمھارے حواریوں کے زمانہ میں فریسیوں کو تھی تمھیں معلوم ہے کہ جب سردار کاہن اور صدر مجلس نے حواریوں کے قتل کا ارادہ کیا " تب گملیل نامی ایک فریسی نے جو شریعت کا معلّم اور سب لوگوں میں عزت دار تھا مجلس میں اُٹھکے حکم دیا کہ رسولوں کو ذرا باہر لے جاؤ اور انہیں کہا کہ اے اسرائیلی مردو آپسے خبردار ہو کہ تم ان آدمیوں کے ساتھ کیا کیا چاہتے ہو کیونکہ ان دنوں کے آگے تھیوداس نے اُٹھ کے کہا کہ مَیں کچھ ہوں اور تخمینًا چار سو مرد اُس سے مل گئے وہ مارا گیا اور سب جتنے اُس کے تابع تھے پریشان و تباہ ہوئے بعد اس کے یہوداہ جلیلی اسم نویسی کے دنوں اُٹھا اور بہت سے لوگوں کو اپنے پیچھے کھینچا وہ بھی ہلاک ہوا اور سب جتنے اُس کے تابع تھے تتر بتر ہو گئے اور اب مَیں تمھیں کہتا ہوں کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو اور انکو جانے دو کیونکہ اگر یہ تدبیر یا کام انسان سے ہے تو ضائع ہو گی پر اگر خدا سے ہے تو تم اُسے ضائع نہیں کر سکتے۔ ایسا نہ ہو کہ تم خدا سے بھی لڑنیوالے ٹھہرو اُنہوں نے اُس کی مانی " اعمال باب ۵ درس ۳۴ - ۴۰ -

آہ! آجکل مسیحیوں کو گملیل فریسی سے زیادہ شریعت کا واقف ہونا چاہیئے تھا وہ اپنے گھر سے اتنے بھی واقف نہیں جتنا کہ وہ فریسی تھا۔ اس سے بھی زیادہ قابل افسوس یہ امر ہے کہ اگرچہ پادری صاحبان گملیل کے الفاظ اپنے لیکچروں اور وعظوں میں لوگوں کو سناتے ہیں مگر خود ان سے قطعاً فایدہ نہیں اٹھاتے ہمیں بتلایا جاتا ہے کہ جن کاہنوں نے گملیل فریسی کی باتوں کو سنا انہوں نے اس کی نصیحت پر عمل کیا اور رسولوں پر ہاتھ نہ چھوڑا۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہودی کاہنوں نے تو گملیل کی مفید باتوں سے فائدہ اٹھایا اور رسولوں کے قتل سے باز آگئے مگر مسیحی پادری جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ روح القدس نے انکے اندر حلول کیا ہوا ہے کچھ ایسے غبی اور کند ذہن ہو گئے ہیں کہ انہیں دوسروں کی نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا مادہ ہی نہیں رہا۔ انکی زبانیں اور دل ایک دوسرے سے کوسوں دور ہیں جو کچھ انکی زبان پر ہوتا ہے وہ ہرگز انکے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ اُن کا فہم و ذکا کچھ ایسا سلب ہو گیا ہے کہ وہ اُس سچائی کو محسوس نہیں کر سکتے جو کہ گملیل فریسی نے سکھائی تھی۔ گملیل کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ جھوٹا نبی ہرگز ہرگز بامراد نہیں ہوتا خواہ کوئی شخص اسکی مخالفت کرے یا نہ کرے وہ یقیناً ناکام و نامراد ہو کر چاہ ہلاکت میں ڈالا جاتا ہے۔ اور برعکس ازیں راستباز انسان کامیاب و بامراد ہوتا ہے اور کوئی انسانی ہاتھ اُسے قطعاً زیر نہیں کر سکتا۔ جو شخص اُس کا مقابلہ کرتا ہے وہ خدائے تعالیٰ سے لڑتا اور اُس زبردست ہستی کا مقابلہ کرتا ہے اور آخر خود ہلاک ہوتا ہے۔

اے کاش۔ مسیحی پادریوں میں گملیل کی سی سمجھ ہوتی اور اگر بدقسمتی سے وہ ایسے فہم سے محروم تھے تو کم از کم انہیں وہ قوت فیصلہ ہی ہوتی جس کی وجہ سے یہودی کاہنوں نے گملیل کی عقلمندانہ اور مخلصانہ نصیحت کو مان لیا تھا۔

مسیحی دوستو! اگر آپ ذرا بھی انصاف اور سمجھ سے کام لیں تو آپ کی اپنی کتابوں میں جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے بہت سے ایسے معیار ہیں جنکے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے سچے نبی ثابت ہوتے ہیں آہ افسوس اسپر

بھی آپ کا اصرار ہے کہ (معاذ اللہ معاذ اللہ) وہ جھوٹے نبی تھے۔ واللہ مسیحی نادانی مسیحی تعصب اور مسیحی ہٹ دھرمی اپنی نظیر آپ ہیں ؛

مسیحی دوستو! تم اپنی مقدس کتابوں کی سچائیوں کو صرف اس لیئے منسوخ سمجھتے ہو کہ انپر عمل پیرا ہونیسے تم کو پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اور اس اقرار کے ساتھ ہی پولوسی آزادی کا خاتمہ ہو کر تمھیں مقدس اسلام کا حلقہ بگوش غلام بننا پڑے گا اور آزادی کی جگہ پابندی اختیار کرنی ہوگی اور یہ تمھارے لیئے موت سے کم نہیں پیارو یاد رکھو مبارک ہیں وہ جو راستی کے لیئے موت اختیار کرتے ہیں اور مر کر پھر نئی زندگی پاتے ہیں ؛

معزز ناظرین! ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مسیحی تعصب اپنی نظیر آپ ہے اسکا زبردست ثبوت ایک تو وہی ہے جو ہم اوپر دے چکے ہیں یعنی بائبل کے مقرر کردہ معیاروں کا موجود ہونا اور عیسائیوں کا عمداً محض حق کی مخالفت کیوجہ سے ان کا ترک کر دینا۔ اگر آپ اس سے بھی بڑھکر کوئی اور ثبوت چاہیں تو قرآن کریم پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ فرقان حمید خود کسطرح پکار پکار کر کہتا ہے کہ اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو جانچنا چاہو تو اس معیار کے ذریعہ سے پرکھ لو جو کہ حضرت موسیٰ یرمیاہ اور خود مسیح ناصری ؑ کے الہامات و کلمات میں موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۚ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۗ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۗ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (الحاقۃ ع ۲) ترجمہ۔ سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور جو چیزیں نہیں دیکھتے یہ کہا ہے ایک پیغام لانیوالے سردار کا اور نہیں یہ کہا کسی شاعر کا۔ تم تھوڑا یقین کرتے ہو اور نہ کہا پریوں والے کا تم تھوڑا دھیان کرتے ہو۔ یہ اتارا ہے جہان کے رب کا اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑتے اسکا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی ناڑ۔ پھر تم میں کوئی نہیں اس سے

روکنے والا اور یہ تو سمجھوتی ہے ڈرو والوں کو۔

معزز ناظرین! میں آپکی توجہ مذکورہ بالا ترجمہ کے اُن فقرات کی طرف خصوصیت سے منعطف کراتا ہوں جن کے نیچے خط کھینچا ہوا ہے۔ ان فقرات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُس ابدی قانون کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو کاذب مدعیان نبوت کے متعلق ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے سچّے اور صادق رسول ہیں اگر وہ میری طرف سے نہ ہوتے تو میں اُن کو اسی طرح ہلاک اور تباہ کر دیتا جیسا کہ جھوٹے مدعیان رسالت تباہ کیے جاتے رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان آیات سے تو پایا جاتا ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے چند ایک آیات بھی بناتے تو اس کا وہی انجام ہوتا جو ابتدائے عالم سے کذّاب لوگوں کا ہوتا آیا ہے۔

اللہ۔ اللہ کیا دلائل ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لیئے خدائے تعالیٰ نے خود دیئے ہیں۔ جس آدمی کے دماغ میں ذرا بھی عقل ہوگی وہ ضرور ان دلائل کو قوی دلائل سمجھیگا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا قایل ہوگا اور تسلیم کرے گا کہ قرآن کریم نے بھی خدائے تعالیٰ کے اُس قدیمی قانون کو یاد دلایا ہے جو پہلے حضرت موسیٰؑ و یرمیاہؑ اور مسیحؑ کی طرف وحی کیا گیا تھا۔ عقلمند لوگ تو اس آسمانی قانون کی داد دیں اور اسے صادق و کاذب کی جانچ کا ایک زبردست معیار سمجھیں لیکن سچائی کے دشمن مسیحی پادری جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی پر نظر کرتے ہیں تو تعصب سے اندھے ہو کر اس آسمانی قانون کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ اس معیار کا نظر انداز کرنا گویا موسیٰؑ اور یرمیاہؑ نبی کے الہامات کو جھٹلانا ہے۔ دوستو! ہم تو کہتے ہیں کہ اگر قرآن کریم میں معیار مندرجہ الہامات حضرت موسیٰ و حضرت یرمیاہ علیہما السلام کی طرف اشارہ نہ بھی ہوتا تو بھی مسیحیوں کو جو کتاب مقدس پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں اور یسوع مسیح اور رسولوں کی پیروی کا ادّعا رکھتے ہیں یہ لازم تھا کہ وہ اِس معیار حقہ کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی کی پرتال کرتے؟ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے متوجہ کرنے اور پتہ کی بات بتلانے کے باوجود مسیح کے نادان دوست ہرگز ہرگز اپنے ہاں کے مسلمہ معیار کا استعمال جائز نہیں رکھتے۔ دراصل بائیبل کا مقرر کردہ معیار ایک آسمانی گواہی ہے جو کاذب کی ہلاکت اور صادق کی نصرت کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ سے

یہی الٰہی قانون چلا آیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے قول کے ساتھ اس کا فعل ضرور ہوتا ہے یس صادق کے الہامات کی شہادت کے لیئے خدائے تعالیٰ کی نصرت آتی اور اُس کے دشمن مغلوب و مغضوب ہوتے اور وہ غالب اور مُنعم علیہ ہوتا ہے۔ یرمیاہ نبی کی کتاب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے" دیکھ مَیں اُن کا مخالف ہوں خداوند کہتا ہے جو جھوٹے خوابوں کو نبوت کہتے ہیں۔ اور اُنہیں بیان کرتے ہیں اور اپنی جھوٹی باتوں سے اور شیخیوں سے میرے لوگوں کو بہکاتے ہیں لیکن مَیں نے اُنہیں نہیں بھیجا نہ اُنہیں حکم دیا" باب ۲۳ درس ۳۲

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ جھوٹے نبیوں کا مخالف ہے اور اُنکو جلد ہی تباہ کر دیتا ہے وہ سچے نبیوں کے ساتھ ہوتا ہے اُنکی نُصرت فرماتا ہے اور اُنکے مخالفین کو ہلاک کر دیتا ہے لاریب یہ اللہ تعالیٰ کی خاص شہادت ہوتی اور اس شہادت کے ذریعہ سے وہ صدق اور کذب میں فرق کرتا اور جھوٹے کو جھوٹا اور صادق کو صادق ثابت کرتا ہے۔ قرآن کریم اس الٰہی شہادت کی طرف متواتر توجہ دلاتا ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں خود خدائے تعالیٰ کے فعل کو پیش کرتا ہے چنانچہ ہم اپنے ناظرین کی آگاہی کے لیئے ذیل میں چند ایک آیات کریمہ درج کرتے ہیں۔

ا۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ یعنی کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے یہ (قرآن مجید) بطور افتراء کے بنالیا ہے تو کہہ کہ اگر مَیں نے یہ کتاب بطور افتراء کے بنائی ہے تو اس جرم کی سزا مجھے ملیگی اور مَیں تمھارے جرموں سے بری ہوں (سورہ ہود)

ب۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (سورہ العنکبوت پارہ ۲۱) یعنی کون ظالم ہے اُس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔

ج۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل) کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔ وہ اپنے بندوں سے خوب خبردار اور انکے حالات کو خوب دیکھنے والا ہے (سو وہ صادق کی تائید کرکے اور کاذبوں کو ہلاک کرکے اپنی گواہی دے گا کہ سچّا کون ہے اور جھوٹا کون)

د - وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝ یعنی رت غمگین ہو اوپر اُنکے اور اُن کی تدبیروں سے تو تنگدل نہ ہو تحقیق اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں اور اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو محسن ہیں (سورہ نحل پارہ ۱۴)

ر - رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۝ یعنی اے پروردگار ہمارے حکم کر درمیان ہمارے اور درمیان قوم ہماری کے ساتھ حق کے اور تو بہتر حکم کرنے والا ہے (اعراف پارہ ۹)

س - قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ۝ إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ۝ یعنی کہ بلاؤ تم شریکوں اپنے کو پھر جنگ کرو مجھ سے پس مت ڈھیل دو مجھکو۔ تحقیق میرا دوست اللہ ہے جس نے یہ کتاب اُتاری ہے اور وہ صالحین سے دوستی کرتا ہے (سورہ اعراف پارہ ۹)

ک - وَيَنصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا (سورۃ الفتح پارہ ۲۶) یعنی اور اللہ تعالیٰ تیری زبردست مدد کرے گا۔

ل - كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (سورۃ المجادلہ پارہ ۲۸) (ترجمہ) لکھ رکھا ہے خدا نے البتہ غالب آؤں گا میں اور پیغمبر میرے تحقیق اللہ غالب ہے عزت والا۔

م - إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (سورہ مومن پارہ ۲۴) ترجمہ تحقیق ہم البتہ مدد دیتے ہیں پیغمبروں کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے بیچ زندگانی دنیا کے اور اُس دن کہ کھڑے ہوں گے گواہی دینے والے۔

و - وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ - إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ (سورہ والصّٰفّٰت پارہ ۲۳) ترجمہ اور تحقیق پہلے گذری ہے بات ہماری واسطے بندوں ہمارے پیغمبروں کے۔ تحقیق وہی ہیں مدد دیئے گئے۔

ی۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (سورہ الزمر پارہ ۲۴ ع ۴) ترجمہ کیا نہیں اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا بندے اپنے کو۔

قرآن کریم میں ایسی آیات بکثرت ہیں اور یہی ایسی آیات کریمہ ہیں جن کی طرف مسیحی پادری مطلق توجہ نہیں فرماتے انکی اس عدم توجہگی کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر وہ دلائل دئیے گئے ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت کیلئے ہمیشہ سے پیش ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور ان آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے صادق نبی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکی اسی طرح بلکہ بڑھ چڑھ کر نصرت فرمائی جیسا کہ عہد عتیق کے انبیاء کی نصرت و تائید فرمائی گئی تھی۔ اب ہمارے مسیحی مہربان ان آیات کی طرف توجہ فرمادیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کا راستباز رسول ماننا پڑتا ہے کیونکہ اگر ان آیات کی دلائل کا انکار کریں تو ان کو خود اپنے ہاں کے مسلمات سے روگردانی کرنی پڑتی ہے اور کتاب اقدس کو جھوٹا ماننا لازم آتا ہے مسیحی دوستو! جس قدر آپ تجاہل عارفانہ سے کام لیکر حق کو چھپاتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ آپکا راز طشت ازبام ہو اُسی قدر ہمارے دل میں حق کا جوش ہے۔ سنئیے صاحب! ہم ایک اور پتہ کی بات کہتے ہیں اور وہ عہد عتیق کے اُس عظیم الشان نبی کا الہام ہے جو اسرائیلی شریعت کا لانیوالا اور یہود و نصاریٰ کا مسلمہ صادق نبی ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ ایک اور معیار پیش کرتے ہیں اس کے رُو سے بھی آپکو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا قائل ہونا پڑے گا ملاحظہ ہو استثنا باب ۱۸۔ ورس ۲۱ و ۲۲ "اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اُس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اُس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اُس سے مت ڈر" خداوند کے اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی مدعی نبوت کی پیشگوئیاں صریح جھوٹی نکلیں تو ایسا نبی کاذب اور جھوٹا ہے لیکن اگر اُس کی پیشگوئیاں درست ثابت ہوں تو وہ سچا نبی ہے پس معیار ہذا کے مطابق بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے راستباز نبی ثابت ہوتے ہیں۔

رسالہ ہٰذا کی گذشتہ اشاعت میں ہم اس امر کا اظہار کر چکے ہیں کہ قرآن کریم میں جسقدر انبیاء و امم سلف کے واقعات بیان ہوئے ہیں وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں تھیں اور یہ پیشگوئیاں ایسے وقت میں شائع کی گئی تھیں جبکہ اُن کا پُورا ہونا واہمہ میں بھی نہ آسکتا تھا بلکہ برعکس اس کے حالات اس امر پر دال تھے کہ یہ پیشگوئیاں صحیح نہیں نکلیں گی۔ لیکن انجام کار اپنے وقت پر پہنچکر یہ سب باتیں پوری ہوئیں اُن کا پورا ہونا ہی اس بات کا ثبوت تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے راستباز مُلہم اور قرآن مجید خدائے تعالیٰ کی مقدس وحی ہے۔ لہٰذا باب استثنا کے اس دوسرے معیار کے مطابق بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے صادق رسول ثابت ہوتے ہیں۔

معزز ناظرین! جن پیشگوئیوں کا ہم گذشتہ اشاعت میں ذکر کر چکے ہیں وہ تاریخی واقعات تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آئندہ واقعات زندگی کے ساتھ مماثلت اور مناسبت تھی اگرچہ ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بڑا ثبوت تھا تاہم اس ثبوت کی مزید تائید کے لیئے ہم یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان تمثیلی پیشگوئیوں کے علاوہ کھُلی کھُلی پیشگوئیاں بھی تھیں جو اسی طرح صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں جس طرح پہلی پیشگوئیاں پوری ہوئی تھیں۔ گو اس قسم کی پیشگوئیوں کی ایک بڑی تعداد اپنے مضمون اشاعت اسلام میں بعنوان "ایک عظیم الشان معجزہ" پہلے درج کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو ریویو نمبر ۵ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۰ء

تاہم اس نوع کی چند ایک پیشگوئیاں ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ کیسی زبردست اور کھُلی کھُلی پیشگوئیاں تھیں جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اعلان فرمایا اور پھر وہ پیشگوئیاں پوری بھی کیسی کامل اور بیّن صفائی سے ہوئیں۔ لیکن ان پیشگوئیوں کے اندراج سے قبل ہم آپکی توجہ اُن آیات کی طرف منعطف کرانے میں جن کا حوالہ ہم ابھی دے چکے ہیں ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکی نصرت۔

حفاظت اور کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا کیا کوئی شخص خواہ وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہو اس حق سے انکار کر سکتا ہے کہ آخر خدائے تعالیٰ نے یہ موعودہ نصرت۔ حفاظت اور کامیابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی۔ اور اپنے وعدوں کا ایفا کیا۔ پس یہ آیات بجائے خود پیشگوئیاں تھیں اور ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھا۔ آپکی نصرت کی اور آخر عظیم الشان کامیابی عنایت فرمائی علاوہ ازیں ذیل میں چند ایک اور پیشگوئیاں دیجاتی ہیں۔

ا۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کمزور اور بے کس تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مفصلہ ذیل وحی سے تسلّی دی۔ فرمایا

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (سورۃ الضحیٰ پارہ ۳۰) ترجمہ نہیں چھوڑ دیا تجھ کو رب تیرے نے اور نہ ناخوش رکھا۔ اور البتہ تیری پچھلی حالت تیری پہلی حالت سے اچھی ہوگی

ب۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ترجمہ۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیئے کافی نہیں۔ سورہ الزمر پارہ ۲۳

ج۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ یعنی تیری موجودہ تنگی کے بعد آسانی کے دن آنے والے ہیں۔ سورہ الانشراح پارہ ۳۰۔

د۔ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (ابراہیم - ۷) ترجمہ پس ہرگز مت گمان کر کہ اللہ تعالےٰ اُن وعدوں کا خلاف کرے گا جو وہ اپنے رسولوں کے ساتھ کرتا ہے۔ تحقیق اللہ غالب اور (رسولوں کے دشمنوں سے) انتقام لینے والا ہے۔

۲۔ جب مکّہ میں مسلمانوں کو ہر طرف سے ایذاء دی جا رہی تھی۔ اور محض خدا تعالےٰ کو ایک ماننے کے جرم میں اُنپر طرح طرح کے مظالم توڑے جاتے تھے اُس وقت خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ اگر وہ ہجرت کریں گے اور خدائے تعالیٰ کے لیئے اپنے

عزیز وطن کو خیرباد کہیں گے تو ان کو اس ورلی دنیا اور آخرت میں بہتر انعام اور برکتیں دیجائیں گی دنیا کے انعامات تو تاریخ بتلاتی ہے عقبیٰ کا اندازہ اربعہ متناسبہ کے قاعدہ سے لگایا جا سکتا ہے بہرحال ایسے اڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے مظلوم مٹھی بھر مسلمانوں کو جن کے خوش آئند مستقبل کی کوئی دنیوی آنکھ ہرگز پیشگوئی نہ کر سکتی تھی بدیں الفاظ تسلی دی اور فرمایا

۱۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (نحل۔ رکوع ۶)

جو لوگ دشمنوں کے ظلموں سے ستایا جا کر خدا کی راہ میں ہجرت کرینگے اللہ تعالیٰ انکو اسی دنیا میں اچھی جگہ دے گا اور آخرۃ کا اجر اس سے بھی بڑھ کر ہے کاشکہ وہ جانتے۔ یعنی وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ب۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ زمین میں فراخ جگہ اور کشادگی پا دے گا جسکو دشمن دیکھکر جلیں گے۔ (نساء ع ۱۴)

۳۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے تعالیٰ سے خبر پاکر یہ اعلان کیا تھا کہ آپ کا مذہب غالب آئیگا اور تمام ادیان باطلہ مغلوب ہو کر ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ یہ پیشگوئی ایسے وقت کی گئی تھی جب اسلام ایک نوزائیدہ بچہ تھا اور باوجود اس صغرسنی کے دنیا کا ہر فرد بشر اس کا دشمن اور جانی دشمن تھا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ جہاں موقع پائے جھٹ اس کا گلا گھونٹ دے ایسے وقت خدائے تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ یہ بچہ جوان ہوگا سب پر غالب آئیگا راستی کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا ہوگا چنانچہ اس طرح ارشاد باری ہوا۔

۱۔ وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل۔ ۹) اور کہہ دے کہ اب حق آگیا ہے اور اس حق کے آنے سے باطل نابود ہو جائیگا

تحقیق باطل گم ہونے والا ہے۔

ب۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (انبیاء ع ۲) بلکہ ہم حق کو باطل کے اوپر پھینکیں گے پس حق باطل کا سر توڑ دیگا اور باطل فنا ہو جائے گا۔

ج۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ٥ (صف۔ ع ۱) (دشمن) چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھادیں اللہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کافر اس کو برا منائیں۔

۴۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں ہی تھے آپ ہر طرح بےکس بےبس اور آپکے دشمن ہر طرح زبردست و طاقتور تھے اُسوقت ہی اللہ تعالیٰ نے آپکو تسکین دی اور آپکے دشمنوں کو آپکی زبان سے چیلنج دلایا کہ وہ اپنی کوششوں اور منصوبوں میں ذرا بھی کمی کریں اور پورے زور سے مخالفت کرلیں لیکن یاد رکھیں کہ جس پودے کو وہ اپنی دشمنی کے تبرے کاٹنا چاہتے ہیں وہ چٹان سے بھی زیادہ سخت ہے اُسے کاٹنے کی کوشش فضول ہوگی وہ پھولیگا پھلیگا اور نخل بار ور ہوگا کیونکہ اُس کا نگران اور مالی خود خدائے زبردست اور قہار ہے۔ ناظرین! آپ ذیل کی آیات کو ملاحظہ فرمائیں۔

۱) قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ ٥ (انعام۔ ۱۶) ترجمہ (اے نبی) تو کہدے اے میری قوم جہانتک تم سے ہو سکتا ہے تم (میری مخالفت میں) کوشش کرلو۔ مَیں بھی اپنے کام میں لگا رہوں گا۔ پس تمھیں عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ اس گھر کا انجام کس کے لیئے ہے (یعنی انجام کار کون کامیاب ہوتا ہے) تحقیق ظالم بامراد نہیں ہوتے۔

(ب) أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرٌ ٥ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ٥ (قمر۔ ۳) کیا یہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں۔ عنقریب ان کی جماعت شکست

کھائیگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

(ج) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا ۝ (مریم - ۴)

اور جب انپر ہمارے نشان پڑھے جاتے ہیں تو کافر مومنوں کو کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے کون زیادہ اچھی حیثیت رکھتا ہے اور کس کی جماعت بہتر ہے۔ (انکو اپنے جتھے اور اپنے عزّ و جاہ پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے) ہم نے اُن سے پہلے کئی ایسی سنگتوں کو ہلاک کیا ہے جو اپنے ساز و سامان اور اپنے نمود میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔

(د) حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝ (جن - ۲) یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو کہ وعدہ دیئے جاتے ہیں اُس وقت اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ کون اپنے مددگاروں کے لحاظ سے کمزور ہے اور کس کا جتھا تھوڑا ہے۔

ہمارے ناظرین اس بات کو ضرور یاد رکھیں کہ مذکورہ بالا آیات کا نزول مکّہ میں ہوا اور ایسے وقت ہوا جب مسلمان نہایت ہی کمزور اور بے پر تھے اور اُنکے دشمن طاقت کے پورے عروج پر تھے جیسا کہ خود ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے

۵- جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں تھے اور دشمن بھی ایسے جو ہر وقت آپکے خون کے پیاسے تھے اُسوقت عالم الغیب خدا نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ اُس کا طاقتور ہاتھ آپکے ساتھ ہوگا اور آپکے وجود باجود کو دشمنوں کی قاتلانہ تدابیر کے اثر سے محفوظ رکھا جائیگا اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مفصلہ ذیل الفاظ میں نازل ہوا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ - ۱۰)

اے رسول جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تیری طرف اُتارا گیا ہے وہ تو پہنچا دے اور اگر

تُو نے ایسا نہ کیا تو پھر تُو نے اپنی رسالت کو نہیں پہنچایا (اور لوگوں کی عداوت اور اپنی جان کا خوف تجھے تبلیغ کے کام میں نہ روکے کیونکہ) اللہ تعالیٰ لوگوں سے تجھے بچائے رکھے گا۔

یہاں پر یہ یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نہ صرف میدان جنگ میں۔ جہاں کہ دشمنوں کے حملوں کا نشانہ خاص آپ کا وجود ہوتا تھا۔ معرض خطر میں تھی بلکہ ہر وقت آپکی جان ہتھیلی پر رہتی کیونکہ مکّہ اور مدینہ دونوں جگہ کے دشمنوں کا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے تو اسلام کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور اسی خیال کو لیکر اسلام کے دشمنوں نے اکثر اوقات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قتل کے منصوبے کیئے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے حسب وعدہ ہر دفعہ پر آپ کو محفوظ رکھا اور دشمنوں کو ناکام و نامراد کیا۔ ع وہ سچے وعدوں والا منکر کہاں کدھر ہیں!!

۶۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکّہ میں ہی تھے اور آپکے مٹھی بھر جاں نثار مرید بُت پرستوں کے ہاتھ سے ہر طرح کے مظالم کا نشانہ بنائے جا رہے تھے ایسے نازک وقت میں آپنے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر یہ اعلان کیا کہ بُت پرستوں کا نام و نشان مٹ جائے گا اور اُنکی زمین پر مسلمان قابض ہو جائیں گے چنانچہ جن کی آیات میں یہ پیشگوئی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

ا۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ ۝ (انبیاء - ۷) اور ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ پہلے سے لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے۔

ب۔ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِينَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ (ابراہیم - ۳) ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کریں گے اور اُن کے بعد تمھیں زمین میں آباد کریں گے۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے سلسلہ قرآن کریم میں آپ کی وفات کے بعد پیش آنیوالے وقوعات کی بھی پہلے ہی سے خبر دیدی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اُسی طرح خلفاء ہونگے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے بعد ہوئے تھے۔ اور یہ کہ ان خلفاء کے ذریعہ سے ایسے خطرات و فتن کا قلع قمع کیا جائیگا جو ایک وقت یہاں تک زور پکڑ جائیں گے کہ اگر کوئی زبردست ہاتھ نہ دیا جائیگا تو خود اسلام کی ہستی معرض خطر میں ہوگی۔ جس آیت کریمہ میں یہ پیشین گوئی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

(نور - ۷) اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کیئے البتہ اللہ تعالیٰ اُنکو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے خلیفہ بنایا اُن لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے) اور جو دین اُس نے اُن کے لیئے پسند کیا ہے اُسے اُن کے لیئے قائم کرے گا اور خوف کے پیدا ہونے کے بعد پھر اُنہیں امن دیگا۔ وہ میری ہی عبادت کرینگے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرینگے اور جو اس کے بعد کفر کریں گے وہ فاسق ہونگے۔

اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عین حیات میں ہی اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت یہ بتلایا تھا کہ اگرچہ مسلمانوں پر ایک وقت سخت ابتلا آئیگا لیکن خدائے تعالیٰ اُن کی دستگیری فرمائیگا اور ڈگمگاہٹ کے بعد دوبارہ اُن کو مضبوط اور با استقلال بنائیگا اسلام پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کی طرح آپ کے جانشینوں کے ماتحت بھی ویسے ہی پھولے پھلیگا اور ترقی کرے گا۔

۸۔ کلام پاک قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں اس کی ابد الآباد تک حفاظت کروں گا اور اس کتاب کا وہ حال نہ ہوگا جو دوسری کُتب سماوی کا ہوا ہے چنانچہ فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر - ۱) ہم ہی نے یہ قرآن مجید (جو اُس تعلیم کو یاد دلانے والا ہے جو انسان کی فطرت میں مرکوز ہے) نازل کیا ہے

اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

۹۔ جب ایرانی بُت پرستوں نے رومیوں کو جو اہل کتاب تھے شکست دی تو مکہ کے بُت پرست بہت خوش ہوئے اور ایرانیوں کی فتح کو اپنی کامیابی کا ایک مبارک فال سمجھا اُس وقت خدائے تعالیٰ کا جو کلام بطور پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ حسب ذیل ہے۔

الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۝ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہو چکے ہیں۔ مگر وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب کئی ایک برس میں پھر غالب ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کے لیئے ہی ہے حکم پہلے سب سے اور پیچھے سب سے اور اُس دن مومن بھی نصرت الٰہی کے ساتھ خوش ہونگے۔

اس آیت کریمہ میں دو پیشگوئیاں ہیں اوّل تو یہ ہے کہ رومی جو کہ اہل کتاب تھے وہ آخر فتحیاب ہو کر رہیں گے اور دوئم یہ کہ مسلمان بھی رومیوں کی فتح کے دن خدائے تعالیٰ کی خاص نصرت اور تائید سے متمتع ہونگے۔ چنانچہ جس دن رومیوں کی فتح کی خبر آئی اُس دن مسلمان بدر کی فتح پر خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کر رہے تھے۔

ناظرین! تاریخ کے صفحات اس امر کے شاہد ہیں کہ یہ سب پیشگوئیاں نہایت صفائی سے پوری ہو کر رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیکس کمزور مسلمانوں کو طاقتور اور حکمران جماعت بنایا۔ بت پرستی کا نام نشان مٹا اور خدائے واحد و یگانہ کی توحید کا سنہرا پرچم کعبہ کی چھت پر لہرانے لگا۔ جس کتاب کی حفاظت کا اُس نے وعدہ کیا تھا وہ برابر ہزاروں حفاظ کے سینوں میں محفوظ چلی آتی ہے اور واحد اس کتاب کو کامل حفاظت کی یہ خصوصیت حاصل ہے۔

پیارو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلان برسوں پہلے کیا آخر وہ لفظ بلفظ پورا ہوا پس استثنا کے معیار کے بموجب وہ خدائے تعالیٰ کے راستباز اور صادق رسول ٹھہرے اگر مسیحی متعصب اب بھی نہ مانیں تو ہم کہیں گے۔ ؎

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا ؎ اب بھی اگر نہ مانو تو منوائیگا خدا

ہم خیال کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا پیشگوئیاں ہی ہمارے دعاوی کے ثبوت کیلئے کافی ہیں اور اگرچہ قرآن کریم میں ایسی پیشگوئیاں اس کثرت سے ہیں کہ ابھی ایک اور بڑی تعداد کا حوالہ دیا جاسکتا تھا۔ لیکن طوالت کا خوف مجھے مجبور کرتا ہے کہ محولہ بالا حوالجات پر ہی اکتفا کروں

واضح رہے کہ قرآن کریم کی پیشگوئیاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہی محدود نہیں بلکہ انہیں ایسے واقعات بھی بتلائے گئے ہیں جن کا تعلق آئندہ نسلوں سے تھا اور جو اس زمانہ تک برابر پورے ہوتے چلے آئے ہیں۔ غرض جو پیشگوئیاں ہم نے بیان کی ہیں وہ ہمارے اس مدعا کو خوب ثابت کرتی ہیں کہ توریت کے دوئم معیار کے رُو سے بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے صادق اور راستباز نبی ثابت ہوتے ہیں۔ ان پیشگوئیوں میں جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جب ان پیشگوئیوں کا اعلان ہوا تو حالات ہرگز ہرگز اس بات کو خیال میں لانے کے بھی متقاضی نہ تھے کہ کبھی آمنہ کا یتیم و مسکین بے زر بے پر بیٹا اس عروج پر پہنچیگا جس کا اُسے وعدہ دیا جاتا ہے مگر آخر ہوا وہی جو برسوں پہلے شائع کیا گیا تھا۔ اس لیئے اگر استثنا باب ۱۸ ورس ۲۱ و ۲۲ کی عبارت صحیح اور سچی ہے اور مسیحی صاحبان اسپر ایمان بھی رکھتے ہیں تو اُنکو لازم ہے کہ جسطرح عہد عتیق کے الہامات کو خدا کا کلام مانتے ہیں اور عہد عتیق کے انبیاءؑ کو سچے رسول جانتے ہیں اُسی طرح قرآن کریم کو بھی اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا رسول یقین کریں۔

عیسائی دوستو! آپ تثلیث کے قائل اور تین کے عدد سے خاص محبت رکھتے ہیں اس لیئے آپکی خاطر پہلے دو معیاروں کے علاوہ ایک اور تیسرا معیار بھی پیش کرتے ہیں۔ اسکی رُو سے بھی آپ کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ عرب میں مبعوث ہونیوالا نبی واقعی "وہ نبی" تھا جسے راستی کی روح اور کونے کا پتھر کہا گیا ہے۔ دیکھیئے عہد عتیق کی پانچویں کتاب یعنی استثنا باب ۱۸ ورس ۱۸-۱۹ میں لکھا ہے کہ "میں اُنکے لیئے اُنکے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا۔ اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سُنیگا تو میں اُس کا حساب اُس سے لُوں گا"

اللہ اللہ کس صفائی سے بتایا گیا ہے کہ اسمٰعیل کے بھائیوں میں پیدا ہونیوالے نبی کے دشمن

خدائے تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہونگے اور اُن سے جواب طلبی کیجائیگی۔ اگر مسیحی صاحبان کو ذرا بھی حق کا پاس ہوتا تو وہ ہرگز ہرگز آنحضرت صلعم کی نسبت زبان درازی نہ کرتے۔

دوستو! اگر سورج پر خاک ڈالکر اُسے دُنیا کی آنکھ سے چھپایا جاسکتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ امر بھی پوشیدہ رہ سکے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام دشمن آپکی آنکھوں کے سامنے ہلاک و تباہ ہوئے اُن کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ لیکن نہ سورج چھپایا جاسکتا ہے نہ اس حق سے انکار ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ نے خوب حساب لیا۔ اگر قرآن کریم اسلام کے دشمنوں کی بربادی و تباہی کی پیشگوئیاں نہ بھی کرتا اور وہاں اشارتاً یا کنایتاً بھی اُن کا ذکر نہ ہوتا تو بھی واقعات صحیحہ اور بائیبل کے اس تیسرے معیار کے مطابق مسیحی لوگوں کو مناسب تھا کہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو صدق دل سے ایمان لاتے اور اپنی مسلمہ سچائیوں کو پس پُشت نہ ڈالتے۔ لیکن قرآن جس طرح خدا کی کامل کتاب ہے اسی طرح اس میں راستی کی تائید کے لیئے ہر بات بوضاحت بیان کی گئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا قابل عبرت انجام بڑی صراحت سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی تباہی و بربادی کے متعلق جو پیشگوئیاں قرآن کریم میں ہیں وہ آغاز اسلام اور آغاز مخالفت کے وقت کی گئی تھیں ایسی پیشگوئیاں تو قرآن کریم میں بکثرت ہیں لیکن ہم صرف چند ایک آیتیں ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ا۔ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا کَانُوْا یَمْکُرُوْنَ ٥ مجرموں (یعنی دشمنانِ اسلام) کو اُنکی بدتدبیروں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت اور سخت عذاب پہنچیگا (انعام - ۱۵)

ب۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ٥ جس (عذاب) کا وعدہ تمھیں دیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم عاجز کرنیوالے نہیں ہو۔ (انعام)

ج۔ وَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۚ وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ٥ (اعراف - ۲۳) اور جن لوگوں نے ہماری نشانوں کو جھٹلایا ہم اُن کو درجہ بدرجہ عذاب کی طرف کھینچیں گے ایسے طریق سے کہ وہ

نہیں جانتے اور (اگرچہ) میں انکو ڈھیل دے رہا ہوں میرا جنگ بڑا مضبوط ہے۔

د۔ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ٥ (فرقان۔ ۶) پس تحقیق تم نے (اس نبی) کو جھٹلایا ہے پس البتہ ہوگا وبال اُس کا لگ جانیوالا۔

س۔ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ٥ اور اے میری قوم جہانتک تم سے ہوسکتا ہے تم (میری مخالفت میں) زور لگا لو۔ میں بھی اپنے کام میں لگا رہوں گا اور عنقریب تمہیں معلوم ہوجائیگا کہ کس کو رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے تم منتظر رہو۔ میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں (ہود۔ ۸)

حاصل کلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی ایسی بیّن اور اظہر من الشمس ہے کہ جس سے کوئی ذی فہم انسان تو قطعاً انکار نہیں کر سکتا۔

عیسائی دوستو! ایکدفعہ اور ہم تمھیں اُن سچائیوں کا واسطہ دیتے ہیں جنپر تم زبان سے ایمان لائے ہو۔ دیکھو خدائے تعالیٰ نے آپکو ضمیر دیا ہے اور ضمیر کی آواز گو دھیمی ہو لیکن راستی کی حامی ضرور ہوتی ہے پیارو! اللہ سے ڈرو اُس کی پُرسش اور اُس کے حساب لینے سے خوف کرو۔ اور سنو! ہاں کان کھولکر سنو!! اور دیکھو! ہاں آنکھیں کھولکر دیکھو!! ہم کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جانچ کے لیئے آپ اپنی کتابوں میں سے سچے نبی کی شناخت کا کوئی سا معیار نکالیں اور پھر اُس معیار پر ہمارے مقدس نبی کی جانچ کریں ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ اگر آپ حق کی تلاش کے لیئے ایسا کریں گے تو یقیناً آپ کو تسلی دینے والا ملجائیگا اور آپکے قلب میں ایک طمانیت ہوگی اور اس کے بعد آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور راستباز اور صادق نبی مانیں گے۔ اگر آپ خود کوئی ایسا معیار نکالنے سے قاصر ہیں تو جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے خدارا اُنپر ہی غور کریں۔ بات یہ ہے کہ اگر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کریں تو اپنی مقدس کتابوں کو پہلے جواب دیدیں۔ غضب ہے کہ خداوند تو حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے تھا کہ جو میرے نام سے ایک لفظ بھی جھوٹ موٹ بنائیگا میں اُسے تباہ اور ہلاک کرونگا لیکن آپ وہی مرغی کی ایک ٹانگ والی مثال پر عمل کر کے خدا کے قول کے خلاف برابر یہی کہے جاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ ایک پوری کی پوری جھوٹی کتاب بنائی اور پھر دنیا سے کامیاب اور فاتح و منصور ہو کر رخصت بھی ہوئے۔ ہم آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر وہ سچے نبی نہیں تھے اور قرآن انکی اپنی بناوٹ ہے۔ خدا کا کہا ہوا نہیں تو وہ کیوں توریت کے معیار کے مطابق ہلاک نہ ہوئے؟ کیوں وہ برابر ترقی کرتے گئے اور آخر سچے رسولوں کی طرح کامیاب و بامراد ہو کر اپنی طبعی موت سے فوت ہوئے؟ اگر باوجود جھوٹا ہونے اور خدا کی نہ کہی ہوئی بات کہنے کے کوئی شخص بامراد و منصور ہو سکتا ہے تو پھر آپ بائیبل کو جس میں صاف لکھا ہے کہ جھوٹا نبی غضب الٰہی کا مورد ہوتا ہے۔ کیوں ایک منسوخ کتاب سمجھکر چراغ کی نذر نہیں کرتے۔

بائیبل کے واعظو! مسیح کے پرستارو!! خدا کی بادشاہت کے وارث ہونیکے مدعیو!!! تم خواہ پوپ کے غلام ہو یا لیوتھر اور کالون کے پیرو ہم تم سب کو ایک خدا لگتی اور نہایت سچی بات کہتے ہیں یونہی نہیں بلکہ دلائل کے ساتھ ثابت کرنیکے بعد تمھارے گوش گذار کرتے ہیں کہ اگر وہ کتاب جسے مسلمان خدا کا کلام سمجھتے ہیں اور جو دنیا میں ایک بے نظیر تبدیلی پیدا کر چکی ہے جسکی تمام پیشگوئیاں سچی نکلیں اور آجتک برابر نکل رہی ہیں اور اگر وہ نبی جس کے ہر قول کے ساتھ ہمیشہ خدائے تعالیٰ کا فعل اور نصرت رہی اور جو ہر جگہ فاتح اور کامیاب اور ہر مقام پر مظفر و منصور رہا تمھارے خیال میں جھوٹا ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپکی بائیبل جسے آپ بغل میں دبا کر خدا کا کلام خدا کا کلام پکارا کرتے ہیں بلاشک وشبہ کاسر صلیب کے اس مصرع کی مصداق ہے ع اُسکی ہر بات فقط جھوٹ کا پُتلا نکلا ۔

ضروری اطلاع:- چونکہ مولوی غلام امام عزیز الواعظین سکرٹری انجمن احمدیہ منی پور ملک آسام انجمن کے کام میں دلچسپی اور کوشش سے کام لیتے ہیں۔ اور بہت مخلص ہیں۔ اس لیئے آسام کی دیگر انجمنوں اور احباب کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ مولوی صاحب موصوف سے ملکر کام کیا کریں۔ اور دلچسپی حاصل کر کے مشکور فرماویں۔ اور کہ وہ اپنے چندے انجمن احمدیہ منی پور آسام کی وساطت سے یہاں بھجوائیں اس کا یہ بھی فائدہ ہو گا کہ باہم تعلقات بڑھیں گے۔ محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ماہوار رپورٹ

تعلیم الاسلام ہائی سکول :- ایثار ہر ایک قسم کی ترقی کی جڑھ ہے۔ یہی وہ اصل الاصول تھا جس کی تعلیم پاکر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی جانیں دین کی راہ میں قربان کر دیں۔ اور ان قربانیوں پر وہ نتائج مترتب ہوئے جو اب تک ایک دنیا کو حیرت میں ڈال رہے ہیں۔ عرب کے اُمّی لوگوں۔ ریگستان کے رہنے والی ایک قوم۔ نے جو دنیا کے مہذب ممالک کے تمدن و تہذیب سے بہت دُور پڑے ہوئے تھے۔ جو کارہائے نمایاں دنیا میں کر دکھلائے۔ وہ اس قربانی کی بدولت ہی تھے جس کی سچی تڑپ ایک مزکّی معلّم نے ان کے دلوں میں پیدا کر دی تھی۔ یہ اس مسلمان قوم کی بنیادی اینٹیں تھیں۔ اور اگر یہ بنیاد ایسی مضبوط اور محکم نہ رکھی گئی ہوتی تو یہ قوم کبھی کی فنا ہو گئی ہوتی۔ اور مخالفت کی تند ہواؤں اور طوفانوں نے اس کو کبھی کا بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہوتا۔ مگر نہیں جس عمارت کے کونے کا پتھر ساری نبوتوں کا موعود نبیؐ تھا اور جس کی بنیادی اینٹیں وہ قدوسی تھے جو ایک کامل مزکّی کے ہاتھ سے پختہ ہو چکے تھے اسکو دنیا اور دنیا کے لوگ ہلا نہ سکتے تھے۔ مگر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی بعد یہ روح کم ہوتی چلی گئی۔ یہانتک کہ اس آخری زمانہ میں یہ پتہ بھی نہیں لگ سکتا کہ یہ مسلمان انہی لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں جنہوں نے وہ پہلے نمونے دکھائے تھے۔ مگر وہ خدائے علیم جس نے اس عمارت کی بنیاد ایسی محکم رکھی تھی اس نے ہی یہ بھی مقرر کر رکھا تھا کہ اس زمانہ میں پھر ایک شخص اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر مسلمانوں سے پھر وہ پاک وعدہ لے جو اُنکی ساری ترقیوں کا راز تھا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ خدا کے فضل سے اس ایثار کے روح کے نمونے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں اس وقت بھی پائے جاتے ہیں۔ اور حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی تعلیم کے نیچے احمدی قوم اسی راہ پر قدم مار رہی ہے۔ جناب مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی نے حال میں ہی ایک سچی قربانی کا نمونہ

دکھایا ہے۔ جناب مولوی صاحب موصوف لاہور ٹریننگ کالج کے پروفیسروں کے
سٹاف میں کام کرتے تھے۔ فنِ تعلیم میں ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ملکہ عطا فرمایا
ہے اور جہاں کہیں وہ اپنی گورنمنٹ سروس میں رہے ہیں قابل تعریف کام کرکے دکھایا
ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی ایک دو مرتبہ یہ کوشش کی گئی تھی کہ
مولوی صاحب موصوف کو تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری پر بلایا جاوے مگر بعض
وجوہات جو زیادہ تر امور خانگی سے پیدا ہوئیں اس کوشش کے پورا ہونے میں مانع رہیں
آخر اپریل ۱۹۰۹ء میں مولوی صدرالدین صاحب اپنے بعض احباب اور صدر انجمن احمدیہ
کی تحریک پر سوا سال کی رخصت لے کر تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری پر تشریف
لائے۔ اس رخصت کے اختتام پر ایک سال کی اور رخصت ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم
نے منظور کی۔ مگر اس سے زیادہ توسیع رخصت منظور نہ کی۔ اس دوسرے سال میں
یہ کوشش کی گئی کہ گورنمنٹ مولوی صاحب کو سرکاری ملازمت میں ہی رکھکر انکی خدمات
صدر انجمن احمدیہ کو منتقل کردے مگر اس کا آخری فیصلہ بعض قواعد کی روک کی وجہ سے یہ ہوا
کہ مولوی صدرالدین صاحب کی خدمات منتقل نہیں ہو سکتیں۔ پس اب دو ہی صورتیں
رہ گئی تھیں یا مولوی صدرالدین صاحب اپنی رخصت کے اختتام پر واپس چلے جاتے
یا سرکاری ملازمت کو چھوڑ دیتے۔ اس کا فیصلہ انہوں نے خلیفۃ المسیح نے انہیں خانگی
رکاوٹوں کی وجہ سے یہ فرمایا کہ اگر مولوی صاحب شرح صدر سے ان رکاوٹوں کی پروا نہیں
کرتے اور وہ رکاوٹیں انکے لئے کسی وقت باعث ابتلا نہ ہوں تو وہ سرکاری ملازمت کو ترک
کردیں۔ ورنہ نہیں۔ اسپر جناب مولوی صدرالدین صاحب نے شرح صدر سے ان تمام
روکوں کو جو دنیوی رنگ کی تھیں دین کی خاطر قربان کر دیا۔ اب جبکہ وہ یہ قربانی کر چکے
ہیں تو میرا یہ ذکر کرنا بے فائدہ ہے کہ محکمہ تعلیم میں وہ کس قدر ترقی کر سکتے تھے۔ سال
گذشتہ میں انسپکٹر صاحب مدارس نے سالانہ معاینہ کے وقت خود مجھ سے گفتگو کرتے
ہوئے جناب مولوی صاحب کے متعلق یہ فرمایا تھا کہ وہ بہترین ہیڈ ماسٹروں میں سے ہیں
جو کسی عمدہ سے عمدہ سکول کی ہیڈ ماسٹری کر سکتے ہیں۔ خود ہمارے ہائی سکول میں ہم

دیکھتے ہیں کہ انکی نگرانی کے نیچے سکول کس طرح ترقی کر رہا ہے۔ اس کے متعلق اس موقعہ پر مَیں اسی قدر ذکر کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح ؑ نے عزیز عبدالحی سلمہ ربہ کو اس سال بورڈنگ ہوس میں داخل کرنا ہی یہ بتانے کے لیئے کافی ہے کہ بورڈنگ ہوس میں بچوں کی تعلیمی اخلاقی اور دینی نگرانی کس قدر ہوتی ہے حالانکہ اسوقت بورڈنگ ہوس سکول سے کوئی آدھ پون میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں سے خصوصاً گرمی کے موسم میں آنے جانے میں ضرور تکلیف ہوتی ہے پھر یہ بھی یقینی بات ہے کہ کھانے پینے کے متعلق جس قدر آرام بچوں کو اپنے گھروں میں مل سکتا ہے۔ وہ بورڈنگ ہوس میں نہیں مل سکتا مگر ان رکاوٹوں کی آپنے کچھ پروا نہیں کی بلکہ اب تو آپ کا چھوٹا بچہ عبدالسلام جسکی عمر قریباً ساڑھے پانچ سال ہے وہ بھی باہر بورڈنگ ہوس میں ہی اپنے بھائی کے ساتھ رہتا ہے۔ مَیں اس امر کو احباب کے سامنے خصوصیت سے پیش کرتا ہوں تاکہ وہ اس نمونہ کو اختیار کریں اور اپنے امام کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ مَیں کسی خاص شخص کو مخاطب نہیں کرتا بلکہ سب بھائیوں کو مخاطب کرتا ہوں کہ انکے بچوں کے لیئے خالص دینی۔ پھر دینی اور دنیوی۔ دونوں قسم کی تعلیم کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت عمدہ انتظام ہے۔ اب وہ کس وقت کی انتظار میں ہیں جب اپنے بچوں کو اس درس گاہ میں تعلیم کے لیئے بھیجیں گے۔ کاش وہ اسوقت کی محبت پر۔ یا بعض فرضی رکاوٹوں پر۔ اپنے بچوں کی آیندہ کی بہبودی کو ترجیح دیں۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے بچوں کو ہی یہاں بھیجکر احمدی قوم کے نشو و نما میں معاون بنیں۔

تعمیر کا کام جہانتک بورڈنگ ہوس کا سوال ہے غالباً تین چار ماہ کے اندر اندر ختم ہو جائے گا مالی مشکلات کے متعلق علیحدہ چٹھیوں کے ذریعہ احباب کو توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر جگہ انجمنیں اور احباب چندہ تعمیر کے بقایوں کو ادا کرنے کی طرف بہت جلد توجہ فرماویں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس چٹھی کا جواب بہت جگہ سے دلخوش کن آیا ہے۔ سب سے پہلے جناب منشی غلام رسول صاحب سب انسپکٹر نے ایک سو روپے کا وعدہ فرمایا ہے جماعت لاہور میں جو تحریک ہوئی ہے اس سے جیسا کہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب سکرٹری انجمن و حکیم محمد حسین صاحب قریشی فنانشل سکرٹری انجمن کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے

امید ہوتی ہے کہ دو ہزار روپے تک وہاں سے آجاوے گا۔ مردان سے کچھ روپیہ آگیا
ہے اور کچھ اور بھیجنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ علیٰ ہذا پشاور سیالکوٹ وغیرہ مقامات سے
اطلاع آئی ہے کہ ہر جگہ کوشش کی جارہی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے ہی دعا ہے کہ وہ
آپ دلوں میں تحریک کرے کیونکہ اخلاص اور جوش سے جو کام ہوتا ہے وہی بابرکت
ہوتا ہے اور اخلاص کا پیدا کرنا محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ان دو تین ماہ
کے اندر کام کی تکمیل کے لیئے دس ہزار روپے کی ضرورت ہے ٭

یتیم فنڈ۔ اس فنڈ میں بھی اس وقت روپیہ ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ گذشتہ ماہ میں
کچھ اس نے بقایا رہ گیا تھا۔ اس ماہ میں حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کمی کو دیکھکر ایک سو
روپیہ اس فنڈ میں دیا ہے۔ .. .. احباب بھی توجہ فرماویں ٭

لنگرخانہ کی جدید عمارت پکے مہمانخانہ کے سامنے تیار ہو رہی ہے۔ گو بارشوں
کے قبل از وقت شروع ہو جانے سے کام میں کچھ حرج ہوا ہے مگر امید ہے کہ
انشاء اللہ جلد مکمل ہو جاوے گی ٭

بھٹہ کا کام عنقریب بند ہونے والا ہے۔ قریب بارہ تیرہ لاکھ اینٹ کے تیار ہو گئی
ہے جو ہسپتال وغیرہ دیگر ضروری عمارات کے کام میں آتی رہے گی ٭

تعلیم الاسلام۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیکچر مہوتسو کا انگریزی ترجمہ
جو بصورت کتاب ولایت میں چھپا ہے اس کی تیرہ سو کاپی جہاز پر روانہ ہو چکی ہے۔
اور آج کل کراچی پہنچ جاوے گی۔ مجلد دو سو صفحوں کی کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی
گئی ہے اور بہت سا حصہ مفت تقسیم ہوگا یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلمان کے پاس
جو انگریزی سمجھ سکتا ہو اس کی ایک کاپی رہے ٭

خاکسار

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

٭ حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے جس قدر محنت وصولی چندہ کیلئے اٹھائی ہے وہ بہت ہی قابل قدر ہے انہوں نے

ریویو

ایک معزز شیعہ کے خط کا جواب۔ حضرت مسیح و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے۔ جو اعلیٰ درجہ کے حقائق و معارف سے بھرا ہوا ہے۔ اور مفت تقسیم کرنے کے لیئے شائع کیا گیا ہے ملنے کا پتہ محمد صدیق احمدی رجمنٹل بازار چھاؤنی میرٹھ۔

علمائے خلف۔ مؤلفہ میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق و رسالہ احمدی۔ ترا ہیرام خان دہلی۔ میر صاحب موصوف نے وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا پر عمل کرکے اپنے رسالہ احمدی میں مخالفین کی تحریروں کا ترکی بترکی جواب دینا شروع کیا ہے۔ چنانچہ رسالہ علمائے خلف میں جو رسالہ احمدی کے چند نمبروں کا مجموعہ ہے۔ مخالفین سلسلہ کے دجل و افترا کا عموماً اور میاں ثناء اللہ امرتسری کے کذب و افترا کا خصوصاً خوب قلع قمع کیا گیا ہے۔ ۱۹۲ صفحہ کی کتاب ہے قیمت ۸؍

حضرت مسیح کی آمد ثانی۔ یسوع اور یسوع کی بھیڑوں کا روحانی نقشہ۔ مؤلفہ شیخ رحیم بخش صاحب رابرٹ جیبٹ نو مسلم واعظ اسلام۔ چونکہ شیخ صاحب عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے انکی تحریرات گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کا اثر رکھتی ہیں۔ کتاب زیر ریویو کا نفس مضمون تو اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ بطور سوال و جواب کے تالیف کیگئی ہے۔ جو انہوں نے اپنی مرحومہ بیوی مسز الفت بیگم سے کیئے تھے۔ جسکے بعد وہ مسلمان ہوگئیں۔ رعایتی قیمت ۳؍ مؤلف سے مل سکتی ہے۔ امرتسر۔ ہاتھی دروازہ۔ کوچہ قادر لوگڈھ۔ دفتر راجپوتان

رسالہ کشف الحقیقت۔ مؤلفہ خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی اسمیں آیت کریمہ یوم یکشف عن ساق کی تفسیر کیگئی ہے اور عام لغات۔ لغت قرآن و حدیث۔ تفاسیر اور اشعار عرب کے حوالہ سے ایک آریہ کے اس اعتراض کا دفعیہ کیا گیا ہے کہ اس آیت سے خدائے تعالیٰ کی جسمیت ثابت ہوتی ہے۔ ہمیں اس تفسیر سے پورا اتفاق ہے مگر ہم اس بات کو نوٹ کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس رسالہ کے آخر میں تشیع کی تعلیم کو بلا ضرورت داخل کردیا گیا ہے۔ اگر یہ رسالہ اس مخفی ملاوٹ سے پاک ہوتا تو بہت اچھا تھا۔ ۴۲ صفحہ کا رسالہ قیمت ۲؍ مصنف سے مل سکتی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم اور آج کل کے مسیحی

بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ بکجا

امریکہ کا ایک مسیحی اخبار آجکل کے مسیحیوں کا اور خصوصاً گرجا میں جانے والے مسیحیوں کی حالت کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچتا ہے :-

مسیحؑ کے زمین پر واپس آنے اور روزمرہ کی زندگی کے متعلق حضرت مسیحؑ کے خیالات کا نقشہ بسا اوقات ہمارے سامنے کھینچا جاتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ اُسی وقت بھلا بھی دیا جاتا ہے اس سے ہم اُس تغیر کا کسی قدر اندازہ لگا سکتے ہیں جو آجکل کے مسیحیوں کے خیالات میں پیدا ہوگیا ہے۔ مسیح علیہ السلام کی تعلیم کے متعلق ابتدائی زمانہ میں جو مسیحیوں کے خیالات تھے اُن میں اور آجکل کے مسیحیوں کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ جس مسیحیت کا آجکل وعظ کیا جاتا ہے اور جس مسیحیت پر آجکل عملدرآمد ہے وہ ابتدائی زمانہ کی مسیحیت سے بالکل نرالی ہے ہم نے مسیح کے نقش قدم پر چلنا چھوڑ دیا ہے اور ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ایک گنہ گار کو دیکھ بھی سکیں۔ ہمیں ایک دوسرے میں فرق کرنا خوب آتا ہے اور جو خلیج ہمارے درمیان اور غریب گنہ گاروں کے درمیان واقع ہے وہ ایسی چوڑی اور ناقابل گذر ہے جیسا کہ اُس زمانہ میں تھی جب مسیحیوں کا اس مقولہ پر عملدرآمد تھا "مسیحؑ کا اقرار کرو ورنہ ملعون ہو کر سزا کے مستحق ٹھہر جاؤ گے" امریکہ کے کسی شہر کے امرا کا گرجا لو۔ کیا وہ پسند کرینگے کہ شہر کے لنگڑے۔ اپاہج۔ اور مفلس لوگ اُنکے عالیشان گرجے میں جو پبلک عبادت کیلئے بنایا گیا ہے قدم رکھیں۔ کیا ان گرجوں کے دربان ایک غریب ادنیٰ درجہ کی عورت کو ساتھ لے کر گرجا میں کسی ایسی سیٹ پر جاکر بٹھانا پسند کرینگے جہاں سے وہ اُس پیغام کو سن سکے جو مسیحؑ کل دنیا کے لیئے لایا۔ نہیں بلکہ غالباً گرجے کے دربان پولیس کو اطلاع دیں گے کہ ایسے منحوس مداخلت کنندگان کو احاطہ سے نکالدیں اور اُنکو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ہم نے اپنی طرف سے درجے تجویز کر لیئے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ ادنیٰ درجہ کے لوگ اُن گرجوں میں مسیح سے تسلی طلب کریں جو اُن کے لیئے اُنکے غلیظ محلوں میں تیار کرائے گئے ہیں اور اُن کو

اُن عالیشان گرجاؤں میں داخل نہیں ہونا چاہیئے جو اُمراء کے لیئے تجویز کیئے گئے ہیں۔

اس مسیحی اخبار کا ایڈیٹر امریکہ کی حالت پر افسوس کرتا ہے شائد اُسکو معلوم نہیں کہ جن غیر ملکوں میں مسیحی مذہب کے واعظ انجیل کی منادی کرانے کے لیئے تشریف لے جاتے ہیں وہاں بھی یہی تمیز موجود ہے۔ کالے لوگوں اور نیٹو صاحبان کے گرجے الگ ہیں اور یوروپین صاحبان کے گرجے الگ ہیں۔ اخبار مذکور اپنے ملک کے متعلق شہادت دیتا ہے کہ اگر کوئی بچاری غریب عورت بھولے سے کسی ایسے گرجے کی طرف چلی جاوے جو بڑے لوگوں کے لیئے بنایا گیا ہے تو اُسکو دربان پکڑ کر نکال دینگے اور اگر وہ اسی جگہ مسیح سے تسلّی حاصل کرنے پر اصرار کرے تو پولیس کے ذریعہ اُس کو نکال دیں گے۔ مَیں کہتا ہوں اگر خود حضرت یسوع مسیح (علیہ السلام) بالفرض دوبارہ دنیا میں آجائیں یا اُن کا کوئی حواری آجائے اور اُن کا لباس اعلیٰ سوسائٹی کے فیشن کے مطابق نہ ہو اور اُن کا گذر یورپ یا امریکہ کے کسی گرجا کی طرف ہو تو شائد دربان اُن سے بھی وہی سلوک کریں۔ جو غریب بڑھیا سے کرینگے اور خواہ مسیح ہزار دفعہ یقین دلائے کہ مَیں تمھیں تسلّی دینے کے لیئے آیا ہوں اُس کی ایک نہیں سُنی جائے گی۔ اگر کوئی مسیحی کہے کہ وہ تو بڑے جلال کے ساتھ آئے گا تو یہ کہنا غلط ہے کیا اُس کی آمد اوّل کے متعلق جلالی آمد کی پیشگوئیاں نہ تھیں مگر جب وہ ظاہر ہوا تو یہودیوں کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا کر عجز و انکسار کی حالت میں ظاہر ہوا اور پھر اُس کی دوبارہ آمد کے متعلق تو لکھا ہے کہ وہ چور کی طرح آئے گا۔ یعنی ایسے بھیس میں آئیگا کہ ہر ایک شخص اُس کو نہیں پہچان سکے گا۔ مسیحیو! مساوات کا سبق اسلام سے سیکھو۔ اسلامی مساجد میں بادشاہ و گدا ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اپنے خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور اسلامی خدا کے دربار میں فقیر و امیر کی کوئی تمیز نہیں! خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یعنی بڑائی مال اور مرتبہ میں نہیں ہے بلکہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک تم میں بڑا اور باعزت وہ ہے جو دوسروں سے تقویٰ میں بڑھا ہوا ہے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

چندہ سالانہ عوام سے عا طلبا سے عہ

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

ریویو

کرامات المہدی :۔ مرتبہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل۔ اس رسالہ میں قاضی صاحب موصوف نے حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ۱۳۲ نشانات کو جمع کیا ہے اور آخر میں مختصر طور پر مندرجہ ذیل مضامین پر بحث کی ہے (۱) وفات مسیحؑ (۲) ابن مریم سے مراد اس کا مثیل ہے (۳) وقت نزول (۴) مقام نزول (۵) خاص مسیحؑ کے نشان۔ یہ رسالہ بہت مفید ہے اور تھوڑے سے حجم میں بہت سے مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے خصوصاً وہ حصہ جس میں نشانات کی فہرست دی گئی ہے نہایت مفید ہے۔ گویا حضرت مسیح موعودؑ کے نشانات کا ایک آئینہ ہے ۱۸ صفحہ کا رسالہ قیمت ار؎ ملنے کا پتہ محمد یامین مہاجر تاجر کتب قادیان۔

تاریخ اسلام کے دلچسپ واقعات :۔ اس نام کا ایک رسالہ منشی غلام قادر صاحب فصیح نے شہر سیالکوٹ سے جاری کرنا شروع کیا ہے جس میں اسلامی تاریخ کے واقعات با ترتیب شائع کیے جاتے ہیں۔ اس رسالہ کی آجکل کے مسلمانوں کو بہت ضرورت تھی کیونکہ وہ اسلامی تاریخ سے عموماً بالکل ناواقف ہیں۔ علاوہ ازیں ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے حالات پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور صحابہ کرام کی راستبازی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے یہ ایک ایسی قوم تھی جسکی نظیر نہ کبھی پہلے پیدا ہوئی اور نہ آئندہ گمان ہوسکتا ہے کہ کبھی پیدا ہو۔ ان کے حالات پڑھنے سے انسان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ رسالہ زیر ریویو میں حضرت ابو بکرؓ کے حالات قابل دید ہیں۔ ہر ماہ میں عموماً ۴۵ صفحے کے دو رسالے شائع ہوتے ہیں۔ جو بعد میں کتاب کی شکل میں جمع ہو سکتے ہیں۔ قیمت سالانہ للعہ ششماہی عا رسہ ۳ ماہی عہ۔

اقیموا الصلوٰۃ :۔ اس رسالہ میں شیخ عبد الرحیم صاحب قادیانی مصنف رسالہ الذکر نے نماز کی حقیقت اور اُس کے ادا کرنیکے شرائط کو نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ جو شخص اس رسالہ کو پڑھیگا انشاء اللہ تعالے ضرور اُس سے بیش بہا روحانی فائدہ حاصل کریگا کاغذ اور چھپائی بہت عمدہ ہے قیمت صرف ا؎ ملنے کا پتہ شیخ عبد الرحمٰن قادیانی تاجر قادیان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون ۝ فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شیءٍ والیہ ترجعون ۝

حقیقی سُکھ کی راہ

مرقومہ جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب

انسان کے حقیقی سُکھ کا معیار بوجہ اختلاف مذاق اختلاف طبیعت اختلاف عادات مختلف ہونا چاہیئے اور مختلف ہے۔ اور اسی لیئے اگر سُکھ کی تعریف کی جائے تو وہ یہی ہو سکتی ہے کہ ایک انسان کے ارادوں اور خواہشوں کا ہمیشہ پورا ہوتے رہنا۔ اس کے حصول کے لیئے مخلوق نے تین راہیں اختیار کی ہیں (۱) ایک تو وہ راہ ہے جو مادی لوگوں نے اختیار کی ہے اور جنہوں نے خلق سے فائدہ اُٹھانا چاہا ہے اُس کے تین بڑے ذریعے ہیں۔ سلطنت۔ دولت علم مخلوقات۔ اپنے ارادوں کے پورا کرنے کے لیئے انسان نے یہ کوشش کی کہ وہ مُلک پر زمین پر۔ نباتات پر۔ مویشیوں پر۔ دوسرے انسانوں پر قبضہ کرے تا اُس کو اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں مدد ملے۔ اسی کا نتیجہ دنیا میں سلطنتیں اور حکومتیں ہیں۔ جو اس طرح کامیاب نہیں وہ طرح طرح سے دولت کماتے ہیں تا روپے کے زور سے وہ بات حاصل کریں جو دوسروں کو حکومت سے ملی۔ اور پھر تیسرا ذریعہ علم سائینس ہے جس کے ذریعہ طرح طرح کی ایجادیں دنیا میں کی گئیں۔ حتیٰ کہ اُن کے ذریعہ انسان نے اپنے ارادوں کی تکمیل میں عناصر تک سے مدد لی۔ مگر بایں ہمہ یہ ناممکن ہے کہ انسان کے

کُل ارادے پورے ہوجائیں۔ ہر ایک امر اُس کی خواہش کے مطابق ہو۔ بڑے بڑے شہنشاہوں۔ دولتمندوں۔ ڈاکٹروں۔ موجدوں کو حسرت۔ بے کسی۔ بے بسی۔ دُکھ مصیبت وغیرہا کا ویسا ہی شکار پایا جاتا ہے جیسا ایک ادنیٰ فرد بشر۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اُنہوں نے ایک حد تک سکھ کو پایا اور اپنے ارادوں کے پورا کرا لینے میں ایک حد تک کامیابی حاصل کی۔ مگر آگے وہی بے بسی ہے جو لازمۂ مخلوق ہے (۲) دوسری وہ راہ ہے جو مسمرائزر لوگوں کی ہے اس قوم نے نفس سے فائدہ اُٹھانا چاہا ہے اُنہوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ دراصل خود انسان کے اندر ایسی ایسی قوّتیں مخفی ہیں کہ انسان عظیم الشان ترقی کر سکتا ہے اور یہ تمام عالم انسان کے نفس کے مقابل میں عالم صغیر ہے اور خود نفس عالم کبیر ہے۔ اُنہوں نے مختلف طریقوں سے مجاہدات کر کے اپنی ارادی قُوّت کو بڑھایا۔ اور اُس سے فائدہ اُٹھایا اور سُکھ کے حصول میں مادی لوگوں سے آگے بڑھ گئے۔ جو ارادہ ایک بادشاہ یا ایک امیر کسی طرح پورا نہیں کر سکتا وہ بعض حالتوں میں ایک مسمرائزر کر سکتا ہے اسی قُوّت ارادی کے کرشمے اس زمانہ میں لوگوں نے مشاہدہ کیئے ہیں۔ جو بڑی بڑی مادی طاقتوں سے بھی بڑھکر ثابت ہوئے ہیں مگر آخر ایک حد پر جاکر یہ بھی رہ گئے۔ کیونکہ انسان ایک محدود ہستی ہے اور اُس کی قُوّتیں بھی لازماً محدود ہیں۔ وہ وہیں تک ترقی کرے گا جہانتک اُس کی استعداد ہے وہ اپنی ارادی قُوّتوں کو وہیں تک کام میں لا سکتا ہے جہاں تک اُس کا ارادہ دوسروں پر غالب آسکتا ہے۔ دنیا میں ایسی بہت سی قُوّتیں موجود ہیں جن پر اُن کا ارادہ غالب نہیں آسکتا۔ خود بعض انسان قدرتی طور پر زبردست ارادی قُوّت اپنے اندر رکھتے ہیں جن پر ایک مسمرائزر کی توجہ غالب نہیں آسکتی یا ایک جماعت پر وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مجموعی قُوّت اُس اکیلے انسان کی قُوّت سے بڑھ جاتی ہے۔

پھر باایں ہمہ ایسا انسان اخلاق فاضلہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ وہ رات دن اپنی خواہشات کا تابع ہوتا ہے۔ انسان کے اندر بُری بھلی سب ہی قسم کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ جو انسان دن رات اپنی خواہشوں کے تابع ہے وہ کبھی نیکی کے اعلیٰ معیار پر نہیں پُہنچ سکتا۔ اگر قُوّت ارادی سے کسی شخص کو نیکی کی طرف مائل کر سکتے ہیں تو اُسی قُوّت ارادی سے ایک عورت سے ناجائز تعلق بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ کسی کی بیماری کو دُور کر سکتے ہیں تو کسی کو اپنے ناجائز فائدہ کی خاطر

بیمار بھی ڈال سکتے ہیں۔ غرضکہ یہ ایک بڑی خطرناک راہ ہے۔ اور ایسا انسان نفس کے تاج اور اخلاق فاضلہ سے محروم ہوتا ہے۔ پھر ان خواہشات کی اتباع سے انسان بڑے بڑے نقصان بھی اُٹھاتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک خواہش یا ارادہ جو انسان کے قلب میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ انسان کے لیئے مفید ہو۔ بلکہ بارہا وہ نہایت مضر ہوتا ہے۔ اس لیئے ایسا انسان اکثر اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی بھی مار لیتا ہے اور چنانچہ ایسے لوگوں کا انجام بالعموم ہلاکت ہوتا ہے۔ پھر سب سے بڑھکر یہ کہ باوجود اتنی ریاضتوں اور محنتوں کے یہ حالت ایک قلیل مدت کے لیئے ہوتی ہے یعنی موت کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا دو راہوں پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں راہیں حقیقی سکھ کی نہیں۔ کیونکہ محدود ہیں کیا باعتبار ترقی اور وسعت کے اور کیا باعتبار زمانہ کے یعنی ایک حد تک سکھ پہنچا سکتی ہیں اور بس اور پھر یہ کہ فانی ہیں ہمیشہ کے لیئے نہیں ہیں جہاں اس وجود اور عالم کو چھوڑا اُس کے ساتھ اس کی قوتیں اور طاقتیں بھی رخصت ہو گئیں (۳) اب تیسری راہ اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے خدا کو اختیار کیا اور وہ انبیاء ہیں۔ اُنہوں نے انسانی نفس اور تمام مخلوقات کا عجز دیکھکر اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ در اصل حقیقی سکھ کے حصول کا صحیح طریق یہی ہے کہ اُس ذات کے ساتھ تعلق پیدا کیا جائے جو ہر ایک عجز اور نقص اور کمزوری اور فنا اور زوال سے پاک ہے۔ اور وہ سب پر غالب ہے اور جو ارادہ کرتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اُس کے آگے کوئی چیز جس کا وہ ارادہ کرے اَن ہونی نہیں عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ اور علم تام رکھتا ہے اور ہر ایک چھپی کھلی بات اور ہر ایک غیب کو جانتا ہے۔ اور ہر ایک نفع و نقصان اُسی کے ہاتھ میں ہے اور جو چاہے پیدا کر سکتا ہے اور جو چاہے مٹا سکتا ہے اور وہ اللہ ہے جو اس تمام موجودات عالم کا خالق اور مالک ہے۔ جب دنیا کے بادشاہوں کے ساتھ جو خود عاجز مخلوق ہیں تعلق پیدا کرنے سے انسان ایک حد تک سکھ پاتا ہے تو جو حقیقی بادشاہ اور مالک الکل ہے اُس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ابدالآباد کیلیئے کیسا کامل سکھ انسان حاصل کر سکتا ہے۔ اب یہ سچی بات ہے کہ بادشاہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ اُس کا فرمانبردار بنے اور فرمانبرداری محبت اور اخلاص پر

مبنی ہو نہ کہ ظاہر داری پر اور ہر حالت عسر و یسر میں یکساں فرمانبرداری کرے اسی طرح خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں بھی ضرور ہے۔ کہ وہ خدائے تعالیٰ کی سچی فرمانبرداری اختیار کرے اور اُس کے کسی امر سے کبھی بھی خواہ دُکھ میں ہو یا سکھ میں باہر نہ ہو اور کامل اخلاص اور محبت سے اُسکی فرمانبرداری کرے۔ فرمانبرداری کے دو رنگ ہیں ایک تو یہ کہ جو احکام اوامر و نواہی کے خدا نے الہام کے ذریعہ ظاہر فرمائے ہیں (کیونکہ الہام ہی کے ذریعہ اُس کی مرضی کا صحیح علم ہو سکتا ہے) اُن کی سچّے اخلاص سے کامل اطاعت کرے دوسرے یہ کہ جو تقدیر خدا کی طرف سے جاری ہو خواہ وہ سُکھ ہو یا دُکھ ہو اُس کو بخوشی اور برضا و رغبت اور کامل محبت سے برداشت کرے گویا ہر حالت میں خدا کی حکومت کو اپنے اوپر قبول کرے اور اُس کے اپنے دل میں کوئی خواہش سوا اسکے نہ ہو کہ خدا راضی ہو۔ یعنی ہر آن ہر گھڑی خدا ہی مطلوب مقصود محبوب اور معبود ہو۔ اور یہی معنے لا الٰہ الا اللّٰہ کے ہیں جو تمام نبیوں کا کلمہ ہے۔ اور اس میں یہانتک فنائیت ہو کہ اپنی کُل خواہشات اور ارادوں کو خواہ دنیا کے لیئے ہوں یا آخرت کے لیئے بکلی ترک کر دے اور خدا کے ارادوں کے ماتحت ایک بے جان مشین کی طرح اپنے تئیں ڈالدے۔ کوئی بات کوئی حرکت اپنی خواہش یا ارادہ سے نہ کرے یعنی اپنی ہستی سے بالکل فنا ہو جائے اور خدا کے ارادوں کی گاڑی کے چلنے کے لیئے وہ بطور سڑک کے ہو۔ اور یہی معنے عبد کے ہیں۔ جب اس حالت پر انسان پُہنچ جاتا ہے اور اُس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں رہتا۔ اور تمام ارادوں اور خواہشوں سے بکلی پاک ہو جاتا ہے اور اُس کے دل میں سوا خدا کے اور کوئی مطلوب نہیں ہوتا تب خدا اُس کی طرف رحمت اور محبت سے نظر کرتا ہے کیونکہ اب وہ تمام قسم کے شرک کی گندگیوں سے پاک ہو کر آیا ہے اور خواہشات اور نفسانی ارادوں کے بُت ٹوٹ گئے ہیں۔ اور دل کا حرم اب اس لائق ہے کہ اُس میں خدا نازل ہو پھر خدا کا اُس بندہ کے ساتھ ایسا شدید تعلق ہو جاتا ہے کہ اُس بندہ کے تمام قول و فعل خدا میں ہو کر سرزد ہوتے ہیں چنانچہ اس گروہ کے سرتاج حضرت محمد مصطفٰے صلعم نے جب بدر میں اپنی فوج کی حالت نازک دیکھی تو ایک مٹھی کنکری کی کفار کی طرف پھینکی جس کے پھینکتے ہی ایسی سخت ہوا کفار کے خلاف

چلی کہ تمام بیابان کے کنکر پتھر کفار کے منہ پر پڑنے لگے اور اُنہیں شکست ہوگئی۔ چنانچہ قرآن کریم میں وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی اسی امر کے متعلق آیا ہے یعنی تُو نے کنکریاں نہیں پھینکیں بلکہ خدا نے پھینکی تھیں۔ اور بائبل میں بھی اسی کی پیشین گوئی ہے کہ اُس کا دایاں ہاتھ مہیب کام دکھائیگا*۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی صحت پر مبنی ہے جس کا انکار نہیں ہوسکتا۔ غرضکہ انبیاءؑ اور اولیاءؒ اور باخدا لوگوں کے حالات میں ہزارہا ایسے اتفاقات موجود ہیں جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ خدا کا نہایت شدید تعلق ہوتا ہے اور خدا ہر مقام پر اِن کی نصرت کرتا اور انکے دشمنوں کا دشمن ہوتا ہے جدھر ان لوگوں کا منہ ہوتا ہے اُسی طرف خدا کا منہ ہوتا ہے اس زمانہ کو بھی خدا نے خالی نہیں چھوڑا چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ السلام کا واقعہ تمام دنیا پر روشن ہے اور اُن کے ہاتھ پر تازہ بتازہ نشان ایک عالم نے دیکھے۔ غرض اس مقام پر انسان پر ایک قسم کی موت وارد ہو کر ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور انسان مثل بچہ معصوم کے ہوتا ہے اور جس طرح ماں باپ بچہ کی ہر ایک ضرورت کے متکفل ہوتے ہیں اور اُس کو ہر طرح راضی اور خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس انسان کی ہر ایک ضرورت کا متکفل ہوتا اور اُس کو ہر طرح راضی رکھتا ہے اور اُسکی ہر خواہش کو پورا کرتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے ولھم مایشتھون۔ یعنی جو خواہش کرینگے اُن کے لئے مہیا کی جاویگی۔ مگر یہ یاد رہے کہ اُس بندہ کے قلب میں کوئی ایسی خواہش نہیں اُٹھتی جو نفس کی طرف سے ہو اور کوئی ارادہ نفس کی طرف سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک خواہش یا ارادہ جو اُس کے قلب میں اُٹھتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا اور خدا کے ارادہ اور رضا کے ماتحت ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس بندہ کا ارادہ تمام دنیا کے ارادہ پر غالب آتا ہے اور جس امر کا وہ ارادہ کرتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے۔ کیونکہ وہ دراصل خدا کا ارادہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم کا واقعہ دنیا کو معلوم ہے کہ کس طرح ایک ایسے زمانہ میں جو شرک اور فسق و فجور سے بھرپور تھا اور بالخصوص جبکہ عرب کا ملک شیطان کا تخت گاہ بنا ہوا تھا آپنے خود عرب میں آکر ایسا توحید اور نیکی کا نور پھیلایا کہ نہ صرف عرب ہی اُس سے روشن ہوگیا بلکہ تمام عالم اُس کی چمک سے جگمگا اُٹھا۔ کیا تمام عرب اور ایران اور روم و مصر کی متفقہ قوتوں نے

* زبور ۴۵-۳ و ۴

اُسے روک دیا ہرگز نہیں۔ یہ اسی لیئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ دراصل خدا کا ارادہ تھا۔ خدا کے ارادوں کے مقابل میں مخلوق کا ارادہ کیا ہستی رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی مثالیں موجود ہیں۔ باوجود مخالفتوں کے آخر وہی ہوا جو انہوں نے چاہا تھا۔ پھر یہی نہیں کہ انسانوں پر ہی اُس کا ارادہ غالب آتا ہے بلکہ چاند سورج اور ملائکہ تک فرمانبرداری کرتے ہیں ملائکہ کو آدم کی فرمانبرداری کے حکم کا یہی راز تھا اور یوسفؑ کے رؤیا میں چاند سورج اور ستاروں کو اپنی فرمانبرداری کرتے ہوئے دیکھنے کی یہی تعبیر تھی ۔

غرض یہ وہ مقام ہوتا ہے کہ جہاں بندہ اپنے رب کی گود میں (جو حقیقی سکھ کا سرچشمہ ہے) جا پڑتا ہے۔ اس طرح نہ صرف وہ اپنے لیئے ہی مفید ہوتا ہے۔ بلکہ غیر کے لیئے بھی۔ اپنے لیئے تو یُوں کہ لا انتہا ترقی کا دروازہ اُس پر کھل جاتا ہے جس طرح خدا کی ربوبیت کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح بندہ کی ترقی کی پھر کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اور ابدی خدا میں ہو کر وہ ابدی زندگی پاتا ہے۔ اور اخلاق فاضلہ کو حاصل کرتا ہے اور خدا کی مختلف صفات کا وہ مظہر ہوتا ہے۔ غیر کے لیئے یوں کہ وہ اپنے ان صفات سے مخلوق کو نفع پہنچاتا ہے وہ خدا کے رحم سے حصہ لیتا ہے وہ رحیم ہوتا اور دنیا کی مخلوق پر شفقت کرتا اور اُنہیں نفع پہنچاتا۔ وہ پھر اُنہیں اُسی راہ پر چلانے کی کوشش کرتا اور چلنے میں مدد دیتا ہے جس پر چلکر وہ خود کامیاب ہوا اور حقیقی راحت کا وارث بنا۔ غرض وہ دنیا کے لیئے ہادی اور نور ہوتا ہے۔ اور ایک نافع وجود ہوتا ہے ۔

ممکن ہے کہ یہاں کوئی اعتراض کرے کہ کبھی نبیوں کو بھی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ وہ تکالیف صرف ترقی درجات کے لیئے ہوتی ہیں۔ جس طرح ایک شفیق باپ اپنے بچہ کو سکول اور کالج اور اُنکے سخت سے سخت امتحانوں کی تکالیف میں ڈالدیتا ہے تا وہ بچہ ترقی کرے اور یہ محبت کا نتیجہ ہے اسی طرح کبھی خدا بھی اپنے برگزیدوں کو تکالیف میں ڈالتا ہے مگر اُس کا مطلب بھی وہی ترقی ہوتا ہے۔ اور جس طرح ایک سمجھدار بچہ ایسے شفیق باپ کا شکرگذار ہوتا ہے جو اُسے تعلیم کے لیئے سکولوں میں ڈالتا ہے اسی طرح وہ اپنے رب کا شکرگذار رہتا ہے کہ وہ اُس کی ترقی کے سامان پیدا کرتا ہے اور وہ خوش ہوتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ اس کے اندر بہت بڑا انعام مخفی ہے۔ وہ تکلیف اُسکے لیئے عین راحت ہوتی ہے۔ اور راحت کا کمال بھی

یہی ہے کہ وہ حالت بھی جسے دنیا مصیبت سمجھتی ہے بندہ کو عین راحت معلوم ہو۔ غرض کسی حالت میں بھی وہ راحت سے باہر نہیں ہوتے بلکہ ہر وقت وہ راحت و آرام میں ہوتے ہیں۔

امید ہے کہ اب یہ بات صاف ہو گئی ہو گی کہ نبیوں کی راہ ہی راحت حقیقی کی راہ ہے۔ مادی لوگوں اور مسمرائزر لوگوں نے مخلوق سے یہ فائدہ اُٹھانا چاہا تھا اور نبیوں نے خالق سے۔ مادی انسان نے خلق کو لیا۔ مسمرائزر نے نفس کو لیا۔ نبی نے خدا کو لیا۔ نبی کامیاب ہوا کیونکہ وہ حقیقت کو پہنچ گیا۔ خالق کا طالب ہوا۔ پہلے دو مخلوق کے طالب ہوئے اور ناکام رہے مادی لوگوں اور مسمرائزر لوگوں کا مطلوب و مقصود یہ دنیا اور اُس کے عیش و آرام تھے۔ نبی کا مطلوب و مقصود خدا تھا جو سرچشمہ ہے تمام سُکھوں کا اور مالک ہے تمام دنیا و آخرت کا۔ مادی لوگوں نے اپنے ارادوں کے پورا کرنے کے لیئے اسباب خلق سے کام لیا۔ مسمرائزر لوگوں نے خود اپنے ارادی قوتوں کو بڑھایا۔ مگر نبی نے اپنے کل ارادوں کو چھوڑ دیا۔ اور اپنی ساری توجہ خدا کے لیئے کر دی اور فائز المرام ہوا - یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بعض لوگ نادانی سے کہدیتے ہیں کہ مسمرائزر میں اور نبی میں فرق کیا ہے۔ اجی فرق تو جب ہو کہ کچھ مشابہت ہو۔ یہ تو ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ ایک ارادہ کو بڑھاتا ہے۔ دوسرا اُسے مٹاتا ہے ایک تو اپنی خواہشوں کو فنا کر چکا ہے۔ غرض رات اور دن اور ظلمت اور نور کا سا فرق ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسمرائزر ناکام ہوتا ہے اور نبی کامیاب۔ ایک خواہشوں کے پیچھے پڑ کر اسفل السافلین کو چلا جاتا ہے دوسرا اخلاق فاضلہ حاصل کر کے دنیا کے لیئے رحمت ثابت ہوتا ہے۔ ایک قدرے سُکھ پا کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ دوسرا ابدالآباد کے لیئے زندگی پاتا اور حقیقی راحت کا وارث ہوتا ہے۔ اب ایک طالب کے لیئے یہ بتلانا ضروری ہے کہ نبیوں کی راہ کا علم حاصل کرنے کے لیئے اِسوقت دنیا میں اگر کوئی راہ ہے تو وہ اسلام ہے کیونکہ دنیا میں ایک ہی نبی ہے جس کا نمونہ کلی طور پر تاریخ نے یا یوں کہو کہ خدا نے محفوظ رکھا ہے۔ اور وہ محمد رسول اللہ صلعم ہے اور یہ بھی بشارت ہو کہ وہ جامع ہے تمام کمالات نبوت کا۔ لہٰذا تمام نبیوں کی کامیابی کی راہیں اس الہامی کتاب میں جو وہ لایا یعنی قرآن کریم

میں جو ایک محفوظ کتاب ہے موجود ہیں اور خود اُس کا سب سے اعلیٰ اور افضل نمونہ کمل طور پر تاریخ میں ہمارے سامنے ہے۔ کوئی اور مذہب اپنی کتاب یا ہادی کے نمونہ کو ایسے یقین کے ساتھ دنیا کے آگے پیش نہیں کرسکتا کیونکہ زمانہ نے اُنہیں محفوظ نہیں رکھا۔ بلکہ صدہا دلائل اُنکے محرف و مبدل ہونے کے موجود ہیں مگر قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلعم کا نمونہ دنیا میں کامل طور پر محفوظ اور موجود ہے جس میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں۔ پھر اِس زمانہ میں ایک شخص مرزا غلام احمد نامی نے اُس نمونہ اور اُس تعلیم کی اقتدا کر کے یہاں تک ترقی کی کہ وہ نہ صرف مسیحؑ بن گیا بلکہ جری اللہ فی حلل الانبیاء کا خطاب پایا۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ محمد مصطفےٰ صلعم جامع ہیں تمام کمالات نبوت کے کیونکہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب اُن کی غلامی سے تمام نبیوں کی خلعتوں کے وارث ہوئے الحاصل حضرت مرزا صاحب کی اس ترقی نے ثابت کر دیا کہ واقعی نبیوں کی راہ اسلام ہی ہے کیونکہ اسپر چلکر وہ نبیوں کے وارث بنے اور کہ یہ ایسا محفوظ اور زندہ مذہب ہے کہ اب بھی اِس پر چلکر انسان پہلوں کی طرح ترقی کرسکتا ہے اور حقیقی راحت کا وارث ہوسکتا ہے ؎

آؤ لوگو! کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ؎ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا ؎ نور ہے نور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے

قرآنی بیانات کی صحت ٭

رسالہ ہذا کے گذشتہ نمبروں میں ہم اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ قرآن کریم میں جن تاریخی واقعات کا حوالہ ہے وہ دراصل پیشگوئیاں تھیں جو اپنے اپنے وقت پر بصراحت تامہ پوری ہوئیں۔ ان پیشگوئیوں کا پورا اترنا ہی اس امر کا ایک زبردست ثبوت ہے کہ قرآن کریم منجانب اللہ ہے۔ جن حالات کے ماتحت یہ پیشگوئیاں کی گئی تھیں اگر ان کو مدنظر رکھا جائے تو انسانی آنکھ قطعاً اس عظیم الشان مستقبل کو نہیں دیکھ سکتی تھی جس کی خبریں ان پیشگوئیوں میں برسوں پہلے دی گئی تھیں۔ مثلاً ایک یتیم مسکین بے زر بے پر انسان ایسے وقت جبکہ در و دیوار اس کے خون کے پیاسے ہیں یہ اعلان کرتا ہے کہ میرے دشمن تباہ و برباد ہو جائیں گے جو مذہب میں دنیا میں لایا ہوں وہی کامیاب اور غالب ہوگا اس کے مقابل دوسرے تمام ادیان ناکام و مغلوب ہونگے اور لطف یہ ہے کہ جو کچھ اس شخص نے برسوں پہلے کہا تھا وہ لفظ بہ لفظ پورا ہوا۔ یعنی عین پیشگوئیوں کے مطابق اسلام اور صاحب اسلام علیہ التحیات والسلام غالب و منصور اور آپ کے دشمن ناکام و نامراد ہوئے۔ جس پودے کو کفار نے بیخ و بن سے اکھاڑنا چاہا تھا وہ وعدہ الٰہی کے مطابق ایک بارور درخت ہوا اور جس ملک سے خدائے واحد کے پرستاروں کا اخراج تجویز کیا گیا تھا آخر وہی ملک ان موحدین کے زیر نگین ہوا اور انکے اعداء کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ جن بتوں کی حمایت میں انکے راسخ الاعتقاد خادموں نے جانیں تک لڑا دیں تھیں وہ خود سرنگوں اور ان کے حامی ذلیل و خوار ہوئے بلکہ یوں کہنا عین بجا و درست ہوگا کہ جھوٹے خداؤں کے پرستاروں پر سچے خدا پر ایمان رکھنے والوں نے فتح حاصل کی اور فتح بھی ایسی کھلی کھلی اور کامل کہ اول الذکر کا نام و نشان تک مٹ گیا اور کعبہ میں ۳۶۰ پتھروں کی بجائے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت ہونے لگی۔ کیا یہ سب واقعات اچانک ہو گئے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ان پیشگوئیوں سے ناواقف تھے جو آئے دن انکی تباہی اور ان کے گمنام حریف کی بے نظیر کامیابی کا اعلان کرتی رہتی تھیں؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ دشمنان اسلام کی سخت اور خطرناک عداوت کا بڑا باعث یہی تھا کہ وہ اپنے

٭ قابل توجہ مؤلف ینابیع الاسلام

پورے زور اور طاقت سے ان پیشگوئیوں کو جھٹلانا چاہتے تھے اور آجکل کے مسیحیوں کی طرح اپنے جھوٹے معبودوں کی خدائی ثابت کرنیکی غرض سے اُن کی حمایت میں ناخنوں تک زور لگاتے تھے مگر چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لیئے آخرش اُن کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور خدا کا کلام اپنے پورے جلال سے فاران کی چوٹی پر چمکا اُس کی روشنی کعبہ کے اندر پہنچی اُس کی شعاعوں نے تیرہ چشم دشمنوں کو ایک آن کے لیئے بھی آنکھ بھر کر اپنی طرف نہ دیکھنے دیا۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کی پیشگوئیاں جو ایک لمبا عرصہ پہلے شایع کی گئی تھیں وہ جیساکہ ہم پہلے ثابت کرچکے ہیں بڑی آب و تاب سے پوری ہوئیں ۔

پیارے ناظرین ! ممکن ہے کہ کوئی شخص ان پیشگوئیوں کو معمولی بات سمجھے اور ان کے پورا ہونیکے اتنا عرصہ بعد ان کی اہمیت کا احساس نہ کرسکے۔ اس لیئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ تھوڑی دیر کے لیئے قوّت متخیلہ کے تیز گام اسپ پر سوار ہولیں اور تاریخ کے وسیع میدان پر اسے جولانی دیکر اُس مقام پر پہنچ جائیں جہاں آج سے قریباً چودہ ۱۴۰۰ سو برس پہلے عرب کا دارالخلافہ یعنی متولیان کعبہ کا مسکن واقع تھا یہاں پہنچکر اگر آپ تصور کی دوربین سے چاروں طرف کا نظارہ بغور ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اسلام کا مقدس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی طاقت کے مطابق اُس کے درپئے آزار ہے۔ گویا ان سب نے عزم بالجزم کرلیا ہے کہ اب اسلام اور اسلام کے بانی کو تباہ ہی کرکے چھوڑیں گے اور ظاہر اسباب سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ آخر دشمن ہی غالب رہیں گے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ذرا بھی دل نہیں چھوڑتے اُن کے چہرہ مبارک پر مایوسی کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی اور لطف یہ کہ وہ اس اڑے وقت اور ایسے نازک حالات کے ماتحت بھی بڑی تحدی سے اپنی فتح و کامیابی اور دشمنوں کی ناکامی و نامرادی کی پیشگوئی فرمارہے ہیں۔ کیا اس منظر کو دیکھکر بھی کسی شخص کو ان پیشگوئیوں کی اہمیت میں کلام ہوسکتا ہے ؟ اب آپ عالم خیال سے رجعت کرکے عالم ظاہر میں آجائیں اور جو کچھ وہاں دیکھا ہے اس کی تصدیق قرآن کریم کے مطالعہ سے کریں۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے آپ کو پوری صفائی سے معلوم ہوجائے گا کہ ان

پیشگوئیوں کا اعلان اُس وقت کیا گیا تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی کمزور اور آپ کے دشمن اپنی طاقت کے پورے معراج پر متمکن تھے اور اس طاقت اور زور سے فائدہ اُٹھا کر وہ غریب مُٹھی بھر مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم توڑ رہے تھے اُن کے جبر اور سختیوں کا جواب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیا گیا وہ خدائے تعالیٰ سے خبر پا کر ان پیشگوئیوں کا شائع کرنا تھا۔ اللہ اللہ کیا عجیب بات ہے کہ اُن مغرور طاقتور موذی دشمنوں کو جن کے خیال میں کمزور مُٹھی بھر مسلمانوں کا تباہ و برباد کرنا بس چند ہی دن کی بات تھی یہ کہا جاتا ہے کہ دیکھو! وہ دن قریب آتا ہے جب تم اپنے کیفر کردار کو پہنچو گے۔ یاد رکھو! خدائے تعالیٰ کا زبردست ہاتھ تمھارے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو پہلے راستبازوں کے دشمنوں کے ساتھ تم سے پہلے ہو چکا ہے تم نے اپنے ہاتھ سے ہلاکت کا بیج بو دیا ہے بس دن ہی جاتے ہیں کہ تم کو اس سے ہلاکت کا ثمر نصیب ہوگا جن مسلمانوں کو آج تم بیدردی سے اپنے پاؤں تلے روند رہے ہو گے وہ تمھارے املاک کے وارث اور مالک ہونیوالے ہیں۔

حاصل کلام ان مکّی پیشگوئیوں کی عظمت اور اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس زمانہ کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ یہ پیشگوئیاں کیسے ناموافق حالات کے ماتحت شائع کی گئی تھیں۔ اور کفّار نے اُنپر کیسا مضحکہ اڑایا تھا اور کس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار ان پیشگوئیوں کے جلدی پورا ہونیکا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں جن پرزور اور پُرجلال الفاظ میں پیشگوئیاں بیان کیگئی ہیں انپر سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے پر رعب الفاظ کا استعمال ایک کمزور اور بے کس انسان کا کام ہے جو نیست کو ہست کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری اور بیکسی کے مقابلہ میں مکّی آیات کی پیشگوئیوں کے پُرجلال اور پُرہیبت الفاظ پر غور کیا جائے تو واقعی حیرت اور تعجب کا سماں بندھ جاتا ہے کیونکہ ایک طرف تو مُٹھی بھر کمزور مسلمان دکھائی دیتے ہیں اور اُنکے مقابل خونخوار دشمنوں کا موجِ ملخ سا لشکر نظر آتا ہے اگرچہ دشمن اپنی کثرت پر نازاں و مغرور ہے اور فتح پر کامل یقین رکھتا ہے مگر بایں ہمہ اُسے ڈانٹ بتلائی جاتی ہے اور ڈانٹ بھی ذیل کے پرزور الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ (۱) اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ

مُنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ یعنی کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں بشتاب شکست دیجاویگی یہ جماعت اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (سورہ قمر پارہ ۲۷)

(۲) وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ - قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ۝ یعنی اور جب پڑھی جاتی ہیں اُنپر ہماری آیتیں تو کافر مومنوں کو کہتے ہیں کہ فریقین میں سے کس کا درجہ اچھا ہے اور کس کی مجلس اور جماعت بہتر ہے ہم نے ان سے پہلے کئی ایسی سنگتیں ہلاک کردی ہیں جو اپنے ساز و سامان اور نمود کے لحاظ سے ان سے بڑھ چڑھکر تھے ۔

محولہ بالا پیشگوئیاں بطور مثال کے اُس کثیر التعداد مجموعہ میں سے نقل کردیگئی ہیں جس سے مکی سورتیں بھری پڑی ہیں ان آیات کریمہ کی پُرجلال عبارت صاف بتلارہی ہے کہ یہ کسی کمزور بنی آدم کا کلام نہیں اور نہ ہی ایک ضعیف و بے وسیلہ انسان کا دل گردہ ہو سکتا ہے کہ اپنے نہایت طاقتور جانی دشمنوں سے ڈرنے کی بجائے اُلٹا اُنہیں ڈانٹ چلائے۔ البتہ یہ بات ممکن ہوسکتی ہے کہ کسی کمزور کی پشت پناہ کوئی بہت بڑا زورآور ہو اور اس کمزور کو اپنے بڑے سہارے کی بروقت امداد پر کامل یقین بھی ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعینہٖ یہی معاملہ تھا یہ پیشگوئیاں خدائے تعالیٰ کی وحی تھیں اور خدا کے مقدس نبی کو اپنے مولا کے وعدوں پر پورا بھروسہ تھا اس لیئے وہ اُنکی اشاعت میں ذرا نہ جھجکے۔ انسانی آنکھ میں یہ پیشگوئیاں بلاریب ایک اعجوبہ ہیں مگر جس طرز سے یہ پوری اُتریں وہ اور بھی زیادہ عجیب اور حیران کن ہے۔ بھلا یہ کون کہہ سکتا تھا کہ لات و عزیٰ کے زبردست پُجاری مع اپنی بے شمار جماعت کے عنقریب برباد و تباہ ہو جائیں گے اور ایک دن آئیگا جب اُن کو اپنا سامنہ لے کر اُس مختصر سی اور کمزور جماعت کے سامنے ذلیل ہو کر بھاگنا پڑے گا جس کی زندگی بھی اس وقت اُنکے رحم پر موقوف نظر آتی ہے۔ اس میں قطعاً کلام نہیں ہوسکتا کہ یہ پیشگوئیاں اپنی اشاعت کے وقت نہایت عجیب بلکہ یوں کہیں تو بجا ہے کہ ناممکن الوقوع معلوم ہوتی تھیں لیکن یہ پوری ہوئیں اور بڑی آب و تاب سے بعینہٖ اسی طرح

پُوری اُتریں جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام میں وعدہ کیا گیا تھا ؛

معزز ناظرین! ہم نے ان پیشگوئیوں پر بڑے اصرار اور بڑے تکرار سے زور دیا ہے اس اصرار اور تکرار سے ہماری صرف یہ غرض ہے کہ اگر قرآن انسانی کلام اور انسانی منصوبہ ہوتا تو پہلے اس کے بنانیوالے ہی کو حالات مذکورہ بالا کے ماتحت ہرگز ہرگز حوصلہ نہ ہوتا کہ اپنے زبردست دشمنوں کو چڑائے اور زیادہ دشمن بنائے دوم زمینی کلام زمین ہی سے پیوند ہوجاتا اور اسطرح شان وشوکت اور جاہ وجلال سے ہرگز پورا نہ اُترتا جسطرح کہ باوجود سخت مخالفت کے ان مکی آیات کے وعدے پورے ہوئے پس ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا اس امر کی قطعی اور بیّن شہادت ہے کہ قرآن انسانی بناوٹ نہیں بلکہ اُس خدائے قدوس کا کلام ہے جس نے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی اصلاح کے لیئے مامور کرکے بھیجا تھا اور خاص اپنی نصرت وتائید سے اپنے وعدوں اور اپنے کلام کو پُورا کر دکھایا ؛

اے وے لوگو جو قرآن کریم کو انسانی منصوبہ اور خدا کی کتاب کو مسیحی اور یہودیوں کی روایات کا مجموعہ سمجھا کرتے ہو! آؤ اور ہمیں بتلاؤ کہ ہم تمھاری بات پر کیونکر یقین کریں جبکہ ہم اپنی آنکھوں سے قرآن کریم کے وعدوں کو صادق اور اسکی پیشگوئیوں کو برحق اور لفظ بہ لفظ پورا اُترتا مشاہدہ کرتے ہیں دیکھو قرآن فرماتا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (سورہ انبیاء پارہ ۱۷) یعنی البتہ تحقیق لکھدیا ہے ہم نے بیچ زبور کے پیچھے ذکر کے یہ کہ میرے صالح بندے زمین کے وارث ہونگے ؛

اس مکی آیت کریمہ کے متعلق تمھارا اعتراض ہے کہ داؤد کی زبور سے اس کا اقتباس کیا گیا ہے ہم اس اعتراض کی تردید سے قبل یہ دکھانا ضروری سمجھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو مکّہ اور مکہ والوں کا کیا حال تھا۔ سُنیئے صاحب! مکہ اُس وقت مسلمانوں کا مکہ مکرمہ نہ تھا بلکہ لات ومنات کے بھگتوں کی بستی تھی۔ ہاں اس عرب کی سرزمین میں اُن دنوں خدائے واحد کے چند ایک پرستار تھے مگر اُن کا شمار نفی کے برابر تھا۔ ایسے وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بُت پرست اہل مکّہ کو مطلع کردیا کہ میری

مختصر جماعت جو انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے نہ صرف تمہارے اس شہر کی مالک ہو گی بلکہ کل ملک عرب اُنکے تابع فرمان ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اُن کو سنا دیا گیا کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ترجمہ آیا حق اور گم ہوا باطل تحقیق باطل تھا گم ہو جانیوالا (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵) پھر اسکے ساتھ ہی یہ بھی منادی کر دی گئی۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ یعنی پھینکتے ہیں ہم حق کو اوپر باطل کے پس توڑتا ہے سر اُس کا پس ناگہاں وہ فنا ہو جاتا ہے (سورۃ الانبیا پارہ ۱۷)

مذکورۃ الصدر آیات بلا ریب پیشگوئیاں تھیں اور ان میں سے یہ الفاظ ان الارض یرثھا عبادی الصلحون'' تو ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی جس میں بُت پرست دشمنانِ اسلام کی تباہی اور مسلمانوں کی کامیابی قبل از وقت بتلائی گئی تھی اگرچہ جب اس پیشگوئی کا اعلان کیا گیا تھا اُس وقت مغرور بُت پرستوں نے اسے ایک ناممکن امر سمجھا تھا اور اس پر ہنسی و مضحکہ اُڑایا تھا۔ لیکن یہ خدا کی بات تھی اور چونکہ خدا کے کام بندوں کی رکاوٹوں اور مخالفتوں سے ہرگز نہیں رُک سکتے

غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے ❊ بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

اس لیئے آخر وہی ہوا جو برسوں پہلے شائع کر دیا جا چکا تھا۔ اور اس پیشگوئی کے لفظ بہ لفظ پورا اُترنے سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ یہ الفاظ خدائے تعالیٰ کے منہ کی باتیں تھیں نہ کسی انسان کی بناوٹ نہ کسی کتاب کا اقتباس تھا۔ جس خدا نے داؤدؑ پر یہ الہام نازل کیا تھا وہی خدا اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کر رہا ہے ❊

مسیحی دوستو! تم کہہ سکتے ہو کہ عبارت مذکور کا زبور سے نقل کر لینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ممکن تھا لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اُن واقعات کا پیدا کر لینا اور اس پیشگوئی کا رنگ دیکر بعینہٖ لفظ بہ لفظ پورا اُتار لینا بھی آپکے حیطہ اقتدار میں تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اس بات کا ثبوت آپ لوگوں کی گردن پر ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عبارت داؤدؑ کے زبور سے نقل کرائی تھی۔ ہر ایک وہ آدمی جو عقل و سمجھ سے عاری نہ ہو ضرور سوچ سکتا ہے کہ اگرچہ بُت پرست۔ یہودی اور عیسائیوں کی خطرناک دشمنی کے باوجود یہ امر محال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زبور سے کوئی عبارت نقل کرتے یا کراتے تاہم جو امر بڑھ چڑھ کر تعجب خیز ہے وہ یہ ہے کہ زبور سے انتخاب بھی کیا گیا تو اُس عبارت کا جو ایک عظیم الشان پیشگوئی کے طور پر قبل از وقت شائع کی گئی اور اپنے وقت پر نہایت صفائی سے پوری اُتر کر آنحضرتؐ کی صداقت کا نشان ہوئی ہم ایکدفعہ پھر اس بات کے اظہار سے نہیں رُک سکتے کہ اس پیشگوئی کا لفظ بہ لفظ پورا اُترنا ہی اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے راستباز رسول تھے۔

ناظرین! قرآن کریم پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے اور اسکی سب پیشگوئیاں سچی پیشگوئیاں ہیں پس یہ کتاب بلاریب خدائے تعالیٰ کا سچا الہام اور خاص وحی ہے۔ قرآن مجید اپنی سچائی کے لیئے اپنے اندر بے شمار ثبوت رکھتا ہے اس کتاب کو خدا کی کتاب ثابت کرنے کے لیئے کسی بیرونی سہارے یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔ آپ اس مقدس کتاب کی تلاوت فرمائیں اسکی آیات پر غور کریں اس کی پیشگوئیوں کا اندازہ لگائیں۔ اور اُن حالات کو تصور کی آنکھ کے سامنے رکھیں جن کے ماتحت یہ پیشگوئیاں شائع کی گئی تھیں۔ پھر ان پیشگوئیوں کے پُر زور اور پُر جلال الفاظ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی کمزوری اور بے بس حالت سے مقابلہ کریں تب آپ کو معلوم ہوگا کہ ان پیشگوئیوں کی اصل حقیقت کیا تھی۔ اگر آپ پورے غور و خوض سے کام لیں گے تو آپ پر واضح ہو جائیگا کہ فرقان حمید اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے۔ اور روئے زمین پر کوئی ایک بھی ایسی آسمانی کتاب نہیں جو قرآن کریم کی طرح اپنے منجانب اللہ ہونے کا آپ ثبوت دے۔ یہ صرف قرآن پاک کا ہی حصہ ہے کہ اپنی سچائی کے آپ دلائل دیتا ہے اور کسی بیرونی مدد کا محتاج نہیں اس کی ہر آیت بجائے خود ایک بین نشان اور ہر عبارت ایک سرسبز گلستان ہے۔ س

بہارِ جاوداں پیدا ہے اُسکی ہر عبارت میں ٭ نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بستاں ہے

اسکے الفاظ بے نظیر موتی اور اسکے معانی سراسر نور ہیں۔ اس میں اگر تاریخی واقعات بھی مذکور

ہیں تو وہ بھی زبردست پیشگوئیاں ہیں جن کا لفظ بلفظ پورا ہونا ہی انکو خدا کا کلام ثابت کرتا ہے غرض قرآن کریم پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے ع وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
اب جبکہ یہ ایک مسلم امر ہے کہ جن آیات میں پیشگوئیاں ہیں وہ خدا کا کلام ہیں تو پھر معترضین کا منہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ اور اُن کے اعتراضات خس و خاشاک کی طرح اُڑ جاتے ہیں۔
قرآن کریم میں کثیر التعداد پیشگوئیوں کے موجود ہونے اور پھر اُنکے پورا اُتر آنے سے نہ صرف اس اعتراض کا قلع قمع ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو اِدھر اُدھر سے سُن سنا۔ لے لوا کر خود بخود تصنیف کیا تھا بلکہ ان پیشگوئیوں کا وجود مخالفین کے ایک اور اعتراض کو بھی رد کرتا ہے یعنی اُن کے اس قول کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے کہ بعض واقعات مندرجہ قرآن غیر صحیح ہیں۔ کسی واقعہ کی صحت یا عدم صحت کا مدار معترضین کے نزدیک محض پروٹسٹنٹ فرقہ کی بائیبل پر ہے۔ اُن کے نزدیک بس صرف وہ بات درست اور صحیح ہے جو بائیبل کے مطابق ہو اور جو بات بائیبل سے ذرا بھی مختلف ہو وہ مسیحی صاحبان کی آنکھ میں نادرست اور جھوٹ ہے۔ اس سے بھی بڑھکر اور سُنئے اُن کے خیال میں بائیبل نہ صرف ایک کامل صحیح کتاب ہے بلکہ عالمگیر معلومات کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ اس خود ساختہ معیار پر عمل پیرا ہو کر وہ ہر ایک ایسے واقعہ کو غلط اور جھوٹا قرار دیتے ہیں جو قرآن میں تو مذکور ہو مگر بائیبل میں اُس کا بیان نہ آئے اسی خیال خام کی بنا پر وہ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے حالات مندرجہ قرآن پر اعتراض اُٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو تفصیل قرآن کریم نے دی ہے چونکہ وہ بائیبل میں نہیں ہے پس اس لئے غلط اور جھوٹ ہے۔ خلاصہ یہ کہ پادری صاحبان نے قرآن کریم کے قصص کی جانچ کا معیار اپنی پروٹسٹنٹ بائیبل کو قرار دیا ہے۔ لیکن وہ ہمیں یہ نہیں بتلاتے کہ اُن کے پاس اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ بائیبل اغلاط سے مبرّا اور جملہ یہودی و مسیحی واقعات تاریخیہ کا دائرۃ المعارف ہے اگر پادری صاحبان کو معلوم نہ ہو تو ہم اُن کو بتلاتے ہیں کہ بائیبل جھوٹے افسانوں۔ متضاد روایتوں اور لغویات سے مملو ہے۔ پادری صاحبان قرآن مجید کے بیان کردہ قصص کو محض اس بنا پر جھوٹا سمجھتے ہیں کہ وہ بائیبل کی روایات کے مطابق

نہیں مگر ہم اُن سب سے پوچھتے ہیں کہ اگر بائیبل خود تضاد اور بیہودگی سے بھری ہوئی ثابت ہوجائے پھر اس پر کیا حکم لگاؤ گے ؟

پادری صاحبان کی خاطر سے ہم ذیل میں بائیبل کے چند ایک متضاد مقامات پیش کرتے ہیں اور سب سے پہلے عہد عتیق اور عہد جدید سے چند ایک حوالے دیکر پادری صاحبان کو اُنکے اپنے گھر کی سیر کراتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ کتاب مقدس کس طرح اپنی آپ تکذیب کر رہی ہے اللہ اللہ ایک طرف قرآن ہے جو اپنی سچائی کا ثبوت دیتا ہے دوسری طرف عیسائیوں کی کتاب مقدس ہے جو اپنے تئیں آپ جھوٹا ثابت کر رہی ہے۔ وہ متضاد عبارتیں یہ ہیں

عہد عتیق	عہد جدید
(۱) جب ارفکسد پینتیس برس کا ہوا اس سے سلح پیدا ہوا پیدائش باب ۱۱ ورس ۱۲	(۱) اور وہ (سلح) قینان کا اور وہ ارفکسد کا (بیٹا تھا) لوقا باب ۳ ورس ۳۵ و ۳۶

نوٹ:- عہد عتیق کے رو سے سلح ارفکسد کا بیٹا تھا اور عہد جدید کے رو سے سلح کے باپ کا نام قینان تھا۔

عہد عتیق	عہد جدید
(۲) اور جب تارہ ستر برس کا تھا اس سے ابرام نحور اور حاران پیدا ہوئے .... اور تارہ کی عمر دو سو پانچ برس کی ہوئی تب تارہ حران میں مر گیا۔ پیدائش باب ۱۱ ورس ۲۶ و ۳۲	(۲) اور ابرام جب حران سے روانہ ہوا پچھتر برس کا تھا پیدائش ۱۲ ورس ۴ تب کھلدیوں کے ملک سے باہر جاکے حاران میں جا رہا وہاں سے اسکے باپ کے مرنیکے بعد اسکو اس ملک میں جس میں تم اب رہتے ہو پہنچایا۔ اعمال ۷ ورس ۴

نوٹ:- پیدائش باب ۱۱ ورس ۲۶ و ۳۲ کے رو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اپنے باپ تارہ کی وفات کے وقت ۱۳۵ برس کی تھی اور پیدائش ۱۲ ورس ۴ اور اعمال ۷ ورس ۴ ...... سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت انکی عمر ۷۵ برس کی تھی گویا ۱۳۵ برس کی عمر میں ابراہیم ابھی صرف ۷۵ برس کے تھے۔

عہد عتیق	عہد جدید
(۳) یہ قانون ابدی ہے احبار ۲۳ ورس ۱۴ و ۲۱ و ۳۱ و ۴۱۔	(۳) پر اب جو ہم مر گئے تو شریعت سے جسکی قید میں تھے چھوٹ گئے رومیوں باب ۷ ورس ۶

عہد جدید	عہد عتیق
(۴) اور برس چالیس ایک وہ بیابان میں اُنکو دائی کی طرح لئے پھرا..... اور بعد اُس کے ساڑھے چارسو برس کے قریب سموئیل نبی تک انہیں قاضی مقرر کیئے اسوقت سے اُنہوں نے بادشاہ چاہا تب خدا نے ایک مرد بنیامین کے گھر سے قیس کے بیٹے ساؤل کو چالیس برس تک انپر مقرر کیا پھر اسے اُتار کے داؤد کو کھڑا کیا کہ اُن کا بادشاہ ہو اعمال ۱۳ ورس ۱۸ - ۲۲	(۴) اور زمین مصر سے بنی اسرائیل کے نکلنے کے بعد چارسو اسّی برس گذرے تھے کہ سلیمان کی سلطنت جو اسرائیل پر تھی اُس کے چوتھے سال زیو کے مہینے جو دوسرا مہینا سال کا ہے ایسا ہوا کہ اُس نے خداوند کا گھر بنانا شروع کیا - اسلاطین ۶ ورس ۱

نوٹ :- کتاب سلاطین کے رو سے خداوند کا گھر خروج کے چارسو اسّی برس بعد بننا شروع ....ہوا لیکن اعمال کی کتاب کے حساب کے بموجب اس کے تعمیر پانسو پچانوے برس بعد شروع ہوئی کیونکہ ۴۰ و ۵۰ ۴ یعنی ۴۹۰ میں ۲۱ سال عہد سموئیل ۴۰ سال عہد ساؤل اور ۴۰ برس عہد داؤد یعنی ۱۰۱ برس اور جمع کیئے جائیں تو ۵۹۱ سال ہوتے ہیں اگر انہیں سلیمان کے ۴ سال اور ملائیں تو کل مجموعہ ۵۹۵ ہوا -

عہد جدید	عہد عتیق
(۵) اور کوئی آسمان پر نہیں گیا سوا اُس شخص کے جو آسمان پر سے اُترا یعنی ابن آدم جو آسمان پر ہے یوحنا باب ۳ ورس ۱۳	(۵) اور ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا ۲ سلاطین باب ۲ ورس ۱۱ ایمان کے سبب سے اُٹھایا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے عبرانیوں ۱۱ ورس ۵ حنوک خدا کے ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لیئے کہ خدا نے اُسے لے لیا - پیدایش باب ۵ ورس ۲۴

عہد عتیق	عہد جدید
(۶) تب داؤد نوب میں اخیملک کاہن کے پاس آیا... سو کاہن نے مقدس روٹی اُس کو دی کہ وہاں نذر کی روٹی کے سوا جو خداوند کے آگے سے اُٹھائی گئی تھی (اور روٹی نہ تھی) اسموائیل باب ۲۱ ورس ۱ و ۶ افیطوب کے بیٹے اخیملک کے بیٹوں میں سے ایک شخص جس کا نام ابی یاتر تھا بچ نکلا اور داؤد کی طرف بھاگ گیا۔ اسموائیل باب ۲۲ ورس ۲۰	(۶) اُس (یسوع) نے اُنہیں کہا کہ کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ داؤد نے جب وہ اور اُس کے ساتھی محتاج اور بھوکے تھے کیا کیا وہ کیونکر سردار کاہن ابیاتر کے وقت میں خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں جن کا کھانا کاہنوں کے سوا کسی کو روا نہ تھا کھائیں اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں۔ مرقس باب ۲ ورس ۲۵ و ۲۶

نوٹ۔ ناظرین! جن عبارتوں کے اوپر خط کھینچا گیا ہے اُن کا باہم مقابلہ کریں تا آپ کو معلوم ہو کہ حضرت یسوع کا قول عہد عتیق کے بیان سے کس قدر مخالف ہے۔

مذکورۃ الصدر حوالجات میں ہم نے صرف عہد عتیق اور عہد جدید کا باہم تضاد اور تناقض دکھایا ہے اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ عہد جدید کی کتابیں بھی اس تضاد و تناقض کے مرض سے بری نہیں ملاحظہ ہوں ذیل کے چند ایک اقتباسات۔

(۱) وہ (یسوع) یوسف کا بیٹا تھا اور وہ ہیلی کا۔ لوقا باب ۳ ورس ۲۳	(۱) اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا جو شوہر تھا مریم کا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا۔ متی باب ۱ ورس ۱۶۔

نوٹ۔ لوقا کے بیان کے بموجب یوسف نجار کے باپ کا نام ہیلی تھا اور متی کی روایت کے رو سے اُس کا نام یعقوب تھا۔

(۲) اور جب وے خداوند کی شریعت کے موافق سب کچھ کر چکے تو	(۲) تب وہ اُٹھ کے رات ہی کو لڑکے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو

جلیل میں اپنے شہر ناصرت کو پھر گئے۔ لوقا باب ۲ ورس ۳۹

روانہ ہوا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہاں رہا۔ متی باب ۲ ورس ۱۴ و ۱۵

نوٹ۔ لوقا کہتا ہے کہ یروشلم سے حضرت مریمؑ اور یوسف نجار سیدھے اپنے شہر ناصرہ کو واپس چلے گئے اور متی کہتا ہے کہ نہیں وہ مصر کو بھاگ گئے۔

(۳) پھر یوحنا کی گرفتاری کے بعد یسوع نے جلیل میں آکر خدا کی بادشاہت کی خوشخبری کی منادی کی۔ مرقس باب ۱ ورس ۱۴

(۳) بعد ان باتوں کے یسوع اور اس کے شاگرد یہودیہ کی سرزمین میں آئے اور وہ وہاں ان کے ساتھ رہا کرتا اور بپتسما دیتا تھا اور یوحنا بھی بپتسما دیتا تھا کیونکہ یوحنا ہنوز قید خانہ میں ڈالا نہ گیا تھا۔ یوحنا باب ۳ ورس ۲۲ و ۲۴

نوٹ۔ اسکے بعد شمعون (پطرس) اور اندریاس کے ایمان لانے کا ذکر ہے مرقس باب ۱ ورس ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ شمعون اندریاس پہلے بھی ایمان لاچکے تھے دیکھو یوحنا باب ۱ ورس ۴۰ و ۴۲۔

(۴) یسوع نے ناصرت جلیل سے آکر یردن میں یوحنا کے ہاتھ سے بپتسما پایا۔ اور جونہی وہ پانی سے باہر آیا اس نے آسمان کو کھلا اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اترتے دیکھا۔ اور روح اسے فی الفور بیابان میں لے گئی اور وہ وہاں بیابان میں چالیس دن تک رہ کر شیطان سے آزمایا گیا مرقس باب ۱ ورس ۹ - ۱۳

(۴) اور تیسرے دن (یعنی مسیح کے بپتسما لینے اور روح القدس کے کبوتر کی شکل میں اُترنے کے بعد) قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا۔ اور یسوع اور اُس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی یوحنا باب ۲ ورس ۱ و ۲

نوٹ۔ مرقس کہتا ہے کہ بپتسمہ پانے کے بعد فی الفور روح بیابان میں لے گئی

اور مسیح چالیس دن بیابان میں رہا مگر یوحنا لکھتا ہے کہ نہیں بپتسمہ سے تیسرے دن مسیحؑ ایک دعوت میں شریک تھا۔

(۵) وہیں ایک آدمی جس میں ایک ناپاک روح تھی قبروں سے نکلتے ہوئے اُسے ملا۔ مرقس باب ۵ درس ۲

اور جب وہ کنارے پر اترا تو اس شہر کا ایک مرد جس پر مدت سے دیو تھے اسے ملا۔ لوقا باب ۸ درس ۲۷

(۵) دو شخص جن پر دیو چڑھے تھے قبروں میں سے نکل کر اسے ملے وے ایسے تند تھے کہ کوئی اس راستہ سے چل نہیں سکتا تھا۔ متی باب ۸ درس ۲۸

نوٹ۔ مرقس اور لوقا فرماتے ہیں کہ ایک شخص جس میں ناپاک روح تھی مسیحؑ کو ملا۔ متی کہتا ہے کہ ایک نہیں تھا دو تھے۔ پھر مرقس اور متی کہتے ہیں کہ قبروں میں سے نکلکر ملے۔ لوقا کہتا ہے کہ نہیں وہ شہر میں سے نکلکر اسے ملا۔

(۶) یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا ہوں۔ متی باب ۵ درس ۱۷ و ۱۹

(۶) سب جتنے مجھ سے آگے آئے چور اور بٹمار ہیں... یوحنا باب ۱۰ درس ۸

چنانچہ اپنا جسم دیکے دشمنی کو یعنی شریعت کے حکموں اور رسموں کو کھولدیا (یعنی منسوخ کردیا)

افیسون باب ۲ درس ۱۵

نوٹ۔ ناظرین ملاحظہ فرماویں یسوع پہلے نبیوں کا نام چور اور بٹمار رکھتا ہے۔

(۷) تب سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ متی باب ۲۶ درس ۵۶

(۷) تاکہ وہ کلام جو اس نے کہا پورا ہو کہ جنہیں تو نے مجھے دیا میں نے انہیں سے ایک بھی گم نہیں کیا

یوحنا باب ۱۸ درس ۹

نوٹ۔ جب سب شاگرد بھاگ گئے تو وہ کلام خوب پورا ہوا۔

(۸) اور تیسرا گھنٹہ تھا کہ انہوں نے اسے صلیب دی۔ مرقس باب ۱۵ درس ۲۵

(۸) اور چھٹے گھنٹہ کے قریب تھا تب وہ چلائے لیجا لیجا اسے صلیب دے۔ یوحنا باب ۱۹

(۹) اور اس نے (یہوداہ نے) اپنی بدی کی مزدوری سے ایک کھیت مول لیا اور اوندھے منہ گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی تمام انتڑیاں نکل پڑیں۔ اعمال باب ۱ ورس ۱۸

(۹) تب وہ (یہودا) روپے ہیکل میں پھینک کر چلا گیا اور جاکر آپ کو پھانسی دی - متی باب ۲۷ ورس ۵

(۱۰) مسیح چار مختلف مقامات سے آسمان پر چڑھا

(۱) بیت عنیاہ سے لوقا باب ۲۴ ورس ۵۰ و ۵۱ ÷ (۲) زیتون کے پہاڑ سے - اعمال باب ۱ ورس ۹ و ۱۲ ÷ (۳) یروشلم کے ایک مکان سے - مرقس باب ۱۶ ورس ۱۴ و ۱۹ ÷ (۴) بظاہر جلیل سے - متی باب ۲۸ - ورس ۱۶ - ۲۰

ان اقتباسات میں ہم نے اولاً عہد عتیق و عہد جدید اور ثانیاً عہد جدید کی کتابوں کا باہم اختلاف و تناقض بطور نمونہ کے دکھایا ہے اب شاید کوئی خیال کرے کہ عہد عتیق کی کتابیں اس نقص سے منزہ ہیں اس لیئے ہم ذیل میں چند ایک ایسے حوالے بھی دیئے دیتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد جدید کی طرح عہد عتیق بھی تضاد و تناقض کے مرض کا شکار ہے - ملاحظہ فرمائیں ÷

(الف) اور ابراہام نے اس مقام کا نام یہواہ یری رکھا چنانچہ یہ آج تک کہا جاتا ہے خداوند کے پہاڑ پر دیکھا جاویگا - پیدائش باب ۲۲ ورس ۱۴

پھر خدا نے موسیٰ کو فرمایا کہ میں نے ابراہام اور اسحٰق اور یعقوب پر خدائے قادر مطلق کے نام سے اپنے تئیں ظاہر کیا اور یہوواہ کے نام سے اُن پر ظاہر نہیں ہوا - خروج باب ۶ ورس ۲ و ۳

نوٹ - کتاب پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہوواہ نام معلوم تھا مگر کتاب خروج میں لکھا ہے کہ یہوواہ کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم نہ تھا یہ نام سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا گیا -

(ب) اور قادس سے چلکر کوہ حور میں جو زمین ادوم کی حد ہے خیمہ گاہ کی

تب بنی اسرائیل نے بیرات بنی یعقان سے موسیرہ کو کوچ کیا وہاں ہارون کا

یہاں ہارون کاہن خداوند کے حکم کے مطابق کوہ حور پر گیا... اور وہاں وفات پائی.... اور کوہ حور سے کوچ کر کے ضلمونہ میں ڈیرے کئے اور ضلمونہ سے کوچ کر کے فونون میں ڈیرے کئے۔ گنتی باب ۳۳ ورس ۳۷-۴۲

انتقال ہوا اور وہیں گاڑا گیا.... وہاں سے انہوں نے جدجودہ کوچ کیا اور جدجودہ سے یوطبات کو۔ (استثنا باب ۱۰ ورس ۶ و ۷)

نوٹ۔ ملاحظہ ہو یہ دونوں بیانات کیسے مطابق ہیں! اگر یہ تاریخیں الہامی ہیں تو ان میں ایسا کھلا کھلا اختلاف کیوں ہے؟

(ج) یسّی نے اپنے ساتوں بیٹوں کو سموایل کے سامنے حاضر کیا.... اور سموایل نے یسّی کو کہا کہ تیرے سب لڑکے یہی ہیں وہ بولا کہ سب سے چھوٹا اب تک باقی ہے کہ دیکھو بھیڑ بکریاں چراتا ہے... (اسموایل باب ۱۶ ورس ۱۰ و ۱۱)

اور یسّی سے اس کا پلوٹھا الیاب پیدا ہوا اور ابنداب دوسرا اور سمع تیسرا۔ استنیئل چوتھا۔ ردی پانچواں۔ عوضم چھٹواں۔ داؤد ساتواں (اتاریخ باب ۲ ورس ۱۳-۱۵)

نوٹ۔ اسموایل کے رو سے داؤد علیہ السلام یسّی کے آٹھویں بیٹے تھے اور اتاریخ میں لکھا ہے کہ نہیں وہ ساتواں بیٹا تھا۔

(د) سو ساؤل نے ہرکاروں سے یسّی کو کہلا بھیجا کہ اپنے بیٹے داؤد کو... مجھ پاس بھیج.... اور داؤد ساؤل پاس آیا اور اس کے حضور کھڑا ہوا اور اس نے اسے بہت پیار کیا یہو وہ اس کا سلح بردار ہوا اور ساؤل نے یسّی کو کہلا بھیجا کہ داؤد کو میرے حضور رہنے دیجئے کہ وہ میرا منظور نظر ہوا ہے (اسموایل باب ۱۶ ورس ۱۹-۲۲)

اور ساؤل نے جس وقت داؤد کو فلسطی کے سامنے جاتے دیکھا تو اس نے لشکر کے سردار ابنیر سے پوچھا ابنیر یہ جوان کس کا بیٹا ہے ابنیر بولا اے بادشاہ تیری جان کی قسم میں نہیں جانتا تب بادشاہ نے کہا تو تحقیق کر کہ یہ جوان کس کا فرزند ہے (اسموایل باب ۱۷ ورس ۵۵-۵۶)

نوٹ۔ تعجب ہے کہ اسموایل کے ۱۶ باب میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد ساؤل کے

بہت پیارے تھے چنانچہ اُس نے اُن کو اُنکے باپ کی اجازت .... کے ساتھ اپنے پاس رکھ لیا مگر اُسی کتاب کے ۱۷ باب میں لکھا ہے کہ ساؤل حضرت داؤد علیہ السلام کو بالکل نہیں جانتا تھا اور نہ اُس کا وزیر اُن کو جانتا تھا چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا کہ تحقیق کی جاوے کہ یہ جوان کون ہے۔ اور کس کا فرزند ہے۔

(س) اس وقت فلسطیوں کے لشکر سے ایک مرد سورما نکلا جس کا نام جاتی جولیت تھا اس کا قد چھ ہاتھ ایک بالشت لمبا تھا... اور اسکے بھالے کی چھڑ ایسی تھی جیسی جلاہے کا شہتیر.... سو داؤد ایک فلاخن اور ایک پتھر سے اس فلسطی پر غالب ہوا اور اس فلسطی کو مارا اور قتل کیا۔ (۱ سموایل باب ۱۷ ورس ۴۔ ۷۔ ۵۰)

الحنان بن یعری آرجیم نے جو بیت لحم کا تھا جاتی جولیت کو جس کا نیزہ ایسا تھا جیسا کہ جولاہے کا شہتیر ہوتا ہے مارا۔ (۲ سموایل باب ۲۱ ورس ۱۹)

(ش) اور جب وے نکون کے کھلیہان پر۔ پہنچے تو عزہ نے ہاتھ بڑھا کے خدا کے صندوق کو پکڑ کر تھام لیا۔ (۲ سموایل باب ۶ ورس ۶)

اور جب وے کیدون کے کھلیہان پر پہنچے تو عزا نے صندوق کے تھامنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا۔ (۱ تاریخ باب ۱۳ ورس ۹)

(ص) اور داؤد نے ارامیون کی سات سو گاڑیاں اور چالیس ہزار سوار کاٹ ڈالے اور انکی فوج .... (۲ سموایل باب ۱۰ ورس ۱۸)

اور داؤد نے ارامیوں کے سات ہزار گاڑی کے سواروں کو اور چالیس ہزار پیادوں کو مار ڈالا اور لشکر کے سردار سوفاک کو قتل کیا۔ (۱ تاریخ باب ۱۹ ورس ۱۸)

(ض) اور شیطان اسرائیل کے مقابلہ میں اٹھا اور داؤد کو ابھارا کہ اسرائیل کو شمار کرے۔ (۱ تاریخ باب ۲۱ ورس ۱)

بعد اس کے خداوند کا غصہ اسرائیل پر پھر بھڑکا کہ اس نے داؤد کے دل میں ڈالا کہ انکا مخالف ہو کے کہا کہ جا اور اسرائیل اور یہوداہ کو گن۔ (۲ سموایل باب ۲۴ ورس ۱)

(ط) تب بادشاہ نے اروناہ سے کہا یوں نہیں ... بلکہ میں قیمت دیکے اس کو تجھ سے مول لونگا... سو داؤد نے وہ کھلیہان اور وے بیل پچاس مثقال چاندی دیکے مول لئے (۲ سموایل باب ۲۴ ورس ۲۴)

سو داؤد نے ارنان کو اس جگہ کے لیئے چھ سو مثقال سونا تول کے دیا۔ (۱ تاریخ باب ۲۱ ورس ۲۵)

(ظ) سو ساؤل کی بیٹی میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی۔ (۲ سموایل باب ۶ ورس ۲۳)

ساؤل کی بیٹی میکل کے پانچ بیٹے جو برزلی محولاتی کے بیٹے عدرائیل کیلیئے جنی تھی۔ (۲۔ سموایل باب ۲۱ ورس ۸)

نوٹ۔ پادری صاحبان بتلائیں کہ کیا یہ دونوں عبارتیں الہامی ہیں ؟

(ک) یہورام (بن اخی اب) شاہ یہوداہ یہورام بن یہوسفط کی سلطنت کے دوسرے سال اس کی جگہ بادشاہ ہوا (۲۔ سلاطین باب ۱ ورس ۱۷)

اور شاہ اسرائیل یورام (یہورام) بن اخی اب کی سلطنت کے پانچویں سال جس وقت کہ یہوسفط شاہ یہوداہ تھا یہورام یہوسفط کا بیٹا تخت پر بیٹھا اور سلطنت کرنے لگا۔ (۲ سلاطین باب ۸ ورس ۱۶)

نوٹ۔ ۲ سلاطین باب ۱ کے رو سے یہورام بن یہوسفط۔ یہورام بن اخی اب سے ۲ سال پہلے حکومت کر چکا تھا مگر اسی کتاب کے باب ۸ میں لکھا ہے کہ یہورام بن اخی اب ۵ سال پہلے تخت پر بیٹھا۔

(ل) اور رجبعام ابی سلوم کی بیٹی معکہ کو اپنی ساری جوروں اور حرموں سے زیادہ پیار کرتا تھا... اور رجبعام نے ابیاہ بن معکہ کو رئیس کیا کہ اپنے بھائیوں میں سردار ہوتا (۲ سلاطین باب ۱۱ ورس ۲۱-۲۲)

یربعام بادشاہ کی سلطنت کے اٹھارھویں برس میں ابیاہ یہوداہ میں تخت پر بیٹھا اس نے یروشلم میں تین برس بادشاہت کی اسکی ماں کا نام میکایاہ تھا جو اوری ایل جبیعی کی بیٹی تھی (۲ تاریخ باب ۱۳ ورس ۱۔

نوٹ۔ ۲ سلاطین کے رو سے ابیاہ کی ماں معکہ ابی سلوم کی بیٹی تھی مگر ۲ تواریخ

رو سے ابیاہ کی ماں اور ی ایل جبعی کی بیٹی تھی

(م) یہویکین آٹھ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا (۲ تاریخ باب ۳۶ ورس ۹)

اور یہویکین جب تخت پر بیٹھا تب اٹھارہ برس کا تھا (۲ سلاطین باب ۲۴ ورس ۸)

نوٹ - قرآن مجید پر اعتراض کرنیوالے اپنی کتابوں کی قابل افسوس حالت دیکھکر کچھ شرم کریں !!

(ن) غرض بعشا اپنے باپ دادوں میں شامل ہوکے سویا اور ترضہ میں گاڑا گیا اور ایلا اس کا بیٹا اس جگہ بادشاہ ہوا.... اور شاہ یہوداہ آسا کی سلطنت کی چھبیسویں ۲۶ برس بعشا کا بیٹا ایلا ترضہ میں بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا (۱ سلاطین باب ۱۶ ورس ۶-۸)

آسا کی سلطنت کے چھتیسویں ۳۶ برس میں اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھ آیا اور رامہ کو بنایا (اس طرح گویا بعشا نے اپنی موت کے دس سال بعد شہر کی تعمیر کی)

(۲ تاریخ باب ۱۶ ورس ۱)

(لا) اخزیاہ بائیس ۲۲ برس کا تھا جبکہ بادشاہ ہوا (۲ سلاطین باب ۸ ورس ۲۶)

اخزیاہ بیالیس ۴۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا (۲ تاریخ باب ۲۲ ورس ۲)

اور وہ (اخزیاہ کا باپ یہورام) بری بیماری میں مبتلا ہوکر مرگیا اور وہ بتیس ۳۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا اور اس نے آٹھ برس یروشلم میں بادشاہت کی اور وہ بغیر اس پر ماتم کیے ہوئے جاتا رہا اور یروشلم کے باشندوں نے اسکے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ کیا - (۲ تاریخ باب ۲۱ ورس ۱۹-۲۰ اور باب ۲۲ ورس اول)

نوٹ - ۲ تاریخ باب ۲۱ ورس ۱۹ و ۲۰ اور باب ۲۲ ورس ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخزیاہ کے باپ یہورام کی عمر ۴۰ برس کی تھی جب اس نے وفات پائی اور اس ہے

اگلی ورس یعنی باب ۲۲ ورس ۲ میں لکھا ہے کہ اُس کے بیٹے اخزیاہ کی عمر اُسوقت ۴۲ برس کی تھی یعنی وہ اپنے باپ سے ۲ سال بڑا تھا اور طرفہ یہ کہ اخزیاہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ یہورام کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ جب سب سے چھوٹا بیٹا اپنے باپ سے ۲ سال بڑا تھا تو اسپر دوسرے بیٹوں کی نسبت آسانی سے قیاس ہوسکتا ہے۔ پادری صاحبان کیا یہی آپ کی الہامی کتاب ہے جو ایسی لغو اور بیہودہ غلطیوں سے بھرپور ہے کیا اسی کتاب کو تم قرآن شریف کے بیانات کی صحت کے جانچنے کے لیئے معیار ٹھہراتے ہو۔

مذکورہ بالا متضاد عبارتوں پر نظر ڈالنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی ہے کہ بائیبل جو اپنی آپ مکذّب ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ قرآن کریم کی جانچ کا معیار ہوسکے۔ بھلا جس کتاب کی ایک عبارت دوسری کے خلاف ہو وہ کیونکر اس قابل ہوسکتی ہے کہ اُسے قرآن کریم کے قصص کی صداقت کا معیار ٹھہرایا جاوے اگر قرآن نے کسی واقعہ کی تفصیل میں بائیبل سے اختلاف کیا ہے تو اس کے یہ معنے کیونکر ہوسکتے کہ قرآنی واقعہ جھوٹ ہے جبکہ بائیبل خود تضاد۔ لغویات اور اغلاط سے پُر ہے جب بائیبل کی اپنی کتابیں ایک دوسری کے متضاد ہیں تو کسی کو یہ کیا حق ہے کہ ایسی کتاب کو صداقت کا معیار ٹھہرائے اور اگر قرآن کریم کا کوئی واقعہ اس کتاب کے مطابق نہ ہو تو اُسے جھوٹ قرار دے۔ (باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

خاتم الانبیاؐ اور خاتم الخلفاءؑ

مرقومہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل

آدمؑ سے لیکر ایں دم تک رسولانِ الٰہی آتے رہے۔ اور اپنے منجانب اللہ ہونیکے ثبوت میں نشان پر نشان لاتے رہے۔ سعید روحوں نے ان سے فائدہ اُٹھایا اور بدبخت یہی کہتے رہے لولا انزل علیہ اٰیۃ۔ اور یہ کہ اگر کوئی نشان دکھاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم لئن جاءتھم اٰیۃ

لیؤمنن بھا۔ قل انما الآیات عند اللہ۔ وما یشعرکم انھا اذا جاءت لا یؤمنون۔ بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشان دکھلایا جائے تو ہم ضرور ایمان لائیں گے کہہ وے نشان تو اللہ کے پاس بہت ہیں۔ مگر تمھیں کیا معلوم کہ جب نشان آویں تو یہ ایمان لانے کے نہیں ؛

جناب خاتم النبیین۔ رحمۃ للعالمین ؐ کے دست مبارک پر کئی نشان ظاہر ہوئے میں انسی بارہ انتخاب کرتا ہوں۔ اور بعینہ اسی رنگ میں ان کے بروز جناب مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر جو نشان دکھائے گئے ان کا بھی ذکر کر کے اپنے مسلمان بھائیوں سے سوال کرنے کا حق رکھتا ہوں کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ تو پھر خاتم الخلفاء کی بیعت سے کیوں انکار کرتے ہیں ؛

خاتم الانبیاءؐ

(۱) آپ کو قرآن مجید ایسی جامع فصیح و بلیغ کتاب دی گئی اور دعویٰ یہ تھا۔

لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا (بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

(۲) سیھزم الجمع ویولون الدبر کے ذریعے حضور انور نے اعلان کیا کہ تمام مخالف گروہ شکست یاب۔ اور جو مباہلہ کے لیئے مقابلہ پر آئیں گے وہ ہلاک ہونگے۔

خاتم الخلفاءؑ

باوجود ہندی الموطن ہونے اور کسی اُستاد سے یا باقاعدہ تعلیم علوم رسمیہ نہ پانے کے آپ نے عربی کتابیں بڑی تحدی سے شائع کیں اور عرب و عجم کے فصحاء بلغاء علماء و فضلاء کو چیلنج کیا کہ انکی مثل لاؤ انعام پاؤ۔ بلکہ یہانتک ارشاد کیا جو اعجاز المسیح کا جواب لکھنے پر تیار ہوگا وہ ہلاک ہو جائیگا (یہ پیشگوئی اپنے وقت پر پوری ہو چکی ہے)

جلسہ مذاہب اعظم میں اور پھر مختلف موقعوں پر خدا نے اپنے پاک بندے کی نصرت کی۔ کوئی مخالف سامنے نہ آسکا آزمایش کے لیئے کوئی نہ آیا۔ ہرچند۔ ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے جو مباہلہ کیلیئے اٹھا ہلاک ہوا۔ لیکھرام۔ عبداللہ آتھم

(۳) واللہ یعصمک من الناس	خدا نے آپ سے بھی یہی وعدہ فرمایا۔
اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔	اور اپنی الہامی عمر کے مطابق اپنی
چنانچہ ایسے ملک میں جہاں باوجود پوری	طبعی موت سے مظفر و منصور۔ کامیاب
شان و شوکت و حصول سلطنت کے	و بامراد فوت ہوئے۔ قتل کے
حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ شہید ہوئے	مقدمے بنا کر مخالفوں نے پھانسنا
آپ طوائف الملوکی۔ بےکسی بےبسی	چاہا۔ مگر خدا کی حفاظت و نصرت و تائید
ہونے کی حالت میں جانی دشمنوں کی ضرر رسانی	آپ کے شامل حال رہی۔
سے محفوظ رہے۔	
(۴) انانأتی الارض ننقصہا من اطرافہا۔	ایک گاؤں میں آپ گمنامی اور خلوت
یہ ایسے وقت میں پیشگوئی فرمائی جبکہ چاروں	کی زندگی بسر کرتے تھے خدا نے آپ کی
طرف سے آپ کی مخالفت ہو رہی تھی	زبان پر فرمایا۔ یأتون من کل فج عمیق
آخر خدا نے کفر کی سرزمین کو گھٹا دیا۔	دور دور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے
اور گھٹاتے گھٹاتے یہاں تک گھٹایا	اس کے ثبوت میں اب کوئی قادیان کو دیکھے
کہ بل للہ الامر جمیعا کے مطابق	کہ ۲۵ برس میں امریکہ۔ اسٹریلیا۔ کابل
سارے عرب میں اسلام پھیل گیا۔	غزنی کشمیر سے لوگ آ رہے ہیں۔
(۵) ان شانئک ھو الابتر	آپ کے دشمنوں کا بھی یہی حال ہے۔
آپ کے دشمن مقطوع النسل ہونگے۔	خود قادیان میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔
چنانچہ ان شدید مخالفوں۔ عنادی منکروں	اور بہت سی مثالیں باہر کی مل سکتی ہیں
کا کوئی نام لیوا نہیں۔	
(۶) فتمنوا الموت ان کنتم صادقین	آپ نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ لکھا کہ
آپ نے اعلان کیا کہ ہمارے خلاف	اگر کوئی دعا کرتے کرتے مر بھی جائے
کوئی دعا قبول نہ ہوگی۔ وما دعاء	تو میرے خلاف وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔
الکافرین الا فی ضلال	

(۷) حضورؑ نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کی کنجیاں ہمارے قبضے میں آئیں گی گو اب اس کے طواف سے بھی ہمیں روکا جاتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا کہ مسجدوں سے ہمیں روکا جاتا ہے مگر آخر یہ مسجدیں ہماری ہی ہو جائیں گی۔ خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس کے بھی کئی نمونے موجود ہو چلے ہیں

(۸) آپ نے خسرو پرویز کے مرنے کی خبر دی جس نے آپ کا خط پھاڑ ڈالا تھا۔

جس نے آپؑ کی براہین کی ناقدری کی اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ہے نواب صدیق حسن خاں کی گرفتاری اسکی ثبوت میں پیش کیجا سکتی ہے سید احمد خاں۔ اندرمن۔ دیانند کئی لیڈران قوم کے مرنے کی خبر قبل از وقت دی

(۹) نہروں کا نکالا جانا۔ خسوف و کسوف رمضان میں۔ یقتل الخنزیر یعنی ایک بڑے سؤر (بے غیرت انسان) کا قتل۔ دجال۔ یاجوج ماجوج کا خروج۔ کتابوں کا پھیلنا۔ ایک دخانی سواری کا نکلنا۔

یہ تمام نشان آپؑ ہی کے زمانے میں پورے ہوئے۔

(۱۰) ایک شخص کی نسبت جہنمی ہونے کی پیشگوئی فرمائی جس نے بہت عمدہ جنگ کی مگر آخر زخموں کی تکلیف سے خودکشی کر لی۔

چراغ جمونی نے پہلے بڑے اخلاص کا اظہار کیا۔ آپؑ نے الہام شائع فرمایا نزل بہ جبیز۔ اور یہ کہ آخر وہ ہلاک ہوگا۔ ایسا ہی ہوا۔ پھر عبدالحکیم۔

(۱۱) آپ کی دعا سے قریب المرگ تندرست ہوئے۔

آپؑ کی دعاؤں سے کئی ایسے مریض جن پر ڈاکٹر موت کا حکم لگا چکے۔ اچھے ہو گئے نواب محمد علی خاں صاحب کا لڑکا۔ میر ناصر نواب صاحب کا لڑکا۔

(۱۲) اہالیٔ عرب کی جو حالت تھی وہ امرء القیس کے ایک شعر سے واضح ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے تھے ؎ فمثلك حبلیٰ قد طرقتِ ومرضع۔ فالھیتھا عن ذی تمائم محول ؎ اذا ما بکی من خلفھا انصرفت لہ بشق وتحتی شقھا لم تحول؎ آخر اسی زمین کے لوگ عباد الرحمٰن یمشون فی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما تا آخر سورہ کے شان نزول بنے۔

(۱۳) کئی ایسے لوگ جو سیہ کاریوں بدکاریوں میں ضرب المثل تھے آپ کی قوت قدسیہ کے ذریعے پاکباز بنے۔ زندہ نظیریں موجود ہیں اور ایک دنیا ایسے اصحاب کو جانتی ہے

نماز جمعہ کی ادائگی کیلئے میموریل

ذیل کا میموریل متعلق ادائگی نماز جمعہ جو حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے حضور وایسرائے ہند کی خدمت میں بھیجا جا دے گا۔ بغرض اعلان ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ امید ہے کہ جملہ اہل اسلام اس کی تائید کر کے مسلمان ملازمین اور مسلمان طلباء کی راہ سے ایک بڑی روک کو دور کرنے کی کوشش کا ثواب لیں گے ؛ (ایڈیٹر)

شہنشاہ جارج پنجم شاہ برطانیہ و قیصر ہند کے دربار تاجپوشی کا عظیم الشان دربار جو ۱۲ دسمبر کو ہندوستان کے شاہان اسلامی کے قدیم دار الخلافہ میں منعقد ہونیوالا ہے۔ وہ تاریخ ہندوستان میں ایک ایسا اہم واقعہ ہے کہ اس کے متعلق طبائع میں عجیب ولولے پیدا ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کو صدیوں بعد یہ

عزت نصیب ہوگی کہ اس کا شہنشاہ اس کے قدیم دارالخلافہ میں تخت نشین ہوگا۔ اور شہنشاہ بھی ایسا کہ اپنی وسعت مملکت کے لحاظ سے نہ اس زمانہ میں اور نہ کسی پرانے زمانہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ پس یہ لازمی امر تھا کہ ایسے عظیم الشان اور مبارک موقعہ پر طرح طرح کی امنگیں طبائع میں پیدا ہوتیں۔ اور خصوصاً رعایا کے اس حصہ کے دلوں میں جو اپنے بادشاہ کی وفاداری کو اپنے مذہب کا ایک جزو سمجھتے ہیں۔

اس مبارک موقعہ پر میں سلسلہ احمدیہ کا امام ہونیکی حیثیت سے ایک اہم امر کی طرف تمام مسلمانان ہند کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ سلطنت انگریزی نے جب سے ہندوستان میں قدم رکھا ہے یہ زرین اصول ہمیشہ اپنے مدِّنظر رکھا ہے کہ ہر قوم کو پوری مذہبی آزادی حاصل رہے اور اپنے فرائض مذہبی کی ادائگی میں اسے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ چنانچہ سب قومیں جو وسیع ملک میں آباد ہیں اپنے اپنے مذہبی فرائض اور مذہبی رسوم کی ادائگی میں ایسی ہی آزاد ہیں جیسے کہ وہ اپنے اپنے ہم مذہبوں کی حکومت کے نیچے ہوتیں گورنمنٹ انگریزی کا نہ کبھی یہ منشاء ہوا اور نہ ہی ہو سکتا ہے کہ کسی قوم کو بلاوجہ اس کے کسی مذہبی فرض کی ادائگی سے روکا جاوے یا ایسے اسباب پیدا کیئے جاویں جن سے ایسی ادائگی میں کسی قسم کی رکاوٹ واقع ہو۔ ہاں اگر کسی قوم کو کوئی ایسی تکلیف محسوس ہو تو گورنمنٹ کو اسکی اطلاع دینا یا اسکی طرف متوجہ کرنا یہ خود اس قوم کا فرض ہے۔ اہل اسلام سلطنت انگریزی کی ان برکات سے ہر طرح سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں لیکن ایک امر ابھی تک ایسا ہے کہ اس کی طرف گورنمنٹ کو پورے زور سے توجہ نہیں دلائی گئی۔ اور مسلمانوں کو قیصر ہند کے ہندوستان میں تاجپوشی کے مبارک موقعہ سے بڑھکر بہتر موقعہ اس غرض کے لیئے پھر میسر آنا مشکل ہوگا۔

جمعہ کا دن اسلام میں ایک نہایت مبارک دن ہے اور یہ مسلمانوں کی ایک عید ہے بلکہ اس عید کی فرضیت پر جسقدر زور اسلام میں دیا گیا ہے ان دو بڑی عیدوں پر بھی زور نہیں دیا گیا جن کو سب خاص و عام جانتے ہیں کیونکہ یہ عید نہ صرف عید ہے بلکہ اس دن کے لیئے قرآن کریم میں یہ خاص طور پر حکم دیا گیا ہے کہ جب جمعہ کی

اذان ہوجائے تو ہر قسم کے کاروبار کو چھوڑ کر مسجدوں میں جمع ہوجاؤ۔ جیسا کہ فرمایا۔ یا ایھا الذین
اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع
یہی وجہ ہے کہ جب سے اسلام ظاہر ہوا اسلامی ممالک میں جمعہ کی تعطیل منائی جاتی رہی ہے۔
اور خود اس ملک ہندوستان میں برابر کئی سو سال تک جمعہ تعطیل کا دن رہا ہے۔ کیونکہ آیت مذکورہ بالا
کے رو سے یہ گنجائش نہیں دی گئی کہ جمعہ کی نماز کو معمولی نمازوں کی طرح علیحدہ علیحدہ بھی ادا کیا جا سکتا
ہے بلکہ جماعت میں حاضر ہونا اور خطبہ سننا اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اس کے لیے ضروری
قرار دیئے گئے ہیں۔ بلکہ عید کی نماز کے لیے بھی اس قدر تاکید اسلام میں نہیں جس قدر کہ جمعہ کی
نماز کے لیئے ہے۔ اور مذہب اسلام کے رو سے جو شخص جمعہ کو چھوڑتا ہے وہ سخت گنہگار ہے۔
ہندوستان کی تین بڑی قوموں یعنی ہندوؤں عیسائیوں اور مسلمانوں میں سے ایک خاص دن
میں عبادت الٰہی کے لیئے جس شدومد سے قرآن شریف میں جمعہ کے متعلق حکم ہے باقی دو
قوموں کے سبت کے متعلق اس زور سے قطعاً انکی مقدس کتابوں میں ذکر نہیں۔
ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ ایک عظیم الشان اسلامی تہوار ہے اور جمعہ کے
تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے کی ہر ایک مسلمان کو ایسی سخت تاکید کی گئی ہے کہ اسے صاف
الفاظ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس وقت کسی دوسرے کام کو قطعاً نہ کرے ؀

اب یہ امر ظاہر ہے کہ جس قدر کسی بڑی قوم کے بڑے بڑے تہوار ہیں ان کے
منانیکے لیئے گورنمنٹ نے اپنی سب رعایا کو یکساں آسانی دے رکھی ہے۔ سب سے زیادہ مشکلات
یہ ایسے تہواروں کے منانے میں ان لوگوں کو ہوسکتی ہیں جو بوجہ ملازمت گورنمنٹ اپنے
وقت کے آپ مالک نہیں مگر ہماری مہربان گورنمنٹ نے صرف مذہبی آزادی کو مدنظر
رکھکر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ سب قوموں کے بڑے بڑے تہواروں کے دنوں
میں تمام سرکاری دفاتر اور سب عدالتیں وغیرہ بند رہیں تاکہ وہ حصہ رعایا جو ملازم گورنمنٹ
ہیں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ان تہواروں کے منانے میں شریک ہوسکیں
درحقیقت اگر گورنمنٹ اپنے ملازمین کو اس قدر آزادی نہ دیتی تو پھر مذہبی آزادی
برائے نام ہوتی پس گورنمنٹ کے اس طریق عمل سے کہ اپنے ملازمین کی خاطر وہ بڑے

بڑے قومی تہواروں کے دنوں میں اپنے سب دفاتر کو بند رکھتی ہے یہ امر تو ظاہر ہو گیا کہ گورنمنٹ کا دلی منشا ریہ ہے کہ کسی قوم کو اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی روک محسوس نہ ہو۔ لیکن جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیئے جہاں تک دیکھا گیا ہے اس قسم کی آزادی ابھی تک حاصل نہیں اور شہنشاہ ہند کی تاجپوشی کے مبارک موقعہ پر اس آزادی کے حصول کے لیئے جس قدر زور دیا جائے کم ہے ؀

یہ تو ظاہر ہے کہ نظام گورنمنٹ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہر ہفتہ میں ۲ دن کی تعطیل ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اتوار شاہ وقت کے مذہب کے لحاظ سے تعطیل کا ضروری دن ہے۔ پس کوئی ایسی تجویز گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنی چاہیئے جس سے نظام گورنمنٹ میں بھی کوئی مشکلات پیش نہ آویں اور اہل اسلام کو یہ مذہبی آزادی بھی ملجائے اس کی آسان راہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے وقت یا تو سب دفاتر اور عدالتیں سکول کالج وغیرہ ۲ دو گھنٹے کے لیئے بند ہو جاویں یا کم از کم اتنی دیر کیلیئے مسلمان ملازمین اور مسلمان طلبار کو اجازت ہو کہ وہ نماز جمعہ ادا کریں اور اس کے متعلق جملہ دفاتر و جملہ محکموں میں گورنمنٹ کی طرف سے سرکلر ہو جائے۔ گو اس وقت بعض افسر اس قسم کی اجازت اپنے ماتحتوں کو دیدیتے ہیں مگر ایسی مثالیں کم ہیں اور خصوصاً سکولوں اور کالجوں میں تو بالکل نہیں۔ ایسی اجازت نہ صرف مسلمانوں کی راہ سے ایک بڑی روک کو اٹھائیگی بلکہ آخر کار گورنمنٹ کیلیئے بھی یہ فائدہ مند ثابت ہوگی۔ کیونکہ نماز جمعہ میں ایک لازمی جزو خطبہ کا سننا ہے۔ اور خطبہ کیا ہے اس میں یا تو اخلاقی وعظ ہوتا ہے یا پیش آمدہ امور میں مسلمانوں کو جو راہ اختیار کرنی چاہیئے اس کا ذکر ہوتا ہے۔ گورنمنٹ خود اس ضرورت کو محسوس کرتی ہے کہ طلبار کی مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام ہو تا کہ جو بد نتائج خالی دنیوی تعلیم سے پیدا ہو رہے ہیں جس کے ساتھ اخلاقی اور دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ان کا انسداد ہو سکے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر گورنمنٹ اور علمائے اہل اسلام توجہ کریں تو جمعہ کے خطبہ سے بڑھکر کوئی بہتر صورت اخلاقی اور دینی وعظ اور تعلیم کی نہیں کیونکہ اس سے سب خاص و عام فائدہ اٹھا سکتے ہیں ؀

اور یہ امر کہ جمعہ کے دن دو گھنٹوں کے لیئے مسلمان ملازمین اور مسلمان طلباء کو نماز جمعہ کی ادائگی کے لیئے اجازت دیدی جاوے کوئی ایسا امر نہیں جس سے گورنمنٹ کی راہ میں کوئی مشکلات پیدا ہوتی ہوں کیونکہ سکولوں اور کالجوں میں تو یہ ضرورت صرف سردیوں کے موسم میں پیش آئے گی گویا سال میں صرف چھ ماہ کیلیئے اس انتظام کی ضرورت ہوگی باقی چھ ماہ اس وجہ سے کہ سکول اور کالج گرمیوں میں گیارہ یا بارہ بجے بند ہوجاتے ہیں۔ ایسی ضرورت نہ ہوگی۔ اور ملازمین گورنمنٹ کی اس قدر دیر کے لیئے غیر حاضری سے جس قدر نقصان ہوگا اسکی تلافی وہ خود بعد از وقت کام کرکے کرسکتے ہیں کیونکہ جو کام انکے ذمہ ڈالا گیا ہے وہ انہیں بہرحال پورا کرنا ہوگا۔ برٹش گورنمنٹ کے نظام میں اس قسم کی مثالیں پہلے موجود ہیں کیونکہ اس گورنمنٹ کو مختلف قوموں پر حکمرانی کا موقعہ خدا نے دیا ہے اس لئے وہ حتی الوسع ان مختلف اقوام کے مذہبی اصولوں کو مدنظر رکھکر کام کرتی ہے۔ چنانچہ مصر میں جہاں بڑا عنصر آبادی کا مسلمان ہے اور خدیو مصر برٹش نگرانی کے نیچے حکمرانی کرتے ہیں۔ وہاں تعطیل کا دن بجائے اتوار کے جمعہ ہی ہے۔ چنانچہ سکول کالج دفاتر عدالتیں وہاں جمعہ کو بند ہوتی ہیں اور اسطرح پر اہل اسلام کو اس حکم کے بجالانے میں جو نماز جمعہ کے متعلق تاکیدی طور پر قرآن کریم میں دیا گیا ہے کوئی دقت نہیں۔ مگر وہاں چونکہ ایک کثیر حصہ اعلیٰ عہدہ داران کا انگریزوں کا ہے جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں اس لیئے گورنمنٹ نے انکو یہ سہولت دے رکھی ہے کہ وہ اتوار کے دن چاہیں تو کام پر حاضر نہ ہوں اور اپنے کام کو باقی دنوں میں پورا کردیں۔ پس جہاں اعلیٰ عہدہ داران کو محض ان کی مذہبی آزادی قائم رکھنے کے لیئے برٹش گورنمنٹ نے اس قدر اجازت دیدی ہے۔ ہندوستان میں مسلمان ملازمین کو جنکی نسبت بھی کل عملہ سے بہت تھوڑی ہے۔ صرف دو گھنٹے کے لیئے اجازت کا ملجانا ایک یقینی امر ہے۔ کیونکہ صرف ساتویں دن دو گھنٹے کے لیئے چند ملازمین کی غیر حاضری سے .. .. جو وہ بھی اکثر غیر ذمہ داری کے عہدوں پر ہوں گے کام کا کوئی بڑا حرج متصور نہیں اور اگر کوئی حرج ہو بھی تو وہی

ملازم خود اپنے کام کو پورا کرنے کے ذمہ وار ہونگے ؛

غرضکہ ایک طرف جب ہم نماز جمعہ کے لئے سخت تاکیدی حکم قرآن شریف میں پاتے ہیں۔ جسمیں اسقدر تاکید ہے کہ صاف الفاظ میں یہ کہا گیا ہے کہ جب نماز جمعہ کا وقت آجائے تو تم دنیا کے ہر ایک قسم کے کاروبار چھوڑ کر نماز جمعہ کی ادائگی میں مصروف ہو جاؤ۔ اور جبتک نماز ادا نہ کر لو کسی کام کی طرف متوجہ نہ ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت کے نیچے آؤ گے اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ نماز جمعہ میں خطبہ میں جو اخلاقی تعلیم مسلمانوں کو دیجاتی ہے وہ ملک اور گورنمنٹ کے لئے کسقدر مفید ہے۔ اور پھر دوسری طرف ہم ایسی نظیر بھی پاتے ہیں جس میں اسی قسم کی دقت ایک دوسرے ملک میں پیش آنے پر انگریزی گورنمنٹ نے اپنے ملازمین کے مذہبی حقوق کی ادائگی کو ان کے سرکاری کام میں حاضری پر ترجیح دیکر علاوہ تعطیل کے دن کے ایک دن اور بھی انہیں غیر حاضر رہنے کی اجازت دی ہے۔ اور جو امر ہم پیش کرتے ہیں اس کی دقت اس دقت سے بدرجہا کم بھی ہے کیونکہ صرف دو گھنٹے کی رخصت نماز جمعہ کی ادائگی کے لئے نہ آرام کیلئے ہم چاہتے ہیں۔ تو ہمیں یقین کامل ہوتا ہے کہ شہنشاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کے موقعہ پر * کرسکے جو چھ سات کروڑ نہیں بلکہ کل دنیا کے مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کرے گی کیونکہ مسلمان قوم سب سے بڑھکر مذہبی آزادی کی دل سے قدردانی کرنے والی ہے ؛

ان وجوہات مذکورہ بالا کی بنا پر ہم نے ایک میموریل تیار کیا ہے جو حضور وائسرائے ہند کیخدمت میں بھیجا جاویگا لیکن چونکہ جس امر کی اس میموریل میں درخواست کیگئی ہے وہ جملہ اہل اسلام کا مشترک کام ہے۔ اس لئے قبل اسکے کہ یہ میموریل حضور وائسرائے کی خدمتمیں بھیجا جاوے ہم نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اسکا خلاصہ مسلمان پبلک اور مسلمان اخبارات اور انجمنوں کے سامنے پیش کیا جاوے تاکہ وہ سب اس پر اپنی اتفاق رائے کا اظہار بذریعہ رزولیوشنوں وتحریرات وغیرہ کے کرکے گورنمنٹ پر اس سخت ضرورت کو ظاہر کریں۔ تاکہ اس مبارک موقعہ پر یہ آزادی اہل اسلام کو حاصل ہو جاوے۔ ہمیں غرض صرف اس امر سے ہے کہ جملہ اہل اسلام کے اتفاق سے جیسی کہ یہ ضرورت متفقہ ہے یہ درخواست حضور وائسرائے ہند کی

* اگر کل ہندوستان کے مسلمان متفق ہوکر اس مذہبی رکاوٹ کے دور کئے جانے کی درخواست کریں تو گورنمنٹ انگریزی ضرور ان کی اس دقت پر غور فرماکر اس کی اصلاح اس مبارک موقعہ پر۔

خدمتمیں پیش ہو۔ اور یہ غرض نہیں کہ ضرور ہم ہی اس کو پیش کرنیوالے ہوں چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہماری دل میں یہ تحریک ڈالی ہے اس لیئے ہم نے اسے پیش کردیا ہے۔ اگر کوئی انجمن یا جماعت ایسی ہو جو صرف اس وجہ سے اس کے ساتھ اتفاق نہ کرے کہ یہ میموریل ہماری طرف سے کیوں پیش ہوا ہے۔ تو ہم بڑی خوشی سے اپنے میموریل کو گورنمنٹ کی خدمتمیں نہیں بھیجیں گے بشرطیکہ اس کے بھیجنے کا اور کوئی مناسب انتظام کرلیا جاوے ؛

پس یہ اشتہار جملہ ایڈیٹران اخبارات اسلامی۔ وسکرٹریان انجمنہائے وشاخہائے لیگ ومعزز اہل اسلام کی خدمت میں اس غرض کیلیئے بھیجا جاتا ہے کہ بہت جلد بذریعہ ریزولیوشنوں کے اور بذریعہ تحریرات کے اسپر اظہار رائے کریں تاکہ عام مسلمانوں کی طبائع کا میلان دیکھکر اس درخواست کو پیش کیا جاوے ؛

المعلن

نورالدین (خلیفۃ المسیح الموعودؑ) یکم جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

تعلیم الاسلام ہائی سکول :- امتحان انٹرنس میں ۲۶ طلباء میں سے جو امتحان میں گئے ۱۵ کامیاب ہوئے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ یہ نتیجہ اس لحاظ سے کہ امتحان انٹرنس میں نصف سے کم طلباء بحیثیت مجموعی کامیاب ہوئے ہیں قابل تعریف ہے۔ جسقدر محنت اس سکول کے طلباء و اساتذہ کرتے ہیں اسکی نظیر بہت کم ہیں۔ مگر بعض مشکلات ایسی ہیں کہ جن کا اثر کچھ نہ کچھ نتائج پر لازمی طور پر پڑتا ہے۔ مثلاً یہ کہ بہت سے لڑکے جو آخری سال میں آکر اس سکول میں داخل ہوتے ہیں۔ کمزور ہوتے ہیں اور احباب کی دلشکنی اور بعض دیگر وجوہات سے انکو لینے سے انکار کرنا مناسب نہیں ہوتا مگر انکی کمزوری کا چند ماہ میں رفع ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اور اس کا اثر یونیورسٹی نتائج پر پڑتا ہے۔ اسی لیئے بار بار احباب کی خدمت میں سے گذارش کیگئی ہے کہ عموماً طلباء کو یہاں چھوٹی عمر میں بھیجنے کی کوشش کریں ایسے طلباء دینی فائدہ بھی زیادہ اُٹھاتے ہیں اور دنیوی تعلیم میں بھی اچھی ترقی کرسکتے ہیں

بہر حال گذشتہ تین سال سے نتائج متواتر بلحاظ عمدگی کے ترقی پر ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سے پیوستہ سال میں ۴۷ فیصدی طلباء کامیاب ہوئے سال گذشتہ میں پچاس فیصدی اور اس سال ۵۸ فیصدی کل تعداد طلبا میں بھی جو یونیورسٹی امتحان میں شامل ہوئے گذشتہ سے پیوستہ سال کی نسبت ۳ ۷ فیصدی کی ترقی ہوئی ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر آئندہ سال میں گذشتہ کی نسبت ترقی ہی نظر آئے گی۔

چندہ تعمیر۔ چندہ تعمیر کے متعلق جو تحریک کی گئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس میں بہت کچھ کامیابی ہوئی جکی کسی قدر اطلاع گذشتہ نمبر میں دیجا چکی ہے۔ قادیان میں بھی حضرت میر ناصر نواب صاحب کی تحریک سے خاصی رقم چندے کی ہو گئی۔ اور جناب میر صاحب موصوف بٹالہ امرتسر کپورتھلہ تک بمعیت جناب مفتی محمد صادق صاحب ایک مختصر سا دورہ چندہ تعمیر بورڈنگ ہوس کے لیئے کر آئے ہیں۔ اور قریب دو سو روپیہ نقد وصول کرنے کے علاوہ ہر جگہ تحریک کر آئے ہیں کہ چندہ تعمیر بورڈنگ کے لیئے جو تجویز ہر ایک احمدی سے ایک ماہ کی آمد لینے کے متعلق کی گئی تھی۔ اسکو تازہ رکھا جاوے اور باقساط چندہ وصول کرنے کی کوشش کی جاوے۔ اب آپ کا ارادہ لاہور سے آگے گوجرانوالہ۔ وزیر آباد۔ گجرات لالہ موسیٰ۔ بھیرہ۔ جہلم۔ راولپنڈی۔ ایبٹ آباد۔ مانسہرہ۔ مقامات میں جانیکا ہے۔ امید ہے کہ احباب ہر جگہ پہلے سے ہی خاص تحریک کرکے جناب میر صاحب کی خیر مقدم کے لیئے تیار رہیں گے اور انہیں خوش کرکے آگے رخصت کریں گے۔ یہ کام محض ایک قومی کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا کام ہے وہی اس کے سامان بھی پیدا کر دے گا۔ حضرت میر صاحب بھی اقرضوا اللہ قرضاً حسناً پر عمل کرنیکی ترغیب دلانیکے لیئے احباب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ احباب اس موقعہ پر اپنی تکالیف اور مشکلات پر سلسلہ کی مشکلات کو مقدم کرکے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عملی ثبوت دیں گے۔ جیسا کہ بہت سے مقامات سے یہ عملی ثبوت مل بھی چکا ہے۔

موجودہ مالی مشکل کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ بورڈنگ ہوس کی تکمیل کیلئے کسی قدر

اور اینٹ کی ضرورت تھی جسکی خاطر بھٹہ چڑھانا پڑا۔ اور بھٹہ چڑھاکر پھر صرف اسیقدر اینٹ پکوانے پر بس نہ ہوسکتی تھی جسکی ضرورت صرف بورڈنگ ہوس کے لیئے تھی۔ بلکہ آئیندہ کاموں کو مدِ نظر رکھکر کچھ زائد اینٹ بھی پکوانی پڑی۔ اور اس طرح پر عمارت کے خرچ کے ساتھ قریب گیارہ ہزار روپیہ بھٹہ پر بھی خرچ ہوگیا۔ جس میں سے انشاء اللہ تعالےٰ بورڈنگ ہوس کی تکمیل پر سات آٹھ ہزار روپے سے زیادہ کی اینٹ آئیندہ ضرورتوں کے لیئے موجود رہے گی۔ دوسری طرف عمارت کے بعض اخراجات اکٹھے آپڑتے ہیں مثلاً اسی موقعہ پر گرڈروں کی خرید تین ہزار روپے کے قریب اکٹھا خرچ کرنا پڑا۔ مگر خزانہ انجمن میں پندرہ سَو روپے کا رہ جانا اگر فکر کی بات تھی تو محض اس وجہ سے کہ عمارت کا کثیر خرچ ابھی درپیش ہے۔ ورنہ معمولی ماہوار اخراجات کیلئے اللہ تعالےٰ کے فضل سے عموماً معمولی ماہوار آمد مکتفی ہوجاتی ہے۔ اور یُوں تو جب سے سلسلہ کے ساتھ سکول میگزین وغیرہ کے اخراجات شروع ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کا جو اس کاروبار کے چلانے میں معاون رہے ہیں ہمیشہ یہی یقین رہا ہے کہ یہ کاروبار محض خدا کے فضل سے چل رہے ہیں۔ اس نے بڑی بڑی مشکلات کے وقتوں میں بھی اللہ تعالےٰ نے نصرت فرمائی اور ہر کام میں محض اسی کے فضل اور نصرت سے یوماً فیوماً ترقی ہی ہوتی چلی گئی ہے۔ گو ظاہری مشکلات بعض وقت کارکنوں کو ایسی بھی محسوس ہوئی ہوں کہ وہ مایوسی کے قریب قریب پہنچ گئے ہوں۔ چنانچہ آج سے چھ سات سال پہلے ایسے ہی بعض مشکلات کے پیش آنے پر جبکہ مدرسہ کا انتظام جناب خانصاحب محمد علی خان صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ہمارے موجودہ امام خلیفۃ المسیح حضرت مولوی نورالدین صاحب و حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور اس عاجز کو بلاکر فرمایا کہ مدرسہ میں سخت مالی مشکلات کی وجہ سے نواب صاحب گھبرا گئے ہیں اور وہ اس مدرسہ کے توڑنے کی تجویز کرتے ہیں مگر ایسا نہیں ہوسکتا۔ گھبرانیکی کوئی ضرورت نہیں آپ اس کام کو اپنے ذمہ لے لیں اللہ تعالےٰ ہمارے سب کاروبار کا معاون ہے اور وہ یقیناً ہمارے ہر ایک کام میں ہمارا ناصر و معاون ہوگا اور یہ مشکلات سب پاش پاش ہوجاویں گی چنانچہ اسوقت کے بعد مدرسہ

ایک غیر معمولی ترقی ہر پہلو سے کی ہے۔ نہ صرف مدرسہ کی عمارت کا وہ حصہ جو بوقت کی مالی مشکلات کی وجہ سے فروخت ہوچکا تھا واپس آگیا۔ بلکہ مدرسہ کے اخراجات ہر طرح سے بڑھتے گئے بہت سی نئی عمارتوں کی سابقہ عمارت مدرسہ کے ساتھ ایزادی ہوئی اور آخر کار یہ وسیع قطعہ شہر سے باہر مزید توسیع کے لیئے خریدا گیا جہاں اسوقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بورڈنگ ہوس کی ایک ایسی عظیم الشان عمارت کھڑی ہوگئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قایم کردہ سلسلہ کی عظمت کا ایک ظاہری نشان ہے اور یہی دارالعلوم کا بنیادی پتھر ہے ؎

یتامیٰ کے متعلق بھی میں اپنے احباب کو خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس فنڈ کی موجودہ گنجائش کا یہ حال ہے کہ اور درخواستوں کی منظوری تو ایک طرف رہی جن یتامیٰ کی پرورش کو انجمن اپنے ذمہ لےچکی ہے انکے اخراجات چلانیکے لیئے بھی کافی روپیہ نہیں ہے کسی یتیم کی درخواست آجانے پر ایسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو گنجائش نہیں ہوتی اور دوسری طرف یتیم کو رد کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ بالخصوص حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی رحیم طبیعت اس بات کو برداشت نہیں کرتی۔ اس لیئے میں سب احباب کو زور سے توجہ دلاتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے جناب میر صاحب کو چندہ تعمیر کے علاوہ یتامیٰ کے لیئے چندہ کرنیکی تحریک کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ امید ہے کہ سب احباب اس نیک تحریک میں بھی انکی اعانت فرمائیں گے ؎

اصول اسلام یعنی لیکچر جو ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کی طرف سے جلسہ مذاہب میں بمقام الہ آباد پڑھا گیا تھا علیحدہ رسالہ کی صورت میں انگریزی اور اردو میں چھپکر تیار ہے اشاعت اسکی مفت ہے۔ احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ محصولڈاک کے ٹکٹ بھیجکر حسب ضرورت کاپیاں منگوالیں اور بکثرت شائع کریں ؎

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۸

سالانہ چندہ عوام سے عہ طلبا سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے
صدر انجمن کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

قرآنی بیانات کی صحّت

سلسلہ کیلیے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر

علمی دنیا سے اب یہ امر مخفی نہیں کہ بائیبل کی بعض کتابوں کو اب خود عیسائی دنیا ناقابل اعتبار سمجھتی ہے اور بارہا یہ کوشش ہو چکی ہے کہ عہد عتیق کی بعض کتابوں کو اُن کے غیر معتبر ہونیکے باعث کتاب اقدس میں سے خارج کر دیا جائے چنانچہ اس کے متعلق جوئش انسائکلو پیڈیا یعنی یہودیوں کے دائرۃ المعارف کے مصنفین کہتے ہیں ایک عرصہ تک " اس بات پر مباحثات ہوتے رہے کہ آیا حزقیئیل کی کتاب اور سلیمان کی تین کتابوں (یعنی امثال ۔ واعظ اور غزل الغزلات) اور استر کو بھی کتاب اقدس میں شامل کیا جائے یا نہ ؟ حزقیئیل کی مخالفت عارضی تھی اور اس کی وجہ اس کتاب اور توریت کا باہمی تضاد تھی۔ بہت لوگوں نے چاہا کہ اس کتاب کو چھپا ڈالیں لیکن حننیاہ بن حزقیاہ بن گارون نے تیل کے تین سو پیپے خرچ کرکے اس کتاب کو واگذار کرا لیا امثال کی بھی ہلکی سی مخالفت ہوئی اور اس مخالفت

کی وجہ بھی باہمی تضاد و تناقض ہی تھی۔ اسی سبب سے جھگڑا ہوا تھا کہ واعظ کی کتاب نہ پڑھی جایا کرے۔ بعض کے نزدیک واعظ کی تلاوت سے مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ اس کتاب میں کفر کی تعلیم ہے۔" آستر کے بارہ میں جوئش انسائکلو پیڈیا میں لکھا ہے "کئی ایک ذرائع سے واضح ہوتا ہے کہ اس کتاب کا کتاب اقدس میں شامل ہونا یقینی امر نہیں ہے۔"

پادری صاحبان ان کتابوں کو معتبر ثابت کرنیکی جو دلیل دیتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ یہ کتابیں خدا کے الہام سے لکھی گئی ہیں اور کلامِ خدا ہیں۔ لیکن جائے تعجب ہے کہ نہ تو ان کتابوں نے کہیں خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی انہیں سے بہت سی کتابوں کے مصنفوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی صورت میں ہماری بھولے پادری صاحبان پر مدعی سست گواہ چست کی مثال صادق آتی ہے۔ بہرحال ہم پادری صاحبان کی اس دلیل کی طرف توجہ کرتے ہیں اور مثال کے طور پر عہد عتیق و جدید میں سے نہایت معتبر اور ضروری کتابیں یعنی بائیبل کی پہلی پانچ کتابیں لیتے ہیں جو توریت کے نام سے مشہور ہیں۔ پادری صاحبان کا قول ہے کہ ان کتابوں کے مصنف خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں چونکہ لوہا لوہے سے ہی خوب کٹتا ہے اس لیے ہم اُن کے اس قول کی تردید میں انسائکلو پیڈیا ببلیکا کے قابل یوروپین مصنفین کی رائے پیش کرتے ہیں وہ ہو ہذا "عرصہ دراز ہوتا ہے جب یہ شکوک پیدا ہوئے تھے کہ آیا پہلی پانچ کتابیں حضرت موسیٰؑ کی اپنی لکھی ہوئی ہیں یا نہ۔ لیکن سترھویں صدی مسیح میں یہ شکوک اسقدر مضبوط ہو گئے کہ اُن کا دبانا امر محال ہو گیا۔ یہ بات مشاہدہ میں لائی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام صیغۂ متکلم میں نہیں بولتے بلکہ کوئی اور شخص اُن کا ذکر صیغۂ غائب میں کرتا ہے۔ اور اس شخص کا زمانہ بھی موسیٰ علیہ السلام سے بہت عرصہ بعد کا ہے۔ پیدائش باب ۱۲ ورس ۶ کے اس فقرہ سے کہ "اُس وقت ملک میں کنعانی تھے" ناظرین کو بتلایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل سے پہلے ارض مقدس میں ایک اور قوم آباد تھی جو اَب اُن کی یاد سے اُتر چکی ہے۔

پیدائش باب ۳۶ ورس ۳۱ کے یہ الفاظ "اور بادشاہ جو ملک ادوم پر مسلط ہوئے پیشتر اس سے کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو" پیشگوئی کے رنگ میں نہیں ہیں بلکہ کسی ایسے مصنف کا پتہ دیتے ہیں جو عبرانیوں کے ایام سلطنت میں ہوا۔ پھر گنتی باب ۲۱ ورس ۱۴ میں "خداوند کے جنگنامہ" کا جو حوالہ ہے اُسے موسیٰ کس طرح دے سکتے تھے جبکہ اس میں خود اُنکے اپنے کارناموں کا ذکر ہے۔ اور جب استثنا باب ۳۴ ورس ۱۰ (گنتی باب ۱۲) میں یہ کہا گیا ہے کہ "ابتک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اُٹھا" تو ضرور مصنف کوئی ایسا آدمی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے اور بہت سے انبیاء کے آچکنے کے بعد ہوا ہے۔ اور جب اسی زمانہ میں (سترھویں صدی میں) توجہ دلائی گئی کہ تورات کے واقعات مساوات۔ نقل اور تکرار میں متضاد ہیں تو یہ خیال دلوں سے نکل گیا کہ پہلی پانچ کتابوں کا مصنف کوئی واحد شخص ہے" انسائکلوپیڈیا ببلیکا جلد ۲ کالم ۲۰۴۵ اور ۲۰۴۶ ؀

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جس کتاب کے تاریخی واقعات کو قرآن کریم کے قصص کی صداقت کا معیار قرار دیا جاتا ہے اُس کے اپنے تاریخی واقعات کہانتک صحت کے قریب ہیں۔ چنانچہ توریت اور بائیبل کی دوسری کتابوں کے متعلق انسائکلوپیڈیا ببلیکا کا فیصلہ حسب ذیل ہے۔

اس زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے جبکہ عبرانیوں نے اپنی تاریخ لکھنی شروع کی تھی انسائکلوپیڈیا مذکور میں لکھا گیا ہے کہ "تاریخ بنتی پہلے ہے اور لکھی پیچھے جاتی ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ تاریخ نویسی کا شوق کسی ایسی بڑی کامیابی کے بعد پیدا ہوتا ہے جو کسی قوم کو اپنی ہستی کا احساس کراتی اور یہ خیال دلاتی ہے کہ اُس کے کارنامے اب قابل یادگار ہیں .... اسرائیل کی تاریخ کا آغاز اُسوقت سے ہوتا ہے جب اُنکی تمام قوموں کا اتحاد ہوا اور فلسطینیوں کی حکومت کا جوا اُنکی گردن سے اُتر گیا.... اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اغلبًا عبرانیوں کی سب سے پہلی تاریخ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں لکھی گئی تھی (یعنی دسویں صدی قبل از مسیح کے وسط میں) اور عبرانی تاریخ نویسوں نے سب سے پہلے گذشتہ

نصف صدی کے واقعات قلم بند کیئے۔ جب اس طرح تاریخ کا آغاز ہو چکا تو اسرائیلی مصنفین نے طبعاً اپنی قدیم تاریخ کو حوالہ قلم کرنے کا شوق کیا، جابر تاریخی لٹریچر ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں عبرانیوں کی تاریخ سے مراد بائیبل کی کتابیں ہیں جن میں اُن کی تاریخ درج ہے ۔

مصنف ینابیع نے قرآن کریم کو سنی سنائی روایات کا مجموعہ قرار دیا ہے لیکن چاہ کن راچاہ درپیش پادری صاحب کی بائیبل خود اسی الزام کے نیچے آتی ہے صرف فرق یہ ہے کہ قرآن کریم کے متعلق تو سوائے من گھڑت باتوں اور بائیبل کو پیش کرنیکے اور کوئی ثبوت نہیں ملتا مگر بائیبل شریف کا بخیہ خود اُن کے اپنے بھائی اُکھیڑ رہے ہیں اور وہیں بتاتے ہیں کہ واقعی بائیبل سُنی سُنائی باتوں کا مجموعہ ہے چنانچہ یہودی تاریخ (یعنی بائیبل) کے ماخذوں کا ذکر کرتے ہوئے انسائکلوپیڈیا بابلیکا کے لائق مصنفین فرماتے ہیں "اسکے ماخذ اشعار۔ شجرہ نسب۔ مختلف قومی اور مقامی روایتیں متبرک خانقاہوں کی پُرانی کہانیاں۔ مقدس مقامات کے متبرک قصے .... قوانین۔ دیسی اور بدیسی توہمات۔ قبائل کا قدیم دستور اور تمثیلیں۔ المختصر ہر ایک ایسی بات جو زمانہ قدیم کے متعلق شہادت دے سکتی .... ہمارے خیال میں ان ماخذوں کا بڑا حصہ قطعاً تاریخی نہیں "۔

عہد عتیق کی پہلی چھ کتابوں کے متعلق انسائکلو پیڈیا بلیکا میں لکھا ہے کہ "نہایت قدیم اسرائیلی تاریخ کا ایک بڑا حصہ بائیبل کی پہلی چھ کتابوں کے اوراق میں درج ہے ... محققوں نے اس کی علامت حرف ج رکھی ہے اور ایسا ہی قاضیوں وسموئیل کے اکثر بابوں میں سے جو ج سے ملتے جلتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ اسرائیل کی تاریخ ہم تک متواتر اور اصل حالت میں نہیں پہنچی۔ اس تاریخ کے جامع لوگوں نے اسے دوسرے ماخذوں کے ساتھ ملاتے وقت نہ صرف بعض حصص کو ہی نظر انداز کر دیا ہے بلکہ ایسے واقعات ایزاد کر دیئے ہیں جن کی نوعیت اور زمانہ اسرائیل کی تاریخ سے جداگانہ ہے"۔ "زمانہ قدیم کے عبرانی تاریخ نویس

اپنی تصانیف پر اپنا نام نہیں لکھتے تھے۔ اُن کو مصنف ہونے کا خیال و گمان بھی نہ تھا۔ جن قصے کہانیوں کو انہوں نے جمع کیا تھا وہ سب کا مشترک ورثہ تھے اور حوالۂ قلم ہونیکے بعد بھی بدستور اُنکی یہی حیثیت رہی۔ یہ تحریری نسخے بہرصورت ربی لوگوں یعنی اہل شریعت کے قبضہ میں ہوتے تھے... پہلی کتابوں میں روایات کے بڑے ذخیرے کا صرف ایک حصہ درج تھا۔ بڑھانے والوں نے اور نئی نئی باتیں ایزاد کردیں لیکن ماخذ اُنکے بھی وہی تھے جو اصل مصنفین کے تھے۔ اس طرح ہر ایک نیا نسخہ تازہ ترمیم شدہ ہوتا تھا... ربیوں نے مختلف نسخوں کا باہم مقابلہ کیا اور اپنے سمجھ قوت فیصلہ اور ذاتی مفاد کو مدنظر رکھکر اُن کے مضامین کو جمع کیا۔ سلیمانؑ کے وقت تک تاریخ نویسوں کے ماخذ محض مختلف المضامین اور مختلف الانواع روائتیں ہی تھیں۔ کسی تحریری یادداشت یا یادگاری عمارت کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ اگر چلتا بھی ہے تو اس میں بڑی حد تک شک کی گنجائش ہے"۔

ہمارے ناظرین! جو حوالجات ہم نے اُوپر دیئے ہیں یہ دراصل عیسائی یورپ کے قابل ترین نہایت روشن خیال اور غیر جنبہ دار عیسائی مصنفین کی تحقیق اور رائیں ہیں جو انسائکلوپیڈیا ببلیکا میں بائیبل کی نہایت ضروری کتاب یعنی توریت موجودہ کے متعلق ظاہر کیئے گئے ہیں۔ جب نہایت مشہور اور ضروری کتاب کا یہ حال ہو تو باقی کا آپ خود اندازہ لگالیں پس اس شہادت کے مقابل پادری صاحبان کا یہ کہنا کہ جو تاریخی واقعات بائیبل میں بیان کیئے گئے ہیں وہ نہ صرف نقائص سے بری بلکہ تکمیل تک پُہنچے ہوئے ہیں محض خام خیالی اور ہٹ دھرمی ہے۔

پادری صاحبان بار بار قرآن کریم کا حوالہ دیکر کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم توریت کا مصدق ہے لہٰذا اس کے تمام واقعات معتبر اور قابل تسلیم ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ جب آپ قرآن کو خدا کا کلام ہی نہیں مانتے بلکہ اُسے ایک انسان کی بناوٹ خیال کرتے ہیں تو آپکو اس شہادت کے پیش کرنے سے فائدہ ہی کیا؟ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے ہی تھے جیسا کہ عیسائی صاحبان

آپکو خیال کرتے ہیں۔ اور اگر قرآن دراصل آپ ہی کا منصوبہ ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ عیسائی اُس شہادت پر فخر و ناز کریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنکی کتب مقدسہ کے متعلق ثابت ہو بلکہ یسوع کے پرستاروں کو تو ایسے فعل پر نادم ہونا چاہیئے کیونکہ جسے وہ (معاذ اللہ) جھوٹا سمجھتے ہیں اُس کے ہی الفاظ کو وہ اپنی کتب مقدسہ کی صداقت میں پیش کرتے ہیں۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا بیشک اُسوقت پادری صاحبان حوالہ دے سکتے تھے اگر وہ آپ کو ایک سچا نبی تسلیم کرتے

واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تسلیم کرنا گویا آپ کی وحی یعنی قرآن کریم کو خدا کی کتاب ماننا ہے اور یہ مسیحیوں کے لیئے موت ہے۔ اگر مسیحی اس موت کو جس میں ابدی زندگی ہے اپنے لیئے پسند نہیں کرتے تو اُن کا بار بار توریت کی مصدق آیات قرآنی کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنا فضول ہے کیونکہ جو کتاب توریت کی تصدیق کرتی ہے وہ بڑی تحدّی سے اپنے متعلق بھی خدا کی کتاب ہونے کا دعویٰ کرتی ہے پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسیحیوں کا مسلمانوں کو ان آیات کی طرف توجہ دلانا کیا معنے رکھتا ہے۔ اگر اُن کا یہ منشاء ہو کہ مسلمان قرآن کو چھوڑکر توریت کی پیروی اختیار کریں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لائیں اور دوسرے سے انکار کریں غرض اگر قرآن مجید کی اُس شہادت کو صحیح مانا جائے جو توریت کے متعلق ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کیوں قرآن مجید کے اپنے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ نہ تسلیم کیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم توریت کا مصدق ہے مگر یہ بھی پوشیدہ امر نہیں کہ وہ اپنے منجانب اللہ اور آخری شریعت ہونے کا بھی بڑی تحدّی سے مدعی ہے پس ایک ہی کتاب کی ایک شہادت کو تسلیم اور دوسری کو ردّ کرنا سراسر معقولیت کے خلاف ہے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم (نعوذ باللہ) واقعی ایسے ہی ہیں جیسا کہ مسیحی واعظین اپنی تقریر و تحریر میں اُنہیں ظاہر کرتے ہیں تو پھر اُنکی شہادت اور عدم شہادت دونوں مساوی ہیں اور اُن کے اقرار یا انکار سے توریت خدا کا کلام ثابت نہیں

ہو سکتی ہاں اگر مسیحی صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی شہادت سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو اُن کو لازم ہے کہ پہلے آپکی راستبازی کا اقرار کریں کیونکہ اس کے بغیر اُن کی پیش کردہ شہادت ہرگز قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راستباز ماننے سے لازم آتا ہے کہ قرآن کریم کو بھی خدا کا کلام اور آخری وحی تسلیم کیا جائے کیا مسیحی صاحبان ایسا کریں گے ؟

ہمارے مسیحی مہربان چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی شہادت سے بائیبل کے بیان کردہ تاریخی واقعات کو صحیح ثابت کریں لیکن اُن کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید اگر توریت کا مصدق ہے تو صرف موسوی شریعت کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ تاریخی حصہ کی مسلمانوں کی مقدس کتاب میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے اشارۃً یا کنایۃً پرانے یا نئے عہدنامے کے قصے کہانیوں کی تصدیق پائی جاتی ہو۔ ہمیں اس بات سے ہرگز انکار نہیں کہ قرآن توریت کا مصدق ہے یعنی موسوی شریعت کی تصدیق کرتا ہے لیکن اس بات کا ثبوت کیا ہے ؟ کہ ہر ایک بات جو پیدائیش یا خروج کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے وہ موسیٰؑ کے اپنے قلم سے ہے۔ ہم اس مضمون میں کافی شہادتوں سے یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ موجودہ توریت کے مصنف حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے۔ قرآن کریم سے یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کبھی کوئی کتاب یا تاریخ لکھی تھی۔ ہمارے اس دعویٰ کی تائید میں انسائکلوپیڈیا پر مفصلہ ذیل الفاظ قابل ملاحظہ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر قرآن کریم توریت یا موسوی شریعت کو خدا کا کلام مانتا ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ بائیبل کی موجودہ کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں وہ ضرور آپ کے اپنے قلم سے ہیں۔

" بائیبل کی قدامت " کے عنوان سے مذکورہ بالا دائرۃ المعارف میں لکھا ہے " اگرچہ عہد عتیق کی پہلی پانچ کتابیں (موجودہ توریت) موسیٰ سے قریباً ایک ہزار برس بعد لکھی گئی ہیں تاہم ممکن ہے کہ توریت کے اصل بانی خود موسیٰ ہی

ہوں" جلد۲ کالم ۲۰۵۵

پھر ہم کہتے ہیں کہ اکیلی توریت پر کیا موقوف ہے قرآن کریم انجیل کا بھی مصدق ہے مگر قرآن کی تصدیق سے جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں ہرگز یہ مراد نہیں کہ قرآن موجودہ توراۃ کے قصوں یا موجودہ اناجیل کی کہانیوں کا مصدّق ہے بلکہ جس امر کا قرآن مصدق ہے وہ شریعت۔ پیشگوئیاں اور تعالیم ہیں۔اور قرآن شریف کی تصدیق کا مفہوم صرف یہی ہے کہ توریت اور انجیل کی تعالیم پیشگوئیاں اور قوانین کا منبع اور مبدا دراصل خدائے تعالیٰ کا مقدس الہام تھا۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے جہاں کہیں توریت کی تصدیق کی ہے وہاں توریت کی پیشگوئیوں اور شریعت کی تصدیق ہے اور جہاں انجیل کی تصدیق کی ہے وہاں صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشگوئیوں کی تصدیق ہے نہ کہ اُن قصّے کہانیوں کی جنکے مصنف ایک جگہ متی۔ لوقا۔مرقس یوحنا وغیرہ ظاہر کیئے جاتے ہیں اور دوسری جگہ کوئی گمنام لوگ ہیں۔ حاصل کلام قرآن کریم کی تصدیق کا صرف یہی مطلب ہے کہ توریت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی تو لاریب یہ خالص خدا کا کلام تھی مگر امتداد زمانہ اور عرصہ دراز کے بعد قلمبند ہونے سے اس میں انسانی تصرف ہوگیا اور جس طرح زرِ خالص میں ملاوٹ ہونے سے کم حیثیت ملمع بن جاتا ہے اسی طرح گو موجودہ بائیبل اپنی اصل ہیئت سے بدلکر کچھ اور کی اور بنی ہوئی ہے۔ تاہم باوجود اس تبدیلی کے اگر طالب حق موجودہ توریت و اناجیل کا بغور مطالعہ کرے تو اُسے سچی تعالیم اور پیشگوئیوں کی ایک بڑی تعداد کا پتہ چل سکتا ہے اور اُس کا قلب اُسے یقین دلا دیتا ہے کہ باوجود زیادہ کھوٹ کے اس ملمع میں زرِ خالص ضرور ہے۔ پس اگر قرآن ان کتابوں کا مصدق ہے تو وہ طالبِ حق کے دل کی طرح زرِ خالص کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ ملاوٹ کی.........

.... ہم اپنے دعویٰ کی تائید میں ایک مسیحی مترجم قرآن کا بیان پیش کرتے ہیں

مسٹر راڈول اپنے ترجمہ کے ایک نوٹ میں صفحہ ۵۰۴ پر لکھتا ہے "قرآن میں جہاں کہیں انجیل کا لفظ آتا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ نیا عہدنامہ یا اُس کا کوئی حصہ مراد ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ (قرآن میں انجیل کے لفظ سے) خدا تعالےٰ کا وہ کلام مراد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوا تھا" اب اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جس طرح انجیل سے خدائے تعالیٰ کا وہ الہام مراد ہے جو حضرت مسیح پر نازل ہوا تھا اسی طرح توریت سے وہ الہام الٰہی مراد ہے جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نزول ہوا تھا۔ غرض قرآن کریم سے ہرگز ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عہد عتیق و عہد جدید کی کتابیں اپنی موجودہ حالت میں خدائے تعالیٰ کا کلام کہلانیکی مستحق ہیں۔ بلکہ اس کے متعلق قرآن کریم کا جو صریح فتویٰ ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (ترجمہ) بھول گئے ایک حصہ اُس چیز سے کہ نصیحت کیئے گئے تھے (پارہ ۶ سورۃ المائدہ)۔

یہاں صاف فرمایا ہے کہ نصاریٰ اُس کلام الٰہی کا ایک حصہ بھول گئے ہیں جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوا تھا۔

(۲) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (ترجمہ) پس وائے ہے اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (پارہ اوّل سورہ بقرہ)

یہاں یہود و نصاریٰ کو ملزم کیا گیا ہے کہ وہ انسان کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کو کلام اللہ کہتے ہیں۔

(۳) جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ (ترجمہ) آیا ہے تمھارے پاس پیغمبر ہمارا بیان کرتا ہے واسطے تمھارے بہت اُس چیز سے کہ تھے تم چھپاتے کتاب میں سے (پارہ ۶ سورۃ المائدہ)

اس جگہ اہل کتاب کو کلام الٰہی کے چھپانے کا الزام دیا گیا ہے۔

(۴) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ - (ترجمہ) کیا نہ دیکھا تُو نے طرف اُن لوگوں کے کہ دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے مول لیتے ہیں گمراہی کو اور ارادہ کرتے ہیں یہ کہ بہک جاؤ تم راہ سے۔ (پارہ ۵ سورۃ النساء)

اس آیت شریف میں اہل کتاب کو کلام آلٰہی میں رد و بدل کرنے کا ملزم ٹھہرایا ہے۔

اب اگر قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات کو ایک طرف رکھا جائے اور اُن عبارتوں کو دوسری طرف رکھیں جن میں توریت و انجیل کی تصدیق ہے تو صاف معلوم ہوجائیگا کہ قرآن پاک نے کس بات کی تصدیق کی ہے کس کی تکذیب۔ یعنی اس میں شک کو قطعاً گنجائش نہ رہے گی کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب ہرگز اس تمام رطب و یابس ہزلیات اور لغو کہانیوں کی مصدق نہیں جو موجودہ بائیبل میں بھری پڑی ہیں بلکہ قرآن کی اصطلاح میں توریت اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل شدہ کلام آلٰہی کا نام ہے۔ اور قرآن شریف کی شہادت کا مدعا یہ ہے کہ جو توریت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور جو انجیل حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی وہ خدائے تعالیٰ کا کلام تھا۔

جب یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ بائیبل کے بیانات غلطی سے پاک نہیں تو کسی تاریخی واقعہ کو محض اس بنا پر کہ وہ بائیبل کے مطابق نہیں ہرگز غلط قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی پادری صاحبان کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کو محض اس بنا پر جھوٹا قرار دیں کہ وہ بائیبل سے مطابقت نہیں رکھتے۔ محض یہ کہدینا قابل وقعت نہیں ہوسکتا کہ چونکہ فلاں واقعہ جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے اس کی تفصیل بائیبل کے بیانات سے مختلف ہے اس لئے وہ قابل تسلیم نہیں کیونکہ جیسا ہم ثابت کرچکے ہیں خود بائیبل کے اپنے بیانات تصدیق کے محتاج ہیں اور اب اس امر میں قطعاً شک کی گنجائش ہی نہیں کہ بائیبل صحت سے دُور اور ملاوٹ سے بھرپور ہے۔ اگر مسیحی صاحبان غور کرتے تو قرآن مجید کا بائیبل سے اختلاف کرنا بھی اس کتاب کی سچائی کی ایک دلیل تھی کیونکہ صحیح کتاب ہر بات میں اُس کتاب کے مطابق نہیں ہوسکتی جس میں اغلاط کی ملاوٹ ہو۔ قرآن کریم کا ایک نام فرقان یعنی فرق

کرنے والا بھی ہے قرآن کے نزول کی اصل غرض بھی یہی تھی کہ اہل کتاب نے اپنے نفسانیت سے خدا کے کلام میں جو ملاوٹیں کر دی تھیں اُن ملاوٹوں کو نکالکر واقعات صحیحہ اور اصل کلام ربانی دنیا کے سامنے رکھے پس قرآن حمید کا بائیبل جیسی مشتبہ کتاب سے اختلاف کرنا اصلیت کا اظہار ہے اور اس کتاب کے خدائے تعالیٰ کا کلام ہونیکی ایک دلیل ہے۔ الحمد اللہ قرآن کریم کی جو بات دشمن کی نظر میں بڑا سقم اور عیب تھی جب غور سے دیکھا گیا تو وہی ایک بڑی خوبی اور زیور ثابت ہوئی۔ بات یہ ہے کہ در اصل قصور دیکھنے والے کی آنکھ کا تھا ورنہ اللہ کا کلام تو روشن اور چمکتا ہوا سورج تھا سو یہ قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور، ایسا چمکا کہ صد نیر بیضا نکلا۔

قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کو غیر معتبر سمجھنے کی ایک اور دلیل جو پادری صاحبان نے دی ہے وہ یہ ہے کہ ان واقعات کی تفصیل اُن یہودی اور مسیحی روایات سے ملتی ہے جن کا ذکر بائیبل میں نہیں ہے۔ اس دلیل کے لانے سے پادری صاحبان کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ جن واقعات کو بائیبل نے چھوڑ دیا ہے اُنکو قرآن نے لے لیا ہے لہذا قرآنی واقعات غلط ہیں۔ لیکن بائیبل کی صحت کے متعلق جو ثبوت ہم ابھی ابھی دے چکے ہیں اُن کی بنا پر ہم بجرأت تمام یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہودی اور مسیحی روایات نہ تو محض اس بنا پر صحیح قرار دیجا سکتی ہیں کہ اُن کا بائیبل کی کسی ایک یا دوسری کتاب میں ذکر ہے اور نہ ہی محض اس وجہ سے اُن کی تردید کیجا سکتی ہے کہ بائیبل میں اُن کا اندراج نہیں جس طرح یہ ثابت ہوا ہے کہ موجودہ بائیبل کی کتابوں میں اغلاط۔ بناوٹ اور ہزلیات کی ملاوٹ ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ یہودی اور مسیحی روایات میں اگر بہت غلطیاں ہیں تو کچھ سچائی بھی ہو یعنی جس طرح نئے اور پرانے عہدنامے کی کتابوں کو اغلاط سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا بعینہٖ اسی طرح یہودی اور عیسائیوں کی دوسری کتابوں کو جن میں اُن کی روایات درج ہیں سچائیوں سے خالی نہیں مانا جا سکتا۔ چونکہ مستند اور غیر مستند ہر دو قسم کی عیسائی کتب میں غلط اور صحیح واقعات کا خلط ملط ہے اس لیئے نہ کسی واقع کو محض بائیبل کی عدم مطابقت

کے سبب سے غیر صحیح مانا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کتاب کو محض اس وجہ سے ردّ کیا جا سکتا ہے کہ اُس کے بعض بیانات کی تفصیل غیر مسلمہ عیسائی کتابوں کے مطابق ہو۔ اس میں کلام نہیں کہ ہر دو قسم کی کتابوں میں راستی کے ساتھ ضرور جھوٹ ملا ہوا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ایک میں راستی کم اور جھوٹ زیادہ ہو دوسری میں جھوٹ کم اور راستی زیادہ ہو۔ جب اس اصلیت کو ایک دفعہ پھر دوہرا دیا جائے کہ موجودہ بائیبل کے ماخذ بھی یہودی اور عیسائی روایات ہیں جن کو آج غیر مستند کہا جاتا ہے تو یہ امر اور بیّن ہو جائیگا کہ جس طرح منتخب شدہ کتابوں میں غلطیاں درج ہو گئی ہیں اسی طرح جہاں سے انتخاب کیا گیا ہے وہاں ضرور سچائیاں باقی تھیں۔

غرض اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً جس طرح بائیبل اور قرآن کریم کے کسی بیان کا اختلاف اس بات کا ثبوت نہیں کہ قرآن کا بیان غلط ہے اسی طرح قرآن کریم اور یہودی و عیسائی روایات کا تطابق اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتا کہ اول الذکر غیر صحیح ہے۔ ثانیاً جس طرح بائیبل میں سچائی اور جھوٹ کی ملاوٹ ہے اسی طرح دوسری یہودی و نصرانی کتب میں بھی حق کے ساتھ باطل کا خلط ملط ہے۔ پس ایسی حالت میں اگر قرآن کریم ان دوسری قسم کی کتب کے کسی بیان سے مطابقت کھاتا ہے تو اس کے یہ معنے کیونکر ہو سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ قرآن کریم سچی کتاب اور خدا کا کلام نہیں۔ اگر ہم یہاں پر یہ بتاویں کہ قرآن کریم کا ان غیر مسلمہ روایات سے جو تطابق ہے وہ بقول میور صاحب دراصل تطابق بھی نہیں کہلا سکتا کیونکہ صرف تفصیل میں جزوی مطابقت ہے نہ کہ کسی پورے واقعہ میں۔ چنانچہ سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں "اگرچہ ان غیر مسلمہ کُتب سے بعض تفاصیل میں (قرآن) مشابہت رکھتا ہے مگر یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ (بیانات (باہم) پوری مطابقت رکھتے ہیں"۔ پس اب اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہودی اور مسیحی روایات میں شاذ سچائی اور بہت جھوٹ ہے تو بھی پادری صاحبان کا اعتراض خود میور کے قول سے ردّ ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا واقعہ بھی ہو جس کا ذکر نہ بائیبل میں آئے

اور نہ ہی یہودی عیسائی روایات اس کا پتہ دیں مگر ایک اور الہامی کتاب اسے بیان کر دے تو کیونکر اور کس بنا پر ایسے واقعہ کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے اور کیونکر ایسی کتاب کی تکذیب کی جا سکتی ہے جو اس نئے واقعہ پر بذریعہ الہام روشنی ڈالے۔ صرف یہ کہدینا دانائی نہیں کہ چونکہ بائیبل یا یہود و عیسائیوں کی دوسری کتب میں ایسے تاریخی واقعہ کا کوئی پتہ نہیں لہٰذا یہ واقعہ غلط اور جس کتاب نے اسے بیان کیا ہے وہ غیر صحیح ہے۔ حالانکہ بائیبل کی صحت کا وہ حال ہے جو بحوالہ انسائکلوپیڈیا ببلیکا ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں اور دوسری تصانیف کو خود پادری صاحبان غیر مستند اور غیر صحیح قرار دیتے ہیں اور دعوٰی یہ ہے کہ انکے سوا سب غلط ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔

پادری صاحبان کے نزدیک غیر مسلمہ تصانیف سے ذراسی مطابقت رکھنا بھی کسی کتاب کے غلط اور جھوٹ ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی مخالفت میں پادری صاحبان کچھ ایسے حواس باختہ ہیں کہ انہیں یا تو اپنے گھر کی خبر ہی نہیں یا محض تعصب سے تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے اس امر کو نظر انداز کرتے ہیں کہ جن یہود و نصارٰی کی روایات کو آج غیر مستند کتب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے "ایک دن تھا کہ بقول جوئش انسائکلوپیڈیا وہی بعض حلقوں میں مقدس کتب بھی جاتی تھیں" جلد ۲ صفحہ ۲۔ مسیحی لوگ خوب جانتے ہیں کہ اگرچہ مسیحی مقتدایان مذہب نے بہت سی کتابوں کو زمانہ قدیم ہی میں غیر مستند قرار دیکر کتاب اقدس میں سے خارج کر دیا تھا تاہم اُن خارج شدہ کتب کے علاوہ ابتک بھی ایسی کتب موجود ہیں جو سالہا سال سے عیسائی دنیا کے ایک بڑے حصے میں مقدس کتب سمجھی جاتی ہیں۔ پادری صاحبان اس سے ناواقف نہیں کہ لاطینی اور یونانی بائبل میں سے بہت سی کتابوں کو پروٹسٹنٹوں نے نکالڈالا تھا مگر فرقہ کیتھولک نے کونسل اوف ٹرنٹ میں ان کتابوں کو برابر مستند اور مقدس قرار دیا وہ کتب حسب ذیل تھیں (۱) اول ایسدراس (۲) دوم ایسدراس

(۳) توبیت (۴) جوڈتھ (۵) آستر کی کتاب کے باقی باب (۶) سلیمان کی حکمت (۷) سراک کے بیٹے یسوع کی حکمت (۸) باروک معہ یرمیاہ کے خط کے (۹) تین مقدس بچوں کا گیت (۱۰) سوسانہ کی تاریخ (۱۱) بعل اور اژدہا کی تباہی (۱۲) مناسنر کی دعا (۱۳) اوّل میکابیس (۱۴) دوم میکابیس۔

یہ کتابیں سوائے نمبر ۱ و ۲ و ۱۲ کے تاحال فرقہ رومن کیتھولک کے نزدیک کلام خدا کا درجہ رکھتی ہیں۔ جس بائیبل پر انگلستان کے بادشاہ ابتک تخت نشینی کے وقت حلف اُٹھاتے ہیں اُس میں ایسی کتابیں موجود ہیں جن کو کلیسائی انگلستان غیر مستند قرار دیتا ہے ٭

اگر پادری صاحبان قرآن کریم کی صرف اس لیئے تکذیب کرتے ہیں کہ اُس کے بعض فقرات غیر مستند مسیحی کتب سے ملتے ہیں تو انہیں یہی فتویٰ نئے عہدنامے پر دینا پڑے گا کیونکہ عہد جدید کے مصنفین نے بھی ایسی ایسی کتابوں کا حوالہ دیا ہے جن کا پروٹسٹنٹ بائیبل میں تو کیا خود اصل یونانی بائیبل میں بھی نام نہیں وہ حوالجات یہ ہیں۔ (۱) "یرمیاہ نبی" متی باب ۲۷ ورس ۹ (۲) "خدا کی حکمت" لوقا باب ۱۱ ورس ۴۹ (۳) "حنوک" یہوداہ ورس ۱۵-۱۶ (۴) "موسیٰ کا آسمان پر جانا" یہوداہ ورس ۹ (۵) "مکاشفات ایلیا" افسیوں باب ۵ ورس ۱۴ و قرنتیوں باب ۲ ورس ۹ (۶) "یسعیاہ کی شہادت" عبرانیوں باب ۱۱ ورس ۳۷ ٭

جائے تعجب ہے کہ مسیح کے پرستاروں کو اپنی آنکھ کا شہتیر تک نظر نہیں آتا ہے اور دوسرے کے تنکے پر اعتراض کر دیتے ہیں عہد جدید کے مصنف انہی غیر مستند کتابوں کا حوالہ دیں تو وہ قابل معافی مگر قرآن کی ذرا سی عبارت بھی اُنسے ملجائے تو قابل اعتراض اور لطف یہ ہے کہ خود مسیحیوں نے بحث مباحثہ کے وقت اُن کتابوں کے حوالجات دیئے ہیں جن کو اب غیر مستند سمجھ کر رد کیا جاتا ہے اور وہ پہلے یونانی بائیبل میں شامل تھیں ٭

معزز ناظرین مضمون ہٰذا میں ہم نے نہ صرف بائیبل کا اختلاف دکھایا ہے

بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ جن کتابوں کے مجموعہ کا نام یسوعی منا د خداوند کا کلام رکھتے ہیں اور جس کو وہ قرآن کریم کے لیئے بطور معیار کے پیش کرتے ہیں وہ دراصل چند لوگوں کے خیالات اور سُنی سُنائی روایات کا مجموعہ ہے اور اس میں تضاد تناقض۔ توہمات۔ ہزلیات وغیرہ بکثرت بھرے ہوئے ہیں۔

اب اگر مسیحی واعظین انصاف کریں تو وہ اِس پُر اغلاط مجموعہ کتب یعنی بائیبل کو ہرگز خدا کا کلام نہ کہیں اور نہ اس کو بطور معیار کے پیش کریں بلکہ یہ سمجھیں کہ خدا کا کلام جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا وہ محرف و مبدل ہو گیا اور اسپر کہیں یہودی ربیوں کے حاشیے چڑھ گئے اور کہیں پولوسی جلا ہو گئی ہے۔

مسیحی دوستو! ہمارا یہ مشورہ بے شک خیر خواہی اور نیک نیتی پر مبنی ہے مگر آپ ہی غور کریں کہ اگر عام دنیا کے انسان خواہ کیسے ہی لائق کیوں نہ ہوں موجودہ بائیبل کی بجائے کوئی اور انتخاب کریں تو اس میں بھی پہلے کی طرح غلطیوں کا امکان ہوگا کیونکہ خدا کا کلام تو اُس وقت اچھی طرح سے انسانی کلام سے جدا کیا جا سکتا ہے جب خدائے تعالیٰ خود ہی اپنے خاص الہام سے کسی کی دستگیری کرے پس مسیح کے بعد کسی ایسے بہت بڑے مُلہم کی ضرورت تھی جو خدا کا کلام پھر دنیا کے سامنے اصل حالت میں پیش کرتا ایسے مُلہم کے الہامات بے شک فرقان کہلائے جا سکتے اور تمام جھگڑوں کے لیئے وہی حَکم قرار دیا جاتا تمہاری موجودہ بائیبل سے بھی گہن میں آئے ہوئے سورج کی طرح پیشگوئیوں کی شعاعیں نکلتی ہیں اور اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مریم علیہ السلام کے بعد کوئی اور سچائی کی روح یا مُلہم من اللہ آنے والا تھا اور اُس کی بعثت کی بڑی غرض بھلا اس کے سوا کیا ہو سکتی تھی کہ حق کو باطل سے جدا کرتا اور اُس کے آتے ہی باطل غائب اور حق ظاہر ہو جاتا۔ اور خدا کا کلام ایکدفعہ پھر کلام اللہ کہلاتا۔

مشورہ دیگر خود راستہ نہ دکھانا شرط وفا نہیں اس لیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ ایسا اولوالعزم مُلہم اور حَکم آج سے تیرہ سو برس پہلے فاران کی چوٹی پر جلوہ گر

ہو چکا ہے اور جو شریعت اس کے ہاتھ میں رہ گئی تھی وہ فرقان یا قرآن کریم ہے۔ مگر آہ
مسیح کے پیروؤں نے اس مقدس کتاب کی جانچ کے لیئے جو معیار مقرر کیا وہ اپنی
پہلی محرف بائیبل تھی۔ بھولے ہوئے لوگو! حق کی شناخت کے لیئے باطل کو معیار
مقرر کرنا عقل و دانش کا شیوہ نہیں مثل مشہور ہے آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند۔
اے جناب جس طرح مہر انور کو ضرورت نہیں کہ اپنے اظہار کے لیئے پرندِ شب کا محتاج ہو
اسی طرح خدائے تعالیٰ کا اصل اور خالص کلام اس بات کا محتاج نہیں کہ کوئی بگڑی
ہوئی کتاب اُس کی صداقت کا معیار ہو ع نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔
یہ کہنا بھی خدا کے کلام کی ہتک ہے کہ چونکہ کلام اللہ کی فلاں بات محرف و مبدل بائیبل سے
یا دیگر یہودی یا مسیحی کتب سے ملتی ہے لہٰذا یہ سچی ہے۔ ایسی ہتک اور خدا کے کلام
کی ہتک ایماندار انسان ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس لیئے ہم کہتے ہیں کہ فرقان حمید اگر
خدا کا کلام ہے تو اس کے لیئے قطعاً قطعاً اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنی سچائی
کے لیئے کسی محرف مبدل کتاب کی شہادت کا محتاج ہو جس طرح خدا کے نبی سلامتی کے
فرزند اور امن کے شہزادے ہوتے ہیں اُن کا وجود اُن کی صداقت کا خود ایک نشان
ہوتا ہے اسی طرح خدا کا کلام ایک چمکتا ہوا سورج ہوتا ہے اور وہ اپنی شعاعوں سے
اپنے وجود کا خود اظہار کرتا ہے پس قرآن کریم اپنی سچائی کا آپ شاہد ہے۔ اس مطہر
کتاب نے ہزارہا عظیم الشان پیشگوئیاں دنیا کے سامنے پیش کیں اور وہ تمام لفظ بہ لفظ
ایسی صفائی سے پوری ہوئیں کہ اُنکی قبل از وقت اشاعت اور پھر صفائی سے
پورا اُترنا ہی اس کتاب کو اُس عالم الغیب خدا کا کلام ثابت کرتا ہے جس نے موسیٰ و مسیح
اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر پہلے زمانوں میں وحی نازل کی تھی۔ اُسی نے اسرائیل کے
بھائیوں میں سے ایک شخص کو قدوسیوں کا سردار بنا کر اُس پر اپنا فضل کیا اور اُس پر
اپنا کلام نازل کیا اس خالص وحی الٰہی میں کثرت سے غیب کی خبریں درج ہیں جن کی
سچائی پر تاریخ عالم کے روشن صفحات شاہد اور گواہ ہیں۔ پس یہی ایک بے نظیر ثبوت
اس امر کا ہے کہ قرآن کریم کی ہر ایک سورۃ منجانب اللہ اور الہام الٰہی ہے اسلئے دشمن

ثبوت کی موجودگی میں ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس کے بیان کردہ واقعات کی تصدیق
زید یا بکر کی کتاب سے کریں۔ جو بات ہمیں ثابت کرنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ قرآن کریم
خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ اسی بارہ میں ہم نے رسالہ ہٰذا کے گذشتہ دو نمبروں میں
بحث کی ہے۔ اور بائبل کے مقرر کردہ معیاروں سے دکھا چکے ہیں کہ محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے سچے رسول اور آپ کی کتاب اللہ تعالیٰ کی سچی
اور کامل وحی ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ مسیحی قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونیسے انکار
نہیں کر سکتے کیونکہ انجیل کے معیار کے مطابق یہ اللہ کا کلام ٹھہرتا ہے یعنی یہ جو مسیحؑ
نے انجیل میں کہا ہے کہ جھوٹا نبی اپھل درخت کی طرح کاٹا جاتا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے
اگر نعوذ باللہ محمد رسول اللہ جیسا کامیاب نبی سچا نبی نہیں تھا تو پھر مسیح کا قول غلط
ہے۔ نہ ہی یہودی قرآن کی صداقت سے مُنہ پھیر سکتے ہیں کیونکہ بحوالہ توریت ہم دکھا چکے
ہیں۔ کہ جھوٹے نبی کو جو اپنی طرف سے ایک لفظ بھی جھوٹ بنا کر کہتا ہے خدا کے غضب
کی آگ بھسم کر ڈالتی ہے۔ پس موسیٰؑ کے متبعین یا تو توریت کو جھوٹی کتاب کہیں
یا محمد رسول اللہ جیسے منصور اور کامیاب نبی کو خدا کا مامور سمجھیں۔ ہم نے اس بات
پر بھی زور دیا تھا کہ ہر ایک سمجھدار اور ذی فہم انسان جب ایک طرف قرآن کی زبردست
پیشگوئیوں اور اُن کے پُرزور الفاظ اور پھر اُن کے پُورا اُترنے پر نظر ڈالے گا۔
اور دوسری طرف اُن حالات کو دیکھے گا جن کے ماتحت یہ پیشگوئیاں کی گئی تھیں تو
ضرور عقل سلیم اُسے اس بات کے ماننے پر مجبور کرے گی کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ
کی وحی ہے ۔

ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ جن واقعات کو قصے سمجھا جاتا ہے وہ دراصل پیشگوئیاں
تھیں اور اُنکے پُورا ہونے سے قرآن کی صداقت اور اس کا منجانب اللہ ہونا ثابت
ہوتا ہے۔ جب قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات پیشگوئیاں ہیں اور پیشگوئیاں بھی ایسی
جن کے پورا ہونے سے اس کتاب کی سچائی کا اظہار اور اس کا کلام اللہ ہونا ثابت
ہوتا ہے تو پھر یہ کہنا بیہودگی نہیں تو اور کیا ہے کہ قرآن کا فلاں فلاں قصہ غلط ہے

کیونکہ اس کا بائیبل سے تطابق نہیں۔ اور یہ بیہودگی اور زیادہ قابل مضحکہ بنتی ہے جب ہماری اس بات پر توجہ دیجائے کہ موجودہ بائیبل کسی صداقت کا معیار ہونیکے قابل ہی نہیں۔ مضمون ہذا میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ موجودہ بائیبل اور دوسری یہودی مسیحی روایات ہر دو قسم کی کتب میں سچ اور جھوٹ کی ملاوٹ ہے۔ مسیحیوں کا فرض ہے کہ پہلے کوئی معیار بتلائیں جس کی رو سے راستی اور ناراستی میں تمیز کیجا سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ فلاں امر صحیح اور فلاں غلط ہے۔ لیکن مسیحیوں سے ایسا ہونا ناممکن ہے کیونکہ بائیبل میں جھوٹ اور سچ اس طرح ملا ہوا ہے جس کا جدا کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ہاں جیسا ہم ابھی کہہ چکے ہیں یہ بات صرف ایک طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی نیا مُلہم پیدا کرے اور اُس کا کلام فرقان ہو کر سچ اور جھوٹ میں فرق کر دے۔ یہ نیا الہام قرآن پاک تھا۔ جس کے مسیحی لوگ منکر ہیں اور اس کی بیان کردہ باتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ ایسے یسوعی پادریوں کا یہ دلیل پیش کرنا سراسر خلاف عقل ہے کہ چونکہ قرآن کا فلاں بیان بائیبل کے خلاف ہے لہٰذا غلط ہے۔

طالبان حق! سنو اور غور سے سنو! مسیحیوں کی موجودہ بائیبل ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے کسی امر متنازعہ فیہ پر حَکَم بنایا جائے۔ صاحبو! آپ بائیبل کا خیال چھوڑ کر ہم سے قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت مانگیں۔ اور اس کی پیشگوئیوں پر نظر تدبّر ڈالیں جب اسکی پیشگوئیاں اپنے پورا اُترنے سے اسے عالم الغیب خدا کا کلام ثابت کریں تو پھر اس کے بیان کردہ واقعات خود صحیح اور درست ہیں۔ ہم مکرر کہتے ہیں کہ قرآن اپنا ثبوت آپ اور اپنی سچائی کا آپ شاہد ہے۔ کیا کوئی ہے جو ہمارے مقرر کردہ معیار پر غور کرے۔ جو شخص حق کا جوئندہ ہو کر قرآن کریم کی صداقت کیلئے قرآن پر غور کرے گا اور ہمارے پیش کردہ ثبوت یعنی صرف اس کی پیشگوئیوں پر ہی نظر عمیق ڈالیگا اُسے ہمارے ہم آہنگ ہو کر کہنا پڑیگا ؎

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا ✽ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا ✽ ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اِک عالم ہے ÷ جو ضروری تھا وہ سب اسمیں مہیا نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ ÷ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں ÷ مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

دانیال نبی کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشین گوئی

اَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ (سورہ طٰہٰ)
کیا اُن کے پاس پہلی کتابوں کی کھلی شہادت نہیں پہنچی ÷

رسالہ ہٰذا کے کسی گذشتہ پرچہ میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ نبوکدنضر کے خواب میں جو پتھر مذکور ہے اصل میں اس پتھر سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود مقصود ہے اور یہ کہ اس خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمثیلی رنگ میں پتھر سے مماثلت دیگئی ہے چونکہ پتھر کا کام ہے کہ جو کوئی اس کے مقابل ہو اُسی چکنا چور کر دیتا ہے پس خدائے تعالیٰ کا قدیم سے یہی منشا معلوم ہوتا تھا کہ مکہ میں مبعوث ہونے والے نبی کے تمام دشمن پامال اور مغلوب ہونگے اور وہ حسب وعدہ الٰہی کامیاب و منصور ہوگا۔ ہمارا منشاء ہے کہ مضمون ہٰذا میں محولہ بالا خواب پر مفصل بحث کریں اور یہ دکھلاویں کہ فی الواقعہ اس پتھر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود ہے۔ اس غرض کے لیئے ہم ذیل میں شاہ نبوکدنضر کا خواب اور دانیال نبی کی تعبیر درج کرتے ہیں تاکہ اصل الفاظ پر نظر ڈالکر ہمارے ناظرین کو اُس کی تعبیر کے سمجھنے میں آسانی ہو وہ خواب

یہ ہے "تُو نے اے بادشاہ نظر کی تھی اور دیکھ ایک بڑی مورت تھی وہ بڑی مورت جسکی رونق بے نہایت تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی اور اُس کی صورت ہیبت ناک تھی اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا۔ اس کا سینہ اور اُس کے بازو چاندی کے اس کا شکم اور رانیں تانبے کی تھیں اُس کی ٹانگیں لوہے کی اور اُس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے اور تُو اسے دیکھتا رہا۔ یہانتک کہ ایک پتھر بغیر اسکے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹکے نکالے آپ سے نکلا جو اس شکل کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور اُنہیں ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیئے گئے اور تابستانی کھلیہان کے بھوسی کی مانند ہوئے اور ہوا اُنہیں اُڑا لیگئی یہانتک کہ اُن کا پتا نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو مارا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا" دانیال باب ۲ ورس ۳۱-۳۵

مذکورہ بالا خواب کی تعبیر حضرت دانیال نبی نے اس طرح فرمائی "تو اے بادشاہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس لیئے کہ آسمان کے خدا نے تجھے ایک بادشاہت اور توانائی اور قوت اور شوکت بخشی ہے اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چوپائے اور ہوا کے پرندے تیرے قابو میں کر دیئے اور تجھے اُن سبھوں کا حاکم کیا تُو ہی وہ سونے کا سر ہے اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی اور اُس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کریگی۔ اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی اور جس طرح کہ لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب ہوتا ہے ہاں لوہے کی طرح سے جو سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اُس ہی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کریگی اور کچل ڈالیگی اور جو کہ تُو نے دیکھا کہ اُس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی ماٹی کی اور کچھ لوہے کی توانائی اس میں ہوگی اور جیسا کہ پاؤں کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ ماٹی کی تھیں سو وہ سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہوگی اور جیسا تُو نے دیکھا کہ لوہا گلاوے سے ملا ہوا ہے وے اپنے کو انسان کی نسل سے ملا دینگے لیکن جیسا لوہا مٹی سے

میل نہیں کھاتا جیسا لوہا باہم میل نہ کھائیں گے اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوویگی اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضہ میں نہ پڑیگی وہ ان سب مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے ہو پہاڑ سے کاٹ نکالے آپ سے آپ نکلا اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونیکو ٹکڑے ٹکڑے کیا خدائے تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونیوالا ہے اور یہ خواب یقینی اور اس کی تعبیر یقینی'' دانی ایل باب ۲۔ ۴۵۔

اب اس خواب اور اس کی تعبیر سے صاف ظاہر ہے کہ سونے کا سر خود نبوکدنضر یعنی سلطنت بابل تھی۔ چاندی کا سینہ اور بازو سلطنت میدیا (فارس) تھی تانبے کا شکم رانوں سے سکندر اعظم کی سلطنت یونان مراد تھی جس کے بانی نے بگولہ کی طرح اٹھکر عرصہ قلیل میں اس وقت کی معلومہ دنیا کے ایک بڑے حصہ کو مغلوب و مفتوح کر لیا اور اس بات پر آنسو بہائے کہ مزید فتوحات کے لیئے کوئی ملک باقی نہیں رہا۔ لوہے کی ٹانگوں سے رومیوں کی سلطنت مراد تھی جو کہ سخت اور زور آور تھے اور جنہوں نے قوموں کی قومیں پاؤں تلے روند ڈالیں۔ واضح ہو کہ اس خواب میں کل دنیا کے سلاطین یا سلطنتوں کے متعلق پیشگوئی نہیں بلکہ صرف اُن سلطنتوں کا ذکر ہے جن کا نبوکدنضر سے تعلق تھا یعنی جن کے قبضہ میں سلطنت بابل یکے بعد دیگرے آنیوالی تھی۔ یہ کوئی پوشیدہ امر نہیں کہ نبوکدنضر فاتح یروشلم کی سلطنت کو ایرانیوں نے فتح کر لیا تھا۔ پھر ایرانیوں کو یونانیوں نے مغلوب کیا تھا۔ بعد ازاں سکندر اعظم کے مفتوحہ ممالک پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا غرض ہر سلطنت نے یکے بعد دیگرے فاتح یروشلم کے مقبوضات پر اپنا تسلّط جمایا۔

یہانتک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے تو مسیحی صاحبان کو کلی اتفاق ہے لیکن جب اس خواب کے آخری حصے یعنی اس تمثل کو توڑنے والے پتھر کا ذکر آتا ہے تو ہمارے مسیحی دوست محو حیرت ہو کر دائیں بائیں دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ گویا اس آپ سے نکلنے والے پتھر کا نام سنتے ہی اُن کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے مسیحی مفسرین نے اس مورت کے سر۔

سینہ و بازو۔ شکم و رانوں اور ٹانگوں کا بالاتفاق وہی مطلب سمجھا ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں مگر اس شکل کے پاؤں کی انگلیوں اور اس ہیبت ناک مورت کے پاؤں پر گرنے والے پتھر کے متعلق اُن میں اس قدر اختلاف آراء ہے کہ یہاں پہنچکر کسی دو کا باہمی اتفاق نہیں۔

معزز ناظرین! شاید آپ کو خیال آئے کہ جب اسقدر علماء کو اس عبارت کا صاف مطلب سمجھ میں نہیں آیا اور جب اُنکے خیالات ایک دوسرے کے متضاد ہیں تو ضرور یہ مقام بہت مشکل اور لاینحل ہے مگر ہم بتائے دیتے ہیں کہ یہ بات نہیں بلکہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ بات تو بالکل صاف اور بیّن تھی اور دانیال نبی کی تعبیر کا آخری حصہ بھی ایسا ہی واضح تھا جیسا کہ پہلا حصہ مگر رکاوٹ یہ ہوئی کہ چونکہ مسیحی پادری ہر بات کو اپنے خداوند پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں اس لیئے وہ اس کوشش میں رہے ہیں کہ کسی طرح دانی ایل کی کتاب کے اس مقام کو حضرت مسیح ناصری کے متعلق پیشگوئی ثابت کردیں۔ پس اُن کی اس کوشش نے پیشگوئی مذکور کے آخری حصہ کو اُنکے لیئے ایک معمہ اور چیستان بنا رکھا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام خواب اور تعبیر میں جن سلطنتوں کی طرف اشارہ ہے وہ ظاہر ہے کہ زمین کی حکومتیں ہیں نہ کہ صرف آسمانی اور روحانی۔ جس سلطنت کا یسوع نے وعدہ دیا تھا وہ "آسمان میں" ہونے والی تھی نہ کہ "آسمان کے نیچے" چنانچہ یسوع مسیح نئے عہد نامہ میں کہتے ہیں کہ "میری سلطنت اس دنیا کی سلطنت نہیں"۔ جائے حیرت ہے کہ ایک طرف تو نبوکدنضر کے خواب اور حضرت دانیال کی تعبیر میں ایسی سلطنت کا ذکر نہیں جو صرف آسمان سے تعلق رکھتی ہو بلکہ صریحًا اسی دنیا کی حکومتوں کا ذکر ہے اور دوسری طرف خود یسوع مسیح اپنی سلطنت کو آسمانی سلطنت بتاتے ہیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یسوع کے نام لیوا لوگ کیوں عقل سے دشمنی کرتے اور ایسی بات پیش کرنیکی سعی کرتے ہیں جس کی اصلیت ہی نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ یہودی لوگ بڑی شدّ و مدّ سے ایک مسیح موعود کے منتظر تھے جس کی نسبت اُن کا یقین تھا کہ

وہ آکر اُن کا بادشاہ ہوگا اور اُن کو رومیوں کے قبضہ سے نکال دے گا اور اُنکے لیئے زمین پر ایک سلطنت قائم کریگا۔ یہود کے اس خیال سے خود یسوع مسیح بھی متائثر ہوئے اور اُنکو بھی ایک زمینی سلطنت قائم کرنیکا خیال پیدا ہوا جس کے لیئے اُنہوں نے ایک موقعہ پر اپنے حواریوں کو حکم دیا کہ اپنے کپڑے بیچکر تلواریں خرید کریں مگر آخر اُنکو اپنی اس غلطی کا پتہ لگ گیا اور وہ سمجھ گئے کہ ایسی امید کرنا بے سود ہے۔ گو حضرت یسوع مسیحؑ کو اپنی غلطی کا علم ہوا اور اُنہوں نے اس خلاف امید امید کو ترک کر دیا لیکن اُن کے شاگرد آخری دم تک برابر اس خیال پر قائم رہے حتّٰی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا یہ حالت دیکھکر آپکے شاگردوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا اُن کا ایمان متزلزل ہوا اور اُن میں سے بعض نے اپنے تئیں دھوکہ خوردہ سمجھ لیا چنانچہ ان میں سے دو نے واقعہ صلیب کے تیسرے دن بعد بھیس بدلے ہوئے اجنبی سے جو دراصل خود حضرت مسیح علیہ السلام تھے اماؤس کے راستہ پر یہ الفاظ کہے "پر ہم امید رکھتے تھے کہ یہی اسرائیل کو مخلصی دینے کو تھا"

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع کے حواری امید رکھتے تھے کہ اُن کا اُستاد ایک دن اسرائیل کا بادشاہ ہوگا اور اُنکو رومیوں کی حکومت سے آزاد کریگا۔ اور وہ خود اپنی سلطنت قائم کرے گا۔ آہ۔ غریب حواریوں کی امیدیں خاک میں ملگئیں اور حضرت یسوع مسیح کے آخری ایام میں جو واقعات پیش آئے اُن سے نہ صرف وہ مایوس ہی ہوئے بلکہ بعض کا ایمان بھی متزلزل ہوگیا۔ اور وہ خیال کرنے لگے کہ اُنہوں نے مریم کے بیٹے کو مسیح موعود ماننے میں جلدبازی سے کام لیا۔

الغرض حضرت مسیح ناصری کوئی حکومت قائم نہیں کر سکے پس ایسی حالت میں اس پیشگوئی کو۔ جس میں صریحًا ظاہری سلطنت کا ذکر ہے۔ ان کی طرف منسوب کرنا سراسر غلطی ہے۔ جو شخص اس خواب کے آخری حصہ سے حضرت مسیح ع

کی بعثت مراد لیتا ہے ہم اُس سے پوچھتے ہیں کہ مسیح کی آمد سے قبل لوہے کی ٹانگوں یعنی رومیوں کا زوال ہونا چاہیئے تھا مگر برعکس ازیں مسیح کی پیدائش (جیسا کہ لوقا کی انجیل سے ظاہر ہوتا ہے) قیصر آگسٹس کے عہد حکومت میں ہوئی جو کہ رومیوں کا پہلا قیصر تھا گویا حضرت مسیح ایسے وقت دنیا میں آئے تھے جبکہ اہل روم قواعد دان فوجوں قابل جرنیلوں اور بے شمار دولت سمیت دنیا کے مالک تھے اور اُنکی طاقت دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی۔ رومیوں کی سلطنت کا زوال حضرت مسیح کے کئی سال بعد شروع ہوا یعنی اس کا آغاز آجسے کوئی پندرہ سو سال قبل ہوا۔ اور جب پتھر نے اس شکل کے پاؤں اور انگلیوں پر گرنا تھا وہ رومیوں کی سلطنت کے زوال سے پہلے وجود میں نہیں آسکتا تھا پس یسوع مسیح جن کی بعثت کے زمانہ میں اہل روم ملک کنعان اور دنیا کے مالک تھے ہرگز ہرگز وہ موعود پتھر قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ چونکہ ایک جھوٹ کو نبھانے کیلئے بہت سے جھوٹ بنانے پڑتے ہیں اس لئے نبوکدنضر کے خواب کو مسیح پر چسپاں کرنیکے لئے ہمارے عیسائی دوستوں کو عجیب عجیب حیلوں سے کام لینا پڑا ہے اور اس کھینچ تان میں انہیں چند در چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جن میں سے ایک تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اب دوسری ادر ملاحظہ ہو۔ ہم ابھی ابھی کہہ چکے ہیں کہ خواب مذکور کی عبارت سے ظاہری سلطنتیں ظاہر ہوتی ہیں نہ کہ کوئی خیالی آسمانی سلطنت جیسا کہ مسیحی صاحبان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ شاہ نبوکدنضر اپنے بستر پر بیٹھے بیٹھے سلطنت بابل کی آئندہ حالت پر غور کر رہا تھا اور اس رویا میں اس کی سلطنت کے آئندہ انجام کا اظہار کیا گیا تھا۔ ایک زمینی سلطنت کے بعد دوسری زمینی سلطنت برپا ہونیوالی تھی یعنی جس طرح سلطنت بابل کی جگہ سلطنت ایرانی نے لی تھی اسی طرح ایرانیوں کی حکومت پر یونانیوں کا قبضہ ہونا تھا اور ازاں بعد سلطنت یونان کی جگہ رومیوں کی حکومت برپا ہونی تھی اسی طرح ان چاروں سلطنتوں کے بعد ایک پانچویں سلطنت قائم ہونی تھی اور سلطنت روم کی تباہی کسی خیالی آسمانی سلطنت کے ہاتھوں مقدر

نہ تھی بلکہ اسی پانچویں ظاہری سلطنت کے سامنے رومیوں کو سرنگون ہونا تھا۔ اور جس وسیع
سلطنت کی آئندہ قسمت پر شاہ نبوکدنضر اپنے خیالات کا اُتار چڑھاؤ کر رہا تھا آخر وہ ملک اس
پانچویں سلطنت کے زیرنگین ہونا تھا۔ اور رؤیا کے رو سے یہ پانچویں سلطنت ہی اس سلسلہ
کی آخری حکومت ہونیوالی تھی اسکی تباہی کسی انسانی سلطنت کے ہاتھوں مقدر نہ تھی بلکہ نبوکدنضر
فاتح یروشلم کے مقبوضات پر اس سلطنت کو ہمیشہ کے لیئے قابض و حاکم رہنا تھا۔ اب ہم
مسیحی صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ آیا کبھی تمہارے خداوند نے بھی کسی ایسی سلطنت
کی بنیاد رکھی تھی؟ کیا اُس نے چوتھی سلطنت کو تباہ کرکے اُس کی جگہ کوئی نئی حکومت برپا
کی تھی؟ ان سوالوں کا جواب سوائے نہیں کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ بیچارے یہودی
امید رکھتے تھے کہ اسرائیل کا بادشاہ آئیگا اور آکر انکو رومیوں کی سلطنت سے آزاد کریگا
مگر جسے اسرائیل کا بادشاہ کہا جاتا ہے افسوس اس کی ذات سے اُن کی کوئی امید پوری
نہ ہوئی۔ مسیح کے بعض حواری بھی یہی اُمید رکھتے تھے کہ اُن کا اُستاد اسرائیل کا
بادشاہ بنکر اُن کو رومیوں کی سخت حکومت سے آزاد کرے گا لیکن انکی امیدیں خاک
میں مل گئیں جب اُنہوں نے دیکھا کہ اسرائیل کا بادشاہ خود اسرائیلیوں کے ہاتھ سے
صلیب پر کھچا گیا۔ مسیحی لوگ کہتے ہیں کہ اگر یسوع مسیح نے کوئی زمینی سلطنت قائم نہیں
کی تاہم وہ آسمانی سلطنت قائم کر گئے ہیں جسے زمینی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ہم اس کے
جواب میں کہیں گے کہ ہمیں زیر بحث مضمون میں کسی ایسی سلطنت سے سروکار نہیں
جسے زمینی آنکھ نہ دیکھ سکے بلکہ دانیال کی کتاب سے تو ببداہت یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانچویں
سلطنت کا زوال مقدر نہ تھا۔ بعض مسیحیوں کا خیال ہے کہ رومیوں کی سلطنت کا رفتہ رفتہ
دین مسیحی اختیار کرنا گویا اُس سلطنت کا مغلوب اور زوال پذیر ہونا تھا لیکن ایک سلطنت
میں کسی خاص مذہب کا ترقی پکڑ جانا ہرگز ہرگز اُس سلطنت کی تباہی و بربادی سے تعبیر
نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں نبوکدنضر کے خواب کی تعبیر کرتے وقت اس خاص ملک کا
ضرور لحاظ رہنا چاہیئے جو کہ فاتح یروشلم کے زیرنگین تھا۔ اگر اس رؤیا کے اصل منشا کا
خیال رکھا جائے تو سلطنت بابل کے علاوہ اور ممالک کا مضمون زیر بحث سے کوئی

تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ جو ملک شاہ نبوکدنضر کی سلطنت کا جزو تھا صرف اُس کا اس خواب سے تعلق ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے ملکوں کا بیچ میں لانا غیر ضروری اور اصل رؤیا کے خلاف منشاء ہے۔ دنیا میں صرف نبوکدنضر ہی ایک بادشاہ نہیں ہوا نہ ہی سلطنت بابل کے علاوہ اور سلطنتوں کا وجود مفقود رہا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ نبوکدنضر کے خواب میں صرف وہی سلطنتیں دکھائی گئی ہیں جن کا تعلق شاہ بابل کی سلطنت سے آئندہ ہونیوالا تھا یا یوں کہو کہ اس خواب میں کوئی دنیا بھر کے ملکوں یا دنیا بھر کے سلاطین کا ذکر نہیں بلکہ صاف بات یہ تھی کہ ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت کے آئندہ انجام کی فکر ہوئی اُس فکر میں اُسے نیند آگئی اور خداوند خدا نے اُسپر کھولدیا کہ آئندہ فلاں فلاں قومیں تیری سلطنت کی وارث ہونگی۔ اس رؤیا کو بائیبل میں اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ خود دانیال نبی کو بھی ایسا ہی خواب ہوا جس کا ذکر دانی ایل باب ۷ میں ہے جسپر تھوڑی غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبوکدنضر کے خواب کو ہی ذرا وسعت کے ساتھ دوبارہ بیان فرما دیا گیا ہے۔ اس تکرار سے پتہ چلتا ہے کہ خداوند بھی اس رؤیا کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ورنہ ایک بات کو دو دفعہ لانے سے کیا فائدہ تھا؟ آخر پھر اس میں راز کیا ہے کہ نبوکدنضر کا خواب دوبارہ حضرت دانیال کو بھی دکھایا گیا؟ اگر خواب کا تعلق صرف شہر بابل سے ہوتا تو اس شہر کے آئندہ انجام کو اس قدر اہمیت دینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ البتہ اس اہمیت کی مستحق .... سلطنت بابل ہو سکتی تھی کیونکہ اس میں وہ شہر بھی شامل تھا جس کے باعث نبوکدنضر فاتح یروشلم کہلایا پس اس رؤیا کی اہمیت کا باعث یروشلم کا مقدس شہر یعنی بیت المقدس ہے اور اس رؤیا میں ایرانی۔ یونانی اور رومی سلطنتوں کا جو ذکر آیا ہے اُس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ اقوام یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کے قدیم شہر بیت المقدس پر قابض ہونیوالے تھے۔ لہٰذا اس رؤیا کی تفسیر کرتے وقت جو شخص ارض مقدس کے مقدس شہر یعنی بیت المقدس یا یروشلم کا اس خواب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ خواب کے منشاء کو نہیں سمجھتا ہے۔ اب اگر

مسیحی تفاسیر کو اس معیار پر پرکھا جائے تو اُن کو صحت سے معرّا پایا جاتا ہے۔ مسیحی صاحبان کہتے ہیں کہ آپ سے نکلنے والے پتھر سے دین مسیحی کی اشاعت اور چکنا چور کر دینے سے رومیوں کی سلطنت کا مسیحی مذہب اختیار کر لینا مراد تھا۔ ہم انکی اس بات کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کرتے اور اس کی صحت و عدم صحت کی جانچ کے لئے اسے معیار بالا پر پرکھتے ہیں بے شک یروشلم کے باشندوں نے ایک وقت عیسائی مذہب اختیار کیا تھا لیکن کیا مسیحی مذہب کا قبضہ یروشلم یا ارض مقدس پر مستقل طور سے بھی رہا؟ تاریخ کے صفحات پر جلی قلم سے لکھا ہوا ہے کہ جب نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کی افواج ظفر امواج نے ارض مقدس کے موعودہ باغ کو فتح کیا تو آپ کے مقدس مذہب نے بھی رعیت کے مذہب کو مغلوب کر لیا اور جو ملک کبھی مسیحی تھا وہ مسلمان ہو گیا اور ابتک الحمد للہ مسلمان ہے اگر اس ملک کے مذہب عیسوی اختیار کرنے سے یہ رؤیا پوری ہوئی تھی تو پھر دین عیسوی کی سلطنت وہاں تا ابد قائم رہنی چاہیئے تھی کیونکہ پیشگوئی کے الفاظ یہ تھے "اور وہی (سلطنت) تا ابد قائم رہے گی" ہم نے مانا کہ روما پر عیسائیت کا پھریرا لہرا رہا ہے ہم نے تسلیم کیا کہ نہ صرف تمام یورپ اور دونوں امریکہ دین مسیحی کے پیرو ہیں بلکہ اور بھی کئی ایک ایسے ممالک ہیں جہاں مسیحیت کا زور ہے مگر اس سے نبوکدنضر کے خواب اور دانیال کی تعبیر کو کیا تعلق اور مضمون زیر بحث سے اسے کیا واسطہ بات جب بنتی کہ نبوکدنضر کی سلطنت پر یا یوں کہو کہ ارض مقدس پر جہاں بیت المقدس واقع ہے دین مسیحی کا قبضہ ہوتا اور انبیاء علیہم السلام کا مولد مسیح کے پیرووں کی ملکیت ہوتا! یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہوا ہے یعنی اگر دین مسیحی کا دخل ایک وقت ارض مقدس پر ہوا بھی تو جھٹ اُس کی جگہ ایسے مذہب نے آلی جو عیسائی نکتہ خیال سے نعوذ باللہ کفار کا مذہب ہے اگر فلسطین کسی وقت مسیحی مذہب کا پیرو تھا یا مسیحی اصطلاح میں یوں کہہ لیں کہ کسی وقت وہاں مسیح کا راج تھا تو اب ظاہری و باطنی دونوں طور سے ملک فلسطین پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہے۔ یعنی وہاں کا زمینی بادشاہ اب بھی محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ چاکر ہے اور وہاں کے باشندے جن کے دلوں پر کسی وقت حضرت مسیحؑ کی حکومت تھی اب بہ طیب خاطر نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش غلام ہیں۔ بعض عیسائیوں نے کوشش کی ہے کہ رؤیا مذکور کو پوپ کی طرف منسوب کر کے اُس کا پورا ہونا ثابت کر دیں لیکن یاد رہے کہ مسیح کے راج کی طرح پوپ کی حکومت بھی ارض مقدس میں نہ کبھی ہوئی اور نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ ہوگی۔ جس پوپ کی حکومت کے جوئے سے خود اہل یورپ اپنی گردنیں ہٹا رہے ہیں اور جسے حال ہی میں پرتگال جیسے چھوٹے سے ملک نے سخت نیچا دکھایا ہے۔ اُس کی نسبت ارض مقدس پر حکمران ہونے کا گمان بھی باطل گمان ہے۔

اس پیشگوئی میں ظاہر کیا گیا ہے کہ "آپ سے نکلنے والا پتھر اس شکل کے پاؤں پر لگا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا" اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ پتھر چوتھی سلطنت کو "نیست" کرنے والا تھا نہ کہ رفتہ رفتہ دین مسیحی میں داخل کرنے والا۔ اب اس سے خود بخود اس خیال کا ابطال ہو جاتا ہے کہ چوتھی سلطنت کو نیست کرنے کے لئے مسیح کی کوئی "پوشیدہ سلطنت" قائم کی گئی تھی یا یہ کہ کلیسائے روم نے اس پیشگوئی کو پورا کیا تھا۔

کسی نے خوب کہا ہے ع خدا پنج انگشت یکسان نکرد یعنی ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں ایسا ہی عیسائی بھی سب کے سب یکساں نہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے قلوب پر سچائی کا کچھ نہ کچھ اثر پڑ ہی جاتا ہے ایسے لوگوں کی رائے ہے کہ اس مشہور رؤیا کا آخری حصہ نہ تو رومیوں کی سلطنت کے مسیحی دین میں آنے سے پورا ہوا ہے نہ ہی پوپ کی حکومت اسے پورا کر سکی ہے وہ تسلیم کرتے ہیں کہ پتھر کے شکل کے پاؤں پر گرنے سے مسیح کی آمد اول مراد نہیں لی جاسکتی کیونکہ چوتھی سلطنت میں ابھی طوائف الملوکی نہیں شروع ہوئی تھی لہٰذا پاؤں میں کوئی انگلیاں نہیں تھیں۔ ان لوگوں کے نزدیک ابھی تک یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی نہ ہی چوتھی سلطنت تباہ ہوئی ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ اسکا ظہور

مستقبل بعیدہ میں مسیح کی آمد ثانی کے وقت ہوگا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "عیسائیوں کا کام نیست و نابود کرنا نہیں۔ کیونکہ انکو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر ایک حکومت کی اطاعت کریں پس یہ کام خود مسیح اپنی آمد ثانی کے وقت کریں گے۔ اس وقت مسیح کی سلطنت زمینی سلطنت نہیں دان کی آمد ثانی پر انکی حکومت زمینی حکومت ہوگی۔ حضرت دانیال کی پیشگوئی زمینی حکومتوں کے متعلق ہے اس لیئے وہ عیسائیت کا اسوقت تک ذکر نہیں فرماتے جبتک کہ عیسائیت ایک عالمگیر زمینی سلطنت نہیں ہولیتی یعنی جبتک مسیح کی آمد ثانی نہیں ہولیتی۔ خدا کی سلطنت آنکھوں سے اُس وقت تک پوشیدہ ہے جبتک کہ مسیح دوبارہ دنیا میں نہیں آتے۔ روم زمینی سلطنت تھی جبکہ وہ حالت کفر میں تھی گو اب مسیحی دین میں آچکی ہے تاہم اب بھی زمینی ہی ہے نئے عہدنامہ کی رو سے موجودہ زمانہ کفر و الحاد کا زمانہ ہے جس سے ہم مسیح کو چھوڑنے کے بغیر محبت نہیں کر سکتے۔"

ہمارے ناظرین! مذکورہ بالا حوالہ سے مضمون زیر بحث کا جسقدر تعلق مسیح کی آمد اول سے ہے وہ تو صاف حل ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مورت کے پاؤں پر گرنیوالا پتھر مسیح نہیں تھا اور نہ ہی مسیح کی آمد اول سے یہ پیشگوئی پوری ہوئی یا بالفاظ دیگر یُوں کہا جائے کہ جب مسیح کا زمین پر ظہور ہوا اُسوقت وہ موعود پتھر نہیں تھا۔ جب یسوع مسیح خود موعودہ پتھر نہ تھے تو اُن کے اس قول کے کچھ اور معنے ہونگے وہ فرماتے ہیں "جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائیگا پر جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالیگا" متی باب ۲۱ آیت ۴۴ - یہ مسلم امر ہے کہ متی نے جس پتھر کا ذکر کیا ہے وہ نبوکدنضر کے خواب کا پتھر ہے۔ پس اگر یسوع مسیح نے چوتھی سلطنت کو نیست و نابود نہیں کیا تو انکا نام "پتھر" نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ موعودہ پتھر کا کام چوتھی سلطنت کو تباہ کرنا تھا جب انہوں نے مورت کو ہی نہیں توڑا تو اُن کا نام "پتھر" رکھنا سراسر غلطی ہے۔ جس موعودہ پتھر کا ذکر یسوع مسیح کرتے ہیں اُس کی آمد ایسے وقت ہونی چاہیئے تھی جب خداوند کی بادشاہت یہودیوں کے گھر سے نکلکر ایک اور قوم کے پاس چلی جاتی* یہ بدیہی امر ہے کہ خداوند کی بادشاہت کو

* دیکھو متی باب ۲۱ درس ۴۳ و ۴۴

دوسری قوم کے ہاں تبدیل ہوئے ایک عرصہ گذر چکا ہے لہٰذا وہ موعودہ پتھر بھی ضرور آچکا ہو۔ چونکہ یسوع مسیح نے رومیوں کی سلطنت کو نیست نہیں کیا لہٰذا وہ موعودہ پتھر نہیں ٹھہرائے جاسکتے جب وہ موعودہ پتھر نہیں تو اس پتھر کی کسی اور جگہ تلاش کرنی چاہیئے۔

یہ اُمید رکھنا خام خیالی اور دھوکہ ہے کہ مسیح دوبارہ آکر اُس سلطنت کو نیست کریں گے جو رومیوں کی سلطنت پر حکمران ہے مسیحی دنیا یسوع مسیح کی آمد ثانی کا بے سود انتظار اُس وقت سے ہی کر رہی ہے جب سے اُن کا خیالی صعود ہوا ہے مسیحیوں کی تاریخ میں کوئی ایسا وقت نہیں گذرا جب یسوع مسیح کے پیرو اپنے خداوند کے نزول کے منتظر نہ رہے ہوں خداوند کے بادلوں میں سے اُتر آنے کی مختلف تاریخیں مقرر کی جاچکی ہیں مگر افسوس کہ ہمارے مسیحی دوستوں کی امیدیں نہ تو ابتک پوری ہوئی ہیں اور نہ آئیندہ اُنکے پورا ہونیکی کوئی امید دکھائی پڑتی ہے اس کی وجہ صریح یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے دائیں ہاتھ پر ہرگز ہرگز نہیں بیٹھے جیسا کہ مسیحی لوگوں کا خیال ہے بلکہ دوسرے فانی انسانوں کی طرح ملک کشمیر محلہ خان یار شہر سری نگر میں زیر خاک سو رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کی چند ایک قومیں جو بخت نصر کے ہاتھ سے بچ گئی تھیں اور جو ابھی تک ملک کنعان میں سکونت پذیر تھیں اُنکو آسمانی بادشاہت کی بشارت دیکر یسوع مسیح نے ایک سچے گلہ بان کی طرح گم شدہ بھیڑوں یعنی اسرائیل کی دوسری قوموں کی تلاش شروع کی اور آخر اُنکو افغانستان و کشمیر میں آباد پاکر اُنکی روحانی رہنمائی کی جس طرح کنعانی اسرائیلیوں کے درمیان عمر کا ایک حصہ گذارا تھا اسی طرح صلیب کی لعنتی موت سے نجات پاکر آپ نے اپنی اور بھیڑوں کا خیال فرمایا اور اُن کے پاس آکر اُنکے درمیان سکونت اختیار کی آخر وہیں اُنکا وصال بھی ہوا۔ آپ کا مقبرہ ابتک عیسیٰ صاحب کے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے بھلا جس شخص کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ۱۹۰۰ برس گذر گئے ہوں وہ کیونکر اس عالم سفلی میں دوبارہ آکر سلطنتیں قائم کرسکتا ہے۔ عیسائی دوستو! اگر مسیح زندہ ہوتے تو اب تک ضرور آلیئے ہوتے وہ دوسرے عالم یعنی عالم اسرار میں ہمیشہ کے لیئے داخل ہوچکے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے پرہیزگار مسیحیوں کو گو اپنے خداوند کی

آمد ثانی کا سخت انتظار کرنا پڑا۔ مگر یہ انتظار بے ثمر رہا اور منتظر لوگ اپنی امیدوں کو سینوں کے صندوق میں محفوظ رکھکر کمال مایوسی سے اس عالم سے سدھار گئے۔ اس امید و یاس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے عیسائیوں نے مسیح ناصری کی دوبارہ آمد کا انتظار ترک کر دیا ہے اور جو باقی ابھی تک برابر امیدوں میں لگے ہوئے ہیں انکی امیدیں بر آنا ناممکن و محال ہے۔ این خیال است و محال است و جنوں۔ آنیوالا آچکا ہے اور کسی دوسرے کی انتظار اب بے فائدہ ہے۔

یہ صحیح ہے کہ یسوع مسیح نے اپنی آمد ثانی کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی لیکن اس کے یہ معنے کرنا کہ خود مسیح دوبارہ دنیا میں آئیں گے سخت غلطی ہے۔ جو لوگ ایکدفعہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں وہ ہرگز واپس نہیں آتے ابتدائے آفرینش سے یہی سنّت الٰہی رہی ہے۔ پھر اس پیشگوئی کے کیا معنے ہیں؟ اس کے جواب میں ہم بلا تامل کہیں گے کہ مسیح نے خود اس کے معنے کر دیئے ہیں جب آپ سے پوچھا گیا کہ مسیح سے پہلے الیاس کا آنا ضروری تھا تو آپ نے فرمایا کہ الیاس موعود یوحنا بپتسما دینے والا تھا۔ اب بعینہٖ یہی معنے مسیح کی اپنی آمد ثانی کے کیئے جانے چاہئیں یسوع مسیح کا قول عیسائیوں کے لیئے حجت اور معیار ہے پس جسطرح الیاس کی آمد ثانی سے خود مسیح نے الیاس کا مثیل یعنی یوحنا بپتسما دینے والا مراد لیا ہے اسی طرح مسیح کی آمد ثانی سے بھی مسیح کا کوئی مثیل ہی مراد لینا چاہیئے۔ اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ خود مسیح ناصری ہی واپس تشریف لائینگے تو اس سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ پتھر والی پیشگوئی آپکی آمد ثانی کے متعلق تھی۔ یسوع مسیح نے کسی جگہ بھی نہیں فرمایا کہ پہلی آمد کے وقت انکی آسمانی سلطنت ہے مگر دوسری آمد کے وقت زمینی سلطنت ہوگی۔ لہٰذا یہ کیا ایک مضحکہ خیز بات ہے کہ جب مسیح دوبارہ آئیں گے تو انکی سلطنت زمینی ہوگی اور وہ ایک طاقتور زمینی بادشاہ کی طرح ظہور پذیر ہو کر حکمران سلطنت سے آمادہ پیکار ہونگے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے مسیحی دوست کب تک ریت پر مکان بناتے جائیں گے اور کب تک غیر مدلل امور پیشکر کے دنیا کو ہنسی کا موقعہ دیتے جائیں گے جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پتھر والی پیشگوئی سے مسیح کی آمد ثانی مراد ہے انکو غور کرنا چاہیئے

کہ اُن کے اپنے ہی بعض عیسائی اب حضرت مسیح کی آمد ثانی والی پیشگوئی کو پورا ہوا ہوا سمجھتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ آج دنیا کے ہر حصہ میں مسیحی مناد خداوند یسوع کے نام کو پورے زور اور خلوص سے پھیلا رہے ہیں پس یہی مسیح کی آمد ثانی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح کی روح اب ہمارے درمیان موجود اور مسیحی کلیسیا کی رہبری و رہنمائی کر رہی ہے اور یہی یسوع مسیح کی آمد ثانی کا مفہوم تھا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی صاف ایسی پیشگوئی تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ یسوع مسیح اپنی آمد ثانی پر ایک زمینی عالمگیر سلطنت قائم کریگے تو پھر یہ لوگ کیوں مسیح کی آمد ثانی والی پیشگوئی کو پورا ہوا ہوا سمجھتے ہیں۔

جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح موعود کے نزول پر پتّھر والی پیشگوئی پوری ہوگی اُنکو یاد رکھنا چاہیئے کہ موعودہ پتّھر نے پہاڑ ہونے سے قبل چوتھی سلطنت کو نیست کرنا تھا نہ کہ نیست کرنے سے قبل پہاڑ بنکر آنا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح موعود پورے جلال سے عالمگیر سلطنت لیکر آئیگا بھلا اس عالمگیر سلطنت کا چھوٹے پتھر سے کیونکر مقابلہ ہو سکتا ہے؟ اس سلطنت کو تو پہلے چھوٹی اور پھر رفتہ رفتہ وسیع ہونا چاہیئے تھا کیونکہ پتّھر نے رفتہ رفتہ پہاڑ بننا تھا نہ کہ پہلے ہی پہاڑ یعنی عالمگیر سلطنت لے کر آنا تھا۔ یہاں پر اگر کوئی یہ کہدے کہ مسیح کی سلطنت بھی رفتہ رفتہ عالمگیر ہوگی اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ خداوند کا پورے جلال کے ساتھ بادل پر سوار آسمان سے اُترنا لکھا گیا ہے نہ کہ پہلے گمنام اور پھر پورے جلال سے ظاہر ہونا۔

اس ضمن میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ رومیوں کی سلطنت کو تو صفحہ ہستی سے مٹے ہوئے عرصہ دراز گذر چکا ہے اور موعودہ پتھر کو ایسے وقت گرنا چاہیئے تھا جب وہ ''سلطنت'' موجود اور کچھ قوی اور کچھ ضعیف، ہوتی ان الفاظ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ موعودہ پتّھر کے مورت پر گرنے سے قبل چوتھی سلطنت موجود ہونی چاہیئے تھی۔ لہٰذا اس پیشگوئی کو حضرت مسیح ناصری کی خیالی آمد ثانی پر چسپاں کرنا غلطی ہے کیونکہ اول تو مسیحی اعتقاد کے بموجب دوبارہ آنیوالی مسیح کا جلال اسقدر ہوگا کہ اُسے چھوٹے سے پتّھر سے تشبیہ نہیں دیجا سکتی دوم یہ کہ

مسیحی عقیدہ کے بموجب

جس چوتھی سلطنت کو تباہ کرنے کے لیئے مسیح کی آمد ثانی کا انتظار کیا جاتا ہے اُس سلطنت کو صفحہ ہستی سے مٹے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں۔

معزز ناظرین! نبوکدنضر کے خواب کے آخری حصہ کو یسوع مسیح پر چسپاں کرنے کی بے سود کوشش اس امر پر دال ہے کہ مسیحی صاحبان اس پیشگوئی کو برمحل چسپاں نہیں کرتے پہلی چار حکومتوں کے متعلق مسیحی صاحبان میں کوئی اختلاف رائے نہیں مگر پانچویں سلطنت پر پہنچکر کھینچ تان سے اُسے مسیح کی سلطنت ثابت کرنیکا خیال انہیں راہ راست سے بھٹکا دیتا ہے آخر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ موعودہ پتھر کی تعبیر کرتے وقت اُن کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور وہ حواس باختہ ہوکر اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے ہیں۔ اے کاش! یہ لوگ ایمانداری سے تاریخ کا مطالعہ کرتے اور خوف خدا سے اُس موعودہ پتھر کی تلاش میں لگجاتے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ انہیں اُس موعودہ پتھر کی تلاش میں ذرا بھی وقت محسوس نہ ہوتی جسکی نسبت کہا گیا تھا کہ "ایک پتھر بغیر اُس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹکے نکالے آپ سے نکلا جو اُس شکل کے پاؤں پر۔۔۔۔ لگا اور ۔۔۔ ٹکڑے ٹکڑے کیا"۔ اگر یہ لوگ تاریخ کو ایمانداری سے پڑھنا گناہ سمجھتے ہیں تو اُنکی خاطر سے ہم ہی بتاتے ہیں کہ وہ موعودہ پتھر کون تھا۔ لیکن قبل ازیں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے ناظرین کو دوبارہ یاد دلائیں کہ نبوکدنضر فاتح یروشلم کا خواب جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں دراصل بیت المقدس کے آئندہ انجام کی پیشگوئی تھی اس لیئے خدا کے ہاں تمثیلاً اُسی شخص کا نام پتھر تھا جسکے زیرنگین ارض مقدس کا دارالخلافہ ہونا تھا پس وہ موعودہ پتھر عرب کا برگزیدہ نبی تھا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ناظرین کی سہولت کے لیئے ہم یہاں پر رومیوں کی سلطنت کے زوال کی نہایت مختصر سی تاریخ بیان کرتے ہیں وھو ہٰذا یہ قیصر آگسٹس کا زمانہ تھا جبکہ رومی جمہوریت سلطنت روم کے نام سے موسوم کی گئی اور اس کا دارالخلافہ شہر روم تھا۔ قسطنطین اول نے جس کا عہد حکومت سنہ ۳۰۶ء سے ۳۳۷ء تک رہا اس سلطنت کا دارالخلافہ قدیم یونانی شہر بازنیطم میں منتقل کر لیا۔ اور اسے روم جدید کے نام سے موسوم کیا لیکن جدید دارالخلافہ اپنے بانی کے نام پر اُسی زمانہ سے برابر قسطنطنیہ کہلاتا رہا ہے۔ تھیوڈوسیس اول جس کا عہد حکومت سنہ ۳۹۲ء سے ۳۹۵ء تک ہوا ہے

سلطنت روم کا آخری بادشاہ تھا جسکی حکومت کل رومی سلطنت پر تھی۔ اس کی وفات پر اُس کے بیٹوں نے اپنے باپ کی سلطنت کو باہم تقسیم کر لیا۔ ہنوریس نے مغربی حصہ پر قبضہ کر لیا اور آرکیڈیس نے مشرقی حصہ پر تسلّط جما لیا۔ اس وقت سے سلطنت روم دو حصوں میں منقسم ہو گئی یعنی مغربی روم یا لاطینی حکومت اور مشرقی روم یا بازنطینی سلطنت۔ ہمیں مغربی سلطنت سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ بیت المقدس مغربی روم میں واقع نہیں تھا بلکہ مشرقی روم یعنی سلطنت بازنطین کے ماتحت تھا۔ سلطنت غربی آخر تباہ ہو گئی اور غیر مہذب اقوام کے ہاتھوں میں آ گئی۔ آخر ش ۴۷۶ء میں اس کا بالکل نام و نمود اُٹھ گیا۔ اور برائے نام رومن سینیٹ نے جو ابھی تک باقی تھی تاج اور زرد پوشاک جو مغربی سلاطین نے اپنی شناخت کا نشان رکھا تھا روم سے قسطنطنیہ بھیجدیا۔ اس تاریخ کے بعد سے مشرقی سلاطین نے اپنے آپ کو کل سلطنت روم کا وارث قرار دیا اور مشرقی حکومت کو سلطنت روم کہنے لگے۔ ۵۵۳ء میں اٹلی فتح کی گئی اور اسے بازنطین یعنی سلطنت قسطنطنیہ کا ایک صوبہ بنایا گیا یہاں کے صوبہ دار کا تقرر قسطنطنیہ سے ہوا کرتا اور اُسے روینہ کا حاکم کہا جاتا تھا یہ حکام دو سو برس تک روینہ۔ روم نیپلز اور ایک حصہ ساحل پر حکومت کرتے رہے۔ الغرض غربی سلطنت روم کی تباہی کے بعد بھی عرصہ مدید تک قسطنطنیہ کے حکمران اٹلی کے مالک اور سلاطین روم کے لقب سے ملقب رہے۔ ان رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں وہ موعودہ پتھر ظاہر ہوا۔ اُس کے زمانہ میں سلطنت روم کا بادشاہ قیصر ہرقل تھا۔ یہ پتھر فاران کا مقدس نبی تھا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی تمثیلی رنگ میں پتھر کہا گیا تھا۔ ' یہ پتھر بغیر اُس کے کہ کوئی ہاتھ سے اسکو کاٹے آپسے آپ نکلا ' تھا یعنی اُس نے اپنے باپ دادا سے کوئی سلطنت میراث میں نہیں پائی تھی بلکہ خود بخود ایک سلطنت ایسے ملک میں قائم کی تھی جہاں اس سے پیشتر کبھی کوئی ایک سلطنت قائم ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ آخری سلطنت پہلی چار سلطنتوں سے بالکل مختلف تھی۔ یسوع مسیح کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُنکی سلطنت گو پہلی آمد پر دنیوی سلطنت نہیں مگر آمد ثانی پر وہ ایک عالمگیر حکومت کے بانی ہونگے۔ برعکس ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں کہ زمین پر بھی ایک سلطنت قائم کر گئے اور آسمان پر انبیاء علیہم السلام کی سلطنت ہوا ہی کرتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یسوع مسیح کو تو دنیا میں سلطنت قائم کرنیکی خواہش تھی چنانچہ آپ نے اپنے شاگردوں کو کپڑے بیچکر آلات حرب خریدنے کا حکم دیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی طبیعت کے خلاف تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھنا پڑا جیسا کہ مضمون زیر عنوان اشاعت اسلام میں دلائل سے ثابت کر چکے ہیں اور جہاں حضرت یسوع مسیح کو اپنی خواہش میں ناکامی ہوئی وہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محض الٰہی نصرت سے ہر جگہ بامراد ہوئے اور خدائے تعالیٰ نے آپ کی خواہش کے برخلاف آپکو دنیا کی سلطنت کا بھی مالک بنا دیا۔ یعنی حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک سلطنت کی بنیاد ڈالنی پڑی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت رومیوں کی سلطنت موجود تھی اور وہ سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف تھی۔ اس سلطنت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام پتھر کی طرح گرے اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اگر یہاں پر کوئی یہ سوال کرے کہ مسلمانوں نے رومیوں کی سلطنت پر کیوں حملہ کیا تو ہم کہیں گے کہ مضمون زیر بحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور یہاں اس کی بحث بے محل ہے۔ البتہ جو صاحب اس سوال کا مفصل جواب دیکھنا چاہیں وہ ہمارے مضمون اشاعت اسلام کا مطالعہ کریں جو ریویو آف ریلیجنز کی گذشتہ جلد میں شائع ہو چکا ہے اور جسکا ایک حصہ اخبار وکیل نے کتاب کے طور پر شائع کیا ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا اصل مضمون کو مدنظر رکھکر ہم صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ جو چھوٹی سی سلطنت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ معظمہ میں قائم کی تھی وہ گو پہلے پہل غیر مشہور اور مختصر تھی یعنی ایک چھوٹے سے پتھر کے مشابہ تھی مگر وہ چھوٹا سا پتھر پہلے تو رومن سلطنت کے صوبوں پر گرا انکو ٹکڑے ٹکڑے کیا پھر رفتہ رفتہ رومیوں کی ساری سلطنت پر گرا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ گو یا یہ چھوٹا سا پتھر جو آپ سے آپ نکلا تھا اس قدر بڑھا کہ مشرق سے مغرب تک پھیلا اور ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا۔ یعنی وہ چھوٹی سی مختصر حکومت جو مدینہ میں قائم کی گئی تھی آخر وہ

ایک زبردست سلطنت ہوگئی اور ایک وقت چار دانگ عالم میں اس کا ہی ڈنکا بجتا تھا۔
اس طرح نبوکدنصر کے خواب کے آخری حصہ کی عظیم الشان پیشگوئی نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے پوری ہوئی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اول جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ملک شام کے ایک حصہ اور عراق عرب پر مسلمانوں کا تسلط ہوگیا اور خلیفہ دوئم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں عربی افواج نے مصر اور شمالی افریقہ کو مطیع و منقاد کرلیا۔ سنہ۷۱۱ء میں "عمامہ پوش عربوں کی ایک فوج نے جن کے ہاتھوں میں شمشیر ہائے برہنہ تھیں طارق بن زید کے زیر کمان پانی کے اُس تنگ قطعہ کو عبور کیا (جو افریقہ و یورپ کو جدا کرتا ہے) اور اس چٹان پر اُتر کھڑے ہوئے جو آجتک اُنکے سپہ سالار کے نام سے موسوم ہے" پھر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ لوگ قریباً سارے کے سارے جزیرہ نمائے اندلس کے مالک ہوگئے۔ اور بعدازاں انہوں نے جزیرہ سسلی اور جنوبی اٹلی کو بھی فتح کرلیا۔ یہ تمام ممالک سلطنت روم کے صوبجات تھے۔ آخر بازنطین سلطنت کا دارالخلافہ قسطنطنیہ بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام اور ہمنام کے ہاتھ پر فتح ہوگیا۔
یہاں پر یہ ذکر کردینا بے محل نہ ہوگا کہ قسطنطنیہ کی فتح کی پیشگوئی صرف دانیال کی کتاب ہی کے متعلق نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ آپ کا ایک ہمنام جو خدائے تعالیٰ کی آنکھ میں مہدی یعنی ہدایت یافتہ ہوگا اس شہر کو فتح کرے گا۔ اس پیشگوئی میں فاتح قسطنطنیہ کے ہمراہیوں کا بھی ذکر ہے یہ حدیث کتب احادیث میں فتح قسطنطنیہ سے کئی سو برس پہلے درج ہوکر شائع ہوچکی تھی۔ فتح قسطنطنیہ کی پیشگوئی اور اُس کا محمد ثانی کے ہاتھ پر عین پیشگوئی کے مطابق فتح ہونا اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ وہ موعودہ پتھر جس نے چوتھی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا اس پیشگوئی کا شائع کرنیوالا انسان ہی تھا۔ رومیوں کی سلطنت کے قدیم دارالخلافہ کو فتح کرنیوالے کا بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمنام ہونا گویا اس امر کی یاددہانی تھی کہ جو پیشگوئیاں دانیال کی کتاب میں مذکور ہیں اور جن کے مطابق

چوتھی سلطنت کا ایک پتھر سے تباہ ہونا لکھا ہے اُن کو پورا کرنے والا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے پانچویں سلطنت کے متعلق لکھا گیا تھا کہ وہ تمام زمین کو بھر دیگی۔ اس سے یہ مراد لینا غلطی ہوگی کہ وہ دراصل ہر دو کرہ ارض پر پھیل جائیگی کیونکہ پیشگوئی میں تیسری سلطنت کے متعلق بھی ایسے ہی الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں حالانکہ یہ تیسری حکومت یعنی سلطنت یونانی کبھی بھی دنیا بھر کی مالک نہیں ہوئی۔ ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ وہ سلطنت بڑی وسیع ہوگی اور ظاہر ہے کہ سلطنت اسلام اُس سلطنت سے کہیں زیادہ وسیع تھی جو سکندر اعظم کے زیر فرمان تھی۔ مضمون ہٰذا میں ہم نے متواتر اس بات پر زور دیا ہے کہ نبوکدنضر کا خواب شہر بیت المقدس کی آئندہ قسمت کا اظہار تھا پس ارض مقدس کا مقدس شہر ساڑھے تیرہ سو برس سے ابتک برابر پانچویں سلطنت کے زیر تحت ہی اور تا ابد رہیگا (انشاء اللہ تعالیٰ)

اس عرصہ میں سارے یورپ نے عیسائیت کے متبرک مولد کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑانے کی اَن تھک کوشش کی لیکن خدا کے کام ہیں کہ انکی یہ تمام کوششیں ناکام و نامراد ہو کر رہگئیں پطرس راہب نے یورپ بھر کو جنگ مقدس کے لیئے اُبھارا اور ملک ملک میں وحشیانہ جوش کی آگ جلادی عیسائی شہزادے اور بادشاہ بڑی بڑی افواج کے ساتھ بار بار ارض مقدس پر حملہ آور ہوئے لیکن خدائی ہاتھ نے اُنہیں بار بار ناکام و نامراد پھرایا۔ آٹھ مرتبہ صلیب کی بے شمار فوجوں نے فلسطین پر دھاوا کیا مگر بایں ہمہ یروشلم کا مقدس شہر مستقل طور پر انکے قبضہ میں نہ رہ سکا آخر اس ناکامی کی کوئی وجہ بھی؟ بس یہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت کے متعلق خدائے تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ "تا ابد" ارض موعود کی مالک رہیگی۔ کیا مسیحیوں میں سے کوئی سعید روح ایسی ہے جو اس موعودہ "پتھر" کو شناخت کریگی اور تین کی غلامی سے نکلکر ایک کی خادم ہو رہیگی۔

اے قدوس علیم۔ خبیر۔ قادر و قیوم خدا! اے اچھے وعدوں والے! اے سب سے پیارے آقا تو نے جس طرح دانیال نبی پر آئندہ کے واقعات کھولے تھے اسی طرح تو مسیح ناصری کے پیرووں کی آنکھ کھول تاکہ وہ موعودہ پتھر کے کارنامے دیکھ سکیں انکے کان کھول تاکہ وہ اس "پتھر" کے متعلق باتیں سُن سکیں ان کے دل کھول تاکہ "آپ سے آپ نکلنے والے پتھر" کے نام اور کام پر غور کریں۔ آمین۔ آمین یا رب العالمین۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

تعلیم الاسلام ہائی سکول :- ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ بوجہ موسمی تعطیلات ۱۶- اگست لغایت ۳۰- ستمبر ۱۹۱۱ء ڈیڑھ ماہ کے لیئے بند رہیگا - جن احباب کے لڑکے یہاں پڑھتے ہیں انکو چاہیئے کہ سکول کھلنے سے دو تین یوم پہلے ہی بچوں کو یہاں بھیجدیں - تا وقت پر حاضر سکول ہو جاویں اس موقع پر بعض طلبار کو وصولی چندہ کی اجازت دیجائیگی - انکے نام اخبار بدر میں جلد شائع کیئے جاویں گے - لیکن یہ خیال رہے کہ ہر طالب علم کو اس کام کی اجازت نہیں دیجائیگی - اس غرض کیلیئے ایسے طلبار کے پاس رسید بکیں ہونگی - جو رقم وہ کسی سے لیں گے اسکی رسید اپنی ضروری ہوگی جس کا مثنیٰ وہ اس کاپی میں اپنے پاس بھی رکھیں گے - امید ہے کہ احباب اس موقع پر بھی ہمت سے کام لے کے ان بچوں کی حوصلہ افزائی فرماویں گے - ایسے طلبار کو ایک سند دیجاویگی جس کے دکھانیکے بغیر وہ چندہ وصول کرنیکا مجاز نہ ہوگا -

چندہ تعمیر :- چندہ تعمیر کی وصولی کا کام حضرت میر ناصر نواب صاحب نے بڑی سرگرمی سے جاری کیا ہوا ہے - انکے ساتھ حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی بھی سفر میں ہیں خدائے تعالیٰ ہر دو صاحبان کو جزائے خیر دے - اور انکی سعی میں برکت دے - اس عمر میں میر صاحب کے یہ سفر ایسی گرمی میں انکے سچے اخلاص اور جوش کو جو خدا تعالیٰ نے انکو عطا فرمایا ہے ظاہر کرتے ہیں - جناب میر صاحب نے اس سفر میں بالفعل مندرجہ ذیل رقوم ارسال فرمائی ہیں گوجرانوالہ و وزیر آباد سے ڈیڑھ سو گجرات سے ایک سو اور لالہ موسیٰ سے صعہ بھیرہ سے صہ پنڈ دادنخاں سے ایک سو ایک جہلم سے ایک سو ایک - پشاور سے یتامیٰ کیلیئے للعہ مردان سے عہ -

امداد کی درخواستیں :- مساکین وغیرہ کی امداد کے لیئے درخواستیں بھیجنے والے مطلع رہیں کہ اسوقت گنجایش مطلق نہیں - جو صاحب درخواست بھیجنا چاہیں وہ آئندہ اپریل میں بھیجیں - اسوقت جو یہ طریق جاری ہے کہ احباب کسی مسکین یا قابل امداد شخص کو حضرت خلیفۃ المسیح کے نام رقعہ دیکر بھیجدیتے ہیں - یہ ایک بے ادبی بھی ہے چاہیئے کہ پہلے خط و کتابت کرکے گنجایش کا حال دریافت کر لیا کریں - بعض یتامیٰ ایسے آجاتے ہیں کہ انکے ہاتھ میں ایک رقعہ تو ہوتا ہے مگر کسی کی م

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ⁂ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء | نمبر ۹

چندہ سالانہ — عوام سے عا طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء [illegible] انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

رسالہ

اصول اسلام

یعنی وہ لیکچر جو جلسہ مذاہب الہ آباد میں بڑی شان و شوکت سے پڑھا گیا۔ شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی تاجر کتب قادیان سے محصولڈاک بھیجنے سے مفت مل سکتا ہے ۔ (مینیجر)

تعلیم اسلام

لیکچر ٹیچنگز آف اسلام یعنی وہ لیکچر جو حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے لاہور کے عظیم الشان جلسہ مذاہب میں سنہ ۱۸۹۶ء میں پڑھا گیا تھا اس کا انگریزی ترجمہ ولایت سے چھپ کر آگیا ہے۔ دو سو صفحہ کی کتاب ہے۔ مجلد کی قیمت ۱۲ اور غیر مجلد کی ۸ہے چونکہ ولایت میں اسکی مفت اشاعت ہوگی اس لئے احباب اپنے لئے بھی خریدیں اور اس جگہ یا ولایت میں مفت تقسیم کرکر بھی ثواب لیں ۔

(سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

ریویو

ثنائی ہرزہ درائی ۔ اس رسالہ کا مضمون اس کے نام سے ظاہر ہے ۔ اس میں بیان ثناء اللہ امرتسری کی بدزبانی اور گندہ دہانی کی مختصر فہرست ہے جو اس کے رسالوں اور تصانیف میں حضرت امام ربانی مسیح قادیانی علیہ علی نبینا الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یا آپ کی جماعت کی نسبت استعمال کی گئی ہے ۔ اس رسالہ کے مصنف میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق ورسالہ احمدی ہیں ۔ تراہا بیرام خاں دہلی ۔ اس رسالہ کی نظمیں خصوصاً قابل دید ہیں ۔ مصنف سے مل سکتا ہے ۔ ۶۸ صفحہ کی کتاب قیمت ۲/

ریویو آف ریلیجنز کے گذشتہ پرچے

ذیل کے اُردو یا انگریزی ریویو کے پرچوں میں سے کوئی پرچہ یا بعض پرچے اگر کسی صاحب کے پاس ہوں اور فروخت کرنا چاہیں یا مفت دینا چاہیں تو مینیجر میگزین قادیان سے خط و کتابت کریں ۔

اردو ریویو ۔ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء جنوری ۔ فروری سنہ ۱۹۱۰ء ۔ انگریزی ریویو ۔ جنوری ۔ اپریل جولائی ۔ اگست ۔ ستمبر ۔ اکتوبر ۔ نومبر ۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء ۔ نومبر دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء ۔ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء ۔ مارچ سنہ ۱۹۰۵ء جنوری سنہ ۱۹۰۶ء ۔ فروری سنہ ۱۹۱۰ء ۔

خریداروں کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ۔ ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہوجاوے تو معاف فرماویں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ایک بدھ ایڈیٹر اور اسلام

(مرقومہ ماسٹر محمد دین صاحب بی۔ اے)

مولوی برکت اللہ کی کتاب نے جو کہ ٹوکیو جاپان میں شایع ہوئی ہے مہا بدھی سیلون کے ایڈیٹر کو سخت اضطراب میں ڈال دیا ہے یہ خبر کہ ابھی چند جاپانیوں نے اسلام قبول کیا ہے اور یہ کہ ایک کوشش کی گئی ہے کہ غیر ممالک کے مسلمان جو جاپان میں سکونت پذیر ہیں انوار اسلام کو جاپان میں پھیلا رہے ہیں مذکورۃ الصدر امر سے وہ متفکر ہو گیا ہے گویا کہ خوف کی حکومت کا آغاز ہو گیا ہے ظاہری طور پر جیسا کہ یہ عجیب معلوم ہوتا ہے یہ ایک واقعی امر ہے کہ مقدس مذہب اسلام کو عیسائی اور بدھ مذہب کے وظیفہ خوار ایمانداروں کے ہاتھوں پر اور مذاہب کے پیرووں کے ہاتھوں پر سے بڑھ کر بُری طور پر پبلک کے سامنے پیش ہونا پڑا ہے۔ عیسائی واعظوں کا سب سے اعلیٰ ترکہ وراثت جو انہوں نے اپنے ہم وطنوں کے لیے پیچھے چھوڑا ہے وہ مقدس مذہب اسلام

اور اشرف الانبیاء علیہم السلام کی سیاہ تصاویر ہیں۔ جو انہوں نے اپنے ہی زعم سے گھڑی ہیں۔ لیکن اس گوئے سبقت میں بدھ کا پیرو مریم کے صاحبزادے کے مقدس پرستاروں سے پیچھے نہیں رہا اعلیٰ ترین الفاظ جو اسے اسلام اور اسلامیوں کے لیئے ملے ہیں وہ ہیں بھوت۔ دہشت راکھشش وغیرہ۔ تعجب ہے کیا بُدھ اور یسوع نے ان کو یہی تعلیم دی تھی۔ انہوں نے تعمیل کر رہی ہے بدزبانی کی کوئی حد نہیں رہی۔ بدی پورے زور میں ہے۔ انکے پیرو اب اسلامی مسلمہ معتقدات کے سخت برخلاف دَوڑ رہے ہیں۔ یہ ہے انسانیت اور خود انکاری جو کہ فاضل ایڈیٹر ہم سے قبول کرانا چاہتا ہے فاضل ایڈیٹر عیسائیوں اور اپنے برادران آریوں سے بڑھکر کوئی بڑی ذہانت ظاہر نہیں کرتا جبکہ وہ پاک اسلام پر تنقید کرتا ہے اس کو اور اس کے بھائی مجوسیوں کو مسلمان مجرم دکھائی دیتے ہیں کیونکہ وہ طلوع الشمس کے ملک کی طرف پیٹھ کرتے ہیں اور مکّہ کی طرف مُنہ کرتے ہیں جو کہ سورج کے غروب ہونے کا ملک ہے اگر واقعی مکّہ پر سورج غروب ہوتا ہے اور جاپان ہی سورج کے چڑھنے کی زمین ہے تب یہ قسمت کے کھیل ہیں کہ اگر طلوع الشمس کے ملک کے باشندے غروب الشمس کے ملک کے خیالات کی طرف بڑی آہستگی سے آویں۔ کیا ایڈیٹر سچائی کی تلاش میں ہزل سے کام نہیں لے رہا۔ بدھ ایڈیٹر کے زعم کے مطابق جاپان کے لیئے یقیناً وہ دن بڑے غم کا دن تھا جبکہ جاپان کو اس کے آبائی پرستش سے پھیر کر بُدھ مذہب میں داخل کیا گیا تھا۔ اور اسے گوتم ساکی منی کے آگے اپنا سر جھکانا پڑا تھا۔ یہ ایک عجیب امر ہے کہ مہا بدھی کا ایڈیٹر اس روشنی اور علم کے زمانہ میں اپنے ہم وطنوں کے بہلانے کے لیئے پھسلانے والی اصطلاحوں سے کام لے۔ اسے مکّہ طلوع الشمس اور غروب الشمس کی زمین دکھائی دینا چاہیئے تھا جیسا کہ جاپان یا کوئی اور ملک دنیا کا نظر آتا ہے۔ شاید بدھ مذہب

کے علم جغرافیہ کے لحاظ سے مکہ غروب الشمس کی زمین یا غروب الشمس کی چٹان ہوگا۔ کیونکہ ہم بدھ مذہب کی پیدائیش عالم کی تصویری میں یہ لکھا پاتے ہیں کہ فضا میں پھیلے ہوئے بے شمار دنیا ہیں اور ایک سیٹ میں تین تین ہیں۔ یہ تمام کی تمام ہماری دنیا کے بالکل بعینہٖ مشابہ ہیں اور ہر ایک کے مرکز میں ایک بڑا پہاڑ نمودار ہوتا ہے جس کو مہا میرو کہا جاتا ہے۔ جس کو ایک ہی مرکز والے سات دائرے گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ ایک بڑی طویل چٹان ہے اور سب سے بیرونی دائرہ چار قطعات میں منقسم ہے اور یہی چار براعظم ہیں۔ ایک کے حصہ میں جم بدویپا ہے اور یہی زمین ہے جس میں کہ ہم رہتے ہیں مہا میرو کی چوٹیوں اور اس کے اوپر اور چٹانی دائروں کے اوپر چوبیس آسمان ہیں اور اس کے نیچے اور زمین کے نیچے آٹھ بڑی پہاڑیاں ہیں۔ مہا میرو اور سب سے بیرونی چٹانی دائرہ کے درمیان سورج۔ چاند اور ستارے فضا میں گھومتے ہیں اور جب وہ چٹان پہلے دائرہ سے گذر جاتی ہے تو جم بدویپا کے باشندوں کو غروب ہوتے معلوم ہوتے ہیں ؛

ایڈیٹر کی ہر ایک بات اور نکتہ چینی پر مبسوط بحث کرنا میرے لیئے غیر ضروری معلوم ہوتا ہے ایڈیٹر کہتا ہے کہ جس دن جاپان اپنا مذہب تبدیل کرے گا اسی دن سے بہادر جاپانیوں کی مردانگی کے زوال کا آغاز ہوگا۔ فی الحقیقت قومی کمزوری کے لیئے بدھ مذہب۔ کنفیوشس اور شنٹوز کی تین خوراک تریاق کا حکم رکھتی ہیں۔ چینی بے ایمان ہیں جو مردانہ قوم نہیں ہیں ہاں ابھی صرف چالیس برس کا عرصہ گذرتا ہے کہ جاپان بھی بے ایمان تھا جبکہ پہلے پہل عیسائی مشنریوں نے جزیرے کو دیکھا اور جاپانی مردانگی کا سبق سیکھنے کے لیئے چچا سام کے پاس گئے۔ ہاں کیوں نہ وہی خوراک سیام اور کوریا کو بھی دی جاوے اگرچہ کمتر طاقت کی۔

کہاں تک مذہبی تعصب سچائی اور انصاف کا خون کر دیتا ہے۔ گیارہ لمبی صدیوں تک بدھ مذہب کے نیچے جاپان رہا لیکن اس نے کوئی کسی قسم کی ترقی نہیں کی۔ وہ اس زمانے میں خونخوار لڑائیوں اور وحشی تندی کا شکار بنا رہا جس دن کہ اس نے اپنے کہنہ پارچات اُتار پھینکے۔ اور رسومات نہایت اور سستی سے اپنے آپ کو آزاد کیا قوت نظریہ کو عملیہ سے بدل دیا اور اس طرز کو عملاً ترک کر دیا جو کہ اخلاقی سعیوں کا اجر فنا فی السقر ہونے کا وعدہ کرتا ہے اور اپنے پرستاروں کو بھول بھلیاں کے کوئیں میں گرا دیتا ہے وہ مشرقی کرہ ارض کے آغاز کا دن تھا۔ میں سوال کرتا ہوں کیوں چینی خواب خرگوش اور غفلت کے لحافوں میں سو رہے ہیں جبکہ تمام قوم کو بدھ مذہب کا ڈوز برابر مل چکا ہے۔ اور بدھ مذہب انکی ایک جزو بن گیا ہے سب سے بڑا گناہ جو ایک مذہبی اخبار کا ایڈیٹر کر سکتا ہے اور خصوصاً ایسے اخبار کا ایڈیٹر جو کہ انسانیت۔ ہمدردی۔ اور نروان کے اعتقاد اور اصول کا حامی ہو وہ یہ ہے کہ وہ پبلک کو بے ہودہ ترین اور غلط واقعات کے پیش کرنے سے اصل امر سے اندھا کر دے۔

موجودہ اسلامی ریاستوں کی ابتر حالت اسلام کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسلام سے انحراف کی وجہ سے ہے۔ سلف کے مسلمانوں اور ہم کو یکساں اسلام آسمانی تحفے کی ہر قسم کا وعدہ دیتا ہے۔ پہلے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کی اور دنیا کے مالک بنے۔ اسلام نے عرب کے تھکے ماندوں اور زوال پذیر اجسام میں اور نیز دیگر اقوام میں بھی جو اسلام سے مشرف ہوئیں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی تھی ہر ایک قسم کے علم کو ترقی دی گئی تھی۔ دنیا کے مختلف حصص میں دار العلوم پیدا ہو گئے تھے اور مسلمانوں نے انوار کی مشعلیں ہر ایک ظلمت پسند قوم کے آگے رکھیں خصوصاً ہندوستان اور یورپ کے باشندوں کے سامنے۔ بہت سی

صدیوں تک یہ لمپ بڑی تیز اور نمایاں روشنی دیتا رہا اور ہر ایک رہرو کے لیئے نور کا ایک نشان تھا اور ہر ایک جہاز کے لیئے جو کہ ہر طرف سے سیاہ طوفان کے ساتھ محاط ہوتا تھا ایک لائٹ ہاوس کا کام دیتا تھا۔ دنیا خصوصاً ٹیتھو گیٹو کی جائے ولادت۔ اسلام اور اسلامیوں کے بڑے احسان کے نیچے ہے۔

ایڈیٹر کوتاہ نظری اور واقعات کے اُلٹا دکھانے کے جب عمیق میں جا پڑا ہے اور اشاعت اسلام کو بزور شمشیر اور اکراہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا یہی مقولہ تھا کہ کافروں کو قتل کرو۔ شاید ایڈیٹر نے قرآن شریف پر نظر ڈالنے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی۔ قرآن شریف بڑی صراحت کے ساتھ فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ دین میں زبردستی اور جبر ہو ہی نہیں سکتا۔ ہدایت گمراہی سے بالکل ممتاز ہو گئی ہے۔ اس مضمون کی بہت سی آیات پیش کی جا سکتی ہیں اس کے مدمقابل پر جبکہ بڑی زبردست شہادت موجود ہے تو کیا یہ مذہب کے نام پر دھبہ نہیں ہے کہ ایک ایسے مذہب کی طرف الزامات اور تہمت منسوب کی جاویں جو کہ انسے بالکل مبرا اور پاک ہے۔ کیا یہ سیاہ اور جھوٹ محض نہیں ہوگا؟

یہ کہ مسلمان بہت سے جنگوں میں شریک ہوئے ایک بالکل الگ مضمون ہے۔ کیا اشوک کا لنکا ریاست سے نہیں لڑا۔ کیا بدھ مذہب کے لوگ ہندوؤں سے نہیں لڑے کیا چارسہ اور سا سوڈر گپتہ اور بے شمار دوسروں نے پولیٹیکل لڑائیاں نہیں کیں کیا طلوع الشمس کے ملک زادے اپنے بھائی چینیوں سے نہیں لڑے اور کیا چینی فرنگیوں سے اور جاپانی روسیوں سے نہیں لڑے۔ زندگی کے لیئے جدوجہد اور ایک قوم کی اپنی زندگی کی جدوجہد بعض اوقات انکو مجبور کر دیتی ہے کہ اپنے بچاؤ کیلیئے ہتھیار ہاتھ میں

ہیں۔ پہلے مسلم حملہ آوروں سے کیوں ایڈیٹر کو غیظ و غضب ہے اس کا صرف یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زعم میں سمجھے ہوئے ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں اور دیگر ممالک میں ہندوؤں اور بدھ مذہب کے مندروں کو مسمار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "قدیم ہند کی تہذیب مسلم حملہ آوروں نے تباہ کی ہے۔ قابل عزت مکانات جو صدیوں سے چلے آتے تھے مسلمانوں نے انکے ساتھ شفیقانہ برتاؤ نہیں کیا۔ فنِ عمارت انکے نزدیک شیطانی کام تھا۔ اور وحشیوں نے تمام خوبصورت اشیاء کو تباہ کر دیا جو کہ قدیم انڈیا میں تھیں۔ جاوا کی قدیمی ہندوستانی تہذیب کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا۔ صدیوں تک مسلمانوں نے یہ تباہی کا کام ہر ہندوستانی مندر کے ساتھ جاری رکھا جو کہ تاریخی جگہوں میں چلے آتے تھے۔ حملہ آور جب اسلامی جھنڈے کے ماتحت ہند میں آئے تو سب سے پہلی غرض ان کی بدھ مذہب تھا۔ مسلمان حملہ آوروں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ خوتن۔ بامیان۔ بلخ۔ چترال۔ ترکستان۔ طرفان۔ قندھار اور افغانستان میں بہت سے مندر بدھ کے نام پر بنائے ہوئے تھے انکے استیصال کے بعد انہوں نے یہ غارت گری کا کام کشمیر پنجاب اور دوابہ گنگا میں جاری رکھا۔ ہندوستان کے ہندوؤں کو یہ لوٹیرے ہندو کے لفظ سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور بُت کے پوجاریوں کو بُت پرست کا خطاب دیتے تھے جس کے معنے ہیں بُت کے پوجنے والے جو کہ بدھ سے فارسی والوں نے بُت کی شکل میں مبدل کر لیا ہے۔"

اس تمام سلسلہ تباہی کو پڑھ کر ایک کو حق پہنچتا ہے کہ عالم ایڈیٹر سے دریافت کرے کہ تمہارے اس دعویٰ کا ثبوت کیا ہے۔ جیسا کہ اس کی ملامت قابل افسوس نہیں ہے ایسا ہی اس کی حالت قابل رحم ہو گی جبکہ وہ اپنے دعووں کے ثبوت میں کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ محض اس غرض سے کہ وہ اپنی عبارت کو سجائے اور اپنی بات کو قائم رکھے اس نے پروا بھی نہیں کی کہ وہ

کیا لکھ رہا ہے جب تک اس کو اپنی اغراض اس سے پوری ہوتی نظر آتی ہیں - یقیناً اس نے مہابدھی سوسائٹی کی حمایت کا حق ادا کر دیا ہے اور جب وہ دوسرا جنم لے گا تو وہ بدھا میتیریہ بنیگا جو کہ بندھیکا کے عنوان کے ماتحت ہے
چونکہ مہابدھی کا ایڈیٹر مسٹر انگریکا دھرمپالہ بدھ مذہب کا پیرو ہے اس لیئے میں ان واقعات کو نہیں چھیڑوں گا جو کہ ہندوؤں سے تعلق رکھتے ہیں - اور ان باتوں کے ذکر کو بھی چھوڑ دونگا جو کہ ہندو مذہب اور ہندو تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں - مسلمانوں کا بُدھ مت کے لوگوں سے کبھی بھی مقابلہ نہیں ہوا - اور یہ ایک ایسا امر واقعی ہے جو کہ میں چاہتا ہوں کہ فاضل ایڈیٹر اس کی تہ کو پہنچ جاوے - اس ملک میں سے مسلمانوں کی آمد سے پہلے پہلے بُدھ مذہب معدوم ہو چکا تھا - بُدھ مذہب پھر برہمنی مت میں جذب ہو گیا تھا اور اس لیئے وہ ملک سے اٹھ چکا تھا - وہی دن بُدھ مت کے زوال کے آغاز کا تھا جبکہ اشوک نے اسے شاہی مذہب قرار دیا تھا۔ سن عیسوی شروع ہوتے ہی اس مذہب کا زوال ہر طرف سے محسوس ہونے لگ پڑا تھا - اگرچہ فاہین ایک چینی طواف نے چوتھی صدی عیسوی میں بھی ایک حصہ ملک پر خوب پھیلے ہوئے پایا مگر وہ اپنے آپ کو بمشکل سنبھالنے کے قابل تھا - دو صدی بعد ھیون سینگ نے اس سے اس کو بدتر حالت میں پایا - بُدھ مذہب کے ایک مصنف اور عالم کی پختہ گواہی سے ثابت ہوسکتا ہے کہ اس سلسلہ کی تباہی میں مسلمانوں نے کوئی حصہ نہیں لیا - وہ لکھتا ہے یہ فرض کیا گیا ہے کہ ہند میں بُدھ مت کا زوال برہمنوں کے تعاقب کے باعث سے ہوا ہے (آٹھویں اور نویں صدی میں ایک تعاقب ہوا اور بُدھ مت کے لوگ یا ایسے استیصال کیئے گئے کہ اب ایک بھی تمام ہندوستان میں بُدھ نہیں ہے انسیکلوپیڈیا برطینیکا) اس وقت جو ہمارے پاس پرانے شواہد بہم پہنچ سکتے ہیں ایک مشکوک استثنا کے علاوہ کوئی بھی

تعاقب کا ذکر نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں وہ مشابہت جو ہم پرانے برہمن مت اور پچھلی صدیوں کے نسخے سے لے کر لکھتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زوال کی رفتار لگاتار جاری رہی ہے یعنی بُدھ مت کے لوگوں کے خیالات آہستہ آہستہ ہندوستان کے دوسرے فلسفوں اور مذاہب کی طرف مائل ہوتے گئے۔ ہم اب دیکھ سکتے ہیں کہ جو واقعہ دنیا کی نظر میں نئی تحریک کی کامیابی کے اثبات کے لئے ایک بہت عجیب معلوم ہوتا تھا یعنی اشوک کا تیسری صدی قبل مسیح کے بدھ مذہب میں داخل ہونا جو کہ ہند کا سب سے بڑا بادشاہ تھا وہی واقعہ بدھ مذہب کے زوال کا باعث ٹھہرا آدمیوں کی کثیر تعداد نے جو کہ بُدھ مذہب میں داخل ہوئے تھے خصوصاً اُن اضلاع اور صوبجات سے جو کہ نئے مفتوح اور کم ترقی یافتہ ہوئے تھے اصلاح کی تحریک میں بجائے طاقت کے کمزوری پیدا کردی۔ مداہنہ کا دن آپہنچا تھا پُرانے لوگوں کی جفاکشی کی بجائے سُستی نے جگہ لی تھی اور پورے طور سے بُدھ مت منوانے کی بجائے ادھورے طور پر لوگوں کو بدھ مذہب میں داخل کر لیا کرتے تھے۔ اسطرح سے بُدھوں اور جو انکے دشمنوں میں تفرقے کی ایک دیوار حائل تھی وہ درمیان سے بالکل اُٹھ گئی۔ روح کی تھیوری نے پھر آہستہ آہستہ اپنا وہی اعلیٰ درجہ حاصل کرلیا۔ ایک دفعہ اور بُدھ لوگ بتوں اور توہم پرستی کو پسند کرنے لگ پڑے۔ پرانے الٰہیات کی فلسفیانہ بنیاد نئی سوچ بچار کے نیچے دب گئی۔ اور نیز زندگی کا پُرانا نمونہ۔ اراہت کی نجات بالکل نسیاً منسیاً ہوگئی یا محض عیب گیری کے لیے بیان کی جاتی تھی۔ نتیجہ جتنی تھا تفرقہ کی ضرورت ظاہراً کم ہوتی گئی۔ ویدک دیوتاؤں اور ٹھاکروں کی پوجا بمع تمام رسومات اور قربانیوں کے اس جہان سے چلی گئیں۔ مگر قدیمی بدھ مذہب۔ گروہ مصلحان اسکے کرنے میں دب گیا اور موجودہ ہندو مت ان ہر دو کھنڈرات پر قائم ہوا۔

ہندوستان کی اصلی اسلامی فتوحات محمود غزنی اور محمد بن سام غوری کے حملوں سے شروع ہوئیں۔ اور یہ گیارھویں صدی کے آغاز میں واقعہ ہوا۔ ان حملوں کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا ہندو تہذیب کے ساتھ واسطہ پڑا۔ بے ہودہ ترین توہم پرستی اور بدترین اخلاقی حالت اُس زمانے کا رویہ تھا۔ گیارھویں اور بارھویں صدیوں میں مسلمان حملہ آوروں نے شمالی ہند کو تاراج و تسخیر کیا۔ اور بدھ مذہب تو بالکل ساتویں صدی کے اخیر پر ہند سے مفقود ہو چکا تھا۔ کیسے مسلمان ایک ایسے مذہب کو تباہ کر سکتے تھے جو انکی آمد سے پیشتر چار سو سال سرزمین ہند سے اُٹھ چکا تھا یہ ایک ایسا معما ہے جس کو بدھ ایڈیٹر کی ہی عجیب منطق حل کر سکتی ہے۔ ہند کا صرف ایک ہی قطعہ تھا جہاں مسلمانوں کی فتوحات کی لہر پہنچی تھی اور وہ سندھ تھا۔

وہ اسباب اور وجوہ جن کی وجہ سے بدھ مذہب دنیا سے بالکل مفقود ہوا۔ اسلامی فتوحات کے علاوہ کسی اور جگہ تلاش کرنے چاہیئے۔ ہند سے وہ کس طرح مفقود ہوا؟ ہند سے وہ اس طرح مفقود ہوا کہ پُرانے برہمن مت میں جذب ہو گیا اور یہ ایک ایسا امر واقعہ ہے کہ فرنگی علمار کی آرار۔ یادگاروں اور اُس زمانے کے علم ادب کا اسپر اتفاق ہے رلیس ڈیوڈز بھی تامل کے بعد اس کو تسلیم کرتا ہے یہ تبدیلی اگرچہ آہستہ آہستہ دنیا میں نمودار ہوئی ہے مگر بالکل عیاں ہے پہلے پہل ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ کو بالکل بطور علم کے متصور کیا جاتا ہے پھر اسکے اقدام کے آثار تک کی پرستش کی جاتی ہے اور اس درخت کی تصویر کی پوجا کی جاتی ہے جس کے نیچے کہا جاتا ہے کہ اس نے نروان حاصل کیا تھا۔ اور بعد ازاں اس کو تمام مندروں میں ایک دیوتا کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ پہلے پہل وہ اکیلا بُت بنایا گیا تھا۔ جیسا کہ اجنٹا کے اکثر قدیم مندروں میں پایا جاتا ہے پیچھے اس کے وہ برہمنوں کے دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ ظہور پاتا ہے جیسے اندر۔ کالی۔ سرسوتی وغیرہ جیسا کہ بدھوں کے اور وہ کے سلسلہائے

یادگاروں میں پایا جاتا ہے کچھ زمانہ بعد خداؤں کے گروہ میں گم ہو کر جنہیں
وہ پہلے اعلیٰ سمجھا جاتا تھا چند صدیوں کے بعد صرف وشنو کا ایک اوتار خیال
کیا جاتا ہے نیپال بدھ مذہب کا ابتدائی مقام ایک ایسا قطعہ ہے جس نے
تبدیلیوں کا سخت مقابلہ کیا ہے جبکہ اس کو قدیمی برہمنی مت سے واسطہ
پڑنے لگا اور وہاں وہ اب اس درجہ تبدیلی کو پہنچا ہے جہانکہ وہ برہمنی مت سے
ملا تھا بالکل جذب ہونے کے بغیر۔ بدھ اور ہندو مت کے بت نیپال کے
مندروں میں ایسے ملے ہوئے ہیں کہ اکثر اوقات یہ مشکل پیش آتی ہے کہ کونسا مندر
کس مذہب کے ساتھ ملایا جاوے۔ شو کی مندروں میں اکثر بدھ کا بت بنایا گیا ہے
اور کئی ایک مندر جنمیں دونوں مذہب کے بت دھرے ہوئے ہیں وہاں ہر دو برہمن اور
بدھ جاتے ہیں۔ میرے نزدیک سب سے بڑی شہادت بدھ مت کی ہندو مت میں
جذب ہونیکی اور مسلمانوں کے آنے سے پیشتر اسکے ہند سے مفقود ہونیکی بودھی درخت
کی جگہ معلوم ہوتی ہے جس کے نیچے بدھ نے وہ اعلیٰ درجہ کی عقل حاصل کی
تھی جو کہ ہر ایک چیز بمع اس الٰہی مشابہت کے بہا لیگئی۔ یہ مقدس جگہ شو کے
ایک مہنت کے قبضہ تصرف میں ہے شو کے مہنت مسلمانوں کی آمد سے پہلے
پہلے اس مقدس جگہ کے مالک تھے۔ اور وہاں تمام مسلمان خاندانوں نے
انکو بغیر کسی ضرر کے چھوڑ دیا تھا جو یکے بعد دیگرے ہند کے حکمران ہوتے
رہے۔ یہ ایک مبین اور قائم مضبوط شہادت ہے کہ تمام ہند پر تبدیلی آئی
تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ شو کے پوجاری بدھ کی مقدس جگہ کے سرپرست
اور نگران حال بنے۔ اسلامیوں کی آمد سے پہلے پہلے بدھوں کو روئے
زمین ہند سے مٹایا جانا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدھوں کا گیا شہر
ہندوؤں کے ہاتھ میں جا پڑا۔

پیشتر اس کے کہ میں اصلی مضمون کو لوں اور ظاہر کردوں کہ ظلمت پسند
ایڈیٹر کے الزامات بالکل حق وحقیت سے عاری ہیں جو کہ وہ مقدس مذہب اسلام پر

لگاتا ہے میں پہلے یہ بیان کروں گا کہ آیا قرآن شریف مندروں کے منہدم اور مسمار کرنے کا حکم دیتا ہے یا اس سے منع فرماتا ہے قرآن مجید فرماتا ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا و لینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز - اجازت دی گئی ہے اُن کو جن سے لڑائی کیجاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہو چکے ہیں اور اللہ انکی مدد کے لیئے قادر ہے وہ بغیر کسی قصور کے اپنے گھروں سے نکالدیئے گئے صرف اسی بات کہ انہوں نے کہا اور اپنے اعمال سے ثابت کردکھایا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے نہ بچاتا تو ضرور گرجے۔ یہودیوں کے عبادت خانے۔ تکیئے اور مسجدیں منہدم کردی جاتیں جن میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے تحقیق اللہ قوّت والا اور غالب ہے ؛ یہاں لڑائی اور جنگ کا بڑا فائدہ یہودیوں۔ عیسائیوں مجوسیوں اور دیگر مذاہب کے عبادت خانوں کی حفاظت کیجانا فرمایا گیا ہے جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ ان مقدس جگہوں کی حفاظت اور دفاع کریں اور اللہ انکو یقین دلاتا ہے کہ وہ ان کو اس مقدس کام میں مدد اور تائید عطا فرماوے گا۔ اس عمدہ اور اعلیٰ تعلیم کے ہوتے بھی انسانی طبیعت کی کیسی ضد اور تعصّب ہے جو کہ اسلام پر ہندو اور بدھ مت کے مندروں کے مسمار کرنے کی تہمت اور الزام لگایا گیا ہے کیا اس سے زیادہ مذہبی آزادی ممکن ہو سکتی ہے اسلام کے سوا کوئی اور مذہب ہے جو یہ جانتا ہے کہ اسلامی عبادت خانے کے سوا اور عبادت خانوں میں بھی اللہ کا نام لیا جاتا ہے ہم فخریہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہی ہیں اور صرف ہم ہی ہیں جو ہر مذہب کی نیکی کو تسلیم کرتے

اور مانتے ہیں جو کہ ہر ایک مذہب میں پائی جاتی ہے ہم ایک مذہب کے مقدس پیشوا کی عزت اور احترام کرتے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں کوئی بھی قوم نہیں ہے جہاں کہ خدا کا نذیر نہیں آیا کوئی قوم کوئی مذہب ظاہر نہیں کر سکتا کہ ان کو دیگر اقوام کے معبدوں کی حفاظت کا حکم ملا ہوا ہے۔ ہم کو ہی یہ کرنے کا حکم ہوا اور ہم نے اس کو کر کے دکھا دیا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ فاضل ایڈیٹر کو اعتراض کے لیئے زبان کھولنے سے پیشتر بہت غور کر لینی واجب تھی پھر اسکے بعد وہ یہ ایسے لچر اعتراض کرنیکی جرأت کرتا۔

جب ایک مذہب ایسی صراحت سے زبردستی دین پھیلانے کو بُرا قرار دیتا ہے اور اپنے معتقدوں کو حکم صادر کرتا ہے کہ دیگر اقوام کے معبدوں کی بھی حفاظت تلوار کے ذریعہ سے کریں تو کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ انکے معتقدوں کو زبردستی مسلمان بنالے۔ تو پھر دیگر اقوام کے معبدوں کی حفاظت کے معنے ہی کیا جبکہ انکے عابد نہ رہیں گے تو معبد کس کام کے۔ جبکہ بے جان چیزوں کی ایسی حفاظت کا حکم فرمایا تو جاندار چیزوں کو کیوں تباہ کرنے کا حکم فرمانے لگا۔ کسی خاص فرد کی غلطی مذہب پر عائد نہیں ہو سکتی۔ اگر فردی غلطی سے اسلام پر الزام عائد ہوتا ہے تو دنیا میں کوئی مذہب بھی اس اعتراض سے بچتا نظر نہیں آتا۔ اگر دیوی دتا بدمعاش ہے تو اس کی بدمعاشی کا الزام بدھ اور بدھ ازم پر نہیں عائد ہو سکتا۔ تم بدھ مذہب کے افراد کی بدیوں کی وجہ سے بدھ مذہب کو بُرے کہنے کے مجاز نہیں ہو۔ آؤ ہم فرض کریں کہ کسی مسلمان حملہ آور نے قرآن کی تعلیم کے برخلاف بغیر ہندوؤں اور بدھوں کے خیالات کی پروا کرنیکے بعض مندروں کو مسمار کرایا زیادہ سے زیادہ ہم اُنکی نسبت یہی کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیغمبر اور خدا کے فرمودہ کے برخلاف عمل کیا۔ اگر ایک بدھ چوری۔ ڈاکے یا کسی اور جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اس کے لیئے ہم بدھ مذہب کو نہیں کوس سکتے۔ ہر ایک مذہب

اپنے معتقدوں کی بدافعالیوں اور بدیوں سے مبرا ہوتا ہے جو وہ اسکی تعلیم کے برخلاف کرتے ہیں ॥

اب تک ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام جبراً مذہب میں لانے کو ناپسند کرتا ہے اور مندروں کی تباہی کو منع فرماتا ہے۔ اسکے برخلاف ان دو باتوں کو یعنی جبراً مذہب میں لانے اور معبدوں کے گرانے کو بڑے زور سے بُرا قرار دیتا ہے وہ اپنے متبعین کو حکم صادر فرماتا ہے کہ وہ اپنی رفتار گفتار سے دوسرے لوگوں کو اسلامی علم کے نیچے لادیں۔ اور فرماتا ہے کہ دیگر مذاہب کے معبدوں کی حفاظت کریں۔ مَیں پہلے بتا آیا ہوں کہ مسلمان جب ہند میں تشریف لائے۔ تو بدھ مذہب ملک سے رفع دفع ہو چکی تھی اس لیئے مسلمان بدھوں کا تعاقب نہیں کر سکتے اور نہ انکے مندروں کو منہدم کر سکتے تھے۔ صرف فتح سندھ کے متعلق اعتراض باقی رہتا ہے جبکہ بدھ مذہب کا انتقال ہو رہا تھا اور اس میں بھی شک ہے۔ محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا مَیں مختصراً حملہ کا ذکر کر کے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ اصلی واقعات کیا وقوع میں آئے۔ ہیون سینگ نے ۶۴۶ء میں سندھ کو دیکھا۔ وہ بدھوں کی ایک بڑی تعداد کا ذکر کرتا ہے اور حملہ کے متعلق عربی مؤرخ بیان کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا اشارۃً ذکر کرتے ہیں جو کہ بدھ مذہب اور ہندوؤں کے اخلاط سے پیدا ہوئے تھے۔ وہ لوگوں کو برہمن کہتے ہیں بلکہ بیان کردہ رسومات میں بعض ایسی بھی بیان کرتے ہیں جو بدھ مذہب سے تعلق رکھتی ہیں یہ اسی مداہنہ کی وجہ سے تھا جو طاقت ہند میں ہر جگہ کام کر رہی تھی لیکن وہ بدھ مذہب کی جڑھوں کو نیچے سے کاٹ رہی تھی جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مذہب ہندوستان سے چلتا بنا۔ براہمن فوقیت لے گئے۔ داہر والئے سندھ ایک برہمن کاچ نامی کا پوتا تھا جس نے غصباً سلطنت پر تصرف کر لیا تھا۔ اور اپنی سلطنت کو اتنی وسعت دی تھی کہ ایک طرف تو قنوج کی ریاست

سے اجمیر پر ٹکر کھاتی ہے اور دوسری طرف جہلم پر کشمیر کی ریاست سے اور مغرب کی طرف سیستان اور کرمان تک پھیلی ہوئی تھی۔ دارالخلافہ برہمن آباد تھا حد پر نصف آزاد قبائل رہتے تھے۔ ان لٹیروں نے جو دیبال میں سندھ کے دہانہ پر ایک بستی تھی رہتے تھے بہاذوں کے ایک چھوٹے بیڑے کو پکڑ لیا جو کہ سیلون کے بادشاہ نے حجاج کو بھیجے تھے ان میں حاجی تحائف اور مسلمان یتامی۔ تھے اور یہ مسلم امر ہے کہ حجاج ایک بڑا لائق اور مدبر رکن سلطنت تھا۔ داہر سے تقاضا کیا گیا کہ وہ اس نقصان کے عوض کچھ جرمانہ فات کے طور پر ان لٹیروں کو سزا دے راجہ نے جواب دیا کہ وہ ان لٹیروں پر قابو نہیں پا سکتا۔ پھر حجاج نے بڑی مشکل کے ساتھ سنائل خلیفہ سے لڑائی کی اجازت حاصل کی اور ایک مہم طیار کی۔ جو وقوع میں آیا وہ ایک تاریخی امر ہے۔ وہ مجھے اس کی تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ سندھ فتح ہو گیا فتح کا کام باشندوں کی نااتفاقی سے جلدی پورا ہوا اور ہند میں ایسا ہی اکثر ہوا کرتا ہے۔ قومی اور مذہبی اختلاف نے مسلمانوں کی بڑی تائید کی۔ محمد بن قاسم نے بڑی آزادی والی شرائط سے انکے ساتھ برتاؤ کیا۔ جیسا کہ عرب لوگ اپنے اعدار کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اس نے معمولی جنگی پال ٹیکس لگایا اور عمدہ چال چلن کیلئے ضمانت کے طور آدمی لیئے۔ اور تمام لوگوں کی جانیں اور زمینیں بخشدیں۔ اور ان کے مندروں اور معبدوں کو بھی ویسی ہی صحیح و سالم چھوڑ دیا۔ اس نے اعلان شائع کیا کہ مندر عیسائیوں کے گرجوں اور یہودیوں کے معبدوں اور مجوسیوں کے آتشکدوں کی طرح محفوظ رہیں گے۔ برہمنوں کی حفاظت کی گئی اور انہیں بڑے بڑے عہدے دیئے گئے۔ فاتح کی ہدایات افسروں کے نام بڑی حکمت اور دلجوئی پر مبنی تھیں۔ اس نے حکم دیا کہ لوگوں اور حکومت کے درمیان دیانت سے کام کرنا۔ آمدنی کے مطابق لوگوں پر خراج لگانا (میڈیول انڈیا مصنفہ سٹینلی لین پول) فاتح نے نیز یہ بھی اجازت دی

کہ تین فیصدی برہمنوں کے لئے خزانے میں جمع ہوتا ہے جو کہ پہلے زمانہ میں
بھی جمع ہوا کرتا تھا۔ محمد بن قاسم کی اساطیر میں ایک واقعہ ہے جو تاریخ میں
ایک عجیب واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ تھا حملہ اور یہ تھا حملہ آور تمام کچھ یہ سنہ ۷۱۲ء
میں ہوا۔ مسلمانوں کا دوسرا حملہ اُس وقت ہند میں ہوا ہے جبکہ بدھ مذہب
کا نام بھی ہند سے مٹ چکا تھا۔ بُدھ ایڈیٹر اور بھی مقامات کے نام لیتے
ہیں جو کہ اس کے نزدیک مسلمانوں کی دست برد کے نیچے آئے۔ کہاں تک
وہ صحیح ہے قاری میرے مذکورہ بیان سے فیصلہ کر سکتا ہے شاید وہ
دھوکے میں آ گیا جبکہ وہ لٹیروں اور ان کے افعال کے متعلق اپنے نوٹ
لکھ رہا تھا۔ میں نے ظاہر کر دیا ہے کہ ہندوستان پر یہ اعتراض عائد
نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ خوتن مسلمانوں کی تباہی کے نیچے آیا۔ میں اسکی
توجہ کو ایم سٹین ایم اے کی نئی تحقیقات کی طرف منعطف کرتا ہوں۔ بہت سے
راز اس قابل اور لائق عالم زمین کن نے اپنی نئی دریافت سے حل کر دیئے
ہیں۔ اس کے خوتن کے کھنڈرات دبے پڑے ہیں پڑھو اور تم کو پتہ
لگ جائیگا کہ خوتن کے کھنڈرات جو ریت کے نیچے دبے ہوئے ہیں آنحضرت
فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک سے پہلے کے دبے ہوئے ہیں
ایک چیز ضرور ہے جس کا اقرار کئے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ مسلمان بادشاہوں
سے شہر ہند کے اور بیرونی ممالک کے اپنی پہلی شان و شوکت کی طرف بحال کئے
گئے تھے اگر ہم ہیون سنگ کی بات باور کرلیں قنوج تین میل لمبائی میں
تھا اور اب وہاں ایک پتھر بھی نہیں ہے جو اس کی تاریخ کا پتہ دے سکے۔
مسلمانوں کے حملوں سے پیشتر پیشتر یادگاروں کی تباہی ایسی تکمیل کو
پہنچ چکی تھی جیسا کہ تمام پرانے دارالخلافوں کے متعلق یہی حال ہے کننگھم
اپنے بڑے زور کے بعد ایک پرانا بقیہ یادگار دریافت کرنے میں کامیاب
نہیں ہو سکا۔ پرانی سے پرانی چیز جو وہ قنوج سے دریافت کر سکا

وہ ایک تحریر ہے جو ۱۰۳۶ء کی معلوم ہوتی ہے یعنی مسلمانوں کے حملہ کے بعد کی ہے۔ شہر کی تمام موجودہ یادگاریں خالص مسلمانوں کے زمانہ کی ہیں اگرچہ بعض پرانی ہندو یادگاروں سے منقول معلوم ہوتی ہیں۔ دیکھو ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد دوم صفحہ ۱۰۴۔ فرشتہ سولویں صدی میں لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ قنوج پہنچا اس نے ایک ایسا شہر دیکھا جس کا سر آسمان تک پہنچا ہوا تھا اور جو اپنی عمارت اور قلعوں کے لحاظ سے صحیح طور سے فخر کر سکتا تھا کہ اس کا مثال دنیا بھر میں نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں کے نزدیک فن عمارت ایک شیطانی کام تھا اگر اسلام خون کا پیاسا۔ نہ آزادی دینے والا تھا تو کیوں دنیا میں میں فاضل ایڈیٹر سے سوال کرتا ہوں مسلمانوں نے بدترین بت پرستی اور توہم پرستی کے مرکز کو بغیر ضرر کے سالم رہنے دیا۔ جیسا بدھا گیا۔ بنارس۔ ہردوار۔ مسلمانوں کے زمانے سے پیشتر کے بہت قدیم مندر اب تک کیوں ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اشوک کی یادگاریں اب تک محفوظ چلی آتی ہیں اور وہ پڑھی جا رہی ہیں۔ اشوک کے بعد صرف ہندوؤں کی تاریخ پر روشنی ڈالنے والی چیزیں مسلمانوں کے زمانہ تک اگر پرانوں کی کہانیوں کو الگ چھوڑ دیا جاوے صرف یادگاریں ہی ہیں۔ ایڈیٹر کہتا ہے کہ جاوا کی پرانی ہندوستانی تہذیب کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہندوستانی تہذیب سے ایڈیٹر کا کیا مطلب ہے۔ کیا اس کا مطلب بدھ کی تہذیب سے ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں ایڈیٹر کو یاد دلاتا ہوں کہ جب مسلمان جزیرے میں پہنچے تو بدھ مذہب وہاں سے مفقود ہو چکا تھا۔ مسلمان نہ اس حصہ دنیا میں اور نہ انڈیا میں کبھی بھی بدھ مذہب کے مدِ مقابل بنے۔ ہندو مذہب کی تجدید کی لہر جو ہند میں پھیلی ملایا کے جزائر ..... میں بھی پہنچی۔ بدھ کی پرستش کی بجائے شو کی پرستش بحال کی گئی۔ مسلمانوں کو بدھ کی تہذیب سے کبھی مقابلہ نہیں پڑا۔ بلکہ ہندو تہذیب سے واسطہ پڑتا رہا جس نے ملک میں اپنی

جڑھیں مضبوطی سے قائم کر لی تھیں۔ بالی کے لوگ ابتک ہندو مذہب کے ہیں موجودہ دنوں تک انہوں نے مسلمانوں کی سخت کوششوں کا سختی سے مقابلہ کیا ہے اگرچہ وقتاً فوقتاً نومسلم بھی ہوتے رہے ہیں اور مسلمانوں کی ایک چھوٹی کمیونٹی اصلی باشندوں سے بھی پیدا ہو گئی۔ آٹھ لاکھ باشندوں میں سے صرف تین ہزار ابتک مسلمان جزیرے میں پائے جاتے ہیں۔ چونکہ جزیرہ بلحاظ تجارت کے ایک عمدہ موقع پر واقع ہوا ہے اس لیئے بیرونجات سے لوگ یہاں آکر آباد ہو جاتے رہے تھے اور پھر یہیں کے باشندے بن گئے تھے بہت سے نوآباد لوگ اصلی باشندوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے اور بہت سے انکے ساتھ شادی وغیرہ رسومات میں شریک ہنجاتے تھے۔ اور انہیں میں سے بنجاتے تھے یہ مؤخرالذکر لوگوں کی کوشش سے ہوا ہے کہ اسلام نے آہستہ آہستہ لیکن یقینی ترقی کی ہے اور کہا گیا ہے کہ بالی کے مسلمان ایک بڑی مستحکم جماعت ہے اور اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑے سرگرم اور پُرجوش ہیں۔ جو کہ انکے کافر پڑوسیوں پر بڑی اثر کرنیوالی بات ہے اگرچہ وہ ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے کہ ان سے انکی پسندیدہ خوراک سوٗر کا گوشت چھڑا سکیں اللہ کی پرستش کی خاطر۔ (سے فرنک صفحہ ۲۴۱)

جاوا اور ہندوستان کی ہندو تہذیب کی کیسے ہی کوئی تعریف اور حسن بیان کرے مگر جب مسلمان آتے ہیں تو حالت بالکل اُلٹ پاتے ہیں۔ سنہ ۱۴۱۳ء کو ایک چینی مسلمان جو چینی بادشاہ کے قاصد کے ساتھ بطور ترجمان کے جاوا کو جاتا ہے وہ جزیرے کا کچھ بیان ذکر کرتا ہے وہ کہتا ہے اس ملک میں تین قسم کے لوگ ہیں اوّل قسم میں مسلمان ہیں جو مغرب سے آئے تھے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ دوسرے چینی ہیں جو وہاں سے بھاگکر یہاں آباد ہوئے۔ جو وہ کھاتے اور استعمال کرتے ہیں وہ بہت عمدہ اشیاء ہیں اور بہت سے ان میں سے اسلام کو قبول کر لیا ہے اور اس کے احکام بجالاتے

ہیں۔ تیسری قسم اصلی باشندے ہیں جو بڑے بدصورت اور بدشکل ہوتے ہیں وہ ننگے پاؤں اور نہ کنگھی کیئے ہوئے سروں کے ساتھ اِدھر اُدھر پھرتے ہیں۔ اور بڑی سرگرمی سے شیطان پر ایمان لاتے ہیں بدھ مذہب کی کتب میں اس ملک کو بھی شیطانی ملکوں میں سے شمار کیا ہے۔ (گرونولڈٹ۔ ۷ ۴۹ و ۵۰) یہ تو جاوا کی ہندوستانی تہذیب کا حال ہے۔ اب میں مختصراً ہندوستان کی تہذیب کا خاکہ کھینچتا ہوں۔ ہم اس مرد کی شہادت پیش کرتے ہیں جس نے بڑے بڑے مصائب اور مشکلات میں اپنی سیرت پر بٹہ نہیں لگنے دیا۔ بابر لکھتا ہے کہ ہندوستان کا ملک اور قصبہ جات بہت ہی بدنما ہیں ہندوستان ایک ایسا ملک ہے کہ اس میں بہت ہی کم خوشی کے سامان مہیا ہیں۔ لوگ خوبصورت اور حسین نہیں ہیں۔ دوستانہ مجالس کی خوبیوں کا انہیں خیال تک نہیں ہے۔ ان میں نہ تو کوئی ذکاوت نہ فہم۔ نہ خوش اخلاقی نہ شفقت یا ہمدردی نہ کوئی ایجادی طاقت یا ہتھیاروں کی ایجاد حرفوں کے پورا کرنے اور چلانے میں اور فنِ عمارت یا خاکہ کھینچنے میں انکو کوئی ہنر یا علم نہیں آتا۔ انکے پاس کالج۔ قنادیل۔ یا مشعلیں بھی نہیں ہیں۔

سخت اضطراب کا ضروری ساتھی تباہی ہے مندروں کی تباہی ایک اچھی طرح باور کر سکتا ہے اگر جبراً مسلمان بنانے کے واقعات کسی نہ کسی طور سے ورطہ ظہور میں لائے جاویں۔ ہندوستان کے متعلق ایک آدمی اپنے دعویٰ کو بیرونی مسلمان حملوں سے سجا سکتا ہے اور ظاہراً لوگوں کو دھوکے میں ڈال سکتا ہے۔ اگرچہ یہ واقعات صحیحہ کے بالکل برخلاف ہے مگر تاہم ایک کہہ سکتا ہے کہ مسلمان افواج محمود۔ محمد بن سام۔ تیمور اور نادرشاہ کے ماتحت تمام شمالی ہند پر تخت و تاراج کر گئیں اور جہاں جہاں وہ گئیں تباہی اور ہلاکت برسا گئیں اور ہندو معبدوں کو برباد کرتی گئیں اور تماثیل اور بتوں کو پاؤں کے نیچے کچلتی گئیں۔ لیکن جاوا کے فن عمارت کی اندھی تباہی کے متعلق کوئی

بھی ایسا بہانہ نہیں مل سکتا۔ باہر سے کبھی مسلمانوں کی فوج اس ملک میں داخل نہیں ہوئی۔ پرائیویٹ افراد کی سعی بلیغ کا نتیجہ اشاعت اسلام تھا۔ یہاں پر میں ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام کی چند ایک عبارتیں خلاصہ کے طور پر نقل کرتا ہوں۔

آخری چھ سو سال کی جزائر ملایا کی تاریخ ہمارے سامنے ایک عجیب باب پیش کرتی ہے اور وہ باب من ابواب اشاعت اسلام کی کہانی ہے جو واعظین کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھی اس تمام زمانہ میں ہم کو بہت سی شہادتیں ملتی ہیں کہ مسلمان واعظوں نے کسی نہ کسی مشرقی جزائر ہند میں بڑے زور سے لگاتار مذہب کے پرچار کو جاری رکھا ہے۔ شروع میں ہر ایک مثال میں ان کا کام بغیر سرپرستی یا تائید والیان ملک ہوتا رہا بلکہ محض ترغیب کے زور سے جاری رہا۔ اور بہت دفعہ سخت مقابلے اور مخالفت کے ہوتے بھی وہ اس کام سے باز نہ آئے خصوصاً اہل سپین انکی مخالفت پر سخت تلے ہوئے تھے۔ لیکن باوجود ان تمام مصائب اور مشکلات کے انہوں نے بڑی سرگرمی سے اپنی سعی بلیغ کو نہ چھوڑا اور اپنے کام کو پورا کرتے رہے خصوصاً جیسا کہ آجکل کے زمانے میں جہاں جہاں کہ انہیں ادھوری کامیابی ہوتی تھی۔

اسلام کے معتقدات کی اشاعت بلا ریب ایک بڑے طویل زمانے تک فرداً فرداً سوداگروں اور چھوٹی جماعت کے امام کی کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کیونکہ جاوا میں مسلمانوں کی کوئی سلطنت قائم نہ تھی جو کہ نئے مذہب کی طرف سے کسی قسم کا رعب اور اثر ڈال سکتی اور جنگ جیسے ذرائع سے جبراً مذہب منوا سکتی۔

میں جزیرے کے اسلام میں داخل ہونیکی کہانی مختصراً بیان کرتا ہوں جہاں کہ مسلمانوں کے ہتھیار یا رعب کہیں باہر سے نہیں آئے بلکہ خاموش اور غریب واعظوں کا کام تھا جس کی طرف مؤرخ کی نظر نہیں پڑ سکتی۔ بارھویں صدی کے

خاتمہ کے قریب ملک کے ایک باشندے کی طرف سے جزیرے کے مسلم بنانے کی کوشش ابتدائی ہوئی جبکہ ہندو مذہب اپنی فوقیت دیگر جذبات مثل دہریت وغیرہ پر حاصل کر چکا تھا۔ یاجاجاران کے پہلے بادشاہ کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے نے ایک سوداگر کے مذہب کو اختیار کر لیا اور سلطنت چھوٹے بھائی کو دیدی۔ وہ اپنے تجارتی اور جہازی اسفار میں حسن اتفاق سے کسی عرب تاجر کو ملا اور اسلام قبول کیا۔ واپس گھر جانے پر اس نے ایک عرب واعظ کی مدد سے اپنے بھائی اور شاہی خاندان کو مذہب اسلام میں لانیکی کوشش کی چونکہ اس کی کوشش اس سمت میں بارآور نہ ہوئی۔ اس لیئے وہ جنگل میں بھاگ گیا اور اس کے بعد اس کا کوئی پتہ نہیں چلا لیکن بیج بویا جاچکا تھا۔ چودھویں صدی کے آخری نصف میں مولنا ملک ابراہیم نے ایک واعظانہ تحریک قائم کی جو اپنے چند ہم مذہبوں کے ساتھ جاوا کے مشرقی ساحل پر اُترا۔ لیکن مسلمانوں کی اس چھوٹی سی نو آبادی میں بیماری پھوٹ پڑی اور بہتوں کو بہا کر لے گئی۔ ان مصائب اور تکالیف کو دیکھکر لوگوں کے دل اس نئے مذہب کی طرف شبہات میں پڑ گئے اور مہاجا بہیت کا راجہ بھی انکے برخلاف ہوگیا اور اس نے کہا کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اپنے پرستاروں کو کیوں نہ بچاتا۔ چنانچہ یہ مشن ناکام رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ مذہب جاوا میں ترقی پکڑتا گیا۔ پوری صدی تک یہ خمیر ان میں لگتا رہا۔ اور یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بالتفصیل واقعات کو بیان کیا جاوے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ یہ اسلام کی اشاعت کسی عرب کی دیوانگی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ خود ملک کے باشندوں میں ریوولیوشن شروع ہو گئی تھی (کرن صفحہ ۲۱) اس میں شک نہیں کہ ایک لڑائی بھی واقع ہوئی۔ لیکن یہ ایک خانگی جنگ تھی جس میں مسلمان اور ہندو ہر دو اطراف میں تھے اگرچہ بڑا حصہ مسلمانوں کا ایک طرف تھا اور مشترکہ مذہب ہونیسے انکو تقویت بہت ملی۔ مگر جمع ہونیکے لیئے وہ مذہبی جنگ کے وعظ سے اشتعال میں نہیں لائے گئے تھے لیکن تخت کے

ایک خواہشمند کی نصائح کے ذریعہ سے جس کے ساتھ بدسلوکی کیگئی تھی

(ولٹ تیسری جلد صفحہ ۱۸۶ - ۱۹۸ + رائفلز جلد دوم صفحہ ۱۱۳ - ۱۲۳)

مَیں مندرجہ ذیل لمبا حوالہ آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام سے لیتا ہوں یہ ظاہر کرنیکے لیئے کہ کسطرح یہ ریوولیوشن وقوع میں آئی جزیرے کی پولیٹیکل حالت اسطرح پر نسے بیان کی جاسکتی ہے جزیرے کی وسطی اور مشرقی صوبے بڑے دولت ورزرد اسلے اور آباد اور زیادہ تہذیب یافتہ تھے اور یہ مہا جاپہت کے ہندو بادشاہ کے ماتحت تھے۔ مغرب کی طرف چر ہیبن اور چند اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں اور باقی کا جزیرہ بمعہ مغربی کنارے کے اضلاع کے پاجاجرن کے ماتحت تھا۔ مہاجاپہت کے بادشاہ نے چمپہ کے والی کی بیٹی سے شادی کی۔ خلیج سیام کے مشرقی طرف یہ کمبوڈیا میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے وہ چونکہ بادشاہ کی محبوبہ لونڈی کا حسد کرتی تھی اس لیئے اس لونڈی کو بادشاہ نے اپنے بیٹے اریہ دمار والیئے پالمبنگ درسماٹرا کے پاس بھیجدیا وہاں جاکر اس نے رون فتح نامی ایک بیٹا جنا جس کی والی کے بیٹوں میں سے ایک کی طرح تربیت ہوئی۔ اور یہ مقدر تھا کہ یہ لڑکا اس ظلم اور بدسلوکی کا بدلہ اور انتقام لے جو اس کی ماں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ چمپہ کے بادشاہ کی ایک لڑکی ایک عرب واعظ سے بیاہی گئی تھی جو کہ اسلام کی حقیقت پر لوگوں کو وعظ کرنیکے لیئے آیا تھا اس عقد کا نتیجہ رون رحمت تھا جس کو باپ نے بڑی احتیاط سے اسلام مذہب کی تربیت سے مرتب کیا تھا۔ اور اب تک جاوا کے باشندے اسکو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ دیکھتے ہیں اور اسے اپنے ملک کے اسلام کیلیئے پیغامبر سمجھتے ہیں۔ جب وہ بیس برس کا ہوا تو اس کے والدین نے اس کو تحائف اور خطوط کے ساتھ اس کے ماموں مہا جاپہت کے بادشاہ کے پاس بھیجا راستہ میں وہ پالمبنگ میں دمار کے ہاں دو ماہ مہمان رہا اور اس کو اس قدر سمجھایا کہ مسلمان ہونے کے لیئے بالکل طیار ہوگیا لیکن وہ لوگوں سے ڈر کے مارے

کُھلم کُھلا اقرار کرنے کی جرأت نہ کرسکا اور اس کے لوگ اپنے آبائی مذہب میں بڑے پکّے اور توہم پرستی کے دلدادہ تھے۔ سفر کرتا ہوا ردن رحمت گریسک میں پہنچا جہاں ایک عرب واعظ اسلام نے جو کہ مولنا جمادی الکبری کے نام سے مشہور تھا اس کا خیر مقدم کیا اور اسکو مشرقی جاوا کے لیئے اسلام کا موعودہ پیغامبر سمجھا۔ اور پیشگوئی کی کہ بُت پرستی کا استیصال اسکے ہاتھ پر مقدر ہے اور اس کی سعی بلیغ سے بہت مذہب میں داخل ہونگے۔ مہاجاپہت پر بادشاہ نے اس کو بڑے احترام سے استقبال کیا اور چمپہ کے شہزادے عزت سے اس کے ساتھ پیش آئے۔ اگرچہ بادشاہ نے اسلام میں داخل ہونا مناسب نہ سمجھا لیکن اس نے ردن رحمت کی اس قدر توقیر اور عزت کی کہ تین ہزار قبائل پر امپل میں اس کو اپنا جانشین بنا دیا جو کہ گریسک کے ذرا جنوب کی طرف مشرقی ساحل پر واقع ہے اور اس کو اجازت دی کہ وہ اپنے مذہب پر بڑی آزادی سے عملدرآمد کرسکتا ہے اور اس کو اسلام کی اشاعت کی بھی کُھلے طور پر اجازت دیدی یہاں کچھ مُدت کے بعد اس نے اپنے ماتحتوں میں سے بہتوں کو اسلام کا گرویدہ بنالیا۔

امپل اب جاوا میں اسلام کا ایک بڑا مرکز تھا اور والی کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی جو کہ بڑی سرگرمی اور مستعدی سے اسلام کی اشاعت میں منہمک تھا۔ اسوقت کوئی مولنا اسحٰق امپل آن پہنچے اور اس کے اس کام میں ممد اور معاون بنے۔ اور انکو بالمبنگ کی سلطنت میں اشاعت اسلام کے لیئے لگایا گیا جہاں کہ اس نے بادشاہ کی بیٹی کو اچھا کیا جو کہ سخت بیمار تھی۔ باپ نے اپنے لڑکی جگر کے ٹکڑے کو اسی سے بیاہ دیا اس نے بڑی اشتیاق سے اسلام کو قبول کیا اور اس کے باپ نے اجازت دی کہ وہ اسے اسلام کی تعلیم سے بہرہ ور کرے لیکن جب مولنا نے بڑا زور دیا کہ وہ کُھلم کُھلا لوگوں کے سامنے مسلمان بن جاوے جیساکہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس کی

لڑکی اچھی ہو گئی۔ تو وہ مسلمان ہو جاوے گا۔ اس پر بادشاہ نے مولنا کو اپنی سلطنت سے بدر کر دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ لڑکا جو اس کی بیٹی سے عنقریب پیدا ہو گا قتل کر دیا جاوے۔ لیکن ماں نے اس شیر خوار بچے کو خفیہ طور سے گریسک میں ایک دولتمند مسلمان بیوہ عورت کے پاس بھیجدیا جس کو اس نے تمام ماں کی ماستا سے پالا اور اس کی تربیت کی یہانتک کہ وہ بارہ برس کا ہو گیا تب اس نے اس لڑکے کو رون رحمت کے سپرد کر دیا۔ اس نے اس لڑکے کے تمام واقعات سُنکر اس کا نام رون پاکو رکھا۔ اور کچھ عرصہ میں اس کو اپنی بیٹی سے بیاہ دیا۔ بعدازاں رون پاکو نے گیری مقام میں ایک مسجد بنائی گریسک کے جنوب مغرب کو جہاں کہ ہزاروں اس کے ہاتھ پر اسلام سے مشرف ہوئے۔ اس کا اتنا اثر اور رُعب تھا کہ رون رحمت کی وفات کے بعد مجاپہت کے بادشاہ نے اس کو گریسک اور امپل کا عامل بنا دیا۔ اسی اثنا میں کئی ایک مشن گریسک سے جاری ہو چکے تھے۔ رون رحمت کے دو لڑکوں نے شمال مغربی ساحل کے مختلف حصوں پر اپنے آپ کو بسایا اور مذہبی سرگرمی میں بڑے مشہور ہو گئے اور ان حصوں میں انہوں نے بہت سے مذہب اسلام میں داخل بھی کیئے۔ رون رحمت نے شیخ خلیفہ حسین نامی ایک مشنری مدورا کے جزیرے میں بھیجا تھا جہاں کہ اس نے ایک مسجد تعمیر کی اور بہتوں کو اپنے دین میں لے آیا۔ مغربی صوبہ جات میں اشاعت اسلام کا کام شیخ نورالدین صاحب کر رہے تھے جو کہ جزائر میں پھرتے پھرتے آخر کار ۱۴۱۲ء میں چری بن کے جزیرہ میں مقیم ہوئے۔ یہاں ایک مبروص عورت تھی اور وہ انکے ہاتھ پر بفضل اللہ صحت پا گئی اس سے انکی شہرت بڑی ترقی کر گئی اور ہزاروں آپکے ساتھ مذہب میں داخل ہو گئے۔ پہلے پہل قرب وجوار کے رؤسا نے اس تحریک کی بڑی مخالفت پر کمر باندھنی چاہی۔ لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ انکی مخالفت ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی وہ بھی اس نئی موج

کے ساتھ چلتے گئے یہانتک کہ بہت سے ان میں سے بھی ایمان لے آئے۔

ہم اب آریہ ومار والیئے پالمبنگ کی طرف رجوع کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی اولاد کو اسی مذہب میں تربیت دی جس کو وہ علانیہ طور پر مان نہیں سکتا تھا اور جب رون فتح بیس برس کا ہوا تو اس نے اسکو اسکے رضاعی بھائی رون حسین کے ساتھ جو اس سے عمر میں دو برس کم تھا جاوا کو بھیجا اور وہ گریسک میں جا اُترے رون فتح کو جب اپنے حسب نسب اور اصل نسل کا پتہ لگا اور اسے معلوم ہوا کہ کیسے اس کی ماں کے ساتھ بدسلوکی کی گئی تو اس نے رون حسین کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور وہیں رون رحمت کے ساتھ امپل میں رہ پڑا اور رون حسین نے سفر جاری رکھا اور وہ بڑے احترام کے ساتھ مہا جاپہت کے بادشاہ سے استقبال کیا گیا اور اسے ایک ضلع پر افسر بنا دیا گیا اور بعد ازاں وہ فوج کا سپہ سالار ہو گیا اس اثنا میں رون رحمت کی بڑی بیٹی سے رون فتح نے شادی کر لی اور اس نے ایک آبادی قائم کی جس کو بنتارا کہا جاتا تھا اور قدرتی طور سے وہ بڑی محفوظ جگہ تھی اور قدرت نے اس کی حفاظت اچھی طور سے کی تھی اور یہ گریسک کے مغرب کو دلدلی ملک کے عین وسط میں واقع تھی۔ جونہی کہ مہا جاپہت کے بادشاہ نے یہ نئی آبادی سنی۔ اس نے اسکے بھائی رون حسین کو ان احکام کے ساتھ روانہ کیا کہ اس کو تباہ کر دے ورنہ اس کا مالک اور بانی ہمارے دار الخلافہ میں آوے اور ہماری بیعت کرے۔ رون حسین نے اسے ایسی ترغیب دی کہ وہ ماننے پر آمادہ ہو گیا۔ اور وہ دربار میں حاضر ہوا جہاں کہ اس کی شکل و شباہت بادشاہ کے ساتھ مشابہ پائی گئی۔ اور بڑی عزت سے اس کا خیر مقدم کیا گیا اور اس کو بنتارا کا حاکم بنایا گیا۔ ابھی تک وہ انتقام لینے اور اپنے آپ کی حکومت تباہ کرنے پر تُلا ہوا تھا وہ امپل کو گیا اور اس نے اپنی یہ تمام تدابیر رون رحمت کے پاس بیان کر دیں جس نے

اس کو نصیحت کی اور یاد دلایا کہ اس نے اپنے باپ کے ہاتھ پر سوائے بھلائی اور مہربانی کے کچھ نہیں دیکھا اور صراحت سے بتا دیا کہ اسلام ظلم تعدی اور حدود سے تجاوز کرنے کو منع فرماتا ہے رون فتح نبتارا کو واپس گیا جو کہ آبادی اور اہمیت میں ترقی پر تھا۔ اس نے ایک مسجد بنوانی شروع کی جب کہ اسے خبر آئی کہ رون رحمت سخت بیمار ہے وہ جلدی سے امپل کو گیا تاکہ اس شخص کے بستر مرگ پر حاضر ہو جو کہ تمام مسلمانوں کا ایک امام سمجھا جاتا تھا چند دن بعد رحمت مرگیا اور رون فتح اپنی تدابیر کے موافق کام کرنیکے لئے بالکل آزاد تھا۔ اس نے پہلے مسجد کی تکمیل کی اور پھر بعض مسلمانوں کو اپنی طرف لایا تاکہ وہ مہا جہ پہت کے برخلاف اس کی مدد کریں رون حسین اپنے آقا کے ساتھ وفادار رہا اور اس نے اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا تب وہ لڑائی شروع ہوئی جو سات دن تک رہی نتیجہ یہ ہوا کہ مہا جہ پہت ہار گیا اور مشرقی جاوا کی ہندو سلطنت مسلمان سلطنت سے بدل گئی کچھ عرصہ بعد رون حسین کا محاصرہ کیا گیا اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا جب وہ امپل آیا بڑے احترام سے اس کے بھائی نے اس کا خیر مقدم کیا آہستہ آہستہ مغربی جاوا مسلمان بنایا جا رہا تھا ان واعظوں کے ذریعے سے جنہوں نے آب وہوا اور موسموں کی کوئی پروا نہ کی اور نہ ان جسمانی مصائب و تکالیف کی پروا کی جو ان کے راستے پر آجایا کرتے تھے۔ ہر مصیبت انہوں نے اپنے اوپر جھیلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب تمام کا تمام جزیرہ مسلمان ہے اور جاوا کے لوگ اپنے مذہب کے معاملہ میں بڑے سرگرم ہیں۔ جزیرہ نما ملایا کے اور جزائر میں بھی یہی طریق عمل تھا ان واقعات کے ہوتے ہوئے میں نہیں دیکھتا کہ کس طرح ایک آدمی واقعات کو توڑ مروڑ کر کیسے مخالف نتائج اخذ کر لیتا ہے۔

مسٹر انگاریکا دھرمپالہ نے ایک نئی دریافت علم السنہ کے متعلق کی ہے اور علم السنہ والے لوگ اس کے اس احسان کے بڑے ممنون ہیں جیسا کہ وہ بتاتا ہے مسلم لیڈروں نے بت پرستوں کے لیئے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ

بُت فرس ہے جسکے معنے ہیں بُت کے پوجاری۔ جو کہ لفظ بُدھ کی دوسری متغیر فارسی شکل ہے“ جہانتک مجھے علم ہے مسٹر دھرمپالہ یہاں سخت غلطی کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ وہ فارسی عربی سے محض جاہل ہے تاہم وہ عالم کا عالم بنا رہے گا کیوں کہ دنیا اس کو اسکے لغو دعووں اور بیہودہ قیاسوں کے اثبات کیلئے بلائیگی نہیں۔ مینے پہلے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ مسلمان کابل اور فارس سے ہندوستانی بُدھوں کے مقابلہ میں کبھی نہیں آئے۔ مسلمانوں کا اگر کوئی حملہ اپنا اثر ڈال سکتا ہے تو وہ صرف محمد بن قاسم کا حملہ ہے جو بمعہ اپنے ساتھیوں کے عرب باشندہ تھے۔ اور عرب لوگ کیسے بُت پرست کا لفظ استعمال کر سکتے تھے یہ ایک معما ہے جو کہ مہا بدھی کے لائق فائق ایڈیٹر سے حل ہونے کے قابل ہے بُت پرست فارسی لفظ ہے اور عرب اس کو استعمال نہیں کر سکتے۔ وہ خالص عرب سمجھا ہی نہیں جاتا جو کہ اپنی خالص وطنی زبان کے علاوہ دیگر الفاظ اجنبی کو استعمال کرتا ہے۔ بت کے لیئے صنم اور وثن لفظ ہیں اور پوجاری کے لیئے عبد۔ پس انہیں لکھنا چاہیئے تھا عبدالاصنام یا عبدالاوثان۔ پھر فارسی لفظ بُت پرست ہے نہ کہ بُت فرس مسٹر دھرمپالہ کو مؤخرالذکر لفظ عربی یا فارسی کی کسی لغت کی کتاب میں نہیں ملے گا۔

پھر میں فاضل ایڈیٹر سے پوچھتا ہوں کیا حرج ہے اگر ہم جھوٹ کو جھوٹ کہیں۔ یہ امر واقعہ ہے جو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اس سے انکار کی گنجائش نہیں رکھتا کہ اس زمانہ کے سندھ کے لوگ اور اب کے بدھ ممالک کے باشندے بدھ کی تصاویر اور تماثیل کی پرستش کرتے تھے اور کرتے ہیں جو تماثیل احجار اور اشجار کی پوجا کرتا ہے وہ ایک مسلمان کی نگاہ میں بُت پرست ہے اس معنے کے لحاظ سے بدھ لوگ بدھ کے پوجاری ہیں لہٰذا وہ ایک بت پرست قوم ہے کیوں اس کو یہ بُرا لگتا ہے؟

مسٹر دھرمپال اپنے ناظرین کو توجہ دلاتا ہے کہ اس وقت کے مسلمانوں نے کبھا لبت

کو ملاحظہ کریں جو انکے اپنے ممالک میں انکی حالت سے وہ کہتا ہے "دم انکی حکومت مطلق العنان ہے اور توحید سے یہ بات مترشح ہوتی ہے" اگر شکسپیر زندہ ہوتا وہ اپنی بیان کی سچائی کی ایک اور مثال دیکھ لیتا جبکہ وہ انسان کے اندرونی جذبات کا خاکہ کھینچتا ہوا لکھتا ہے کہ مذہبی تعصب آنکھوں سے نہیں دیکھا کرتا.......
اسی لیے محبت کا دیوتا انہوں نے تصویروں میں اندھا دکھایا ہے ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حبك الشئ یعمی ویصم یعنی - - - - - - - - - - - -
- - - کسی چیز کی محبت انسان کو بہرہ اور اندھا کر دیتی ہے جیسا کہ دھرمپالہ کو بدھ مذہب کی محبت نے دیگر مذاہب کے محاسن اور خوبیوں سے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ مذہبی تنفر نے اس کو ایسا اندھا کر دیا ہے کہ اس کے نزدیک واقعات واقعات ہی نہیں رہے۔ دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھنا کیسے ہی آسان ہے اس کی بدھ اور بدھ مت کے متعلق کیا رائے ہے میں اس سے یہ سوال استفسار کرتا ہوں اور اسکا جواب دیتے ہوئے وہ مندرجہ ذیل ممالک اور انکے باشندوں کی سوشل اور پولیٹیکل حالت کو مدنظر رکھے۔ چین۔ سیام شان کی ریاستیں۔ منگولیا۔ منچوریا۔ کوریا۔ برہما کے لوگ اور شان کے باشندے۔
میں اس کے اپنے بیانات کی طرف اس کی توجہ دلاتا ہوں جو اس نے بدھوں کی خاطر اپنی اخبار کی اسی اشاعت میں بیان فرمائے ہیں "بدھ کا بڑا مذہب جو کہ ہمدردی کی اعلیٰ روح پھونکتا اور اپنے آپکو دوسروں کی بھلائی کے لیئے قربان کر دینا سکھاتا ہے..............
.... وہ مذہب جو کہ بڑا زور دیتا ہے اور تمام عطایا میں سب سے بڑا عطیہ دھرم کے عطیہ کو قرار دیتا ہے اب وہ خود غرضوں کی جائے پناہ بنا ہوا ہے آجکل بدھ مت اپنے بڑے مستعد اور جان نثار کام کرنے والوں کی قلت اور کمی سے سخت تر نقصان اٹھا رہا ہے بہ نسبت کسی اور مذہب کے۔

مشنری روح بدھ زم سے مفقود ہو چکی ہے۔ بہت سے معلم سخت سست الوجود ہیں اُنکی پُرانی امثلہ میں جو بہادری اور ہمدردی پائی جاتی تھی اس کی روح اُنکو پاس سے جاتی رہی ہے بدھ ممالک کے معلم سُستی اور کسل میں کمال رکھتے ہیں۔"

ایڈیٹر اطلاع دیتا ہے کہ امریکن لوگ ۱۸۹۳ء میں مذاہب کی پارلیمنٹ میں بمقام شکاگو جمع ہوئے۔ اور انہوں نے اسلام کے وکیل پر استہزاء اور ہنسی کی جب اس نے تعدد ازواج کی خوبیوں پر بولنے کی کوشش کی۔ اور پھر جلدی سے خود نتیجہ نکالتا ہے کہ اسلام مہذب لوگوں کے مناسب نہیں ہے۔ ہاں وہ اسلام کے وکیل پر ہنسے لیکن اس سے کیسے معلوم ہوا کہ اسلام مہذب ممالک کے لوگوں کے لیئے مناسب حال نہیں۔ تم کہتے ہو کہ اسلام پر ہنسی ہوئی۔ ہاں اور بدھ پر ہنسی ہوئی اگر مجھے ٹھیک یاد ہے نہیں نہیں۔ بلکہ اس کے معتقد اس سے زیادہ بدنامی اور تشہیر میں مبتلاء ہوئے۔ مَیں اسے بتلاتا ہوں کہ سرور کائنات پر ہنسی کیگئی اُنکی زندگی لینے کے لیئے بھی بہت سی کوشش اور سعی کی گئی۔ ایسا ہی سلوک فریسیوں نے یسوع کے ساتھ کیا۔ شکاگو کی مذہبی پارلیمنٹ کی یہ دایمی بدبختی ہے کہ اس میں اتنی بھی بردباری اور تحمل اور برداشت نہ ہوئی کہ وہ مسلمان وکیل کی وجوہات اور دلائل کو سُنتے۔ ہم ڈنکے کی چوٹ اور زور سے کہتے ہیں کہ اسلام تعدد ازواج کے مسئلے کی اجازت دیتا ہے اور دنیا جو چاہے کہے اسکا اختیار ہے بہت سی شریف آوازیں عوام الناس کے شور و غل میں غرق ہو جاتی ہیں۔ وہ غلام ہیں جو نفرت۔ گالی اور عار کو حق کے لیئے نہیں اُٹھا سکتے۔ اور وہ غلام ہیں جو سچائی کو خاموشی سے ٹال دیتے ہیں اور اس سچائی سے پیچھے ہٹتے ہیں جس کو وہ سہل تر سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ قیدی اور غلام ہیں جو کثرت اور قلت کی پروا کرتے ہیں۔ اور قلیل جماعت کے ساتھ نہیں ہوتے اگرچہ اس کے ساتھ ہی حق ہے۔ خدا کی کتاب کیسی ہی سچی ہے اور کیا ہی خوب فرماتی ہے۔ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوك عن سبیل اللّٰہ ٭ اگر تو زمین کے بہت سے

٭ انعام ۱۴

لوگوں کی اتباع کرے گا تو تجھکو وہ اللہ کی راہ سے گمراہ کر دینگے اخیر میں میں پھر ایڈیٹر سے استفسار کرتا ہوں کہ اسلام کے مقابلہ میں ہمیں بُدھ مذہب کیا دیتا ہے کیا وہ دہریت نہیں دیتا؟ اس کے سوا وہ کس بات کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ زندگی کی حقارت اور پسیمزم کے متعلق کیا کہتا ہے جو کہ بدھ مت کے بڑے جزو ہیں بُدھ صراحت سے خودکشی کی رغبت دیتا ہے جو کہ ہر ملک کی تمدنی زندگی کی سب سے بُری حالت ہے۔ قاری کو چاہیئے کہ مندرجہ ذیل کہانی غور سے پڑھے جو سمیوٹا ناکیا جلد اول۔ گھی اور نیز دھامپدہ میں ہے۔

"جب معزز گوڈ ہیکا نے اپنی ایک رگ کھولنے سے خودکشی کی تو اس کے شاگردوں نے دھوئیں کا ایک سیاہ بادل اسکی لاش کے اردگرد تمام اطراف پھرتے دیکھا۔ وہ بدھ سے پوچھتے ہیں کہ اس دھوئیں کا کیا مطلب ہے بدھ کہتا ہے کہ وہ شریر مار[*] ہے۔ اے شاگردو وہ شریف گوڈ ہیکا کی ہوش کو تلاش کر رہا ہے۔ شریف گوڈ ہیکا کی ہوش نے کہاں جگہ پائی ہے لیکن شریف گوڈ ہیکا نروان میں داخل ہو گیا ہے اس کے ہوش و حواس کہیں بھی نہیں ہیں"۔ اخلاق کی بنیاد ہل جاتی ہے جب ہمیں کہا جاتا ہے کہ مسئلہ تناسخ یا اواگون کو مان لو۔ تمام کوشش کی جڑھ میں پانی پڑ جاتا ہے جب کہا جاتا ہے کہ دنیا محض دھوکا ہے۔ لیکن بدھ مت کی یہی تعالیم ہیں میرے بدھ دوست مجھے ایسی باتیں بتائیں میں کبھی نہیں ماننے کا کہ خدا نے یہ تمام سلسلہ سبب اور مسببات کا بیہودہ بنایا ہے اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ جب ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کہ ہر شئے اپنا نتیجہ رکھتی ہے تو کیا اتنا بڑا کارخانہ بغیر کسی نتیجہ کے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لو اردنا ان نتخذ لھوا لاتخذناہ من لدنا ان کنا فاعلین (انبیاء)۔ اگر ہم چاہتے کہ اس کارخانہ دنیا کو بغیر کسی نتیجہ خیز سبب کے بناتے تو ہم اپنی طرف سے بنا سکتے تھے۔ ہم ایسا نہیں کیا کرتے۔ بلکہ حق کے ساتھ باطل کا بھیجا کچل دیا کرتے ہیں۔ پس باطل بھاگ جاتا ہے اور ولکم الویل مما تصفون۔ اور

[*] شیطان

تمھارے لئے ہلاکت ہے جو تم ایسی باتیں بیان کرتے ہو۔

بداخلاقی کی کوئی حد و نہایت رہتی ہی نہیں جب بدھ مذہب کے اصول کو مان لیا جاوے چنانچہ ایسا ہی ہندوستان میں واقع ہوا جبکہ بارہ لمبی تاریک صدیوں میں بداخلاقی اور گندگی اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی جبکہ ہندوستان بارہ صدیوں کی لمبی تیرہ و تاریک رات کی سخت ظلمت اور اندھیرے کے نیچے تھا۔ قوی بہیمیہ کو بڑا اکھلا شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا گیا تھا جبکہ سادھو مرد اور سادھو عورتیں پاکدامنی عفت اور تجرد کی قسمیں کھاتے تھے اور باہم خلط ملط کرتے تھے اور اپنے قوی بہیمیہ حیوانیہ کی مہار آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ ان کی ڈراؤنی تصویر ابھی تک وام مارگی مندروں میں پائی جاتی ہے۔

بدھوں کے نزدیک ہستی مصیبت ہے۔ ہستی کا سرچشمہ پانے کے ناقابل ہو کر یہ عجیب بات ہے کہ بدھ مصیبت کا سبب چشمہ اور علاج پانے کے قابل ہو گیا۔

پیشتر اس کے کہ میں اس مضمون کو ختم کروں میں اپنا فرض خیال کرتا ہوں کہ قابل ایڈیٹر کو بتلاؤں کہ وہ ملک جو کہ یوسف زئی کے پاس ہے اور وہ ملک جو کہ پشاور اور جلال آباد کے مابین واقع ہے یونانی اور ہندوستانی یادگاروں سے پُر ہے۔ اگر خود ایڈیٹر ان مقاموں میں جا کر تحقیقات کرنے سے قاصر ہے تو اسے صرف یہی تکلیف گوارا کر لینی چاہیئے کہ وہ مہربانی کر کے ارکیالوجیکل سروے میرز اور دوسرے علماء کی رپورٹیں پڑھے جو کہ وہاں پہنچے ہیں۔ اور قدیمی جگہوں کی انہوں نے پڑتال کی ہے۔ پشاور کے قریب شاہ باز گڑھی کے کھنڈرات دیکھے جا سکتے ہیں اور اشوک کے چٹانی اشتہارات ابھی تک ایسے ہی تازہ ہیں جیسا کہ گویا ابھی یونانی یا ہندوستانی معمار کے ہاتھ سے نکلے ہیں بدھ کے کروڑوں چٹانی بت ابھی اس زمانے میں ان جگہوں سے لاہور کے عجائب گھر میں رکھے گئے ہیں۔ نیز

حال ہی میں تباہ شدہ سٹوپا کی قدیم جگہ کھودی گئی اور بُدھ کی ہڈیوں کو نکالکر برہما بھیجا گیا اور ابھی تک بہت سے بُت پائے جاتے ہیں۔ اور یہ تمام یادگاریں خالص اسلامی ملک میں پائی جاتی ہیں۔

ہندوستان کا وہ حصہ مسلمان حملہ آوروں کی زد کے نیچے بہت رہا ہے اور تمام مسلمان حملہ آور اسی راہ سے ہندوستان میں آئے ہیں۔ میں جاپانیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو کبھی بھی عبادت گاہوں کی تباہی اور مسمار کرنیکا حکم نہیں دیتا خواہ وہ کسی ہی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ نہیں نہیں بلکہ وہ صریح اور قطعی الدلالۃ آیات میں کھلے طور سے لکھا ہوا پاوینگے کہ عبادتگاہوں کا انہدام جہاں خدا کا بہت ذکر کیا جاتا ہے خدا کی نگاہ میں ایک سخت مکروہ کام ہے اور خدا ہمیں حکم دیتا ہے کہ ایسے مقامات کی حفاظت کے ذرائع بہم پہنچائے جائیں جہاں کہ خدا کا ذکر ہوتا ہے خواہ وہ کسی ہی مذہب کے ہوں۔

درحقیقت اگر کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اسے اب کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اور مذاہب کے عبادت گاہوں میں جایا کرے۔ اسے صرف مسجد میں حاضر ہونا چاہیئے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس طریق عمل سے اسلامی مساجد کے علاوہ اور مذاہب کے عبادت خانوں سے مسلمانوں کی بے تعلقی کا دائرہ زیادہ تر وسیع ہوگیا۔ ملک فارس اسلام سے مشرف ہوگیا اس میں شک نہیں کہ پارسیوں نے اپنے آبائی عبادتگاہوں میں جانا ترک کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانے اور آب وہوا کے مہلک اثرات نے آہستہ آہستہ ان عمدہ مکانات کو تباہ کردیا۔ لاریب ایک شخص مسلمانوں پر اعتراض کرسکتا ہے کہ انہوں نے ان قدیمی یادگاروں کی کیوں حفاظت نہ کی۔ ہاں بعض اوقات انہوں نے ایسا بھی کیا ہے لیکن میں اس امر پر کوئی خاص زور نہیں دیتا۔ میرے لیئے یہ کہنا کافی ہے کہ مسلمان اُن تمام الزامات سے پاک اور بری ہیں جو ان کے ذمہ تھوپے جاتے ہیں۔

میں ونڈلزم کے متعلق ایک لفظ لکھتا ہوں اور میں اس مضمون کو اب

ختم کرتا ہوں ونڈل ایک لاطینی لفظ ہے جس کے معنے غالباً آوارہ گرد کے ہیں قدیمی تاریخ میں ونڈل ٹیوٹانک قوم کے لوگ تھے جو کہ بالٹک کے جنوبی ساحل پر بستے تھے وہ شمالی اقوام میں سے سب سے زیادہ تند اور بہت وحشی تھے جنہوں نے پانچویں صدی میں روم لوٹا اور وہ علم ادب اور فن عمارت کے تباہ کرنے میں بڑے بدنام تھے۔ مسٹر دھرم پالہ مسلمانوں کو محض بلا وجہ اس لئے ونڈل کہتا ہے کہ وہ دوسروں کے خیالات سے دکھانے کی پروا نہ کر کے تباہی کا کام جاری رکھتے ہیں۔ لیکن میں اپنے دوست سے عرض پرداز ہوں کہ وہ اس مضمون میں ذرا گہری نظر کرے کیا یہ ونڈلزم نہیں ہے کہ اُن تمام عمارتوں میں سے ایک اعلیٰ عمارت کو جو کبھی کسی انسانی ہاتھ نے دنیا میں قائم کی ہے تباہ کرنے کی کوشش کی جاوے یعنی وہ جو اسلام کی تباہی کا خواہاں ہے کیا وہ ونڈل نہیں ہے میں نے اسلام کا قائم ہونا انسانی ہاتھ سے اس لئے کہا ہے کہ میں اپنے بدھ دوست کو ایسا آزاد خیال نہیں مانتا کہ وہ اس کو دین الٰہی سمجھتا ہو۔ میں نے اس کے زعم کا خاکہ کھینچا ہے اگرچہ وہ اسے خدا کا قائم کردہ سلسلہ نہیں مانتا مگر وہ انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کروڑوں کے لئے اطمینان اور تسلی کا موجب ہوا ہے اور ہزاروں نے اس کے نیچے آ کر آشتی اور صلح اور سلامتی پائی ہے اور تیرہ سو طویل برسوں سے اس میں کروڑوں تک انسان داخل ہوئے ہیں۔ مسٹر دھرمپالہ کی یہ کوشش کہ اسلام کے نقائص بیان کئے جاویں اور اس کی خوبیوں اور محاسن کو بالکل نظر انداز کیا جاوے۔ یہ مذہبی تعصب معلوم ہوتا ہے کہ جس کی مثال کینہ ورز تنقید کی تاریخ میں بالکل مفقود ہے کیا اسے خدا کی توحید کا اعلیٰ عقیدہ بھی اسلام سے پسند نہ آیا۔ خدا کی توحید اس کے صفات کاملہ اور اعلیٰ درجہ کی ربوبیت اور اخوت انسانی یہی اعلیٰ درجہ کے مضامین ہیں جن کو قرآن شریف بار بار مختلف پیرایوں میں بیان کرنے سے تھکتا نہیں اُسے بڑا فخر ہے بدھ کی ترک دنیا پر لیکن وہ اس سے بڑی ترک اسلام میں پا سکتا ہے جو اسلام ہر ایک سے چاہتا ہے اسلام کے معنے ہیں اپنی مرضی کو خدا

ہ حالانکہ یہ الزام اکل غلط ہے

کی مرضی پر چھوڑ دینا۔ اور مسلمان وہ ہے جو اپنے تئیں خدا کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہے قرآن شریف صاف طور سے فرماتا ہے۔ قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین۔ کہدے میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کو انکی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف لیجاتا ہے۔ کیا اس سے بڑی اور بہتر ترک ہو سکتی ہے۔ مذہب اسلام میں ایک مسلمان کی جان و مال خدا کے ہیں۔ کیا ایک بدھ کی ترک اس ترک سے بڑھکر ہے مجھے کوئی کیسے بدھ کی ترک کا یقین دلا سکتا ہے۔ جب میں اس کو دیکھتا ہوں کہ باوجودیکہ اس نے موت پر فتح حاصل کر لی ہے پھر بھی موت کا شکار ہو گیا یسوع مسیح کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے بھی موت پر فتح پائی لیکن موت ایک امر واقعی ہے۔ اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ اسی لیئے یسوع کو بھی مرنا پڑا۔ مسیحی مرتے ہیں۔ ہادم اللذات ہمیشہ تازہ موجود ہے۔ بدھ نے بڑا زور دیا کہ ..... گوشت نہ کھایا جاوے اور حیوانات کی حفاظت کا حکم دیا لیکن بدھ کی اپنی موت سؤر کے زیادہ گوشت کھانے سے واقع ہوئی جو کہ اس کے مخلص مرید نے اس کے آگے رکھا تھا اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم قرآن کریم فرماتا ہے کہ کیا لوگوں کو حکم کرتے ہو نیکی کا اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔ یہ اللہ کو بہت ناراض کرنیوالی بات ہے کہ وہ بات کہو جو تم خود نہیں کرتے یہ اسی کتاب مبارک کا سنہری قاعدہ ہے جو ہر مسلمان کے لیئے ہدایت کا کام دیتی ہے ٭

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے	قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
اسکے منکر جو بات سکتے ہیں	یونہی اک واہیات کہتے ہیں
بات جب ہو کہ میرے پاس آویں	میرے منہ پر وہ بات کہ جاویں
مجھ سے اس دل ستاں کا حال سنیں	مجھ سے وہ صورت و جمال سنیں
آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی	نہ سہی یونہی امتحان سہی

سے اپنے مذہبی جوش میں اندھا ہو کر بمفوائے حبك الشئ يعمى و يصم وہ مسلمانوں کے جذبات اور خیالات کے دُکھانے کی پروا نہیں کرتا اور ان کے عندیات کو اس نے سخت زخمی اور مجروح کیا ہے اور انکی ہر بات کو قابل جرح قرار دیا ہے۔ ایک راستباز انسان سچائی کا محب ایسا طریق اختیار کرنیسے مضائقہ کرتا ہے۔ بدھ لوگ اپنی بڑی ترک دنیا پر بڑا ناز کرتے ہیں لیکن اسلام میں وہ اس سے بڑا ترک حاصل کر سکتے ہیں بُدھ مت کا یہ اصل اصول ہے کہ ادنی حیوانات کی اعلیٰ کے مقابلے میں حفاظت کی جاوے لیکن میں شک میں ہوں کہ آیا تمام بدھ مذہب کی تعلیم میں اسلام کی اخوت انسانی کے مقابل میں کوئی قولی یا فعلی تعلیم بھی مل سکتی ہے۔ بڑا اسلامی ترک اس انانیت اور نفسانیت پر موت وارد کرتا ہے اور موتوا قبل ان تموتوا کا مزا چکھاتا ہے جس کو ایک بدھ مت کا انسان بے ہودہ طور سے اپنے ماتحت کرنیکی کوشش کرتا ہے۔

ہم اسلام پر مسیحیوں اور آریہ صاحبان کے سخت حملے سننے کے عادی تھے اور ہم نے یہ کبھی خیال بھی نہیں کیا تھا کہ بُدھ کے متبعین بھی اسلام کے برخلاف ایسے سخت تلخ خیالات رکھتے ہیں جو کہ مسیحیوں اور آریوں کی طرح ہی سخت ہیں۔ بُدھ اخبار کا یہ مضمون ایک غیر مترقبہ مضمون معلوم ہوتا ہے اور پہلی دفعہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ بدھوں میں بھی ایسے انسان پائے جاتے ہیں جو کہ اسلام کے ایسے ہی سخت مخالف اور دشمن ہیں جیسا کہ پنڈت دیانند اور حضرت مسیحؑ کے ماننے والے۔ تاہم ہم امید کرتے ہیں کہ مسٹر دھرمپال جیسے آدمی بہت ہی کم ہونگے جو گوتم بُدھ کی پیروی کا دم بھرتے ہیں جس کے متعلق ہم کو قرآن شریف ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اس کی بڑے نبی کے طور پر عزت و توقیر کریں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی عزت کرنے کا حکم ہے۔

صلی اللہ علیہم و علی نبینا بالخصوص سلم اجمعین

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین (محمد دین)

اُسوۂ حسنہ

یا زندہ اور کامل نبی اس لیکچر کا عنوان ہے جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے
ایل ایل بی وکیل چیف کورٹ پنجاب نے ۵۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء کو ایم اے او کالج علیگڈھ
کے طلباء کے سامنے دیا اور اب اسی نام کی کتاب کی صورت میں یہ لیکچر اُردو دان پبلک کے
سامنے پیش ہوا ہے۔ اس کتاب میں فاضل لیکچرار نے جس کے لیکچر ہندوستان
میں اور بالخصوص اہل اسلام میں اعلیٰ درجہ کی قبولیت کا امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ یہ
دکھایا ہے کہ ہر انسان جو ایک متمدن اور با اخلاق انسان بننا چاہتا ہے ایک نمونہ کا
محتاج ہے اور کہ یہ نمونہ جہاں ہر ملک اور ہر قوم کے راستبازوں میں ایک حد تک پایا جاتا
رہا ہے .... اتم اور اکمل طور پر صرف حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات بابرکات میں ہی ملتا ہے اور اسی ایک انسان کیلئے وہ اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے
پیدا کر دیئے کہ اس کے تمام حالات آجتک محفوظ چلے آتے ہیں۔ مذاہب کے جنگ یا مقابلہ
مذاہب میں ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے مذہب کی فضیلت اسی میں سمجھ رکھی ہے کہ دوسرے
مذاہب کے مقدس لوگوں کو بُرے الفاظ سے یاد کیا جاوے اور انکے ہر ایک قول اور فعل کو ایک بدنما
رنگ میں پیش کیا جاوے "اسوہ حسنہ" یہ اعلیٰ درجہ کا اخلاقی سبق سکھاتی ہے کہ سچی
بزرگی اور فضیلت وہی ہے جو دوسروں کی فضیلت کو مان کر بھی قائم رہ سکے۔ شاید
دوسرے بزرگوں کو بُرا کہنے کے لیئے یہ امر بھی بعض وقت ایسے حامیان مذاہب کے دلوں میں
محرک ہوا ہو کہ ایک خاص شخص کی بزرگی جس کو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اسی صورت میں قائم
رہ سکتی ہے کہ دوسروں کی کسی فضیلت کو تسلیم نہ کیا جائے بلکہ انکی خوبیوں کو بھی بُری
رنگ میں پیش کیا جاوے تا مقابلہ میں ایک معمولی درجہ کی خوبی بڑی معلوم ہو مگر ہمارے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت جو آپ کو کل بنی نوع انسان پر حاصل ہے۔ ایسی جامع
فضیلت ہے۔ جو ایسے امور کے محتاج نہیں ہاں یہ کوئی ایسا ستارہ نہیں جسکی دھیمی
روشنی تاریکی میں ہی ظاہر ہو سکے بلکہ اس آفتاب عالمتاب کی چمکدار شعاعیں ہر ایک
روشنی پر غالب آکر یہ ثابت کر رہی ہیں کہ روشنی تو ہر جگہ ہے مگر اس چشمہ نور کے سامنے

دوسری روشنیاں بھی ماند پڑ جاتی ہیں۔ اسی لیئے ایک مسلمان کے لیئے یہ ضروری
قرار دیا گیا کہ وہ ایک نبی اور ایک کتاب پر نہیں بلکہ سارے نبیوں اور ساری کتابوں پر ایمان
لائے کیونکہ دوسروں کی خوبی مان لینے سے وہ اس خطرہ میں نہیں کہ اپنے نبی یا اپنی کتاب
کی عزت اس کے دل میں کم ہو جائے بلکہ آنحضرتؐ کو سب انبیاء پر اور قرآن کریم کو سب کتب پر
ایسی نمایاں فضیلت حاصل ہے۔ اور دوسروں کی خوبیاں ان میں ایسے اکمل اور اتم وجہ پر
موجود ہیں کہ ان کو مان لینے سے اس نبی اور اس پاک کتاب کی روشنی اور بھی چمک اٹھتی ہے۔ اس
زرین اصول کی بنا پر یہ کتاب لکھی گئی ہے اور اس کے یہ فقرات مجھے ایسے پیارے معلوم ہوتے ہیں
کہ میں ان کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ "دنیا میں جسقدر نبی رسول رشی اوتار رہنما ہو کر
آئے وہ کسی نہ کسی ملک میں ہمارے لیئے اخلاق اور سیرت کا اعلیٰ نمونہ چھوڑ گئے......
اور چونکہ وہ سب کے سب خدا کے ہاتھ سے پاک صاف کیئے گئے تھے۔ خواہ وہ جناب عیسیٰ کی شکل میں تھے
یا حضرت موسیٰ کے لباس میں۔ خواہ اُن کا نام سری مہاراج رامچندر جی تھا یا سری کرشن بھگوان
وہ ضرور متصف باخلاق ستودہ تھے۔ انکی مقدس زندگیاں اُس وقت بھی اور آج بھی اہل دنیا
کے لیئے نیک مثال اور ان کے کارنامے انسان کیلیئے بہترین نمونہ ہیں..... مگر جس امر
نے مجھ پر قرآن کریم کا یہ دعویٰ متحقق کر دیا ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
مبارک ہی اتباع عالم کے لیئے من کل الوجوہ کامل نمونہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین میں
اور دنیا کے تمام رشی منی اور راستبازوں میں سے آپ کی مطہر زندگی میں وہ تمام حالات
مختلف پیدا ہو گئے جن کے ماتحت آپ کو کل اخلاق فاضلہ کے اظہار کا موقع ملا۔"

یہ میں نے صرف ایک پیرے کے چند فقرات نقل کیئے ہیں مگر یہ قابل قدر کتاب اس قابل ہے
کہ جملہ طالبان حق اس کے ایک ایک فقرہ کو کئی بار پڑھیں۔ ایک اور خصوصیت جو فاضل مصنف
نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دکھائی ہے علمی دنیا کیلیئے قابل توجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے
کہ جہاں دوسرے رہبران انسان کے کمالات کو کسی قدر اس زمانہ اور ملک کے جس میں وہ پیدا ہوئے
قدرتی حالات سے تعلق ہے۔ اور اس قسم کے اسباب انکے کمالات میں ایک حد تک
معاون ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل کمالات کا ظہور ایسے ملک اور زمانہ میں

ہوا کہ وہ حالات بالکل انکے مخالف پڑے ہوئے تھے۔ فاضل مصنف نے اپنا یہ دعویٰ نہایت صفائی سے ثابت کیا ہے۔ اور یہ دکھایا ہے کہ کس طرح پر صرف عرب ہی نہیں بلکہ ساری دنیا سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت وہ اعلیٰ درجہ کی خوبیاں گم ہو چکی تھیں جو آپ نے از سرِ نو دنیا میں قائم کیں اور ہر قسم کی آلائشوں سے ایسی پاک کرکے قائم کیں کہ جس کی نظیر دنیا میں اور کہیں ہمیں نہیں ملتی۔ اس خیال کو فاضل مصنف نے مسئلہ ارتقا کے ماننے والوں کے سامنے ایک زبردست دعوے کے رنگ میں پیش کیا ہے۔

"مسئلہ ارتقا یعنی تھیوری آف ایوولیوشن کے دلدادوں کے لئے یہ امر واقعی غور طلب ہے کہ جب انکے نزدیک دنیا کی رفتار ترقی میں ہر ایک نیا مرحلہ موجودہ حالات میں سے ہی پیدا ہوا کرتا ہے اور نئی تحریکیں علی العموم انہی خیالات کا عکس ہوا کرتی ہیں جو پہلے سے چاروں طرف مستعد طبائع میں پیدا ہو چکے ہوں تو ساتویں صدی عیسوی کا وہ تاریک زمانہ جس نے ہر طرف فطرت انسانی کو پستی کی تہ میں پہنچا دیا تھا وہ عرب جیسی تاریک ترین سرزمین میں کمال انسانی کی معراج پر پرواز کرنے والی فطرت کس طرح پیدا کر سکتا تھا۔"

یہ اعجاز نہ صرف ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نظر آتا ہے بلکہ خود قرآن کریم میں بھی یہ اعجاز ہے۔ اس زمانہ کا عرب کا لٹریچر دیکھو اور پڑھو اور پھر دوسری طرف قرآن کریم کو پڑھو۔ تو قرآن کریم کے اعجاز کے آگے اور اس کے منجانب اللہ ہونے کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے کیونکہ اس ساری لٹریچر میں جو اس وقت عروج تھا اور قرآن کریم میں زمین و آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔ یہ امر بہت وضاحت سے بیان کرنے کے قابل ہے جسکی اس ریویو میں گنجائش نہیں مگر ایک اور مثال اسی کی ہم اس اپنے زمانہ میں دیکھتے ہیں۔ فاضل مصنف نے سوامی دیانند بانی آریہ سماج کا تذکرہ اس ضمن میں کرکے یہ دکھایا ہے کہ سوامی جی نے کس طرح زمانہ کی نبض شناسی سے کام لیکر اصلاح کا وہ راستہ تجویز کیا جسپر ملک کے تعلیم یافتوں کا ایک حصہ پہلے سے قدم مار رہا تھا۔ برعکس اس کے جب ہم ایک خدا کے مامور کو اس زمانہ میں دیکھتے ہیں یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کو تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا سے الہام پانیوالے ایک الگ ہی راہ پر قدم مارتے ہیں آپ نے دنیا

میں وہ بات پیش کی جسے ساری دنیا کھو چکی تھی یا بھول چکی تھی یعنی یہ کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے اب بھی ہمکلام ہوتا ہے جیسا کہ پہلے ہوتا تھا۔ ایسے وقت میں خود اس امر کا پیش کرنا ہی اس کے اس دعویٰ کا کافی ثبوت ہے کہ وہ خدا سے ہمکلام ہوتا تھا۔

"اسوہ حسنہ" نہایت ہی عمدہ سفید چکنے کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب اپنی ظاہری حیثیت میں بھی قابل قدر ہے۔ ۸/ قیمت پر مصنف سے مل سکتی ہے۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

اس ماہ میں زیادہ امور رپورٹ میں پیش ہونے والے نہیں ہیں۔ ہر دو مدرسے بند ہیں عمارت بورڈنگ ہوس کے بقیہ کام میں سے فرش لپائیاں سفیدی برامدی وغیرہ اخیر ستمبر سے پہلے پہلے ختم ہوجاوینگے۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ عظیم الشان عمارت اس جنگل میں کھڑی ہوگئی ہے۔ ان تمام احباب کا شکریہ ہے جنہوں نے چندہ کی فراہمی میں سر توڑ کوششیں کی ہیں اور یہ بھی عرض ہے کہ ابھی یہ کوششیں جاری رکھنی ضروری ہیں۔ تاکہ بقیہ کام جسپر قریب دو ہزار کا خرچ ہونیوالا ہے پورا ہوجاوے اس کے علاوہ ابھی ڈیوڑھی پر اوپر کی منزل بھی قریباً اسی قدر یا اس سے کچھ زیادہ خرچ چاہتی ہے۔

نئے بجٹ کے انجمنوں میں بھیجنے میں اس دفعہ بعض مشکلات کی وجہ سے غیر معمولی توقف ہوگیا ہے۔ امید ہے اس رسالہ کے نکلنے تک سب احباب کے ہاتھ میں پہنچ چکا ہو خصوصیت سے میں احباب کو دو امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اول چندہ لنگرخانہ کی طرف اور دوسرے عید فنڈ کی طرف۔ لنگرخانہ کے چندہ کیلئے اگر کافی توجہ معمولی ماہوار چندوں میں نہ ہوئی تو پھر خاص چندہ غیر معمولی طور پر اس قرضہ کو دور کرنیکے لئے ضروری ہوگا جس کے نیچے اس وقت لنگرخانہ کا فنڈ ہے۔ افسوس ہے کہ دو پیسے روپے والی تحریک پر کافی توجہ انجمنوں نے نہ کی ورنہ ان تمام دقتوں کا انشاء اللہ تعالےٰ خاتمہ ہوجاتا حضرت خلیفۃ المسیح نے چندہ کے متعلق ایک اشتہار کی تجویز فرمائی ہے جو عنقریب شائع ہوکر احباب کی خدمت میں پہنچیگا۔ دوسرا امر قابل توجہ عید فنڈ کا چندہ ہے۔ جس کے لئے احباب سے التجا ہے کہ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤگے ٭ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ — بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء — نمبر ۱۰

چندہ سالانہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

رسالہ
اصول اسلام

یعنی وہ لیکچر جو جلسہ مذاہب الہ آباد میں بڑی شان و شوکت سے پڑھا گیا شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی تاجر کتب قادیان سے محصولڈاک بھیجنے سے مفت مل سکتا ہے؛

(مینیجر)

تعلیم اسلام

لیکچر موسومہ ٹیچنگز آف اسلام یعنی وہ لیکچر جو حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے لاہور کے عظیم الشان جلسہ مذاہب میں سنہ ۱۸۹۶ء میں پڑھا گیا تھا اس کا انگریزی ترجمہ ولایت سے چھپکر آگیا ہے۔ دو سو صفحہ کی کتاب ہے۔ مجلد کی قیمت عہ اور غیر مجلد کی ۱۲ر ہے چونکہ ولایت میں اس کی مفت اشاعت ہوگی اس لیئے احباب اپنے لیئے بھی خریدیں اور اس جگہ ولایت میں مفت تقسیم کراکر بھی ثواب لیں؛

(سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

ریویو آف ریلیجنز کے گذشتہ پرچے

ذیل کے اُردو یا انگریزی ریویو کے پرچوں میں سے کوئی پرچہ یا بعض پرچے اگر کسی صاحب کے پاس ہوں اور فروخت کرنا چاہیں یا مفت دینا چاہیں تو مینیجر میگزین قادیان سے خط و کتابت کریں۔ دفتر میں ان کی ضرورت ہے۔

اُردو ریویو۔ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء؛ جنوری۔ فروری سنہ ۱۹۱۰ء؛

انگریزی ریویو۔ جنوری۔ اپریل۔ جولائی۔ اگست۔ ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء؛ نومبر دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء؛ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء؛ مارچ سنہ ۱۹۰۵ء؛ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء بعض فروری سنہ ۱۹۱۰ء؛

اطلاع:- خریداران کیخدمتمیں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہوجائے تو معاف فرمادیں؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ابطال تناسخ*

(از طرف قاضی عبدالحق صاحب)

عالم حیوانات میں جو مختلف قسم کے نظارے مشاہدہ میں آتے ہیں اور وہ گوناگون تغیرات جو اس عالم میں نظر آرہے ہیں ان کو دیکھ کر انسانی عقل حیرت میں رہ جاتی ہے اور اس معمہ کے حل کرنے کے لیئے تمام کوششیں ناکام رہی ہیں۔ اس مشکل کے حل کرنے کے لیئے انسانی دماغ نے مختلف قسم کی راہیں سوچی ہیں جو صرف اٹکل بازی سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ بہت سے اہل الرائے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے ایک گھر میں ایک بینا بیٹا پیدا ہوتا ہے اور دوسرے میں نابینا۔ ایک بادشاہ کے عالیشان محل میں پیدا ہوتا ہے اور دوسرا ایک غریب درویش کی جھونپڑی میں۔ قدیم زمانہ سے اس مسئلہ پر بحث مباحثے اور غور و فکر ہوتا رہا ہے۔ ہندوؤں کے رشیوں نے اس مشکل کو نہایت ہی عجیب طریق سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہندوؤں کا قول ہے کہ موجودہ اختلاف مراتب انسان کی پہلی جونوں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور یہ کہ یہ جونوں کا سلسلہ بڑا لمبا اور طویل ہے۔ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ہندوؤں میں یہ خیال کب پیدا ہوا مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ خیال ایسے زمانہ میں پیدا ہوا جبکہ دنیا ابھی اپنی بچپن کی حالت میں تھی ہند کی سرزمین ہمیشہ وہم پرستی کا گھر بنی رہی ہے

*اصل مضمون انگریزی میں ہے جس کا یہ اردو ترجمہ ہے

اس لیئے یہ تناسخ جیسے خیالات کیلیئے نہایت موزون تھی ؛

زمانہ ہائے دراز کے گذرنے کیوجہ سے تناسخ کا خیال اب عام ہندوؤں کے رگ و ریشہ میں ایسا رچ گیا ہے کہ اب اس کا نکالنا کوئی آسان امر نہیں۔ ہر ایک ہندو بچہ اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ اس خیال کو جذب کرتا ہے۔ جب سے کہ بیرونی مذاہب نے ہندوستان میں قدم رکھا ہے۔ مسئلہ تناسخ نہایت ہی زبردست نکتہ چینی کا نشانہ بنا رہا ہے یہان تک کہ معقول اعتراضوں کے حملوں نے اس عقیدہ کے بطلان کو اظہر من الشمس کر دیا ہے مگر پھر بھی کئی لوگ ایسے ہیں جو اپنے پرانے اور دیرینہ وہم کو ترک کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس مضمون کے لکھنے سے میرا یہ منشاء نہیں کہ میں ان اعتراضات کو پھر دہراؤں۔ میں صرف اُس اصل پر بحث کروں گا جس پر اس سارے مسئلہ کی بنا رکھی گئی ہے ؛

اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ دنیا کا رنج و راحت گذشتہ جونوں کے بُرے یا بھلے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی راجہ بنکر زندگی کے مزے اُٹھا رہا ہے تو اس لیئے کہ اُس کی پہلی جُون کے اعمال اس قسم کے تھے کہ وہ اسی راحت اور آرام کا مستحق تھا اور اگر کسی نے چوہے یا بلّی کی جُون میں جنم لیا ہے تو اس لیئے کہ اُس کی پہلی زندگی کے اعمال اسی لائق تھے کہ اُسکو چوہا یا بلّی بنایا جاتا۔ جسقدر مفید اور کارآمد جانور دنیا میں پائے جاتے ہیں جو انسان کے آرام کا موجب ہیں اُن کا وجود تناسخ کے عقیدہ کے رُو سے اُنہی بد اعمال کی برکت کی وجہ سے ہے جو انسانوں نے پہلی جونوں میں کیئے جن کی وجہ سے اُن کی روحوں کو گھوڑوں۔ بیلوں۔ اونٹوں۔ ہاتھیوں گدھوں۔ بکریوں۔ بھینسوں۔ گایوں۔ مُرغیوں وغیرہ کی جُونوں میں ڈالا گیا پس گناہوں کا انسان پر بڑا احسان ہے کیونکہ اُنہی کی وجہ سے ایسے ایسے جانور وجود میں آئے جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر انسان پہلی جونوں میں گناہ نہ کرتے تو ان مفید اور ضروری جانوروں کا وجود بھی نہ ہوتا۔ اگر انسان گنہگار نہ ہوتا تو زمین کی سطح ان کارآمد جانوروں سے بالکل ننگی ہوتی۔ اگر اتفاقاً انسان گناہوں سے

پاک ہوتا تو جس قدر جانور سمندروں دریاؤں اور جھیلوں میں پائے جاتے ہیں انکا بھی نام و نشان نہ ہوتا کیونکہ ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کے رو سے برّو بحر کے سب جانور اور سب کیڑے اور مکوڑے۔ چارپائے اور مچھلیاں اور ہوا کے پرندے انسانوں کی روحیں اپنے اندر رکھتے ہیں جو اپنی گذشتہ جونوں کے اعمال بد کی شامت سے ان جانوروں کے اجسام میں قید ہیں۔ اس مسئلہ کی معقولیت یا عدم معقولیت کے جانچنے کے لیئے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ انسان کس غرض کے لیئے پیدا کیا گیا۔ اُس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا اس دنیا کا رنج و راحت انسانی زندگی کے اصل مدعا کے ساتھ کیا تعلق رکھتا ہے۔ اگر انسانی پیدائیش کے اغراض پر راحت یا رنج کے حالات کچھ اثر نہیں ڈالتے اور اس رنج و راحت سے انسانی زندگی کے مقاصد میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا تو پھر تناسخ کا عقیدہ صریحًا باطل ہے۔ جس قدر مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں اُن سب کا متفق علیہ عقیدہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی غرض و غائت اور اصل مقصود نجات کا حاصل کرنا ہے۔ اور یہ بھی مسلم امر ہے کہ نجات سے مراد خدائے تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہے جو بد اعمال سے پرہیز کرنے اور نیک اعمال کے بجالانے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس دنیا کا عیش و آرام کسی کے نزدیک بھی انسانی زندگی کا مدعا نہیں ہے۔ اس لیئے یہ کہنا درست نہیں کہ موجودہ زندگی کا عیش و آرام ہر صورت میں ضرور انسان کے نیک اعمال کا ہی نتیجہ ہے۔ ایک درویش اپنی پھٹی پُرانی چٹائی پر بیٹھ کر ایسے ہی نیک اعمال بجالاسکتا ہے جیسے کہ ایک بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھکر بجالاسکتا ہے۔ اگر دونوں اپنے خداداد قویٰ کو نیک محل پر استعمال کریں اور خدائے تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلیں تو دونوں نجات حاصل کرنے کے لحاظ سے مساوات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسطرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زندگی میں انسان خواہ کیسی ہی حیثیت اور درجہ رکھتا ہو اعمال کے بجالانے میں اُس کو آزادی حاصل ہے۔ اگر ایک نابینا اپنی آنکھوں کے ذریعہ نیک کام بجا نہیں لاسکتا تو وہ ان

آنکھوں کے ذریعہ بُرے کاموں کا بھی تو ارتکاب نہیں کرسکتا۔ اسی طرح ایک بہرا اور گونگا اگر اُن نیک کاموں کو بجا نہیں لاسکتا جو کانوں اور گویائی سے تعلق رکھتے ہیں تو وہ اُن بُرے کاموں سے بھی تو محفوظ رہتا ہے جن کا ارتکاب انسان ان دو عضووں کے ذریعہ کرتا ہے اسی طرح اگر ایک دولتمند بادشاہ کے لیئے یہ ممکن ہے کہ وہ لوگوں پر ظلم کرے تو اس کے لیئے یہ بھی تو ممکن ہے کہ غربا پر رحم کرے اور خیرات سے اُن کو خوشحال کرے جو صریحاً ایک نیکی کا کام ہے۔ اسی طرح اگر ایک غریب آدمی میں چوری کرنے کا لالچ پیدا ہوسکتا ہے تو وہ حلیمی اور انکسار کے بھی بمقابلہ دولتمندوں کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہرایک صورت میں نیکی اور بدی کا یکساں امکان پایا جاتا ہے اور سب کو نجات حاصل کرنے کا موقعہ یکساں طور پر حاصل ہے۔ کوئی ایسا درجہ یا حیثیت نہیں جو انسان کو نجات حاصل کرنے سے مانع ہو۔ دنیا کی راحتیں انسان کی زندگی کے اصل مقصود کو حاصل کرنے کے لیئے کوئی یقینی سیڑھی نہیں ہیں اور نہ ہی تکالیف اور مصائب نجات کے راستے میں سدِ راہ ہوسکتی ہیں۔ مختلف قسم کے حالات جن میں سے انسان کو گذرنا پڑتا ہے وہ اُس کے اندرونی مخفی قویٰ کے ظاہر کرنے اور اُن کی تربیت اور تکمیل کا ایک ذریعہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ جس نے تمام روحوں کو پیدا کیا وہ اُن کے میلانوں۔ قابلیتوں اور مخفی طاقتوں کا پورا پورا علم رکھتا ہے تمام لوگ جو خدائے تعالیٰ کی صفات کاملہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ یقین رکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ایسا رحیم اور ایسا حکیم ہے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے وہ انسان کی بھلائی اور فائدہ کے لیئے کرتا ہے۔ جب انسان اُن باتوں کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے جن کی حقیقت معلوم کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے اور جب وہ اُن امور پر احاطہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے دائرہ فہم سے باہر ہیں۔ غرض جب وہ اپنے انسانی دائرہ سے نکلکر الٰہی اسرار پر حاوی ہونے کی جرأت کرتا ہے تو اُس وقت وہ اپنے تئیں مشکلات میں پھنسا دیتا ہے۔ یہ

ضروری نہیں کہ زمین و آسمان کے اسرار سب کے سب اُس کو معلوم ہوں۔ اگر وہ صرف اُنہی چیزوں تک اپنے تئیں محدود رکھے جو اُس کی ہیں اور اُن چیزوں سے اجتناب کرے جو اُس کی نہیں ہیں تو یہ اُس کے لیئے بہتر ہے۔ اگر اُس کو خدائے تعالیٰ کی کامل حکمت اور علم پر پورا ایمان ہوتا تو جو انتظام خدائے تعالیٰ نے اس کے لیئے کیا ہے اُسکی موزونیت پر اُس کو کبھی شک نہ گذرتا۔ چونکہ خدائے تعالیٰ انسان کا خالق ہے اس لیئے وہ جانتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ ایک انسان کی طاقتیں اور قابلیتیں کن حالات میں سرسبز ہو سکتی ہیں اور کہاں وہ اچھے سے اچھے نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔ انسان کے لیئے یہ کہنا محض حماقت ہے کہ فلاں گداگر اگر بادشاہ ہوتا تو وہ اچھا بادشاہ بنتا اور اگر فلاں بادشاہ کلرکی کے عہدہ پر مقرر کیا جاتا تو وہ کلرکی کے لیئے سب سے زیادہ موزون ہوتا۔ صرف طاقتوں اور قوتوں کا پیدا کرنیوالا اس امر کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی شخص اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ صرف قویٰ کا فرق بے انصافی کی دلیل نہیں ہو سکتا جبکہ ہر ایک آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ جس مقام پر وہ رکھا گیا ہے وہ اُس کے لیئے سب سے زیادہ موزون ہے اور اُس کی اندرونی طاقتوں اور میلانوں کے لیئے سب سے زیادہ مناسب ہے۔ جو جو طاقتیں انسان کے اندر رکھی گئی ہیں اُن کی تربیت و تکمیل جیسی اُن حالات میں ہو سکتی ہے جن کے ماتحت وہ رکھا گیا ہے ایسی اور ہر ایک جگہ نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جو اختلاف مختلف انسانوں کے حالات میں دیکھا جاتا ہے اُس کے لیئے کسی وجہ کے دریافت کرنے اور اُس کی کوئی تشریح پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ نجات کی اغراض کے لیئے اس اختلاف اور اس فرق کی کوئی حقیقت نہیں اور اس دنیا کا رنج و راحت زندگی کی علّت غائی نہیں ہیں بلکہ اس علّت غائی کے حاصل کرنیکے ذریعے ہیں۔ تعجب ہے کہ مسئلہ تناسخ کے حامی اگرچہ نجات کو زندگی کی اصل علّت غائی قرار دیتے ہیں پھر بھی اس دنیا کے آرام اور مصائب کو

اس قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا یہی رنج و راحت انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہماری ساری کوششیں اسی راہ میں خرچ ہو جائیں کہ اس دنیا کا آرام حاصل ہو اور انکے نزدیک اعمالِ نیک کا ثمرہ دنیا کا عیش و آرام ہی ہے۔ حالانکہ غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنا انسان کی زندگی کا مدّعا ہے اس لیئے اس دنیا کے مصائب اور خوشحالی صرف اس مقصد کے حاصل کرنے کے ذرائع ہیں اور انکو خدائے تعالیٰ نے اپنی حکمت تامّہ اور علم کامل کے ساتھ نہایت ہی مناسب طریق سے نوع انسان میں تقسیم کیا ہے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اس مسئلہ کے تجویز کرنے میں آریہ صاحبان کے بزرگوں نے کیا فایدہ دیکھا انسانی طریقِ خیال میں اس کے لیئے قطعاً کوئی گنجایش نہیں۔ ایک مثال کے ساتھ میں اس امر کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس دنیا کو ہم ایک مکتب سے مشابہت دے سکتے ہیں۔ اس مکتب کا معلم اپنے چند شاگردوں کو گنتی اور ہندسوں کے لکھنے کا قاعدہ سکھانا چاہتا ہے۔ اور اس غرض کے لیئے وہ اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چند چیزیں دیتا ہے۔ ایک کو وہ چند روپے دیتا ہے۔ دوسرے کو لعل۔ تیسرے کو کاغذ کے ٹکڑے۔ چوتھے کو لکڑی کے ٹکڑے۔ اسطرح ہر ایک لڑکے کو مختلف چیزیں دیتا ہے۔ ہم مکتب کے ایک کونے میں ایک لڑکے کو دیکھتے ہیں کہ سسکیاں لیکر رو رہا ہے۔ اُستاد اس سے پوچھتا ہے کہ تم کیوں روتے ہو وہ غمزدہ ہو کر کہتا ہے کہ آپنے فلاں لڑکے کو تو لعل دیئے ہیں اور مجھے لکڑی کے ٹکڑے پکڑائے ہیں۔ اُستاد اس نافہم بچّے کو سمجھاتا ہے کہ سبق کی اغراض کے لیئے لعل اور لکڑی کے ٹکڑے ہر دو مساوی ہیں۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ جس لڑکے کے ہاتھ میں لعل ہیں وہ ان لعلوں کی وجہ سے اُس دوسرے لڑکے کی نسبت جس کے ہاتھ میں لکڑی یا کاغذ کے ٹکڑے ہیں سبق کو زیادہ اچھی طرح سمجھنے کے قابل نہیں ہو گیا بلکہ ممکن ہے

کہ جس لڑکے ہاتھ میں کاغذ یا لکڑی کے ٹکڑے ہیں وہ لعلوں والے لڑکے سے زیادہ ذہین ہونے کی وجہ سے سبق کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہو۔ غرض لڑکے کو جب بتایا گیا۔ کہ ان چیزوں کی وجہ سے جو ہر ایک لڑکے کے ہاتھ میں ہیں کسی ایک لڑکے کو دوسروں پر فضیلت حاصل نہیں ہو جاتی اور یہ کہ ان چیزوں میں کوئی ایسی ذاتی خوبی نہیں جو سبق کی اغراض کے لیئے زیادہ مفید ہو۔ تو لڑکے کو تسلّی ہو گئی اور سسکیاں رُک گئیں۔ سبق کے سیکھنے میں جو چیزیں مددگار ہیں وہ اُستاد کا طرز تعلیم اور بچوں کی ذہانت ہے۔ ان چیزوں کی ذات میں کوئی ایسا اثر نہیں جو سبق کے جلدی ذہن نشین کرانے کے لیئے دوسری چیزوں کی نسبت زیادہ مفید ہو۔ اُس بچے کو اُستاد نے یہ بھی سمجھایا کہ یہ سب چیزیں ہمیشہ کے لیئے بچوں کو نہیں دی گئیں بلکہ سبق کے ختم ہونے پر یہ سب چیزیں ایک ایک کرکے واپس لے لیجاویں گی اور کسی لڑکے کے پاس کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس سے ان چیزوں کی قدر اُن کی ذاتی خوبیوں کے لحاظ سے بالکل نابود ہو جاتی ہے۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ سبق کو آسانی سے ذہن نشین کرانے کا ایک ذریعہ ہیں اور اس لحاظ سے سب کی قیمت بالکل یکساں ہے کسی ایک چیز کو دوسری پر فضیلت نہیں۔ مختلف حالات جنہوں نے انسانی زندگی کو گھیرا ہوا ہے وہ بھی اُن مختلف ٹکڑوں کی طرح ہیں جو اُستاد نے اپنے شاگردوں کے ہاتھ میں دیئے۔ کیونکہ یہ بھی انسانی زندگی کے اصل مقصد یعنی نجات کے حصول کا ذرائع ہیں اور جب یہ مقصد حاصل ہو جائے گا تو اُس وقت انسان ان حالات میں سے نکل جائیگا۔ جیسا مکتب میں اُستاد کی تشریح۔ طریقہ تعلیم اور رہنمائی لڑکوں کے لیئے سبق کے سمجھنے اور سیکھنے میں مددگار ہوتی ہے ایسا ہی نجات کا راستہ بھی الٰہی ہدایت ہی دکھاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مختلف قسم کے حالات اور مدارج جو ہم انسانوں میں دیکھتے ہیں یہ سب نجات کے اغراض کے لیئے یکسان درجہ رکھتے ہیں ؛؛

پس یہ کہنا بیہودگی ہے کہ اس دنیا کا آرام اور دُکھ گذشتہ جونوں کے نیک و بد اعمال کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں نجات کے حصول کے لئے یکساں درجہ رکھتی ہیں۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس دنیا کا سُکھ اور دُکھ گذشتہ جونوں کے نیک و بد کرموں کا پھل ہے تو پھر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نیکی اور بدی گویا دو توام بھائی ہیں۔ جن سے ایک ہی نتیجہ مترتب ہوتا ہے یعنی دونوں نجات کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں کیونکہ اس دنیا کا سُکھ اور دُکھ (جن کو گذشتہ جونوں کے نیک و بد اعمال کا پھل کہا جاتا ہے) نجات کے حصول کا ایک ذریعہ ہیں کیا یہ خیال بیہودہ نہیں کہ نیکی اور بدی دونوں یکساں نجات کے حصول کا ذریعہ ہوں۔

تناسخ کے ذریعہ اس مسئلہ کے موجدوں نے ایک ہی وقت میں دو باتوں کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس کے ذریعہ صرف اس امر کو صاف کرنے کی ہی کوشش نہیں کی کہ انسانوں کی حالتوں اور حیثیتوں میں جو فرق نظر آتا ہے اس کی کیا وجہ ہے بلکہ انہوں نے اس مسئلہ کے ذریعہ ایک ایسے سوال کے حل کرنے کی بھی کوشش کی ہے جو ہر ایک انسان کے دل میں اُٹھتا ہے یعنی یہ موت کے بعد کیا ہوگا۔ انہوں نے بظاہر ان ہر دو امور کو بڑی سادگی کے ساتھ حل کر دیا ہے مگر افسوس ہے کہ یہ سادہ طریق تسلّی بخش ثابت نہیں ہوا مسئلہ تناسخ میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس میں روح اور مادہ کو خدا کی طرح ازلی ماننا پڑتا ہے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے رُو سے نجات بھی ایک میعادی نجات قرار دی گئی ہے کیونکہ اس کے رُو سے ضروری ہے کہ روحوں کو ایک زمانہ کے گذرنے کے بعد پھر مکتی خانہ سے نکالا جائے تا دنیا کا سلسلہ کل روحوں کے مکتی خانہ میں داخل ہو جانے سے ختم نہ ہو جاوے۔ مسئلہ تناسخ کے ان پہلوؤں پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے سرمہ چشم آریہ، چشمہ معرفت اور اپنی دیگر تحریروں میں قابل دید بحث کی ہے۔ اس لئے ان کے متعلق مَیں زیادہ بحث نہیں کرتا۔

یہاں پر صرف اتنا ظاہر کر دینا کافی ہے کہ اگر ارواح اور مادہ کو خدا کی طرح ازلی مانا جائے تو اس سے خدائے تعالیٰ کی کامل قدرتوں اور صفات کا انکار لازم آتا ہے نہ تو وہ خالق کہلا سکتا ہے اور نہ علیم و خبیر اور اُس کی خدائی کا سارا دارو مدار مادہ اور روح پر ٹھہرتا ہے اگر مادہ اور ارواح کا وجود نہ ہوتا تو خدائے تعالیٰ نعوذ باللہ ایک بیکار ہستی ہوتا کیونکہ تناسخ کے ماننے والے خدائے تعالیٰ کو مادہ اور ارواح پیدا کرنے سے عاجز قرار کر دیتے ہیں۔ اُن کے عقیدہ کے مطابق اُن کا پرمیشر ایک روح بھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ مادہ کا ایک ذرہ پیدا کر سکتا ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر بالفرض ارواح اور مادہ کا وجود نہ ہوتا تو پھر اُن کا پرمیشور کیا کرتا اور اگر بالفرض اُن کا پرمیشور ہی نہ ہوتا تو پھر مادہ اور ارواح کے وجود سے کیا فایدہ ہوتا۔ ایک محتاج خدا خدا نہیں کہلا سکتا۔ اور اگر وہ ارواح اور مادہ کا خالق نہیں تو اُس کو چیزوں کے نہاں در نہاں خواص اور قویٰ کا پورا علم بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ جس چیز کا پورا علم ہو تو ضرور ہے کہ وہ بنائی بھی جا سکے۔ پس اگر پرمیشور کو خالق ارواح اور خالق مادہ نہ مانا جائے تو اُس کے علم کو ناقص ماننا پڑتا ہے اور ناقص العلم خدا خدا کہلانے کے لائق نہیں ؛

میعادی نجات کے ماننے سے ایک اور بھاری دقّت پیش آتی ہے۔ نجات خدائے تعالیٰ کے قرب کا نام ہے جو نہایت ہی اعلیٰ راحت کی حالت ہے۔ اور یہ حالت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک انسان کے بُرے میلان اور گناہ کی خواہشیں کُلی طور پر مر نہ جاویں اور انسان کے اخلاق اور قوّتیں اپنی تکمیل کی آخری حد تک پُہنچ نہ جاویں اور تنزل کا امکان دُور نہ ہو جاوے۔ جب انسان نجات کو حاصل کرتا ہے تو وہ گناہ اور لالچ اور بُری خواہشات سے پورے طور پر محفوظ ہو جاتا ہے اور شیطان اُس پر تسلط نہیں کر سکتا۔ جب گناہ کے کرنے یا تنزل کی حالت کی طرف رجوع کرنے کا امکان دُور ہو جاتا ہے جب خدائے تعالیٰ کا فضل انسان کی دستگیری کرتا ہے تو وہ ایک ہی قدم میں تمام منزلوں کو طے کر کے اُس وسیع

میدان میں جا پہنچتا ہے جہاں کا چاند اور سورج خود خدائے تعالیٰ ہوتا ہے اور جہاں سے کہ ادنیٰ حالت کی طرف لوٹنا ناممکن ہے۔ اس لیئے ممکن نہیں کہ جو ایک دفعہ نجات حاصل کر چکے وہ پھر دنیا میں آکر جونوں کے غیر متناہی سلسلہ میں داخل ہو ۔

تناسخ کے حامی کہا کرتے ہیں کہ چونکہ انسان کے افعال محدود ہیں اس لیئے اُن کا اجر غیر محدود نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان ابدی اور غیر منقطع نجات حاصل نہیں کر سکتا مگر ان کا یہ قول بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ ایک دھوکہ ہے جس کی جڑھ جہالت ہے ہمارا یہ تجربہ ہے کہ چند مرتبہ کے اعادہ سے ہمارے بعض صفات ایسے محکم ہو جاتے ہیں کہ انسان کے لیئے اُن کا اُکھیڑنا بالکل ناممکن ہو جاتا ہے۔ بعض بیماریوں کا اگر تھوڑے عرصہ کے لیئے علاج نہ کیا جاوے تو پھر وہ ہمیشہ کے لیئے لاعلاج ہو جاتی ہیں۔ اس لیئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اگر انسان نیکی پر ایک عرصہ تک استقامت رکھے تو وہ اُس کا ایک دائمی ورثہ ہو جائے ایسا ہی اگر انسان ایک بدی پر ایک عرصہ تک قائم رہے تو اُس کے دل کے دروازے ایسے محکم طور پر بند ہو جاتے ہیں کہ کوئی نیک اثر اُس کے اندر راہ نہیں پا سکتا ۔

انسان کی ترقی کی آخری منزل خدائے تعالیٰ کے ساتھ ملنا ہے۔ اور ہر ایک انسان آخر اس منزل پر پہنچنے والا ہے۔ جن حالات میں وہ اس دنیا میں رکھا گیا ہے وہ اس لیئے ہیں کہ وہ اُن کے ذریعہ اپنے قویٰ کی تکمیل کرے اور اپنی کمزوریوں کو دُور کرے۔ انسان کی مختلف قابلیتوں کے مطابق یہ حالات بھی مختلف ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ اپنے کامل علم اور اپنی کامل حکمت سے ہم میں سے ہر ایک کو ایسے حالات میں رکھتا ہے جو اُس کے لیئے نہایت ہی موزون ہوتے ہیں۔ تاکہ ہماری مخفی طاقتیں پورے طور پر ظاہر ہوں اور اُن کو اپنی تکمیل کے لیئے پورا وسیع میدان حاصل ہو۔ اگر اس اختلاف کو دیکھکر کوئی خدائے تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے تو اُس کی وجہ اُس کی اپنی جہالت اور حقیقت کو سمجھنے کی ناقابلیت ہے ۔

علاوہ ازیں۔ عارضی نجات انسانی فطرت کے مطابق بھی نہیں ہے۔ ہر ایک انسان فطرتی طور پر اپنے محبوب سے جُدا ہونے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ انسان کا کام ہے کہ وہ ہر ایک چیز کی نسبت خدائے تعالیٰ سے زیادہ محبت کرے اور جب وہ ترقی کی آخری سیڑھی پر پہنچیگا تو اُس میں سوائے خدائے تعالیٰ کی محبت کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اُس کی آنکھوں کو خدائے تعالیٰ کا دلربا چہرہ دیکھنے کے سوا آرام نہیں آئیگا اور اُس کے دل کا چین اسی میں ہوگا کہ ہر وقت خدائے تعالیٰ سے قریب اور ہم کلام رہے۔ غرض وہ خدا کا ہوگا اور خدائے تعالیٰ اُس کا ہو جائے گا۔ تمام زمینی محبتیں اُس کی نظر میں ہیچ ہو جائیں گی اور تمام دنیا کی دل کشیاں اُس کے نزدیک بے حقیقت ہو جائیں گی۔ اس حالت میں جب الٰہی محبت انسان میں اپنے آخری نقطہ تک پہنچ چکے گی اور وہ اعلیٰ سے اعلیٰ راحت کو حاصل کر رہا ہوگا ایسے وقت میں اُس کو ایسے بہشت سے نکالکر دنیا میں دوبارہ بھیجنا اور پھر جسمانی جونوں میں اُس کو قید کرنا اگر ظلم نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا کے محبوب بھی پسند نہیں کرتے کہ وہ اپنے سچے محبوں سے بیوفائی کا برتاؤ کریں پھر خدائے تعالیٰ کسطرح اپنے سچے پرستاروں اور عاشقوں کو اپنے حضور سے بے رحمی کے ساتھ دھکے دیکر باہر نکال سکتا ہے۔ وہ کسطرح ایسا بخیل ہو سکتا ہے کہ یک لخت اپنے سارے انعامات اور برکات اُن لوگوں سے ہٹالے جو دل وجان سے اُس پر فدا ہیں اور جو کہ ایک صید نیم بسمل کی طرح اُس کے آستانہ پر گرے پڑے ہیں۔ محبوب اور محب میں ایک قسم کی یکرنگی ہونی چاہیئے۔ اگر محبوب کے انعامات غیر منقطع ہیں اور اگر وہ اپنے انعامات اپنے محبوں پر ہمیشہ جاری رکھنے والی ہستی ہے تو ضروری ہے کہ اُس کا محب بھی اُس کے اُن انعامات کا ہمیشہ مورد بنا رہے اور کبھی خدائے تعالیٰ کی غیر منقطع نعمتوں سے محروم نہ ہو ؛

ایک پُرانی کتاب میں لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔ ان الفاظ میں ایک بڑی سچائی مخفی ہے۔ خدا میں جو دینے والا ہے اور

بندہ میں جو لینے والا ہے ایک طرح کا تطابق ہونا چاہیئے۔ اس لیئے نجات یافتہ انسان ہمیشہ خدائے تعالیٰ کے انعامات کو لینے کے لیئے تیار اور مستعد رہتا ہے اور خدائے تعالیٰ بھی اُس سے وہی سلوک کرتا ہے جس کی انسانی فطرت مقتضی ہوتی ہے اور اس لیئے وہ اس پر اپنی رحمت اور فضل کی بارش کو متواتر اور ہمیشہ جاری رکھتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ اپنے ایک محب کو ایک دفعہ اپنی رحمت اور انعامات کے بہشت میں داخل کر کے پھر اُس کو اُس حالت راحت سے نکالکر جونوں کے غیر متناہی چکرّ میں ڈالدیتا ہے خدائے تعالیٰ کی بے ادبی ہے کوئی عقلمند انسان خدائے تعالیٰ کی طرف ایسی بیوفائی منسوب نہیں کر سکتا؛

مسئلہ تناسخ کا بطلان ظاہر کرنے کے بعد اب مَیں اس امر کیطرف رجوع کرتا ہوں کہ اسلام نے اس کے بجائے کیا تعلیم پیش کی ہے۔ انسانوں کے حالات اور مدارج میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اُس کا خدائے تعالیٰ نے چند ہی الفاظ میں قطعی فیصلہ فرما دیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (سورہ انعام) اور اُسی نے تم کو زمین میں دوسروں کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر مدارج میں فضیلت دی تاکہ جو کچھ اُس نے تم کو دیا ہے اس میں تم کو آزمائے (اور اُس کے مطابق تم کو انعام دے)۔ اس آیہ کریمہ کے رُو سے انسانوں کے حالات اور درجات کا اختلاف اُن کی ترقی کے لیئے مددگار ہے۔ ایک لمحہ کے لیئے ایک ایسی دنیا کا تصور باندھو جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہو اور پھر دیکھو کہ وہ دنیا کیسی ہوگی۔ اُسوقت دنیا پر ایک مُردنی چھائی ہوئی ہوگی تمام انسانی ترقی کیا اخلاقی اور کیا روحانی مفقود ہوگی۔ ترقی کرنے کا کوئی محرک موجود نہ ہوگا۔ انسانوں کی تمام قوتیں ٹھنڈی پڑی ہوئی ہونگی۔ تمام طاقتیں سرد ہو چکی ہوں گی۔ اور کسی قسم کی چستی و چالاکی پائی نہیں جائیگی۔ تھوڑے عرصہ میں انسان اپنا تمام عقلی مادہ کھو بیٹھے گا اور پورا کوڑ مغز ہو جائے گا جو تمام

قابلیتوں سے خالی ہو گا۔ یہ اختلاف انسانوں کے لیئے ایک برکت کا سرچشمہ ہے۔ یہ ترقی کے لیئے ایک محرک ہے اور آگے بڑھنے کے لیئے ایک ترغیب اپنے اندر رکھتا ہے۔ جب ہم اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں جو ہم سے بہتر حالت میں ہیں تو ہم میں رشک کی ایک روح جوش مارتی ہے اور اُن کے برابر ہونے کے لیئے یا اُن سے سبقت لے جانے کے لیئے ہماری ساری طاقتیں کام میں لگ جاتی ہیں۔ اگر اختلاف نہ ہوتا تو دنیا میں نہ نیکی ہوتی نہ بدی۔ اگر دنیا بُرے لالچوں سے پاک ہوتی تو ہمیں اپنے بُرے جذبات کو دبانے اور فرو کرنے کا موقعہ نہ ملتا اور اس طرح ہم کمال حاصل کرنے اور روحانی طور پر ترقی کرنے سے محروم رہ جاتے اور ہمیں اخلاق فاضلہ حاصل کرنے کا موقعہ میسر نہ آتا۔ جب تک ہمارے پوشیدہ قوٰی اور ہماری مخفی طاقتیں بیرونی محرکوں کی وجہ سے ظہور پذیر نہیں ہوتیں اور پھر مناسب ذریعوں سے اُن کی اصلاح نہیں ہوتی تب تک ضروری ہے کہ ہم ایک ناقص حالت میں رہیں جب تک ہماری پوشیدہ بُری خواہشوں کی بیخکنی نہیں ہو لیتی تب تک ہماری زندگی معرض خطر میں ہی رہتی ہے اور بُری خواہشوں کی بیخکنی صرف اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ حالات میں اختلاف ہو۔ دنیا کی خوبصورتی اور زندگی کی دلکشی اسی اختلاف میں پائی جاتی ہے جس کو ہم ہر طرف ہر جنس اور ہر نوع میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ انسانی نسل کا ہر ایک فرد خواہ وہ کیسی ہی گری ہوئی حالت میں کیوں نہ ہو اپنی ذات کے ساتھ بعض فرائض وابستہ رکھتا ہے اور اگر وہ اُن فرائض کو ایمانداری کے ساتھ ادا کرے اور جو قوتیں اور طاقتیں خدائے تعالیٰ نے اُس کو دے رکھی ہیں اُن سے جائز طور پر اپنے اپنے محل پر کام لے اور طاقتوں اور دوسری خداداد چیزوں کو خدائے تعالیٰ کی عبادت اور نوع انسان کی ہمدردی میں خرچ کرے تو وہ کامل انسان ہو سکتا ہے۔ دنیاوی طور پر اعلیٰ یا ادنیٰ حیثیت کا رکھنا براہ راست اُس کی نجات پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

غرض یہ بالکل ایک صاف اور کھلی بات ہے اور تناسخ کی کہانی محض ایک

خیالی ڈھکوسلہ ہے جو بالکل فضول اور بے بنیاد ہے یہ صرف چند توہمات کا مجموعہ ہے۔

مسئلہ نجات کی طرف رجوع کرکے پھر میں کہتا ہوں کہ عارضی یا میعادی نجات صرف اُنہی لوگوں کا حصہ ہے جو تناسخ کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایک شخص جونوں کے طول طویل دورہ کو پورا کرتا ہے اور کروڑوں سال اس دُکھ میں گذار کر ایک ایسی جگہ حاصل کرتا ہے جہاں کہ اُس کو آواگون یعنی تناسخ کے چکر سے نجات ملتی ہے اور جسے وہ خواہ کچھ ہی ہو چھوڑنا پسند نہیں کرتا لیکن بایں ہمہ کچھ عرصہ تک اُس جگہ میں جسے ہندو سُرگ کہتے ہیں رہنے کے بعد پرمیشور کا پروانہ اُس کے نام پہنچتا ہے کہ اس جگہ میں سے اب تمہیں نکلنا پڑے گا اور پھر اُسی آواگون کے منحوس چکر میں تمہیں داخل ہونا پڑے گا جس سے تم کو پہلے نجات دی گئی تھی۔ یہ ایسی بات ہے جس کو انسانی فطرت نہایت ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ وہ کیسا سُرگ ہے جس میں ہر وقت انسان کو یہی دھڑکا لگا رہے کہ معلوم نہیں کس گھڑی میں مجھے یہاں سے نکالا جائے گا اور پھر تناسخ کے دوزخ میں ڈالا جائے گا جس سے کروڑوں سال میں بھی چھٹکارا حاصل کرنا محال ہے اور پھر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیوں پرمیشور روحوں کو مُکتی خانہ سے نکالے گا تو ہنسی آجاتی ہے۔ بیچاری روحوں کو بلا قصور مُکتی خانہ سے نکالکر دوبارہ آواگون کے چکر میں لگانے کی ضرورت پرمیشور کو یہ پیش آجاتی ہے کہ پرمیشور میں یہ طاقت نہیں کہ ایک آدھی روح کو بھی پیدا کرسکے اور اگر ساری روحیں نجات پاکر سُرگ میں داخل ہوتی جائیں تو روحوں کا ذخیرہ ختم ہوجائے اور پرمیشور دنیا کے کاروبار کو چلانے سے عاجز رہ جائے۔ اس لئے پرمیشور نے یہ قاعدہ ٹھہرا رکھا ہے کہ وہ ہمیشہ تک کسی روح کو سُرگ میں نہیں رہنے دیتا۔ تا دنیا کا کاروبار چلتا رہے۔

ناظرین خیال کریں یہ کیسا خدا ہے۔ اس سے تو لازم آتا ہے کہ پرمیشور (نعوذ باللہ) نہ صرف محتاج ہے بلکہ خود غرض بھی ہے کیونکہ اپنے کارخانہ خدائی کو قائم رکھنے کے لئے بیچاری روحوں کو اُس آرام سے محروم کردیتا ہے جو اُنہوں نے سالہا سال

دُکھ اُٹھانے کے بعد حاصل کیا تھا۔ نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ کی نسبت ایسی خودغرضی اور ایسا عجز منسوب کرنا سخت کفر ہے۔ اسلام نے اس مسئلہ کو انسان کی فطرت کے مطابق حل کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ یعنی اے اطمینان یافتہ نفس۔ تُو اپنے رب کی طرف واپس جا۔ اس حال میں کہ تُو اپنے رب پر راضی ہے اور تیرا رب تجھ پر راضی ہے اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو۔ خدا سے ملنا انسانی روح کی تڑپ ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى۔ یعنی انسانی روح پکار کر یہ کہتی ہے کہ اے خدا تُو ہی میرا رب اور میرا سہارا ہے۔ کامل تسکین اور کامل اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ انسان خدائے تعالیٰ کی عبادت میں اپنے تئیں فنا نہ کر دے۔ خدائے تعالیٰ کی محبت انسان کی روح میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور ایک سلیم روح خدائے تعالیٰ کی گود کے سوا اور کسی جگہ آرام نہیں پاتی۔ اگر کسی روح میں یہ تڑپ نہ ہو (خدائے تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) تو ایسی روح ایک بیمار روح ہے۔ جیسا بعض اوقات ایک بیمار جسم اس خوراک سے نفرت کرتا ہے جو اُس کے قیام کے لیئے لابدی ہے ایسا ہی ایک مریض روح کسی روحانی بیماری کی وجہ سے اپنے اصل مطلوب سے دُور جا پڑتی ہے اور جب تک مناسب علاج کے ذریعہ اُس کو اصلی حالت پر نہ لایا جاوے تو وہ بگڑی ہوئی فطرت کے آثار ظاہر کرتی ہے۔ اس امر سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ انسانی روح اپنی صحت کی حالت میں الٰہی محبت کی تخت گاہ ہے دنیا کے کل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے۔ تمام بڑے بڑے مذاہب خدائے تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں اور نجات کو انسانی زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں۔ چونکہ خدائے تعالیٰ سے ملنا انسانی زندگی کی اصل غرض ہے اس لیئے ضروری ہے کہ انسان دنیا کی میل سے بالکل پاک اور صاف ہو جاوے اور اُس کی

طبیعت کا وہ پہلو جو بُرائی کی طرف کھینچتا ہے پورے طور پر دبا دیا جاوے اور مغلوب کیا جاوے کیونکہ خدائے تعالیٰ پاک ہے اور وہ ناپاکی کو پسند نہیں کرتا۔ چونکہ مخلوق کو خالق کے ساتھ جوڑنے والی چیز محبت ہے اس لیئے انسان اپنی ترقی کی منزل میں ہر وقت اپنے تئیں الٰہی انعامات کے لیئے زیادہ اور زیادہ لایق بنا رہا ہے۔ ہر ایک قدم پر خدائے تعالیٰ انسان کی محبت کا جواب دیتا ہے اور اُس کی فطرت کی خواہش کے پورا ہونے کے لیئے سامان مہیا کرتا ہے۔ انسانی محبت کا آخری نقطہ یہ ہے کہ انسان اپنے محبوب کو دیکھ لے اور بغیر کسی واسطہ یا درمیانی چیز کے براہ راست اُس کا تعلق اپنے محبوب سے ہو جاوے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے رحم اور کرم کی وجہ سے انسان کی اس خواہش کے پورا کرنے کے لیئے سامان پیدا کر دیا ہے ایک دن آئے گا کہ انسان اپنے خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور براہ راست اُس سے ہمکلام ہوگا۔ مگر تناسخ کا مسئلہ انسانی روح کے اس پہلو کے لئے کوئی سامان پیش کرنے سے عاجز ہے۔ آیۃ مذکورہ بالا میں انسان کی اسی تڑپ کی طرف اشارہ ہے۔

جب آدمی یہاں تک خدائے تعالیٰ کی طرف بڑھتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے تئیں خدائے تعالیٰ کی رضا کے حوالے کر دیتا ہے بلکہ خدائے تعالیٰ جو کچھ کرے اُس پر خوش ہوتا ہے اور جب انسان اس زندگی میں اس دنیا کے لحاظ سے اپنے اوپر ایک موت وارد کر لیتا ہے اور اپنی تمام اُمیدوں اور محبتوں کو خدائے تعالیٰ کی ذات سے وابستہ کرتا ہے۔ اُس وقت اُس کے جواب میں خدائے تعالیٰ کی محبت کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ اُس وقت خدائے تعالیٰ انسان سے راضی ہو جاتا ہے اور انسان اپنے خدا سے راضی ہو جاتا ہے۔ اس منزل پر انسان دنیا میں ہی جنّت میں داخل ہو جاتا ہے قیامت کے دن انسان اپنے خالق کو روبرو ہو کر دیکھے گا اور اُس وقت اُس کی خوشی کا کوئی انتہا نہ ہوگا اُس محبوب حقیقی کے دیکھنے سے سچے محبوں کو کیسی خوشی ہوگی اس کا اندازہ کسی قدر

وہ لوگ بھی لگا سکتے ہیں جن کو اس دنیا کی فانی محبت کا بھی تجربہ ہو چکا ہے *

ایک اور غلطی جس میں تناسخ کے حامی گرفتار ہیں یہ ہے کہ وہ اس امر کو بھول جاتے ہیں کہ جب ایک دفعہ انسان اس دنیا میں خدائے تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے اور اپنے تئیں کامل کرنے کے ذرائع سے فائدہ نہیں اٹھا سکا تو پھر بار بار اس کو انہی حالات میں لوٹانا جہاں کہ وہ پہلے ناکام رہ چکا ہے سخت غلطی ہے۔ اس کے بعد وہی چیز اس کی اصلاح کر سکتی ہے جو اس دنیا سے باہر ہو۔ جو سامان اور ذرائع اس میں میسر آسکتے ہیں وہ اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور پھر اسکو پھیر پھیر کر انہی حالات کے ماتحت رکھنا عقلمندی کا کام نہیں ہے جب تناسخ کے مسئلہ کو اس پہلو سے دیکھا جاوے تو اس کا غلط ہو جانا کھل جاتا ہے جب دنیا میں اصلاح کے ذرائع بھی وہی ہیں اور انسان کی فطرت اور طبیعت بھی وہی ہے جو پہلے تھی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دوبارہ سہ بارہ ایک ہی تجربہ کو دہرانے سے کوئی مختلف نتائج پیدا ہوں۔ روح انسانی اس دنیا میں خواہ کسی لباس میں ظاہر ہو اس کے لئے شیطان کے قبضہ سے نجات پانا اور گناہ کے پنجہ سے رہائی حاصل کرنا بغیر معرفت الٰہی کے مشکل ہے۔ تمام اعمال صالحہ کی جڑھ تقویٰ ہی اور تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدائے تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین نہ ہو۔ اور اس کے اسماء پر پورا پورا ایمان نہ ہو۔ جون کے بدلنے سے خدائے تعالیٰ کی معرفت کے ذرائع میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور اس کے بغیر کوئی اصلاح اور کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے *

میرے خیال میں اگر یہاں سزا کی حکمت پر کسی قدر غور کیا جاوے تو بیجا نہ ہوگا۔ سزا خواہ کسی رنگ میں دی جاوے اس میں اصلاح کا پہلو غالب رہنا چاہیئے۔ انسانوں کو سزا دینے سے خدائے تعالیٰ کا منشا ان کی اصلاح ہے اور اس دنیا میں سزا مصائب کے رنگ میں نازل ہوتی ہے۔ مگر کل مصائب سزا کے لئے نہیں ہوتے۔ بعض مصائب سزائی حصہ سے ایسے ہی پاک ہوتے ہیں جیسا کہ خود راحت۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ٥ (بقرہ) یعنی جب اُن کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ یعنی خدائے تعالیٰ کے بندے ہمیشہ اپنی نظر خدائے تعالیٰ پر ہی رکھتے ہیں جب کبھی کوئی عزیز یا قریبی موت کا شکار ہوتا ہے یا اُن کے مال کا نقصان ہوتا ہے یا اُن کو کوئی اور مصیبت پہنچتی ہے تو وہ بول اُٹھتے ہیں کہ ہم دراصل خدائے تعالیٰ کے ہیں اور اُسی کی طرف ہم نے جانا ہے۔ یہ چیزیں بھی اب ہماری نہیں رہیں اور نہ ہم اُن کے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصائب آزمائش کا کام دیتے ہیں۔ اور خدا کے بندے ان امتحانوں میں سے سلامت گذر کر خدائے تعالیٰ سے اور بھی گہرا تعلق حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی نسبت فرماتا ہے:۔

أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ٥ یعنی ان لوگوں پر اُن کے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور وہی لوگ راہ پانیوالے ہیں۔ اُن کا تعلق خدائے تعالیٰ کے ساتھ اور بھی مضبوط اور محکم ہو جاتا ہے۔ کمال کے لیئے امتحان ایک لابدی چیز ہے ہر ایک امتحان سے سلامت گذرنے کے بعد انسان کو ایک رفع حاصل ہوتا ہے۔ اُس کا قدم زیادہ اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں آگے اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے برگزیدوں پر جو تکالیف آتی ہیں وہ اسی قسم کی ہوتی ہیں۔ وہ خدائے تعالیٰ کی رحمتوں کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔

خدائے تعالیٰ کے انبیاءؑ پر بڑی بڑی تکالیف وارد ہوئیں اور اُن کو بڑے بڑے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور دشمنوں کی طرف سے اُن کو سخت سے سخت ایذا دیگئی مگر اُس کا نتیجہ سراسر خیر و برکت ہی ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ سال تک مکّہ میں کفار کے ہاتھ سے طرح طرح کی تکلیف نہایت صبر اور بردباری اور بہادری کے ساتھ برداشت کی اور اُس کے بعد مدینہ میں بھی دشمنوں نے پیچھا نہ چھوڑا بلکہ مکّہ میں تو صرف قریش ہی دشمن تھے مدینہ میں قریش کے علاوہ کئی اور قومیں عداوت

اور ایذا دہی پر آمادہ ہو گئیں آپ کو سب سے زیادہ تکلیف دی گئی اس لیئے کہ آپ سب سے بڑے نبی تھے۔ ہر ایک راستباز آدمی کو اپنے روحانی منازل کے طے کرنے کے لیئے کچھ نہ کچھ تکلیف سہنی پڑتی ہے ؛

اسکے علاوہ مصائب بطور سزا کے بھی ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ عام انسانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ یعنی جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص بے وقوفی سے ایک بڑی مقدار میں سم الفار کھالے تو اُس کا نتیجہ موت ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ہر ایک فعل ایک نتیجہ رکھتا ہے اور جو شخص بُرے کام کرے گا وہ بُرا پھل پائے گا۔ خدائے تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی کا علم دیدیا ہے چنانچہ فرماتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا یعنی خدائے تعالیٰ نے ہر ایک نفس کو بُرائی کی باتوں اور نیکی کے کاموں کا علم دے دیا ہے اور پھر جب دنیا میں بدی پھیل جاتی ہے تو خدائے تعالیٰ کھُلے کھُلے انذار کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست کی طرف بلائیں۔ اور اُس نے انسانوں کی ہدایت کے لیئے وقتاً فوقتاً الہامی کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائیں تاکہ بعد کی نسلیں اُن کے ذریعہ راہ راست کو اختیار کریں اور سب سے آخر کامل کتاب قرآن شریف کو نازل فرمایا جو کُل سچائیوں کا جامع ہے اب بھی اگر انسان خدائے تعالیٰ کے حدود کو توڑے تو اُس کا خون اُس کے اپنے سر پر ہے۔ مگر یہ سزا بھی جو انسان کو اُس کی بدکاریوں کی وجہ سے آتی ہے یہ بھی اُس کے لیئے اچھا نتیجہ رکھتی ہے۔ یہ بات انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے کہ جہاں سے اُس کو دُکھ پہنچتا ہے وہ طبعاً اُس جگہ سے پرہیز کرتا ہے۔ اس طرح یہ سزائیں انسانوں کے متنبہ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ تمام تکالیف انسان کے اپنے فائدہ کے لیئے ہیں سزا اکثر دو رنگ کا فائدہ دیتی ہے۔ ایک تو وہ گنہگار کے لیئے بطور علاج کے کام کرتی ہے اور اُس کو پاک وصاف کرتی ہے۔ دوسرے وہ

اور لوگوں کے لیے عبرت کا کام دیتی ہے تاکہ لوگ گناہوں کے بدنتائج کو دیکھ کر اُن کے ارتکاب سے بچیں اور وہ سزا یافتہ شخص خود بھی آئندہ کے لیے گناہوں سے پرہیز کرے جو سزا خدائے تعالیٰ نے آخرت میں رکھی ہے اُس کی غرض بھی انسانوں کو پاک وصاف کرنا ہی ہے۔ اسی لیئے دوزخ کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ یعنی بدکار کے لیئے دوزخ بطور ماں کے ہے۔ دوزخ بھی انسان کے فائدہ کیلیئے ہے کیونکہ اُس کے ذریعہ انسان اپنے گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے اور جو نقص اُس میں باقی ہوتے ہیں اُن کی تلافی ہوجاتی ہے ؎

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔ اٰمین

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

مسیحی معجزات

مثل مشہور ہے۔ کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ یہ مثل مسیحی صاحبان پر خصوصیت سے صادق آتی ہے۔ چونکہ وہ سچے راستہ سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ اور ان کا تعلق خدا سے ٹوٹ گیا ہے۔ اور وہ اُن نشانات کے دکھانے سے عاجز ہوگئے ہیں۔ جو کہ صرف اُنہیں لوگوں کا حصہ ہے۔ جنہوں نے کہ راہ حق کو نہیں چھوڑا۔ مگر ساتھ ہی چونکہ وہ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہ راہ حق پر ہیں۔ اور نیکی کا راستہ وہی ہے۔ جس پر وہ قدم مار رہے ہیں۔ اسواسطے وہ ہمیشہ ایسی باتوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ جن کو کہ وہ معجزہ کہ سکیں۔ حال میں ایپی فنی جو کہ مسیحیوں کا ایک ہفتہ وار اخبار ہے۔ اور جو آکسفورڈ مشن کے زیر اہتمام کلکتہ سے نکلتا ہے اُس میں میں ایک بہت بڑے موجودہ زمانے کے مسیحی معجزہ

کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اِس اخبار کا ایک مسیحی نامہ نگار بڑے فخر سے ان حقیقی معجزات (جیساکہ وہ اُن کو کہتا ہے) کا ذکر کرتا ہے۔ جوکہ آجکل مقام لورڈ علاقہ فرانس میں ظاہر ہو رہے ہیں اور جن کا مدعا یہ ہے۔ کہ عیسائیت کی برکت سے بیمار تندرست ہو رہے ہیں۔ اور ایڈیٹر بھی اس نامہ نگار کے ساتھ اتفاق کرتا ہوا ایک بہت بڑا حاشیہ چڑھاتا ہے۔ جس کے دوران میں وہ کہتا ہے۔ "کہ بہت سے بیمار جوکہ بروئے طب لاعلاج ثابت ہو چکے ہوں۔ عام طور پر تندرست ہوئے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں اس قسم کے معجزات نہ صرف کسی خاص جگہ پر وقوع میں آ رہے ہیں۔ بلکہ کلیسیا کے مختلف حصوں میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اور ہمارا یقین ہے۔ کہ یہ ان معاہدات کی تکمیل ہے۔ جوکہ مسیح نے مرقس کی انجیل کے سولھویں باب کی اٹھارھویں ورس میں کیئے ہیں"۔

ان معجزات کی اصل حقیقت دکھانے کے لیئے میرے پاس اس سے اچھا مصالح نہیں ہے۔ کہ لنڈن کوارٹرلی ریویو (جس کا ایڈیٹر بھی اپی فنی کے ایڈیٹر کی طرح ایک معزز پادری بنام جان ٹلفورڈ ڈی۔بی۔اے ہے) کے اپریل کے پرچہ سے ایک مضمون نقل کروں جوکہ ڈاکٹر ایڈورڈ واکر ایم۔ڈی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر ایڈورڈ واکر اُن "حقیقی معجزات" کی بابت جوکہ لورڈ وغیرہ جیسے مقامات پر ظاہر ہو رہے ہیں اپنی رائے مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کرتا ہے "موجودہ زمانہ میں اعتقاد کی مدد سے بیماروں کے تندرست کرنے کا طریقہ بہت سرعت سے ترقی کر رہا ہے۔ خاص کر امریکہ میں۔ اگرچہ اس کے طریقے یکساں نہیں ہیں۔ اور موجودہ زمانے میں اس قسم کے علاجوں کی نہایت ہی مشہور مثال لورڈ کے معبدوں میں پائی جاتی ہے۔ جہاں کہ ہر سال بہت سے بیمار اچھے ہوتے ہیں۔ اور اگرچہ تندرست ہونیوالوں کی تعداد دوسروں کے مقابل میں بہت ہی قلیل ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ بعض بیمار واقعی صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ کیا پھر ہم کو یہ کہنا چاہیئے۔ کہ یہ مسیحی معجزات ہیں۔ اور اُن معاہدات کی تکمیل

ہیں۔ جو کہ یسوع مسیح نے مرقس کی انجیل کے سولھویں باب کی اٹھارھویں ورس میں کیئے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس مضمون کے لکھنے والے نے ایسے خیالات کو جڑھ سے اُکھاڑ دیا ہے۔ جبکہ وہ لکھتا ہے۔ کہ "اس قسم کا علاج کوئی نئی بات نہیں ...... ہے بلکہ اس قسم کے معالجات زمانہ قدیم سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور ان کی صحت میں کبھی کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوا۔ ہم اِن کی کامیابی کا ذکر ایسے وقت سے پاتے ہیں جس وقت سے کہ تواریخ کے لکھنے کا شوق اول اول پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک اور تاریخدان سر کلفوڈ ائبٹ کہتا ہے۔ کہ دنیا کی تواریخ میں اس قسم کے معجزانہ معالجات کا ذکر اس کثرت سے کہیں نہیں ملتا۔ جیسا کہ قدیم روما کی طب اور شفا کے دیوتاؤں کے مندروں میں" ڈاکٹر ایڈورڈ واکر لنڈن کواٹرلی ریویو کے نامہ نگار کے خیال میں اس قسم کے معالجات سے عیسائیت کو کوئی تعلق ہے۔ بلکہ ان کی تشریح مکمل طور پر موجودہ سائنس سے ہوسکتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ "اعتقادی رنگ میں بیماروں کے علاج کرنے کی مثالیں دیکھنے کے لیئے ہمیں موجودہ قانون طب سے باہر نہیں جانا پڑتا۔ ہر ایک ڈاکٹر کو اس قسم کے بہت سے مریض ہر روز ملتے ہیں۔ اور ہر ایک عمدہ ہسپتال میں اس قسم کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۸۔ جون ۱۹۱۰ء کے برٹش میڈیکل جرنل میں پروفیسر آسلر اور مسٹر بٹلن بہت سی اس قسم کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اور اس قسم کی فہرست غیر محدود طور پر بڑھ سکتی ہے۔ بلاشبہ یہ بہت ضروری ہے۔ کہ ہر ایک ڈاکٹر میں اپنے مریض کا اعتقاد حاصل کرنے کی ایک بھاری قوت ہونی چاہیئے۔ اور یہی اس کی کامیابی کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اگر کوئی مریض اپنا اعتقاد کسی ڈاکٹر سے اُٹھالے۔ تو پھر اس ڈاکٹر کے لیئے اس کا علاج کرنا نہایت مشکل ہو جاوے گا۔ غرضکہ ایسا اثر جو کہ انسانی دل کا اس کے جسم پر ہوتا ہے کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ایسی مثالیں ہر روز ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں۔ ہر ایک آدمی اُن اثرات سے خوب واقف ہے۔ جو کہ انسان کے جسم پر کسی ڈر۔ خوف۔ غضب یا مایوسی کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خوش ہو۔ تو وہ خوشی اس کے وجود سے

ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی اس کا جسم سیدھا ہوتا ہے۔ قدم مضبوط ہوتے ہیں آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور چہرہ بشاش ہوتا ہے۔ اور اس کے تمام وجود سے ایک قسم کی ہوشیاری اور تروتازگی ٹپکتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر اس کو کوئی بُری خبر سُنادی جاوے۔ تو اس کا جسم مُرجھا جاتا ہے۔ پاؤں بوجھل ہوجاتے ہیں۔ اور چہرہ پر سُستی اور پژمردگی چھا جاتی ہے۔ غرضکہ دل کی ہر ایک حالت اس کے وجود سے ظاہر ہوتی ہے۔ غضب میں آنکھوں سے آگ برستی ہے۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑ جاتی ہیں........ اور وہ ایسی تیزی سے چلتا ہے۔ کہ دیکھنے والا ڈر جاتا ہے۔ کون ہے جو کہ پاکدامنی کی بشاشت اور بدکاری کی زردی سے خوب واقف نہیں ہے۔ ہم روزانہ گفتگو میں سنتے ہیں۔ کہ فلاں کا دل خوشی سے اُٹھ رہا ہے۔ اور فلاں کا ڈر کے مارے گرتا جاتا ہے۔ دل کے جذبات کا جو اثر اعصاب اور رگوں پر ہوتا ہے۔ اس سے جسم کے تمام اعضا مؤثر ہوجاتے ہیں۔ پھیپھڑہ۔ دل معدہ۔ انتڑیاں۔ جگر۔ گُردے اور اور اعضا کے عمل بگڑ جاتے ہیں۔ جب غم دُور ہوجاتا ہے۔ تو ہم زیادہ آرام سے سانس لیتے ہیں۔ جب طبیعت میں کوئی جوش ہوتا ہے۔ تو ہمارے دل کی رفتار زیادہ تیز ہوجاتی ہے۔ بُری خبر کے سُننے سے بھوک نہیں لگتی۔ اور ہمارا معدہ خراب ہوجاتا ہے۔ امتحان کا جوش عام طور پر ہمارے گردوں کی تیزی کو بڑھا دیتا ہے۔ یہ تغیرات تو طبعی افعال میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر بیماریوں پر بھی اس کے ویسے ہی تغیرات ہیں۔ کسی صدمہ سے انسان کو بیخودی ہوجاتی ہے۔ یا وہ دیوانہ ہوجاتا ہے۔ یا مر جاتا ہے۔ یا برخلاف اس کے کئی بیماروں کا علاج ہوجاتا ہے۔ بہت سی اس قسم کی مثالیں ہیں۔ کہ وہ مرد اور عورتیں جو کہ بستروں سے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ اور جن کے اعضا بہت بُری طرح سے جُڑ گئے تھے۔ جب اچانک "آگ" کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی۔ تو وہ بستروں سے باہر کو دپڑے۔ اور ایسے بھاگے۔ کہ گویا بیمار ہی نہ تھے۔ یہ مسلمہ بات ہے۔ کہ بہت سے غموں کیوجہ سے انسان یرقان اور ذیابیطس ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوجاتا ہے صدمے کا

غدودِ گردن پر بعض دفعہ ایسا اثر ہوتا ہے۔ کہ گلھڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اچانک ڈر سے
عام طور پر رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ غضب بہت دفعہ نقرس پیدا کر دیتا ہے۔ اور
بہت دفعہ اس کا ایک عمدہ علاج بھی ہو جاتا ہے۔ غالباً انسانی جذبات کا سب سے
بھاری اثر اس کے جسم کی غدودوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً غدود حلق و دماغ خصیۃ الرحم
اور معدہ اور انتڑیوں کے غدود۔ اور ان غدودوں کا اجزائے بدن۔ غذا اور
قویٰ سے بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا ہم نہایت آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ
سکتے ہیں۔ کہ خیالات کا اثر جسم کی بناوٹ اور اس کے اجزاء پر بہت ہی بھاری
ہوتا ہے۔ پھر دَورانِ بیماری میں بھی ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس سے
بیماری رُک سکتی ہے۔ اس کی رفتار تیز ہو سکتی ہے۔ یا اس کی ترقی میں کمی واقعہ
ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں۔ خیالات کا اثر ان بیماریوں میں بہت
ہی بیّن ہوتا ہے۔ جن میں کہ انسانی جسم کی بناوٹ میں کچھ تغیر واقعہ نہیں ہوتا۔ مگر
دوسری بیماریوں میں بھی اثر ضرور ہوتا ہے۔ ان بیماریوں میں بھی جو کہ اجرام کی وجہ
سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس اثر کو ہم معدوم نہیں سمجھ سکتے۔ غالباً یہ اثر اجرام پر تو
نہیں ہوتا۔ مگر جسم میں اور اس خوراک میں جس سے کہ یہ پرورش پاتے ہیں۔ ایک
تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس سے ان کی طاقت اور تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔
حق بات تو یہ ہے۔ کہ یہ کہنا موجودہ سائنس کے ہرگز خلاف نہ ہوگا۔ کہ انسانی اعتقادات
اور جذبات کا اثر بُرا یا اچھا انسانی بیماریوں پر ضرور ہوتا ہے۔ معمولی خیالات کا
بھی بیّن اثر ہوتا ہے۔ ان حالات کے ماتحت یہ امر روشن ہے۔ کہ جو روحانی وجد
اور جذبہ سینٹ فرنیسس اور سینٹ تھیریسا کے معبدوں میں دیکھا جاتا ہے۔
ضرور اس سے عجیب نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ لڑائی کے وقت میں سپاہیوں کو
اپنے زخموں کا پتہ تک نہیں لگتا۔ شہداء اپنی چتا پر ان تمام عذابوں اور تکلیفوں
سے بے پروا نظر آتے ہیں۔ کہ جس کا صرف بیان ہی ایک شاہ زور آدمی کا کلیجہ ہلا
دیتا ہے۔ جب کسی بچہ کی جان خطرہ میں ہو۔ تو ماں اپنی جان سے بے پروا ہو جاتی

ہے۔ ضعیف سے ضعیف وجود بھی بعض دفعہ اس قسم کا صبر اور استقامت دکھلاتے ہیں۔ جو کہ انسانی احاطہ سے باہر ہوتے ہیں۔ اور ان کو اس طرح سے برداشت کرتے ہیں کہ معمولی حالت میں ہرگز برداشت نہ کر سکتے۔ بلکہ یقیناً اس میں فیل ہو جاتے۔ اعتقاد کی مدد سے بیمار اپنی تکلیفات کو بھول جاتا ہے۔ اور دل کو اس بیماری کے نیک نتائج پر متوجہ کر لیتا ہے۔ اور اُن فوائد کو سوچتا ہے۔ جو کہ اُس کی بیماری سے مترتب ہونیوالے ہوتے ہیں۔ اعتقاد ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی مدد سے ایک عورت جو کہ اختناق الرحم جیسی بیماری میں مُبتلا ہو۔ اپنی دردوں اور تکلیفات کو بھول سکتی ہے۔ اور ان کو بہت ہی معمولی اور حقیر سمجھکر اپنے آپ کو بہت ہی خوشگوار اور فرحت آمیز نتائج کی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔ جو کہ اس سے پیدا ہونیوالے ہیں۔ اس کا . . اعتقاد اس کے ڈر کا دُور کر دیتا ہے۔ اور بیمار بستر پر زندگانی کی اُمنگیں پیدا کرنے سے علاج کرنیوالے ڈاکٹر کا بہت ہی بھارا معاون بن جاتا ہے"۔

مندرجہ بالا بیان ایسے خیال کو جڑھ سے اُکھیڑ دیتا ہے۔ کہ بغیر دوائیوں کی مدد کے بیماروں کا اچھا ہو جانا عیسائیت کی سچائی کی دلیل ہے۔

ایسی بیماریوں کا علاج اِن طریقوں سے اس وقت ہوتا تھا۔ جبکہ یسوع مسیح ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ بیماریوں کے علاج کا یہ طریقہ نہ صرف عیسائیوں تک ہی محدود رہا ہے۔ بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے بھی اس نسخہ کو نہایت کامیابی سے برتا ہے۔ لہٰذا یہ بالکل ہنسی ہوگی۔ اگر ہم یہ کہیں۔ کہ اس قسم کا علاج عیسائیت کا ایک معجزہ ہے۔ یہ کسی مذہب کا معجزہ نہیں ہے۔ بلکہ چند بیماریوں کے اچھا کرنے کا ایک قدرتی علاج ہے۔ جس کو ہر ایک شخص مرد یا عورت استعمال کر سکتا ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب یا ملک کا ہو۔ بلکہ عیسائی ممالک میں بھی جو آدمی کہ اس قسم کا علاج کرتے ہیں۔ وہ ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے۔ کہ انہیں یہ طاقت مسیح سے ملی ہے۔ بلکہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جو کہ اپنے آپ کو مسیح کا حریف ٹھہراتے ہیں۔ ایسے وجود کی مثال مسٹر اڈی آنجہانی میں پائی جاتی ہے۔ جس نے کہ ایک ایسی تحریک کی

بنیاد ڈالی ہے۔ جس کا نام کرسچن سائینس ہے۔ اس تحریک کی بابت بمبی ڈیہی صاحب یہ لکھتے ہیں۔ کہ "اس تحریک کے محرک اس کو ایک الٰہی مذہب قرار دیتے ہیں۔ جسکی غرض یہ ہے کہ موجودہ رواجی عیسائیت کو منسوخ کرکے خود اُس کی جگہ قائم ہو"۔

اس فرقہ کی ایک کتاب ہے۔ جس کا نام سائینس اینڈ فیتھ ہے۔ اور جو کہ مسز اڈی کے زعم میں اپنے پایہ میں انجیل سے کچھ کم نہیں۔ مسز اڈی کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ وہ اسی طاقت سے بیماروں کو اچھا کرتی ہے۔ جس سے یسوع مسیح اچھا کرتا تھا بلکہ اس نے اپنی کتاب میں یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ اس کی طاقت یسوع سے بڑھکر ہے۔ یسوع کو الہام کا صرف ایک حصہ دیا گیا تھا۔ اور میرے کلام میں اس کی تکمیل کی گئی ہے۔ وہ کہتی ہے۔ کہ اگر یسوع کو وہ طاقت ملتی جو کہ مجھ کو ملی ہے۔ تو وہ ہرگز صلیب کی موت سے نہ مرتا۔ اور نہ وہ اپنی موت کی پیشگوی کرکے۔ اتنی جلدی موت کے منہ میں جاتا"۔

اگرچہ لنڈن کوارٹلی ریویو کی رائے اس مذہب اور فرقہ کے بارہ میں اچھی نہیں ہے مگر وہ اس بات کے ماننے پر مجبور ہے۔ کہ اس قسم کے علاج نہ صرف مسز اڈی (بانیہ فرقہ) نے کئے ہیں۔ بلکہ اس کے مریدوں سے بھی ظہور میں آئے ہیں۔ اس کا مقولہ ہے۔ کہ "کرسچن سائینس کو ایک حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے" اور وہ دوسری جگہ کہتا ہے۔ "بعض قسم کے امراض میں اس کو بہت ہی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے" اس سے صرف یہی نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ کہ مسز ایڈی کے پیرو بعض بیماریوں کا علاج ایسے طریقوں سے کرتے ہیں۔ جو کہ عام طریقوں سے جدا ہیں۔ تو کیا اپی فنی کا ایڈیٹر ایسے معالجات کو مسیحی معجزات قرار دیتا ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کریگا۔ جبکہ اس موجودہ نئے طریقے کا مُوجد ایک ایسا وجود ہے۔ جو اپنے آپ کو یسوع کا حریف ظاہر کرتا ہے۔ اور زور سے اعلان کرتا ہے۔ کہ اس کی طاقتیں یسوع سے کہیں زیادہ ہیں۔

مَیں یہ امر بھی بیان کرنے سے رُک نہیں سکتا۔ کہ اپی فنی کا ایڈیٹر اس بات پر

زور دیتا ہے۔ کہ مقام لورڈ میں بیماروں کا اچھا ہونا عیسائیت کا ایک بڑا بھاری معجزہ ہے۔ مگر وہ یہ نہیں بتلاتا کہ یہ معجزہ بہت سی حالتوں میں فیل ہو جاتا ہے۔ اب قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیوں حضرت یسوع مسیح اپنے وعدہ کو اکثر مریضوں کی صورت میں ایفا نہیں کرتے۔ اس کا جواب صرف یہ ہے۔ کہ یہ کوئی معجزہ یا کسی وعدہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہنر ہے۔ اور جتنا ایک ہنرور زیادہ مشّاق ہوگا۔ اتنا ہی وہ زیادہ کامیاب اور لائق ہوگا۔ یہ ایک بے ہودگی ہے کہ ہم ایسی باتوں کو معجزے جیسے متبرک ناموں سے یاد کریں۔ بلکہ ایسی باتوں سے صرف یہ پایا جاتا ہے۔ کہ مسیحیوں کے پاس کوئی ایسے سچّے معجزے نہیں ہیں جن کو وہ پیش کر سکیں اور جب ان کو لوگ مجبور کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مذہب کی سچائی حقیقی معجزات سے ثابت کریں۔ تو وہ ایسے نام کے معجزات پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایسے معجزات سے عیسائیت کا سچّا ثابت ہونا تو درکنار بلکہ ان سے یہ شبہ پڑ جاتا ہے۔ کہ کہیں وہ معجزات جو کہ انجیل میں حضرت یسوع مسیح کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ہنروں کے کارنامے نہ ہوں انجیل کے معجزات اول تو غیر مستند ہیں۔ مگر ان کو اگر بفرض محال سچّا بھی مان لیا جاوے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ بھی ایسی ہی طاقتوں کا اظہار ہیں۔ جیسی کہ موجودہ زمانے میں بعض مشّاق لوگوں سے ظاہر ہو رہی ہیں۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ سچّے عیسائیوں کا جو نشان حضرت مسیح علیہ السلام نے بتلایا ہے۔ وہ ایسے واقعات سے بالکل علیحدہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی سچّا مسیحی کسی بیمار کو چھو جاوے گا۔ تو وہ فی الفور تندرست ہو جاویگا۔ مسیح کے الفاظ یہ ہیں۔ "وے جو ایمان لائیں گے اُن کے ساتھ یے علامتیں ہونگی کہ وے میرے نام سے دیوؤں کو نکالیں گے۔ اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اُٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پیئیں گے انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے"

اگر مذکورہ مقامات میں بیماروں کا تندرست ہوجانا اُس وعدے کے ماتحت ہے جو کہ حضرت یسوع مسیح نے مندرجہ بالا ورسوں میں کیا ہے۔ تو بیماروں کو فی الفور اچھا ہوجانا چاہیئے۔ اور اس کے لیئے صرف ہاتھ سے چھُونا ہی کافی ہونا چاہیئے۔ مگر اس طرح پر بیماروں کا تندرست ہوجانا کسی جگہ پر وقوع میں نہیں آیا۔ اور تو اور لورڈ میں بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ دوسرے ایڈیٹر صاحب یہ بتلانے سے بھی قاصر ہیں۔ کہ ایسے واقعات کیوں کسی خاص جگہ پر مخصوص ہیں۔ اور اگر یسوع مسیحؑ کے وعدے سچّے ہیں۔ اور ایڈیٹر صاحب کو ایمان ہے۔ تو اُس کو بھی چاہیئے۔ کہ وہ بھی اس قسم کے معجزات اپنے ہاتھوں سے عمل میں لاوے۔ بلکہ یسوع کے الفاظ کے مطابق ایسے معجزات ہر ایک مشنری کا دستورالعمل ہونے چاہیئے۔ لامحالہ ہم اس نتیجہ پر پہُنچتے ہیں۔ کہ یا تو حضرت یسوع مسیح کا قول درست نہیں۔ اور یا تمام دنیا میں کوئی سچا عیسائی نہیں ہے۔

علاوہ بریں حضرت یسوع مسیحؑ صرف اس ایک نشان کا ہی ذکر نہیں فرماتے۔ وہ اُن لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں۔ چار اور نشان بھی بتلاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں (۱) وہ دیووں کو نکالیں گے۔ (۲) نئی زبانیں بولیں گے۔ (۳) وہ سانپوں کو پکڑ سکیں گے۔ (۴) اگر وہ کسی مہلک چیز کو پی جاویں گے۔ تو وہ ان کو ضرر نہیں پہُنچائے گی۔ اب ایڈیٹر صاحب اس بات پر تو روشنی نہیں ڈالتے۔ کہ کیوں پہلے چار نشانات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور صرف پانچواں ہی ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ اور وہ بھی نہ اُس طور پر جس طور پر کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان فرمایا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی قابل افسوس ہے۔ کہ پانچواں نشان جو کہ ایپی فنی کے ایڈیٹر کے زعم میں پورا ہو رہا ہے۔ وہ بھی صرف مسیحی صاحبان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ بدقسمتی سے مسیح کے ایسے وعدوں کا حصہ مسز ایڈی جیسے اشخاص کو مل چکا ہے جو کہ اپنے آپ کو مسیح کا حریف ظاہر کرنے سے نہیں ٹلتے۔ جبکہ مسیح کے نہایت ہی مخلص مرید ایسے عطیہ سے محروم ہو رہے ہیں۔ یہ ایک معمہ ہے۔ جس کو کہ کوئی مسیحی حل نہیں کرسکتا۔

یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یسوع کے پہلے وعدے حواریوں کے وقت میں پورے ہو چکے ہیں۔ مگر یہ دلیل ہرگز تسلی بخش نہیں ہے۔ اوّل تو حضرت مسیح کے قول میں کوئی ذکر اس بات کا نہیں ہے۔ کہ ایسے وعدوں کا تعلق حواریوں سے تھا*۔ بلکہ وہ صاف طور پر ان تمام سے متعلق ہیں جو کہ مسیح پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسرے جبکہ پانچویں وعدہ کے متعلق مسیحی صاحبان دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ وہ اس زمانہ میں پورا ہوتا ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پہلے چار وعدے بھی تمام مسیحی صاحبان کے لئے تھے۔ اور کسی خاص زمانے سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ علاوہ ازیں ہمارا حق ہے۔ کہ ہم حواریوں کے معجزات کو بھی بناوٹی قصّے اور کہانیاں ہی سمجھیں جبکہ موجودہ زمانہ میں سچے سے سچے مسیحی بھی ایسے تمام معجزات سے عاجز اور عاری ہیں

پھر حضرت مسیحؑ نے ایمانداروں کے لئے صرف یہی نشان مقرر نہیں کئے کہ وے دیووں کو نکالیں گے۔ نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو پکڑیں گے اور سانپ اُن کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اگر کوئی مہلک زہر پی جائیں گے تو وہ اُنکو کوئی ضرر نہیں پہنچائیگی اور یہ کہ اگر وہ بیماروں اور کوڑھیوں پہ ہاتھ دھرینگے تو وہ فی الفور چنگے ہو جائیں گے بلکہ آپنے ایمان کی بعض اور علامتیں بھی بیان فرمائی ہیں مگر افسوس ہے کہ جیسے یہ پانچ علامتیں مسیحی صاحبان میں نہیں پائی جاتیں۔ ایسا ہی دوسری بیان کردہ علامات بھی اُن میں بالکل مفقود ہیں۔ متی کی کتاب میں لکھا ہے۔ "جب وے جماعت کے پاس پہنچے ایک شخص اُس (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام) کے پاس آیا اور اُس کے آگے گھٹنے ٹیک کے کہا۔ ای خداوند میرے بیٹے پر رحم کر کیونکہ وہ سڑی ہے اور بہت دُکھ اُٹھاتا ہے کہ اکثر آگ میں گرتا اور اکثر پانی میں۔ اور میں اسکو تیرے شاگردوں کے پاس لایا تھا پر وے اُسے چنگا نہ کر سکے۔ یسوع نے جواب میں کہا اے بے اعتقاد اور ٹیڑھی قوم میں کب تک تمھارے ساتھ رہونگا کبتک تمھاری برداشت کروں گا۔ اُسے یہاں میرے پاس لا۔ تب یسوع نے دیو کو دھمکایا وہ اُس سے نکل گیا۔ اور وہ چھوکرا اُسی گھڑی چنگا ہو گیا۔ تب شاگردوں نے الگ یسوع پاس آکے کہا ہم

* زہر پینے کا معجزہ جہاں تک ہمیں علم ہے کسی حواری کی طرف بھی منسوب نہیں

کیوں اسکو نکال نہ سکے۔ یسوع نے اُنہیں کہا اپنی بے ایمانی کے سبب۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ سے کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا اور کوئی بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی" (باب ۱۷ ورس ۱۴-۲۰) حضرت مسیحؑ کے اس قول سے جو متی نے نقل کیا ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ایک مسیحی کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہو تو وہ اگر ایک پہاڑ کو بھی حکم کرے کہ اپنی جگہ سے ہٹ جا تو وہ پہاڑ سچ مچ اپنی جگہ سے ہٹ جاوے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کسی مسیحی میں ایسی کرامت دکھانے کی طاقت ہے؟ اگر نہیں تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول کی تصدیق اناجیل مروّجہ کے دیگر مقامات سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت مسیحؑ ایک اور موقعہ فرماتے ہیں " یسوع نے جواب میں اُنہیں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم یقین کرو اور شک نہ لاؤ تو نہ صرف یہی کر سکو گے جو انجیر کے درخت پر ہوا بلکہ اگر اس پہاڑ سے کہو گے تو اُٹھ کر دریا میں جا گر تو ویسا ہی ہوگا" (متی ۲۱ باب۔ ورس ۲۱) لوقا لکھتا ہے کہ "اگر تم میں خردل کے دانہ کے برابر ایمان ہو تو جب تم اس توت کے درخت کو کہو کہ جڑھ سے اُکھڑ کے دریا میں لگ جا تو تمہاری مانیگا" (باب ۱۷ ورس ۶) مرقس باب ۱۱ ورس ۲۳ میں لکھا ہے " میں تم سے سچ کہتا ہوں جو کوئی اس پہاڑ کو کہے اُٹھ اور دریا میں گر پڑ اور اپنے دل میں شک نہ لاوے بلکہ یقین کرے کہ یہ باتیں جو وہ کہتا ہے ہو جائینگی تو جو کچھ وہ کہیگا سو ہوگا" ان تمثیلوں سے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر ان چیزوں کا اپنی جگہ سے ٹل جانا حضرت مسیحؑ ایمان کی علامت قرار دیتے ہیں اور خود مسیح کے پیرو بھی اس امر کو ایمان کی علامت قرار دیتے تھے چنانچہ پولوس قرنتیوں کیطرف اپنے پہلے خط میں لکھتا ہے " اگر میں نبوت کروں اور اگر میں غیب کی سب باتیں اور سارے علم جانوں اور میرا ایمان کامل ہو یہانتک کہ میں پہاڑوں کو چلاؤں" (۱- قرنتیوں۔ باب ۱۳- ورس ۲) - مگر باوجودیکہ مسیحؑ حقیقی طور ان عجوبوں کو ایمان کی علامتیں قرار دیتا ہے مگر کوئی مسیحی ان علامتوں اور کرامتوں کو دکھا نہیں سکتا جس سے صاف ثابت ہوتا کہ مسیحؑ کے مقرر کردہ نشان کے مطابق کوئی مسیحی ایمان نہیں رکھتا۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ انہیں مسیحؑ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ایمان نہیں یہانتک کہ خردل کے برابر ایمان نہیں تو اُنکا یسوع کے کفارہ پر بھروسہ کرنا بے سود ہے کیونکہ اس کے لئے ایمان کی ضرورت ہے اور انہیں ایمان موجود نہیں۔ پس مسیحؑ کے

مگر وہ ایماندار ہیں

معیار کے رُو سے کسی مسیحیؑ کو نجات حاصل کرنیکی اُمید نہیں کرنی چاہیئے ؂

سچ بات تو یہ ہے۔ کہ عیسائیت ایک مردہ مذہب ہے۔ اور یہی اسلام کے ماسوا ہر ایک مذہب کا حال ہے۔ اسلام میں ہر ایک زمانے میں ایسے اشخاص پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن پر وہ تمام برکات نازل ہوتے رہے ہیں۔ جو کہ پہلے نبیوں پر ہوئے تھے۔ ایسے اشخاص حقیقت میں اسلام کے زندہ گواہ ہیں۔ اور ان کا وجود یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ اسلام ہی فی الحقیقت ایک زندہ مذہب ہے۔ ہمیں اس وقت گذشتہ زمانے کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں میں سے خدا نے ایک آدمی کو چن لیا۔ وہ اس سے بولا۔ جیسا کہ وہ پہلے نبیوں سے بولتا تھا۔ یہ شخص حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی ہیں۔ آپ نے ہزارہا نشانات دکھلائے۔ اور تمام مذاہب و اقوام کو چیلنج دیا۔ کہ وہ اپنے اپنے مذہب کی سچائی میں آسمانی نشان دکھلائیں جو نشانات حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود سے ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ ایسے نہیں ہیں۔ کہ جن میں مسز ایڈی جیسے اشخاص کا کوئی حصہ ہو۔ جو معجزات آپ نے دکھلائے۔ وہ زیادہ تر عظیم الشان پیشین گوئیوں پر مشتمل تھے۔ جن کے پورا ہونے نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ وہ اُس خدائے علیم کے الفاظ تھے۔ جو کہ آسمان اور زمین کے بھیدوں سے واقف ہے۔ ان پیشین گوئیوں میں سے جو آپ نے کیں۔ بہت سی ایسی ہیں جو ابھی پوری ہونے والی ہیں۔ ان کا تعلق صرف ایک ملک یا برّاعظم سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام ملکوں اور برّاعظموں پر مشتمل ہیں۔ تا کہ ان کے پورا ہونے کو تمام دنیا دیکھ سکے۔ اور اس بات کی گواہی دے سکے کہ موجودہ زمانے کا نبی برحق نبی تھا۔ وہ مسیح موعودؑ تھا۔ ہزارہا انسانوں نے اس کی زندگی میں اس کو پہچان لیا۔ اور بہت سے اس کو اب پہچان رہے ہیں۔ اور وہ دن دُور نہیں ہیں جبکہ دنیا کے مختلف اطراف کے لوگ آپ کی صداقت پر ایمان لائیں گے اور انہیں سے ہر ایک رو رو کر یہ کہے گا۔ یا ولی اللہ کنت لا اعرفك ؂

ریویو

بدر کامل۔ یہ ایک مذہبی ناول ہے جو حال میں بابو محمد حسین صاحب احمدی کلرک لاہور چھاؤنی نے تصنیف کیا ہے اور مسلم ٹریکٹ سوسائٹی لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس میں ایک آریہ کے بیس سوالات کا نہایت متانت اور معقولیت کے ساتھ جواب دیا گیا ہے۔ اور مندرجہ ذیل مضامین پر خصوصیت سے بحث کی گئی ہے۔ کُن سے فیکون ہونے کی بحث۔ عبادت کی فلاسفی۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کی ضرورت اور غرض۔ یوم جمعہ کے مقاصد۔ دوزخ و بہشت۔ استغفار۔ شیطان کا وجود۔ اسلام کی صداقت۔ معجزات و کرامات۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت۔

مسلم ٹریکٹ سوسائٹی کی غرض جس کی طرف سے یہ رسالہ شائع کیا گیا ہے یہ ہے کہ مختصر ٹریکٹوں اور رسالوں کے ذریعہ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور توسیع کیجاوے اور نوجوانان اسلام کو احکام دین پر کاربند ہونے اور اسلام کی اشاعت کے کام میں مدد دینے پر ابھارا جائے۔ کتاب زیر ریویو ۱۰۸ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت ۸/ ملنے کا پتہ منشی دوست محمد صاحب مینجر مسلم ٹریکٹ سوسائٹی معرفت میاں ہدایت اللہ صاحب۔ کوچہ چابکسواراں۔ لاہور۔

مباحثہ مونگیر۔ اس رسالہ میں وہ عربی پرچہ بمعہ ترجمہ و تشریح شائع کیا گیا ہے جو مونگیر کے مباحثہ کے موقعہ پر ہماری جماعت کی طرف سے پڑھا گیا تھا۔ اس میں حضرت عیسیٰ بن مریم کی وفات اور مسیح موعودؑ کی صداقت کو مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ دیباچہ میں مباحثہ مذکور کی مفصل کیفیت بیان کی گئی ہے۔ قیمت ۸/ ملنے کا پتہ میر قاسم علی صاحب۔

تصدیق کلام ربانی:۔ مصنفہ مولوی سید صادق حسین صاحب مختار عدالت۔ اٹاوہ۔ اس میں ایک آریہ کے ان اعتراضات کا تحقیقی اور الزامی جوابات کے ذریعہ خوب قلع قمع کیا گیا ہے جو اس نے ایک ٹریکٹ (مسلمانی کے بانی کی کہانی) کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

ایک ضروری اعلان

میرے دوستو! مَیں دردِ دل سے یہ اعلان شائع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تمہاری بھلائی کے لیئے کرتا ہوں میرے دل کو بہت دُکھ پہنچتا ہے جب مَیں دیکھتا ہوں کہ تم میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنے اصل فرض سے غافل ہوکر کمی بحثوں اور لغو جھگڑوں میں اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں۔ کیا تم اس بات سے واقف نہیں ہو کہ کس غرض کے لیئے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو دنیا میں قائم کیا ہے۔ یاد رکھو کہ جن بحثوں اور جھگڑوں کو تم تازہ کرنا چاہتے ہو انہی کے لیئے یہ سلسلہ قائم ہوا ہے پس اگر تم اس سچی راہ پر قدم نہ مارو گے جو تمھیں دکھائی گئی ہے اور جس کی حجت بھی تم پر پوری ہو چکی ہے تو خدا کو بھی تمھاری کوئی پروا نہیں ما یعبؤ بکم ربی لولا دعاؤکم۔ تم وہ لوگ ہو جو ایک دفعہ نہیں دو دفعہ یہ معاہدہ اللہ تعالےٰ کے حضور کر چکے ہو کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ اور خوب سمجھ لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے عہد کرکے توڑتا ہے وہ سخت قابل مواخذہ ہے ؎

یہ بھی یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمال صالحہ کے کچھ چیز نہیں۔ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو دعویٰ کرنے میں تو سب سے آگے قدم رکھتے ہیں مگر عمل کے وقت کچھ بھی نہیں۔ اگر تم کو یہ دعویٰ ہے کہ تم مرزا صاحب پر ایمان لائے ہو تو یہ دعویٰ کسی وقعت کے قابل نہیں جبتک تم اپنے عمل سے اس دعویٰ کی سچائی کو ثابت کرکے نہ دکھاؤ۔ جبتک ان کاموں میں دلی جوش اور سچی ہمدردی سے حصہ نہ لو جو تمھیں کرنے کے لیئے کہا گیا ہے۔ اور صدق دل سے ان احکام کے بجا لانے میں ساعی نہ رہو جو تم کو دیئے گئے ہیں مَیں اپنے

نفس کے لیے تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ ان اجری الا علی اللہ۔ بلکہ تمہاری بھلائی کے لیے تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم چندوں میں سستی کو چھوڑ دو۔ میں تمہیں اس اشتہار کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان لوگوں کے ساتھ جو مرید کہلاتے ہیں آخری فیصلہ قرار دیا ہے جس میں آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے:-

"یہ اشتہار کوئی معمولی تحریر نہیں بلکہ ان لوگوں کے ساتھ جو مرید کہلاتے ہیں یہ آخری فیصلہ کرتا ہوں۔ مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میرا انہیں سے پیوند ہے یعنی وہی خدا کے دفتر میں مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مشغول ہیں۔ مگر بہتیرے ایسے ہیں کہ گویا خدائے تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں سو ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اس نئے انتظام کے بعد نئے سرے عہد کر کے اپنی خاص تحریر سے اطلاع دیں کہ وہ ایک فرض حتمی کے طور پر اس قدر چندہ ماہواری بھیج سکتا ہے۔ مگر چاہیے کہ اس میں لاف گزاف نہ ہو جیسا کہ پہلے بعض سے ظہور میں آیا کہ اپنی زبان پر وہ قائم نہ رہ سکے سو انہوں نے خدا کا گناہ کیا جو عہد کو توڑا .... اس اشتہار کے شائع ہونے سے تین ماہ تک ہر ایک بیعت کرنے والے کے جواب کا انتظار کیا جائے گا۔ کہ وہ کیا کچھ ماہواری چندہ اس سلسلہ کی مدد کے لیے قبول کرتا ہے۔ اور اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جاویگا اور مشتہر کر دیا جائے گا۔ اور اگر کسی نے ماہواری چندہ کا عہد کر کے تین ماہ تک چندہ کے بھیجنے سے لاپرواہی کی اس کا نام بھی کاٹ دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد کوئی مغرور اور لاپروا جو انصار میں داخل نہیں۔ اس سلسلہ میں ہرگز نہیں رہیگا۔"

اب اس سے بڑھکر میں تمہیں کیا کہہ سکتا ہوں جو لوگ چندہ نہیں دیتے یا چندہ دینے میں سستی اور کاہلی سے کام لیتے ہیں وہ خود ہی سوچ لیں کہ کہاں تک وہ احمدی ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ دوسروں کا فتویٰ پوچھتے ہیں اور اپنی حالتوں پر کچھ غور نہیں کرتے۔ بہت سے آدمی ہماری نگاہ میں ہیں جنہیں بہت کچھ دعویٰ ہے کہ ہم یہ ہیں اور یہ ہیں مگر وہ دیتے کچھ نہیں۔ وہ خدا کے لیے سوچیں

کہ آیا وہ حقیقی طور پر اس سلسلہ میں شامل بھی ہیں؟ خدا کو وہی لوگ پیارے ہیں جو اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے پختہ کرتے ہیں۔ بعض ایسے مخلص بھی ہیں جو بہت غریب ہیں اور اپنے لیئے کوئی سبیل معاش بھی نہیں رکھتے مگر باایں جب ان کو کچھ مل جاتا ہے تو وہ چندہ میں دیتے ہیں۔ جیسے یہاں حافظ معین الدین حضرت صاحب کے پرانے خادم ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ خیال کرے کہ میں بہت نہیں دے سکتا۔ جس حد تک کوئی شخص استطاعت رکھتا ہے اسی حد تک ادا کرے مگر یہ ضروری ہے کہ مقررہ چندہ کی ادائگی کو اپنے اوپر فرض کرلے اور وقت مقرر پر اس کی ادائگی میں غفلت نہ کرے۔ تمھارے مالوں کے اللہ کی راہ میں خرچ ہونے سے تم ہی کو فائدہ ہوگا۔ بہت سے ہیں جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے۔ مگر دین کے لیئے کچھ مانگا جائے تو یہ کہدیتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ دنیا کے لیئے اگر خرچ کرنیکی ضرورت ہو۔ یا محض نمود کے لیئے بھی۔ تو اس بات سے بھی پرہیز نہیں کرتے کہ قرض لے کر خرچ کردیں۔ بلکہ سود پر قرض لے کر بھی خرچ کرلیتے ہیں۔ وہ غور کریں کہ خدا کی راہ میں دینے کے لیئے کیوں وہ ویسا جوش نہیں دکھا سکتے جو دنیا کے لیئے خرچ کرنے میں دکھاتے ہیں۔ کیا اس سے ان کا دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے یا جھوٹا؟

دیکھو میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم روپے کو اپنا معبود مت بناؤ۔ یہ تمھارے کسی کام نہیں آئے گا۔ جس نفس کی حظ کے لیئے۔ جس اہل وعیال کے لیئے۔ جن دوستوں کے لیئے۔ تم ناجائز کماؤ گے یا خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے رکو گے وہ تمھیں کبھی کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ اور اس طرح سے تمھارے دل کو کبھی اطمینان اور خوشی نصیب نہیں ہوسکتی۔ بلکہ حرص کی جلن دن بدن ترقی کرتی چلی جاوے گی اور تمھارے ایمان کو بھی برباد کرکے چھوڑے گی۔

یہاں ایک لنگرخانہ ہے۔ جو ان لوگوں کے لیئے ہے جو اپنے دنیوی کاروبار سے فراغت کا وقت نکال کر یہاں علم دین سیکھنے کے لیئے آتے ہیں۔ یہ اس سلسلہ کی سب سے پہلی شاخ ہے۔ وہ بھی اس وقت قریباً دو ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اگر سب احمدی اپنے اوپر حسب استطاعت ایک رقم مقرر کرکے ساتھ باقاعدہ ادا کریں تو اس کے اخراجات بآسانی چل سکتے ہیں۔ مگر بہت ہیں جن کو باوجود بار بار کی تاکید کے اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔ یا کوئی رقم مقرر کرکے وعدہ کر لیتے ہیں تو پھر ادا نہیں کرتے۔ پھر ایک مدرسہ ہے جس میں تمھارے بچّوں کی دنیوی و دینی تعلیم کا سامان کیا گیا ہے۔ اور اس زہریلی ہوا سے بچانے کی فکر اس میں کی جاتی ہے۔ جس نے بہت سی روحوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ایک دوسرا مدرسہ ہے جس میں صرف دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے استحکام کے لیئے ابھی بہت سے روپے کی ضرورت ہے۔ اشاعت اسلام کا سلسلہ ہے۔ یتامیٰ اور مساکین کیلئے علیحدہ ضرورت ہے۔ ایسے ہی اور کئی قسم کے ضروری کاروبار ہیں جن میں تم سب کو حصّہ لینا ضروری ہے۔ پھر ان کے ساتھ ہر ایک کام کے لیئے عمارت کی ضرورت ہے۔ تمھیں ان اخراجات کا فکر کم از کم اتنا تو ہونا چاہیئے جتنا اپنی ضروریات کا فکر رکھتے ہو۔

میں آخر میں تمھیں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ ہر قسم کی لغو بحثوں کو چھوڑ دو ان سے نہ تمھارے دین کو فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ دنیا کو۔ آپس میں تنازعات اور جھگڑوں کو چھوڑ دو اور محبت اور رحم کا برتاؤ کرو بڑے چھوٹوں کو اپنا بھائی سمجھیں اور انکی تحقیر نہ کریں چھوٹے بڑوں کا ادب کریں۔ چاہیئے کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور اگر ایک شخص زیادتی کرتا ہے تو دوسرا بجائے بالمقابل جواب دینے کے صبر سے کام لے۔ ان اغراض کے لیئے جو اس سلسلہ کے اہم اغراض ہیں۔ چندہ دینے کو اپنے اوپر فرض کر لو۔ دنیا کی حرص کو کم کرو۔ اور ہر ایک قسم کے ناجائز طریق حصول روپیہ کو سخت آگ سمجھو۔ میں محض تمھاری خیرخواہی کے لیئے اور تمھارے ساتھ

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

قادیان

اس ماہ کی رپورٹ میں۔ میں احباب کو صرف لنگرخانہ و مہمانخانہ کی ضروریات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ باوجود بارہا اپیلوں کے لنگرخانہ کا فنڈ ابتک قریب دو ہزار روپے کا مقروض چلا آتا ہے۔ اور اب جلسہ سالانہ جس کی وجہ سے لنگرخانہ کا فنڈ قرض کے بوجھ کے نیچے دب جایا کرتا ہے۔ پھر قریب چلا آتا ہے گو لنگرخانہ کی مستقل آمد اس کے ضروری اخراجات کے لئے مکتفی نہیں۔ مگر کسی قدر تنگی کے ساتھ یہ گذارہ ہوتا چلا جاتا ہے بشرطیکہ کسی غیر معمولی خرچ کا بوجھ اس فنڈ پر نہ پڑے۔ ان غیر معمولی اخراجات میں سے جلسہ سالانہ کا خرچ بھی ایک ہے۔ تین سال سے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ جلسہ سالانہ کے خرچ کے لیئے علیحدہ چندہ اس قدر ہو جایا کرے جس سے لنگرخانہ پر کوئی بوجھ نہ پڑے مگر سوائے پہلے سال کے یہ خاص چندہ اخراجات کے نصف تک بمشکل پہنچتا رہا ہے۔ اس لیئے اس دفعہ اس انتظام کے لیئے ہمارے مخلص احباب کی خاص توجہ بکار ہوگی۔ مگر قبل اس کے کہ اس مشکل کا علاج کیا جاوے دو باتیں نہایت ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ اس وقت جو قریباً دو ہزار روپے کا بوجھ لنگرخانہ پر ہے اس کو فی الفور دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ

اس وقت موسم سرما کی وجہ سے بہت سے مزید اخراجات بھی کرنے
پڑیں گے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی لنگرخانہ کے اخراجات
کے چلانے کے لیئے ایسی مشکلات پیش آجایا کرتی تھیں اور
ایسے موقعہ پر جماعت کو خاص چندے کے لیئے آپ تحریک فرمایا
کرتے تھے ۔ اسی کی تتبع میں مَیں مخلص احباب کی خدمت
میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ بہت جلد اس رقم کو پورا کرنے
کی کوشش فرماویں ۔ مَیں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت بظاہر ایک
قسم کے قحط کے آثار ہیں ۔ مگر ایسے ہی تنگی کے اوقات میں خدا
کی راہ میں دینا بھی ہمت کا کام ہے ۔ میری یہ اپیل ان لوگوں سے
نہیں جو خدا کی راہ میں دیکر جلد تھک جاتے ہوں بلکہ میرا روئے سخن ایک
ایسی قوم کی طرف ہے جس نے دین کے لیئے اس زمانہ میں اپنے مالوں
کی قربانی میں بہت حد تک اس پاک جماعت کے قدم پر قدم مارنے
کی کوشش کی ہے جنہوں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیا تھا ۔
گو یہ افسوس کی بات ہے کہ اس جماعت کے بہت سے افراد ابھی باقاعدہ
تھوڑا چندہ دینے میں بھی کوتاہی کرتے ہیں ۔ تاہم جہاں اس وقت دنیا کے
اکثر لوگوں نے روپے پیسے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ۔ خدا کے مسیح کی قائم کردہ
جماعت نے اپنے امتیازی نشان "دین کو دنیا پر مقدم کرونگا" کو قائم رکھنے
کی کوشش کی ہے ۔ میرے دوستو! درحقیقت یہی وہ جھنڈا ہے جس کو ہاتھ میں
لیکر تم لیظھرہ علی الدین کلہ کی پاک پیشگوئی کے پورا کرنے میں معاون
ٹھہر سکتے ہو ۔ اگر کوشش کی جاوے تو اس رقم کا پورا ہونا ایک جماعت کی ہمت کے
سامنے کچھ بھی بات نہیں ۔ بہت سے ایسے ہمارے احباب ہونگے جن سے
باقاعدہ چندوں کی ادائگی میں اکثر مرتبہ کوتاہی ہوئی ہوگی کیا وہ کچھ تھوڑا سا
یکمشت چندہ اس قرض کو دور کرنیکے لیئے دینا مشکل سمجھیں گے ؟ ایسے

احباب کی خدمت میں میری یہ التماس ہے کہ وہ اس گناہ کے کفارہ کے طور پر
کہ انہوں نے حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق باقاعدہ چندہ ادا کرنے
میں کبھی کبھی کوتاہی کی ہے اس موقعہ پر حسب استطاعت یکمشت چندوں
سے مدد فرماویں۔ اور جو احباب باقاعدہ ادا کرتے رہے ہیں۔ ان کی خدمت
میں میری یہ التماس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ توفیق انکو دی کہ اس کار خیر
میں ان سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی وہ اس کے شکریہ میں کچھ مدد فرماویں اللہ
تعالیٰ ان کے اجروں کو ضائع نہیں کریگا۔

دوسری ضرورت جو میں اس موقعہ پر پیش کرنی چاہتا ہوں یہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ کے فضل سے مہمانوں کی تعداد میں روز بروز ترقی ہے۔ اکثر احباب نے
جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں نہیں آئے تھے یا کم آتے تھے
اس غلطی کو محسوس کیا ہے۔ اور اب وہ اس برگزیدہ کے خلیفہ کے انفاس طیبہ
اور پاک کلمات اور نیک صحبت سے مستفیض ہونے کے لیئے تشریف لاتے
ہیں۔ اور خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیح کے درس قرآن کریم سے جو اس زمانہ
میں ایک ایسی برکت ہے جس کا دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ فائدہ اٹھاتے
ہیں۔ غرضکہ مہمانوں کی آمدورفت میں بہ نسبت سابق بہت ترقی ہے۔ مگر
یہاں مہمانخانہ میں ان سب احباب کے لیئے گنجائش نہیں ہوتی۔ اس بات کو
چھوڑ کر بھی کہ بعض معزز مہمانوں کے لیئے کسی قدر آسائش کی جگہ مل سکے
عام طور پر جو مہمان مہمانخانہ میں رہتے ہیں ان کے لیئے بھی کافی جگہ نہیں۔
ابھی اسی سال لنگرخانہ کی بھی نئی عمارت بنائی گئی ہے جس پر قریب ایک
ہزار روپے کے خرچ ہوا ہے۔ ادھر صیغہ جائداد دس ہزار روپے کی
ایڈ گورنمنٹ سے وصول کرنے کے بعد بھی قریب ایک ہزار روپے
کا مقروض رہے گا۔ اس لیئے میری یہ درخواست ہے کہ مہمانخانہ
کی عمارت کے لیئے کم از کم دو ہزار روپیہ فراہم کرنے کی کوشش کیجاوے

اس وقت زمین سابقہ مہمانخانہ کے ساتھ تین سو روپے کی خریدی جاچکی ہے جو منشی عبدالمجید خاں صاحب کپور تھلوی سے لی گئی ہے۔ اب اس پر عمارت کیلئے اگر دو ہزار روپیہ جلد فراہم ہو جاوے تو جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے ایک مختصر سا مہمانخانہ اور بن سکتا ہے جس سے مہمانوں کی تکالیف رفع ہو جاویں۔ ہائی سکول کا بورڈنگ ہوس باہر جانے سے جس قدر جگہ خالی ہوئی تھی وہ سکول کی اپنی ضروریات اور مدرسہ احمدیہ کی جماعتوں اور بورڈران کی ضروریات کو بھی مکتفی نہیں ہو سکی بلکہ اس وقت بھی ایک جماعت ہائی سکول کی جامع مسجد میں بٹھائی جاتی ہے۔

پس یہ دو ضرورتیں ہیں جو میں اس وقت احباب کی خدمت میں پیش کر کے ملتجی ہوں کہ ان کی طرف بہت جلد توجہ فرما کر ممنون فرماویں۔ انجمنوں کے سکرٹری ہر جگہ ان دونوں تجاویز کو اپنی انجمنوں میں پیش کر کے ہر دو ضروریات کے لیئے علیحدہ علیحدہ چندہ کریں اور جو روپیہ اس طرح پر ان دونوں ضرورتوں کے لیئے خاص چندوں سے وصول ہو وہ محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام اسی تفصیل کے ساتھ ارسال فرماویں یعنی قرضہ لنگرخانہ کا روپیہ علیحدہ اور چندہ تعمیر مہمانخانہ کا روپیہ علیحدہ۔ یا اگر اکٹھا چندہ کریں تو صرف اس تحریک کا حوالہ دیکر چندہ ارسال فرماویں یہاں ہر دو ضروریات کے لیئے نصف نصف کر لیا جاوے گا۔

والسّلام

محمدؐ علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

ریویو

عبرت :- یہ ایک ناول ہے جو ایک مکرّمہ خاتون (اہلیہ ملک کرم الٰہی صاحب) کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ قصہ کے اثنا میں بعض ایسے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو غیر مذاہب کے لوگ خصوصاً مسیحی صاحبان اسلام پر کرتے ہیں اور جن سے ناواقف لوگوں کو دھوکہ لگ سکتا ہے۔ نیز جا بجا نصائح اور وعظ سے کام لیا گیا ہے۔ اگرچہ ناول نویسی اور ناول خوانی بعض ضرر بھی اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ مگر ہم اس بات کے اظہار سے نہیں رُک سکتے کہ لائق مصنفہ نے اس ناول کو محض نیک نیتی سے لکھا ہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے اور اس سے بہتر دینی کاموں کے سرانجام کرنے کی اُن کو توفیق عطا فرماوے۔ قیمت ۸ر ملنے کا پتہ مولوی میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق واحمدی۔ تراہا بیرام خان۔ دہلی ؛

نبی اللہ کا ظہور حصہ اول :- یہ ۱۲۶ صفحہ کی چھوٹی تختی کی ایک کتاب ہے جو ہمارے دوست منشی محمد ظہیر الدین صاحب نے حال میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق میں تصنیف کی ہے۔ اس میں لفظ خاتم النبیین پر بڑی بسط اور تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سے مفید اور قیمتی مضمون اس میں شامل ہیں اور بہت سے شبہات اور اعتراضات کو نہایت مدلل طور سے دُور کیا گیا ہے۔ بہت سی قرآنی آیات پر لطیف پیرایہ میں بحث کی گئی ہے۔ قرآن شریف نے جو نشانات ایک سچے مرسل کے لیئے مقرر فرمائے ہیں اُن کو آیات کے حوالہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام پر اُن کو چسپان کرکے دکھا دیا ہے۔ بعض نئے رقسم کے چکڑالوی وساوس کا بھی خوبی سے ازالہ کیا گیا ہے کتاب واقعی قابل دید ہے۔ کاغذ اور چھپائی بھی اچھی ہے قیمت ۵ر ملنے کا پتہ۔ شیخ الٰہی بخش و رحیم بخش احمدی تاجران کتب گجرات۔ پنجاب ؛

مطبع میگزین قادیان مین منیجر میگزین کے اہتمام سی طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱ ۔ بابت ماہ نومبر ۱۹۱۱ء ۔ نمبر ۱۱

چندہ سالانہ عوام سے عا طلبا سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ نومبر ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

رسالہ

اصُول اسلام

یعنی وہ لیکچر جو جلسہ مذاہب الہ آباد میں بڑی شان و شوکت سے پڑھا گیا۔ شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی تاجر کتب قادیان سے محصولڈاک بھیجنے سے مفت مل سکتا ہے۔

(مینجر)

ضروری اطلاع

بعض احباب کارڈ کے پتہ والی طرف لفظ "Stamped" "ٹکٹ لگایا گیا" "بعونہ تعالیٰ" وغیرہ الفاظ لکھدیتے ہیں اس سے کارڈ بیرنگ ہوجاتا ہے۔ اور دفتر کو خواہ مخواہ کے دو پیسے بھرنے پڑتے ہیں۔ مہربانی کرکے آیندہ پتہ والی طرف سوائے دفتر کے پتہ کے کوئی لفظ یا فقرہ نہ لکھا کریں۔ نیز بعض احباب محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام روپیہ بھیجتے ہیں تو منی آرڈر کے کوپن میں یا الگ رقم کی کوئی تفصیل نہیں دیتے جس سے ایک مد کا روپیہ دوسری مد میں جمع ہوجاتا ہے۔ اور بعد میں دقت ہوتی ہے مناسب ہے کہ ہر ایک منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن میں رقم کی مکمل تفصیل

ریویو آف ریلیجنز کے گذشتہ پرچے

ذیل کے اردو یا انگریزی ریویو کے پرچوں میں سے کوئی پرچہ یا بعض پرچے اگر کسی صاحب کے پاس ہوں اور فروخت کرنا چاہیں یا مفت دینا چاہیں تو مینجر میگزین قادیان سے خط و کتابت کریں۔ دفتر میں ان کی ضرورت ہے:

اردو ریویو:۔ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء ؛ جنوری۔ فروری سنہ ۱۹۱۰ء ؛

انگریزی ریویو:۔ جنوری۔ اپریل۔ جولائی۔ اگست۔ ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء ؛ نومبر و دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء ؛ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء ؛ مارچ سنہ ۱۹۰۵ء ؛ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء ؛ فروری سنہ ۱۹۱۰ء

اطلاع:۔ خریداران کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہوجائے تو معاف فرماویں ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت دانیال نبیؑ کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئی نمبر ۲

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو نمبر ۸ بابت اگست ۱۹۱۱ء

وہ سینگ جو مقدسوں سے جنگ کرتا رہا

حضرت دانیال نبی کی کتاب کے ساتویں باب میں حضرت دانیال علیہ السلام کا ایک رؤیا درج ہے جس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

"شاہ بابل بیلشضر کے پہلے سال میں دانی ایل نے اپنے بستر پر ایک خواب اور اپنے سر کی رویتیں دیکھیں تب اُس نے اُس خواب کو لکھا اور اُس احوال کا مفصل بیان کیا۔ دانی ایل بولا اور کہا کہ میں نے رات کو ایک رویا دیکھی اور کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان کی چار ہوائیں بڑے سمندر پر باہم زور سے چلیں۔ اور سمندر سے چار بڑے حیوان جو ایک دوسرے سے متفرق تھے نکلے۔ پہلا شیر ببر کی مانند تھا اور عقاب کے سے پنکھ رکھتا تھا اور میں دیکھتا رہا جبتک اُس کے پر اُکھاڑے گئے اور وہ زمین سے اُٹھایا گیا اور آدمی کی طرح پاؤں پر کھڑا کیا گیا اور انسان کا دل اُسے دیا گیا۔ اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرا حیوان ریچھ کی مانند

تھا اور وہ ایک طرف سیدھا کھڑا ہوا اور اُس کے منہ میں اُس کے دانتوں کے درمیان تین پسلیاں تھیں اور انہوں نے اُسے کہا کہ اٹھ اور بہت گوشت کھا۔ بعد اس کے میں نے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اور حیوان تیندوا کی مانند اٹھا جس کی پیٹھ پر پرندے کے سے چار پر تھے اور اُس حیوان کے چار سر تھے اور سلطنت اُسے دی گئی۔ اس کے پیچھے میں نے رات کی رویتوں کے وسیلے سے دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ چوتھا حیوان ہولناک اور ہیبتناک اور نہایت زبردست اور اُس کے دانت لوہے کے تھے اور بڑے بڑے تھے وہ نگل جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا اور بچتی کو اپنے پاؤں سے لتاڑتا تھا اور یہ اُن سب حیوانوں سے جو اس کے آگے تھے متفرق تھا اور اُس کے دس سینگ تھے۔ میں نے اُن سینگوں پر غور سے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ اُن کے بیچ میں سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا جس کے آگے پہلے تین سینگ جڑھ سے اُکھاڑے گئے اور کیا دیکھتا ہوں کہ اُس سینگ میں آنکھیں تھیں انسان کی آنکھوں کی مانند اور ایک منہ تھا جو بڑی بڑی باتیں بول رہا ہے۔

میں یہاں تک دیکھتا رہا کہ کرسیاں رکھی گئیں اور قدیم الایام بیٹھ گیا اُس کا لباس برف سا سفید تھا اور اُس کے سر کے بال صاف ستھرے اُون کی مانند اُس کا تخت آگ کے شعلہ کے مانند تھا اور اُس کے پہیے جلتی آگ کے مثل تھے۔ ایک آتشی سیلاب بہ رہا جو اُس کے آگے سے نکلا تھا ہزاروں ہزار اُس کی خدمت میں حاضر تھے اور لاکھوں لاکھ اُس کے آگے کھڑے تھے عدالت ہو رہی تھی اور کتابیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے دیکھا یہانتک کہ اُس سینگ کی آواز کے سبب جو بڑے گھمنڈ کی باتیں بولتا رہا ہاں میں یہانتک دیکھتا رہا کہ وہ حیوان مارا گیا اور اُس کا بدن ہلاک کیا گیا اور شعلہ زن آگ میں ڈالا گیا۔ اور باقی حیوانوں کی سلطنت بھی اُن سے لے لی گئی پر اُن کی زندگی قائم رہی اور وے ایک مدت اور ایک ساعت تک جیئے۔ میں نے رات کی رویتوں کے وسیلے دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آدمزاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایام تک پہنچا۔ وے اُسے اُس کے آگے لائے۔ اور تسلّط اور حشمت اور سلطنت اُسے دی گئی کہ سب قومیں اور اُمّتیں اور مختلف زبان بولنے والے اُس کی خدمت گذاری کریں اُسکی

سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہے گی اور اُس کی مملکت ایسی جو زایل نہ ہوگی ؛
مجھ دانی ایل کی روح میرے بدن میں ملول ہوئی اور میرے سر کی رویتوں نے مجھے گھبرا دیا۔ مَیں اُن میں سے جو نزدیک کھڑے تھے ایک شخص کے پاس گیا اور اُس سے ان ساری باتوں کی حقیقت پوچھی اُس نے مجھ سے کہا اور ساری حقیقت مجھے بتلائی یہ چار بڑے حیوان چار بادشاہ ہیں جو زمین میں برپا ہونگے۔ لیکن حق تعالیٰ کے مقدّس لوگ سلطنت لے لیں گے اور ابد تک ہاں ابد الآباد تک اُس سلطنت کے مالک رہیں گے۔ تب مَیں نے چاہا کہ چوتھے حیوان کی حقیقت جانوں جو اُن سبھوں سے متفرق تھا کہ نہایت ہیبتناک تھا جس کے دانت لوہے کے اور ناخن پیتل کے تھے جو نگلتا اور ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور بچتی کو اپنے پاؤں سے لتاڑتا تھا۔ اور دس سینگوں کی جو اُس کے سر پر تھے اور اُس ایک کی جو نکلا اور جس کے آگے تین گر گئے ہاں اُس سینگ کی جس کی آنکھیں تھیں اور ایک مُنہ جو بڑے گھمنڈ کی باتیں بولتا تھا اور اُس کا چہرہ اُس کے ساتھیوں کی نسبت سے زیادہ رعبدار تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ وہی سینگ مقدّسوں سے جنگ کرتا اور اُنپر غالب ہوتا رہا۔ جب تک کہ قدیم الایّام آیا اور حق تعالیٰ کے مقدّسوں کا انصاف کیا گیا اور وقت آپہنچا کہ مقدّس لوگ سلطنت کے مالک ہوویں۔ وہ یوں بولا کہ چوتھا حیوان چوتھی سلطنت ہے جو دنیا میں ہوگی وہ ساری سلطنتوں سے متفرق ہوگی اور ساری زمین کو نگلے گی اور اُسے لتاڑیگی اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کریگی۔ اور وے دس سینگ جو ہیں سو دس بادشاہ ہیں جو اُس سلطنت میں سے اُٹھیں گے اور اُن کے بعد ایک اور اُٹھے گا اور وہ پہلوں سے متفرق ہوگا اور تین بادشاہوں پر غالب ہوگا۔ اور وہ حق تعالیٰ کی مخالفت میں باتیں کرے گا اور حق تعالیٰ کے مقدّسوں کو تصدیعہ دیگا اور چاہیگا کہ وقتوں اور شریعتوں کو بدل ڈالے اور وے اُس کے قبضے میں دیئے جائیں گے یہاں تک کہ ایک مدّت اور مدّتیں اور آدھی مدّت گذر جائے گی۔ پر عدالت بیٹھے گی اور وے اُسکی سلطنت اُس سے لے لیں گے کہ اُسے ہمیشہ کے لیئے نیست و نابود کریں۔ اور تمام

آسمان تلے کے سارے ملکوں کی سلطنت اور مملکت اور سلطنت کی حشمت حق تعالیٰ کے مقدس لوگوں کو بخشی جائے گی اُس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے اور ساری مملکتیں بندگی کریں گی اور فرمانبردار ہو دیں گی۔ وہ بات یہاں تک تمام ہوئی میں جو دانی ایل ہوں میرے اندیشوں نے مجھے نہایت گھبرایا اور میرا چہرہ مجھ میں مبدل ہوا پر میں نے یہ بات اپنے دل میں رکھی"۔

چونکہ اس رؤیا کا مفہوم دراصل وہی ہے جو نبوکد نضر کے خواب کا تھا۔ اور نبوکد نضر کے خواب پر مضمون ہذا کے پہلے حصہ میں بحث ہو چکی ہے لہٰذا ضروری نہیں سمجھتا کہ دانیال کے اپنے خواب کی مفصل تفسیر کروں البتہ اس رؤیا میں ایک بات نئی اور قابل تشریح ہے اور اس کا ذکر نبوکد نضر کے خواب میں نہیں۔ وہ نئی بات یہ ہے کہ حضرت دانیال کے خواب میں مسیحی مذہب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اُس چھوٹے سینگ کا ذکر ہے جسکی آنکھیں تھیں۔ جو بڑی بڑی باتیں بول رہا تھا اور جو مقدسوں سے جنگ کرتا اور اُنپر غالب ہوتا رہا۔ چونکہ پہلے خواب میں اس چھوٹے سینگ کی جگہ کوئی اور چیز تمثیل کے رنگ میں نہیں آئی اس لیئے اس سینگ کے متعلق چند الفاظ بیان کرنا عین مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چوتھے حیوان یعنی چوتھی سلطنت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت دانیال فرماتے ہیں۔ "میں نے اُن سینگوں پر غور سے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں اُن کے بیچ میں سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا جس کے آگے پہلے تین سینگ جڑھ سے اکھاڑے گئے اور کیا دیکھتا ہوں کہ اُس سینگ میں آنکھیں تھیں انسان کی آنکھوں کی مانند اور ایک مُنہ تھا جو بڑی بڑی باتیں بول رہا ہے"۔ جس فرشتہ سے حضرت دانیال نے اس رؤیا کی تعبیر پوچھی اُس نے جواب دیا "وہ حق تعالیٰ کی مخالفت میں باتیں کرے گا اور حق تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ دیگا اور چاہیگا کہ وقتوں اور شریعتوں کو بدل ڈالے اور وے اُن کے قبضے میں دیئے جائیں گے یہاں تک کہ ایک مدت اور مدتیں اور آدھی مدت گذر جائیگی پر عدالت بیٹھے گی اور وے اس کی سلطنت اس سے لے لیں گے کہ اُسے ہمیشہ کے لیئے نیست و نابود کریں"۔

جس طرح آپ سے نکلنے والے پتھر کے متعلق مسیحی صاحبان میں اختلاف تھا اسی طرح اس سینگ کے متعلق بھی وہ متفق الرائے نہیں۔ ہمیں ضرورت نہیں کہ پہلے کی طرح مختلف آراء کا تذکرہ کریں ہاں ہم اس چھوٹے سینگ کی تلاش دوسرے سینگوں میں کرتے ہیں کیونکہ لکھا ہے " اُن کے بیچ میں سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا " اگر تاریخی واقعات کو بہ نظرِ امعان دیکھا جائے اور اس پیشگوئی کے مصداق کو وقائع عالم کے صفحات میں تلاش کیا جائے تو زبردست دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چھوٹا سینگ ہرقل رومی تھا وہ دوسرے سینگوں کے بیچ میں سے نکلا اور خود چھوٹا سینگ بنا یعنی ابتداءً نہ وہ خود بادشاہ تھا اور نہ کسی صوبے کا گورنر تھا بلکہ مصر کے رومی گورنر کا بیٹا تھا۔ پس اس طرح یہ چھوٹا سینگ دوسرے سینگوں کے بیچ میں سے نکلا یعنی سلطنت روما کے گورنروں میں سے ایک گورنر کے گھر پیدا ہوا اور اپنی خداداد قابلیت اور لیاقت سے اپنے باپ کی زندگی میں ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ مدارج پر ترقی کر گیا یا یوں کہو کہ وہ چھوٹا سینگ آخر بڑا ہو گیا اور اس کے "آگے پہلے تین سینگ جڑھ سے اُکھاڑے گئے " اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ "تین سینگ" کونسے تھے اور کس طرح چھوٹے سینگ یعنی ہرقل نے اُن کو جڑھ سے اُکھاڑ پھینکا اس امر کو معلوم کرنیکے لیئے صرف اس قدر جاننا کافی ہے کہ جب شہنشاہ مارس فوکس کے ہاتھ سے سنہ ۶۰۲ء میں قتل ہو چکا اور موخر الذکر نے مقتول شاہ کا تخت و تاج غصب کر لیا تو ہرقل نے سنہ ۶۱۰ء میں فوکس کے خلاف بغاوت برپا کر دی اور یاوری بخت و مساعدت طالع نے اُس کا اس خوش اسلوبی سے ساتھ دیا کہ آخرش کامیابی کا تاج اسکے سر پر رکھا گیا اور وہ جو کہ ایک دوسرے گورنر کا بیٹا اور چھوٹا سینگ تھا زمانہ کے ایک ہی چکر نے اُس کو رومیوں کا شہنشاہ بنا دیا۔ پس اس طرح اس چھوٹے سینگ نے پہلے ایک بڑے سینگ یعنی فوکس کو جڑھ سے اُکھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد دوسرا سینگ خسرو ثانی شاہ ایران تھا جس نے رومی سلطنت پر حملہ کر کے ملک شام مصر اور بعض دیگر رومی صوبجات پر تسلّط جما لیا تھا۔ لیکن ہرقل نے بہت سے جنگ و جدل اور جوہر مردانگی و شجاعت دکھانیکے بعد سلطنت ایران کو نیچا دکھایا اور متکبر کسرے

کو اپنا تخت و تاج چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس فتح سے گورنر مصر کا لڑکا اور اُس کے سپاہی خوب مالا مال ہو گئے اور اس طرح چھوٹے سینگ نے اس دوسرے سینگ کو جڑھ سے اکھاڑ ڈالا۔

تیسرے سینگ کی کیفیت جس کو اس چھوٹے سے سینگ نے جڑھ سے اکھیڑا یہ ہے کہ سلطنت رُوم کی مغربی حد پر آوار کی جنگجو قوم آباد تھی۔ جن کا ہمیشہ صرف لُوٹ مار ہی کام تھا۔ ان لوگوں نے نواح اسٹریا سے لیکر حد تھریس تک تاخت و تاراج کا بازار گرم کر رکھا تھا ایک دفعہ ان لوگوں نے خود ہرقل کو گھیر لیا اور اُس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس وقت شاہ روم نے نہایت استقلال سے کام لیا اُس نے اپنا تاج اُتار کر اپنے بازو کے ساتھ باندھ دیا اور خود تیز گام اسپ پر سوار ہو کر دشمنوں کے پنجہ سے نکل گیا۔ سنہ ۶۲۰ء میں ہرقل نے مجبور ہو کر اس قوم کے ساتھ معاہدہ صلح کر لیا اور اُن کے آئندہ حملوں کا سدّباب کرنے کے لیئے اپنے دارالخلافہ اور اُنکی حد کے درمیان سرب اور کروٹ قوم کے لوگوں کو آباد کر کے ایک زندہ دیوار حائل کر دی یہ قومیں ابتک برابر موجود ہیں جب ہرقل ایرانیوں سے جنگ کر رہا تھا تو خسرو ثانی نے آوار قوم کے سردار سے جس کا خطاب چاغان تھا نامہ و پیام کا سلسلہ چھیڑا اور اُس کو سلطنت روم کی باہمی تقسیم کا لالچ دلا کر اپنا دوست بنا لیا۔ اس معاہدہ اتحاد کی تکمیل کے بعد قوم آوار کے سردار چاغان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا اور اُسکی اعانت کے لیئے کسرےٰ نے بھی ایک زبردست فوج بھیجدی۔ ایام محاصرہ میں رومیوں کی طرف سے ایلچی بھیجے گئے۔ جب وہ ایلچی اپنی منزل مقصود پر پہنچے تو چاغان نے اُنکو مخاطب کر کے کہا۔ ”تمھارا بادشاہ ہرقل قسطنطنیہ کو اپنی قسمت پر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا ہے اب وہ یا تو گرفتار ہو چکا ہے یا بھگوڑوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ تم یاد رکھو کہ اب آوار اور ایرانیوں کی تلواروں سے تمھارا بچاؤ محال ہے۔ ہاں اگر تم پر لگا کر اُڑ جاؤ یا مچھلیاں بنکر پانی میں غوطہ لگا لو تو اُس صورت میں شاید تمھاری جانیں بچ جائیں“۔ جب ان حالات کی خبر ہرقل کو پہنچی تو اُس نے جھٹ اپنی فوج میں سے بارہ ہزار

مسلح سپاہی علیحدہ کرکے قسطنطنیہ کی طرف بھیجدیئے۔ اس فوج کی آمد پر آوار لوگ پسپا کیئے گیئے اور ان کی کشتیوں کا بیڑا بندرگاہ کے اندر ہی تباہ کردیا گیا۔ چاغان کے ہمراہی اُس کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے اور اُس کا سامان رسد بھی ختم ہوچکا تھا۔ اس لیئے اس نے اپنے انجنوں کو جلادیا اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کردیا قوم آوار اور ایرانیوں کی متفقہ فوج کی یہ ناکامی اور چاغان کی یہ نامرادی باشندگان .... دارالخلافہ کے لیئے حیرت انگیز امر بلکہ اعجاز تھا۔ خوش اعتقاد لوگوں نے اپنی مخلصی کو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی شفاعت کا نتیجہ سمجھا۔ یہاں ہمیں کسی کے خیال و گمان سے بحث نہیں ہمیں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ ہرقل کا تیسرا دشمن کسطرح بے نیل و مرام ہوا اور کس طرح اچانک اُسے نامرادی سے واپس جانا پڑا۔ پس یہ تیسرا سینگ تھا جو چھوٹے سینگ کے آگے جڑھ سے اکھاڑا گیا۔ اس سینگ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ”بڑی بڑی باتیں بول رہا ہے.... وہ حق تعالیٰ کی مخالفت میں باتیں کریگا.... اور چاہے گا کہ وقتوں اور شریعتوں کو بدل ڈالے“ ان الفاظ سے اس سینگ یعنی ہرقل کے مذہب کی طرف اشارہ ہے اور حق تعالیٰ کی مخالفت میں بڑی بڑی باتیں بولنے سے مسیحی مذہب کی تعلیم خصوصاً حضرت مسیح ناصری کو ابن اللہ کہنا مراد ہے اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا یعنی یہ ایک بڑی بھاری بات ہے جو اُن کے مُنہ سے نکلتی ہے۔ اُن کی یہ بات بالکل جھوٹ ہے (سورہ کہف - ع ۱) - علاوہ ازیں مسیحی مذہب نے موسوی شریعت کے بہت سے احکام میں تغیر و تبدل کردیا ہے مثلاً ختنہ کا حکم تھا اور سوٗر کو ابدی طور پر حرام کیا گیا تھا - لیکن ”شریعتوں کو بدل“ ڈالنے والوں نے ان احکام کو بالکل ہی اُڑا دیا ہے - ان لوگوں نے صرف ’شریعتوں‘ کو ہی تبدیل نہیں کیا بلکہ ’وقتوں‘ کو بھی بدل ڈالا ہے چنانچہ یہودیوں کے نزدیک یوم سبت ہفتہ تھا لیکن مسیحی قوموں نے ہفتہ کی بجائے اتوار کو یوم سبت بنالیا اور اس طرح ’وقتوں اور شریعتوں‘ ہر دو کو بدل ڈالا۔ یسوع نے تو کہا تھا کہ ”یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا۔ منسوخ کرنیکو

نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جاویں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا پر جو کہ عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا۔ کیونکہ میں تمھیں کہتا ہوں ص لیکن اپنے خداوند کے اس کھلم کھلے حکم اور اس کی اپنی مثال کے خلاف مسیحیوں نے شریعت کو لعنت سمجھا اور تمام احکام شریعت کو تبدیل کر ڈالا ہے۔ جس شریعت کو یسوع مسیح راستبازی سے تعبیر کرتا اور اس کی اطاعت کو آسمانی بادشاہت کا دروازہ سمجھتا تھا وہ یسوع مسیح کے برائے نام پیروؤں کے نزدیک لعنت قرار دیگئی ہے۔ غرض اس میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ پیشگوئی کے محولہ بالا الفاظ میں ہرقل کے مذہب کی طرف اشارہ تھا۔

معزز ناظرین! اس سینگ کی نسبت یہ بھی کہا گیا تھا کہ "وہ حق تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ دیگا" اگر آپ اس کی تفسیر و تفصیل چاہیں تو جنگ موتہ کے واقعات پر ایک نظر ڈال دیکھیں۔ ہرقل کی شہ پر اس کے گورنروں نے حق تعالیٰ کے مقدسوں' یعنی مسلمانوں کو 'تصدیعہ' دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک شام اور رومی سلطنت کے دوسرے صوبجات حق تعالیٰ کے مقدسوں نے ہرقل کی سلطنت سے سے لیئے۔ 'خدائے تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ' دینے کی ایک اور مثال فروہ گورنر شام کی سرگذشت میں پائی جاتی ہے۔ جب فروہ کو دعوت اسلام پہنچی تو اس نے بعد تحقیق مذہب اسلام اختیار کرلیا اور اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ خط دیدی۔ اور خط کے ساتھ ہی ایک سفید خچر۔ ایک گھوڑا۔ ایک گدھا اور ایک مطلاّ پوشاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بطور خادمانہ نذرانہ کے ارسال کی۔ جب ہرقل کو یہ خبر پہنچی تو اس نے فروہ کو بلوا بھیجا اور اپنے پاس بلا کر اس کو دوبارہ مسیحی مذہب میں داخل کرنے کی بے سود کوشش کی۔ جب 'خدائے تعالیٰ کے اس 'مقدس' پر کسی ترغیب کا اثر نہ ہوا۔ تو اسے پھانسی دیکر شہید کردیا گیا۔ لکھا ہے کہ

ص کہ اگر تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہوگے" (متی باب ۵ - ورس ۱۶-۲۰)

جب فروہ سے کہا گیا کہ تم اسلام ترک کر دو تو اس رومی نو مسلم نے نہایت استقلال سے جواب دیا "میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ہرگز ترک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ (اے ہرقل) تو خوب جانتا ہے کہ یسوع مسیح نے اُن کی آمد کی پہلے سے خبر دی ہوئی ہے۔ اور تُو اگر ایمان نہیں لاتا تو صرف تجھے یہ خوف ہے کہ مبادا سلطنت ہاتھ سے نہ جاتی رہے" الغرض 'خدائے تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ' دینے سے مسلمانوں کی ایذا رسانی مقصود تھی۔ فروہ کی سرگذشت ملاحظہ ہو میور کی تصنیف لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں۔ صفحہ ۳۸۳ و ۵۱۶۔

پیارے ناظرین! مقدسوں کا یہ "تصدیعہ" الٰہی وعدہ کے مطابق دیر پا نہیں تھا کیونکہ لکھا گیا تھا کہ "وے اُس کے قبضے میں دیئے جائیں گے یہانتک کہ ایک مدت اور مدتیں اور آدھی مدت گذر جائیگی"۔ اب عیسائی مفسرین کے اقوال کے بموجب مذکورہ بالا ورس میں مدت سے ایک سال اور مدتوں سے دو سال اور آدھی مدت سے ½ سال مراد ہے اس طرح یہ مدت کل ½ ۳ سال ہوتی ہے۔ اور جب تاریخی واقعات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۶۲۸ء کے موسم خزاں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہرقل شاہِ روم کو دعوتِ اسلام کا پیام پہنچا تھا۔ اس دعوت کے ساڑھے تین سال بعد یعنی جون سنہ ۶۳۲ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا دعوت کے خط اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بین بین جو زمانہ ہے اس میں مسلمانوں کو رومیوں کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی گئیں۔ سرحد شام پر موتہ کے قریب ایک مقام موآب ہے وہاں پر ہرقل کے ایک نائب شرجیل نامی نے نہایت بے رحمی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو شہید کیا۔ واضح ہو کہ یہ ظلم دعوت کے خط کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وقوع میں آیا تھا۔ پھر اس کے ایک سال بعد ہرقل کی مسیحی رعایا نے مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت کو جس میں پندرہ آدمی تھے تہ تیغ کر دیا پندرہ میں سے صرف ایک آدمی بچ کر نکل آیا اور اس نے اس واقعہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ ان سب واقعات کو میور نے اپنی کتاب

لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تسلیم کیا ہے۔ غرض اس مدت یعنی عرصہ ۳½ سال میں خدائے تعالیٰ کے مقدسوں کو تصدیعہ پہنچایا گیا اور وے اس کے قبضے میں رہے لیکن مدت۔ مدتیں اور آدھی مدت گذرنے کے بعد یعنی عرصہ ۳½ سال کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرماگئے تو عدالت بیٹھ گئی اور نہ صرف مقدسوں کا تصدیعہ بند ہوگیا بلکہ ہرقل "سے سلطنت لے لینے" اور "اُسے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود" کر دینے کا وقت آگیا اور حق تعالیٰ کے مقدسوں نے ملک شام کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ شاہ ہرقل کو خوف تھا کہ مسلمان ہو جانے سے کہیں سلطنت اُس کے ہاتھ سے نہ جاتی رہے اسی خوف کے مارے وہ دولت اسلام سے بہرہ مند نہ ہو سکا لیکن خدائے تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے پاکباز بندوں کو زمین کا وارث بنائے اور جن مقدسوں کو تصدیعہ دیا گیا تھا اُن کے ہاتھ سے اُس کی سلطنت کو نیست و نابود کرائے اس لئے ہرقل نے اپنی موت سے پہلے دیکھ لیا کہ اُس کی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ آرہی ہے۔ جب مسلمانوں نے ملک شام فتح کر لیا اور ہرقل کو اپنی سلطنت کے نہایت محبوب اور قیمتی صوبے سے دست بردار ہو کر قسطنطنیہ کی طرف مراجعت کرنی پڑی اُس وقت وہ ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور شام کے زرخیز سبزہ زاروں پر نظر ڈال کر اُس نے درد بھری آرزو سے کہا "اے مقدس اور بابرکت ملک شام خدا حافظ اب مجھے امید نہیں کہ میں تیری طرف واپس آسکوں۔ نہ ہی کوئی رومی کبھی تیری زیارت کر سکے گا ہاں اگر کوئی رومی آئیگا بھی تو مارے خوف کے ڈرتا اور کانپتا رہے گا"۔ پس اب اسمیں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ چھوٹا سینگ ہرقل رومی تھا اور خدائے تعالیٰ کے مقدس لوگ مسلمان تھے ان مقدسوں کا سردار وہی "آپ سے نکلنے والا" پتھر تھا جس نے "مورت کو پاش پاش کر دیا تھا" یعنی دانیال نبیؑ کی کتاب میں جو رؤیا بطور پیشگوئیوں کے درج ہیں اُن کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ان پیشگوئیوں کے مصداق ہیں غرض نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں یہ پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور مسیحیوں کا یہ

خیال کہ ان کا تعلق مسیح کی آمد ثانی سے ہے محض بناوٹ اور واقعات کی تکذیب ہے :

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو نہ صرف دانیال کی کتاب میں خدائے تعالیٰ کے مقدس کہا گیا بلکہ بائیبل کی ایک اور پیشگوئی میں بھی اُن کا نام مقدس اور قدوسی رکھا گیا ہے۔ اور یہ دوسری پیشگوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح صفائی سے صادق آتی ہے جس طرح دانیال نبی والی پیشگوئی۔ اور یہ دوسری پیشگوئی حسب ذیل ہے "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اُس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لیے تھی۔ استثنا ۳۳ : ۲ - ان ورسوں میں جن دس ہزار قدوسیوں کا ذکر ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں کیونکہ فاران یعنی مکہ میں مبعوث ہونیوالا نبی جب فتح مکہ کے وقت اس مقدس شہر میں اپنے اللہ کے آگے سجدۂ شکر کرتا ہوا داخل ہوا تو اُس کے ہمراہ ٹھیک دس ہزار صحابہؓ تھے اور اسی گروہ کا نام خدائے تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں "دس ہزار قدوسیوں کی فوج" رکھا گیا تھا۔

اس پیشگوئی میں خدائے تعالیٰ کی تین مظہروں کا ذکر ہے اول حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کوہ طور پر تجلی باری تعالیٰ کے مورد ہو کر کلیم اللہ ہوئے۔ دوم حضرت مسیح علیہ السلام جن کو کوہ شعیر پر جلوہ ایزدی کا مشاہدہ ہوا۔ سوم۔ فاران کی چوٹی پر سے چمکنے والا آخری اور اتم مظہر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فاران یعنی مکہ میں مبعوث ہوے۔ واضح رہے کہ مقدس کتب کی رو سے فاران اُس میدان کا نام ہے۔ جہاں حضرت ہاجرہؑ اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جدا ہو کر اقامت گزین ہوئی تھیں۔ بنی اسمٰعیلؑ میں تواتر سے یہ روایت چلی آتی ہے کہ فاران کا میدان مکہ معظمہ کے سوا کوئی اور دوسرا نہیں پر اس کے علاوہ چاہ زمزم جس کا ذکر پیدایش باب ۱۹ میں ہے خود اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے اپنے میاں سے جدا ہو کر اپنے ننھے بیٹے اسمٰعیلؑ کو لے کر اس میدان میں ڈیرہ لگایا تھا۔ اب اگر اس زندہ اور بیّن شہادت کے خلاف بنی اسمٰعیل کے دشمنوں کی اپنی کوئی روایت ہو

تو وہ ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ غرض خدائے تعالیٰ کا تیسرا مظہر جس کا ذکر محولہ بالا پیشگوئی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ مکہ کی پہاڑیاں تھیں جہاں سے ہدایت کا سورج تیسری دفعہ پورے کمال سے چمکا اور اسرائیل کے بھائیوں میں سے یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ایک عظیم الشان نبی پیدا ہوا۔ جس کے گرد فتح مکہ کے قدوسیوں کی ٹھیک دس ہزار فوج جمع تھی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھ سال بے وطن رہ کر اپنے مولد مولوف کی طرف فاتح و منصور ہو کر واپس آنا دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر واقعہ ہے اور خدائے تعالیٰ کی ہستی کا ایک زبردست ثبوت ہے کیونکہ جس بے کسی کی حالت میں آنحضرت صلعم ہجرت پر مجبور ہوئے تھے۔ اس پر نظر ڈالنے سے ہرگز یہ امید نہیں ہو سکتی تھی کہ کسی دن یہی بے کس اور بے بس انسان مکہ کا فاتح اور بادشاہ ہوگا اور خدائے تعالیٰ کا فرمودہ لفظ بہ لفظ پورا ہو کر رہے گا پس فاران پر آنیوالا نبی خدائے تعالیٰ کا چمکتا ہوا نشان اور مظہر ہے فتدبروا یا اولی الابصار ٭

حضرت دانیال کی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین کی سلطنت حق تعالیٰ کے مقدس بندوں کو دیجائے گی چنانچہ آخر اس پیشگوئی کے مطابق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے موعودہ ممالک کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ملک شام اور رومی سلطنت کے دوسرے صوبجات بھی مسلمانوں کے تحت میں آگئے اور اس طرح حق تعالیٰ کے مقدس تمام سلطنت روم کے وارث ہو گئے۔ اور دانیال نبی کی پیشگوئی لفظ بہ لفظ پوری ہو گئی یہاں پر یہ بتا دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اس پیشگوئی میں جہاں دوسرے بادشاہوں کو حیوانوں سے مشابہت دی گئی ہے وہاں ایک بادشاہ کو انسان کی شکل میں بھی دکھایا گیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بادشاہ وہی مقدسوں کا سردار ہے جس کے پیروؤں کا نام حق تعالیٰ کے مقدس بندے رکھا گیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ذات باری کے مظہر اتم تھے اس لیئے آپ کی بادشاہت کو انسانی شکل میں دکھایا گیا حاصل کلام

دانیال نبی کا رؤیا بھی نہو کدنصر کے خواب کی طرح محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور آپ کی پیشگوئی ہے۔ جو لوگ کھینچ تان کر اس کو مسیح پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں وہ ضمیر کا خون کرتے اور روشن سورج پر چادر ڈالنا چاہتے ہیں اور خدا کے جلائے ہوئے چراغ کو پھونک مار کر بجھانا چاہتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ٭ کسے کو پف زند ریشش بسوزد

اِسلام کے اصول

اسلام کے مخالف بہت دفعہ اُس پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ اسلام انسانی جذبات کو اُکساتا ہے وہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور طلاق سے نہیں روکتا۔ مگر وہ یہ تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ کہ ان خیالات کے ماتحت وہ اس لعنت کی بھی تشریح کریں۔ جو کہ اسلام نے شراب خوری مردوں اور عورتوں کے میل جول۔ اور جوا بازی .... پر کی ہے۔ ایک ایسا مذہب کہ جس کا رجحان عیش و عشرت اور شہوت پرستی کی طرف ہو ممکن ہے کہ قدیم روما کے عیش و عشرت اور شراب خوری کی اجازت نہ دے۔ لیکن موجودہ زمانے کے ناچ گھر کی رنگین خوشیوں سے محروم نہیں رکھ سکتا۔ وہ شراب خوری کی ضرور اجازت دے دیتا۔ اگرچہ وہ اُس کو مذہبی رسومات کا جزو بننے کی عزت نہ دیتا۔ وہ ضرور جوا بازی کی اجازت دیدیتا۔ اگرچہ وہ اس کو مذہبی تہواروں کی رونق کا لازمہ قرار نہ دیتا۔ مگر جب ان خیالات کی طرف مخالفین اسلام کی توجہ کو منعطف کیا جاتا ہے۔ تو وہ کہہ دیتے کہ اسلام بہت ہی تنگ اور خشک مذہب ہے۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ وہ تنگی خیالات سے ایسا ہی متنفر ہے۔ جیسا کہ وہ اس عیش و عشرت اور شراب خوری سے بعید ہے۔ جس کو کہ بہت سے مذاہب کے بانیوں نے یا تو مذہبی رسومات کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھا ہے یا ان موقعوں پر انکے استعمال کئے جانیکی اجازت

دی ہے۔ تو کیا پھر اسلام اضداد کا ایک مجموعہ ہے ؟ اسلام کے مخالف اس سوال کے جواب میں کہیں گے۔ کہ "ہاں"، مگر ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ عقل اس کے جواب میں کیا کہتی ہے۔ .... قرآن مجید فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا۔ کہ خداوند کریم کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ وہ خواہشات اور شہوات جو کہ قدرتی ہیں۔ اور جو کہ خدا نے انسان کو دی ہیں۔ ان میں کوئی بُرائی نہیں ہوسکتی۔ اور شہوت کی موجودگی بذاتہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ اور چونکہ ہم قدرت کے خلاف نہیں چل سکتے۔ اس واسطے ہم قدرتی شہوات اور خیالات کو ردّ نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمارا کام یہ ہے۔ کہ انکو راستے پر چلائیں۔ جیسا کہ انتقام لینے کی خواہش ایک قدرتی امر ہے۔ اور شائستہ اقوام نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے کہ اس کو فوجداری قانون کی زنجیر سے جکڑ دیا ہے۔ اسی طرح شہوت بھی ایک قدرتی امر ہے۔ اور ترقی یافتہ جماعتوں نے (بجائے اسکے کہ وہ اس کو تجرد کی کڑی زنجیر سے روک دیتے) اسپر قوانین ازدواج کی بنیاد رکھی ہے۔ جس طرح کہ مسیح کے اس حکم نے کہ "کسی کو جان سے مت مارو"۔ دنیا سے پھانسی کی سزا کو موقوف نہیں کر دیا۔ اور نہ ہی ہر قسم کے جنگ و جدال کو روک دیا ہے۔ اسی طرح تمام حالات کے ماتحت ایک ہی بیوی کرنے کا اصول اٹل قانون نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی شادی صرف اسی صورت میں شرعی شادی ہوسکتی ہے۔ کہ جو مرد اور عورت ایک دفعہ ملجاویں۔ وہ کسی صورت میں بھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں۔ ہر ایک ملکی قانون آسانی کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس میں مستثنیات ہوتے ہیں تو پھر کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ خداوند کریم کا بھیجا ہوا قانون یعنی قرآن شریف جو کہ نہ تو تبدیل ہونیوالا تھا اور نہ اس کی کوئی ترمیم ہوسکتی تھی۔ اس قدر سخت اور اٹل ہوتا۔ کہ اسمیں کسی مستثنیات کو کسی حالت میں بھی دخل نہ ہوتا۔ لیکن ضروری ہے۔ کہ مستثنیات کی صاف صاف توضیح کی جاوے۔ جیسا کہ اسلام نے کیا ہے۔ اور ان مستثنیات کو کبھی بھی قانون کی جگہ نہیں لے لینی چاہیئے۔ عورتوں اور مردوں کے ملاپ کے بارہ میں

بڑی دقت یہ ہے۔ کہ خاصکر اسلامی ہندوستان میں پُرانے وضع کے آدمی بڑی سختی سے عورتوں کو قید رکھتے ہیں۔ یہ رواج صرف رسوم پر مبنی ہے جو بعد میں پیدا ہوگیا بغیر اس کے کہ اسلام کا اس بارہ میں کوئی حکم ہو۔ اور نئی روشنی کے لوگ چاہتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ عام طور پر میل جول کرنے کے لیئے کسی قسم کی رُکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ مردوں اور عورتوں میں بلا تکلف میل جول سے کہ جس کی اجازت اسلام صرف بیوی اور خاوند اور محرم لوگوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیتا ایسے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ جو کہ قانون ازدواج کے لیئے ایسے ہی مضر ہوں۔ جیسا کہ ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں انتقام لینے کی خواہش قوانین کے ذریعہ سے جکڑی گئی ہو کسی کو مارنے کی دھمکی امن عامہ میں مخل ہو سکتی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ مرد اور عورت کے بے روک اور کُھلے ملاپ سے قوائے شہوانی جوش میں آتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ وہ بدکاریاں ہوتی ہیں۔ جو کہ ایک شائستہ سوسائٹی کے لیئے باعثِ ننگ ہیں۔ مگر چونکہ قوائے شہوانی کا جوش میں آنا قدرتی امر ہے۔ اسواسطے ازدواج اور محرمات وغیرہ کے قانون کی ضرورت ہے۔ شرابخوری اور جوا بازی قدرتی خواہشات نہیں ہیں۔ اسواسطے اسلام نے انکو بالکل روک دیا ہے۔ کیونکہ اسلام کا یہ اصول ہے۔ کہ جبکہ وہ قدرتی شہوات کو بذریعہ قانون سیدھے راستہ پر چلاتا ہے۔ تو ایسی خواہشات کو جو کہ قدرتی نہیں ہیں۔ سرے سے روک دیتا ہے۔ یہی اصول ہے جس کے ذریعہ اسلام کے مختلف اصولوں کی باہم موافقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور یہ موافقت بالکل معقول ہے۔ اگر ہم مندرجہ ذیل دو اصول سمجھ لیں۔ جنپر اسلامی احکام کی بنیاد ہے۔ (۱) قدرتی خواہشات اور شہوات کو ہرگز روکنا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اُن کو راہ راست پر چلانا چاہیئے۔ (۲) ایسی خواہشات اور شہوات کو جو کہ قدرتی نہ ہوں بالکل روک دینا ہی سب سے عمدہ علاج ہے ؎

ترجمہ از
کامریڈ۔ کلکتہ

طریق وصول الی اللہ

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی عبادت ہے اور عبادت کا انجام ہے خدائے تعالی اپنے خالق میں محو ہونا اب خدا کو پانے کے ذرائع وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے ارشاد کی تعمیل میں معلوم کرنے چاہئیں۔ جو میرے نزدیک یہ ہیں۔

(۱) اس سچے خدا کی تلاش کی جائے۔ جو تمام عیبوں سے منزہ اور تمام نقصوں سے مبرا ہے۔ جو جامع جمیع صفات کاملہ ہے۔ پھر متصرف بالارادہ۔ اور متکلم ہے اپنی جناب میں عاجزی سے پکارکرنے والوں کی دعائیں سنتا اور ان کو جواب دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ لہ دعوۃ الحق۔ والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیئ الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغیہ وما دعاء الکفرین الا فی ضلال۔

پکارے جانیکا حق اسی کو پہنچتا ہے۔ جو لوگ اس کے سوا کسی اور کو پکارتے ہیں وہ معبودان باطل کچھ جواب نہیں دیتے۔ ان سے کسی نفع یا جواب کی امید ایسی ہی ہے جیسے کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے۔ کہ پانی اس کے منہ میں خود بخود آپڑے اور یوں تو کبھی ہونے کا نہیں۔ پس کافروں کی پکار ضائع ہی جاتی ہے۔

(۲) اس کے حسن پر اطلاع پائی جائے۔ کہ جس قدر خوبیاں مخلوقات میں پائی جاتی ہیں یا انسان کے ذہن میں آسکتی ہیں وہ سب کی سب اس ذات والاصفات میں موجود ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی شان میں فرماتا ہے (۱) لیس کمثلہ شیئ۔ (۲) ولہ المثل الاعلی۔ (۳) قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد۔ وہ اپنی ذات وصفات میں یگانہ ہے۔ وہ اپنی خوبی اپنے کمال اپنے علو میں کسی کا محتاج نہیں۔ اس کا کوئی ہمسر کوئی ہمتا نہیں۔

(۳) اس کے احسانوں کا مطالعہ کیا جائے جس کی یہ صفتیں ہیں۔ رب العلمین۔ الرحمن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ تمام مخلوقات عالم کا خواہ وہ از قسم جمادات ہو یا نباتات یا حیوانات۔ وہی پرورش کرنے والا ہے وہ انہیں آہستہ آہستہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ وہ بے مانگے۔ زندگی بخش اسباب بہم پہنچانے والا۔ اعمال پر ثمرات مرتب کرنے والا۔ پھر مارنے و فنا کرنے پر قادر۔ اور جزا و سزا میں کامل اختیارات رکھنے والا ہے۔ اس کے ہم پر ایسے ایسے انعامات ہیں کہ ہم شمار نہیں کر سکتے۔ اور کیونکر گن سکیں جبکہ ارشاد ہوتا ہے وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها۔

(۴) جناب باری تعالیٰ میں دعا کی جائے۔ سورۂ بقرہ رکوع ۲۳ میں فرماتا ہے واذا سئلك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی۔ میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو انہیں بتادو میں بہت قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ پس مجھ پر ایمان پیدا کرو۔ مجھ ہی سے طلب کرو۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ادعونی استجب لکم۔ دعا مانگو میں قبول کروں گا۔

(۵) مجاہدہ یعنی اپنا مال۔ اپنی جان۔ اپنی طاقت خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔ انما المؤمنون الذین اٰمنوا بالله ورسوله ثم لم یرتابوا۔ وجاهدوا باموالهم وانفسهم فی سبیل الله اولئك هم الصادقون۔ اور یہ بات عملی زندگی میں نظر آئے یعنی اپنا مال اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کردے اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ ثمرہ کیا ملیگا۔ اس محبوب حقیقی سے وصال چنانچہ فرماتا ہے۔ والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سُبُلنا۔

(۶) استقامت۔ ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملئكة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون۔ نحن اولیاءکم فی الحیٰوة الدنیا والاٰخرة۔ اللہ کو اپنا ربّ سمجھنا اور پھر اُسپر استقامت۔ واقع میں جو اللہ کو اپنا ربّ یقین کرے پھر وہ کسی گناہ میں نہیں پڑتا۔ چور چوری

کیوں کرے اگر اسے یقین ہو کہ اللہ میری ربوبیت کرنے والا خیر الرازقین ہے۔ انسان غیر کے دروازے پر کیوں گرے جب وہ خدا پرست ہو کر یہ آواز فرشتوں کی زبانی سن رہا ہو کہ ہم دنیا و آخرت میں تیرے والی تیرے ناصر ہیں۔

(۷) صحبت صادقین۔ فرماتا ہے۔ کونوا مع الصادقین۔ صادقوں کی صحبت میں رہو اور ارشاد ہوتا ہے واصبر نفسك مع الذین یدعون ربهم بالغداوة والعشی یریدون وجهه (کہف) انسان جب کسی صادق سے اپنا تعلق بڑھاتا ہے اور اس کی ذات کے ساتھ اپنی روح کو پیوست کر لیتا ہے تو اس غذا سے حصہ پا کر غیر معمولی نشوونما حاصل کرتا ہے۔ جو وہ سرچشمہ حقیقی سے پا رہا ہوتا ہے۔

(۸) خواب۔ کشف۔ الہام۔ وحی کہ خدا پر سچا یقین پیدا کرنے کے لئے سب سے بڑھکر یہی ذریعہ ہے۔ لهم البشرٰی فی الحیٰوة الدنیا و فی الاٰخرة۔

(اکمل)

قرآن شریف کی ایک پیشگوئی

حامداً و مصلیاً۔ مسیحی صاحبان کا یہ گمان ہے۔ کہ قرآن شریف میں صرف ایک ہی پیشگوئی ہے جو کہ سورہ روم کے ابتداء میں ہے یعنی آیت غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ؕ یعنی سلطنت روم (ایرانیوں کے ہاتھ سے) مغلوب ہو چکی ہے نزدیک کی زمین میں۔ لیکن رومی مغلوب ہونے کے بعد دس سال کے اندر غالب ہونگے چونکہ پادری صاحبان کا خیال ہے کہ قرآن شریف میں مندرجہ بالا پیشگوئی کے سوا اور کوئی پیشگوئی نہیں ہے اور یہ کہ اسلام کی صداقت کا سارا دار و مدار

صرف اسی ایک ہی پیشگوئی پر ہے اس لیئے انہوں نے اس پیشگوئی کو مٹانے کے لیئے ناخنوں تک زور لگایا ہے چونکہ اُن کے دلوں میں یہ وہم تھا کہ یہ ایک ہی ستون ہے جس نے اسلام کی عمارت کو سہارا ہوا ہے اور یہ ایک ہی شہادت ہے جو اہل اسلام قرآن شریف کے مُنزل مِن اللہ ہونے کے ثبوت میں پیش کر سکتے ہیں - اور یہ اگر ہم اس ستون کے گرانے میں کامیاب ہوگئے تو اسلام کی ساری عمارت گر جائیگی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں رہے گا کہ قرآن شریف خدائے تعالےٰ کا کلام ہے اس لیئے اُنہوں نے اس پیشگوئی پر حملے کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور جہاں تک اُن کی طاقت تھی اُنہوں نے اس کے مٹانے کے لیئے زور لگایا ہے اس لیئے پیشتر اس کے کہ ہم مسیحی صاحبان کے اُن حملوں کا جواب دیں جو اُنہوں نے اس پیشگوئی پر کیئے ہیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اُن کے اس خیال باطل کو دُور کیا جاوے کہ قرآن شریف میں صرف یہی ایک پیشگوئی ہے اس کے سوا اور کوئی پیشگوئی نہیں - پادری صاحبان کا یہ خیال بالکل ایک دھوکہ ہے یہ سنکر وہ سخت مایوس ہوں گے کہ قرآن شریف میں یہی ایک پیشگوئی نہیں بلکہ اس میں ہزارہا پیشگوئیاں ہیں جو قرآن شریف کی صداقت کے لیئے بطور گواہ کے ہیں - یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت میں شائع کی گئیں جبکہ کوئی انسان اُن واقعات کی خبر نہیں دے سکتا تھا جن کی اُن میں خبر دی گئی ہے ان میں سے بہت سی پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں بہت سی آپ کی وفات کے بعد کے آنیوالے واقعات کی خبر دیتی ہیں چنانچہ ان میں سے بعض موجودہ زمانہ کے حالات کا نقشہ کھینچتی ہیں اور بعض ایسی پیشگوئیاں ہیں جو اس زمانہ کے بعد پوری ہونگی - غرض قرآن شریف کی پیشگوئیاں دنیا کے انجام تک کی خبر دیتی ہیں بلکہ اس دنیا کے خاتمہ کے بعد بھی قرآنی پیشگوئیاں اپنا رنگ دکھائیں گی - اور نہ صرف اسی زندگی میں ہم قرآنی پیشگوئیوں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں بلکہ جب ہم اس دنیا سے رخصت ہوکر دوسرے عالم میں قدم رکھیں گے وہاں بھی اسکی طاقت کو ہم مشاہدہ کریں گے - اس مضمون میں اس قدر گنجائش نہیں کہ میں ان پیشگوئیوں پر مفصل بحث کروں

مگر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحبان کو جو دھوکہ لگا ہوا ہے اس کے دور کرنے کے لیئے بعض پیشگوئیوں کا یہاں ذکر کیا جاوے۔ تا اُن کو معلوم ہو کہ ایک ہی پیشگوئی پر بس نہیں بلکہ قرآن شریف میں اور بھی پیشگوئیاں ہیں اور قرآن شریف کی صداقت پر بحث کرتے ہوئے انہیں سب قرآنی خبروں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

مَیں پہلے اُن پیشگوئیوں میں سے چند ایک بطور نمونہ کے پیش کرتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے اکثر پیشگوئیاں مکہ میں نازل ہوئیں۔ جب کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسلام کا انجام کیا ہوگا۔ اور جبکہ مکہ معظّمہ کے غریب معدودے چند نومسلم اپنے زبردست دشمنوں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی اذیتیں اور دُکھ اُٹھا رہے تھے۔ اس بے کسی۔ کس مپرسی اور ضعف کی حالت میں جو پیشگوئیاں شائع کی گئیں ناظرین ذرا اُن کی طاقت اور شوکت پر غور کر کے بتائیں کہ کیا یہ ایک بیکس ضعیف انسان کی باتیں ہیں یا قادر مطلق۔ عالم الغیب خداوند کا مقتدرانہ کلام ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (الصّٰفّٰت۔ ۵)

تیرے مخالفوں نے اس قرآن کا انکار کیا ہے۔ اُن کو جلدی پتہ لگ جائے گا۔ ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے بارے میں جن کو ہم رسول بنا کر بھیجتے ہیں پہلے سے ہو چکا ہے۔ کہ وہی مظفر و منصور ہونگے اور ہماری جماعت ہی غالب رہیگی۔ پس تُو کچھ عرصہ تک ان لوگوں سے مُنہ پھیر لے۔

(۲) اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ (زمر۔ ۴) کیا اللہ اپنے بندہ کیلیئے کافی نہیں ہے؟ یعنی دشمن خواہ کتنا ہی زور لگائیں اُن کی ایک پیش نہ جائے گی کیونکہ اکیلا خدا اپنے بندہ کی امداد کے لیئے کافی ہے۔

(۳) بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ

(انبیاء-۲) بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکیں گے اور حق باطل کو توڑ دے گا اور باطل فنا ہو جائیگا۔ یعنی اسلام باطل کو پاش پاش کر دے گا۔

(۴) مکہ کے مغرور قریش غریب مسلمانوں کی بے کسی کو دیکھکر تکبر کے نشہ میں پوچھتے اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا ۝ (مریم-۵) ہر دو فریق میں سے کس فریق کی حیثیت اور درجہ اچھا ہے اور کس فریق کی جماعت اور مجلس بہتر ہے۔ اس سوال کے جواب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَکَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْیًا ۝ یعنی (یہ لوگ اپنے جتھے کا گھمنڈ نہ کریں)۔ ان سے پہلے کئی ایسی سنگتیں گذر چکی ہیں جن کا مال و اسباب اور جن کی نمود ان کی نسبت بہت زیادہ تھی مگر (جب انہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کی تو) ہم نے ان کو ہلاک کر دیا (ایسا ہی اب ان کا حال ہوگا) پھر فرمایا فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ۝ یعنی ان کو جلدی معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں فریقوں میں سے کس کی حالت بُری ہے اور کس کا جتھا کمزور ہے۔

(۵) اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ (قمر-۳) کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعتیں ہیں۔ یہ جماعت ہزیمت اُٹھائے گی اور پیٹھ دیکر بھاگیں گے۔ یعنی اگرچہ اسوقت ان کو اپنی کثرت اور طاقت کا گھمنڈ ہے مگر وقت قریب ہے کہ یہ جماعتیں انہی غریب مسلمانوں کے ہاتھ سے شکست کھائیں گی اور یہ مغرور قریش اِن بے کس مسلمانوں کے آگے پیٹھ دے کر بھاگیں گے۔

(۶) اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (انبیاء-۷) میرے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے۔ یعنی اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی جماعت کفار کی نظر میں بہت قلیل دکھائی دیتی ہے مگر ہمارا قدیم سے یہ وعدہ ہے کہ ہم اپنے صالح بندوں کو ملک کا وارث کرتے ہیں پس اب بھی ایسا ہی ہوگا

یعنی اُن کے دشمن ہلاک ہو جائیں گے اور یہی قلیل جماعت آخر اس ملک کی وارث ہوگی۔

یہ ہیں چند پیشگوئیاں بطور نمونہ کے جو مکّہ معظمہ میں اُس وقت شائع کی گئیں جبکہ اسلام کے طاقتور اور زور آور دشمن دن رات اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ اسلام کے نئے پودے کو بالکل جڑھ سے اکھاڑ کر اُس کو نیست و نابود کر دیں اور جو چند غریب مسلمان مکّہ شریف میں پائے جاتے تھے اُن کو طرح طرح کے دکھ دیئے جارہے تھے۔ اب میں پادری صاحبان سے ہی سوال کرتا ہوں کہ وہ بتائیں کہ آیا یہ زبردست پیشگوئیاں جو سخت زیردستی کی حالت میں شائع کی گئی تھیں۔ نہایت صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں یا نہ۔ پادری صاحبان سے میں یہ سوال اس لیئے کرتا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ وہ ان کے پورا ہونے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ یہ پیشگوئیاں ایسی صفائی سے پوری ہوئیں کہ خواہ کوئی کیسا ہی متعصب کیوں نہ ہو وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جن حیرت انگیز امور کی خبر ان آیات کریمہ میں قبل از وقت دی گئی تھی وہ امور بالکل ان پیشگوئیوں کے مطابق ظاہر ہوئے اور نہ پادری صاحبان اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ جب ان عظیم الشان پیشگویوں کا اعلان مکّہ معظمہ میں کیا گیا اُس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت ہی قابل رحم تھی اور اُن کے دشمن اُس وقت اپنی طاقت کے معراج پر تھے اور کوئی انسان نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کمزور انسان جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور اُس کی کمزور جماعت اپنے طاقتور اور زبردست دشمن پر غالب آئیں گے کون اُس وقت بتا سکتا تھا کہ مکّہ معظمہ کے صنادید جو گرم پتھروں اور جلا دینے والے کنکروں اور جنگل کی جلتی ہوئی ریت پر غریب مسلمانوں کو پکڑ کر لٹاتے اور دُکھ دیتے تھے وہ انہی مسلمانوں کے سامنے ایک دن پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ اگر مسیحی صاحبان میں کچھ انصاف ہے اور سچائی سے کچھ بھی پیار ہے تو وہ ضرور شہادت دینگے کہ اُس وقت کسی انسان کی طاقت میں نہیں تھا کہ ایسی چونکا دینے والی خبروں کا ایسے ناگفتہ بہ حالات کے ماتحت

اعلان کرتا۔ پھر دیکھو کہ یہ پیشگوئیاں کسی شیخی باز کی بڑ نہ تھی بلکہ سچے واقعات کی قبل از وقت ایسے حالات کے ماتحت خبر دیتی تھیں) کہ جن حالات کے ماتحت یہ واقعات انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ کیا کوئی مسیحی انکار کر سکتا ہے کہ جن واقعات کی خبر ان آیات کریمہ میں دی گئی تھی وہ بالکل سچے واقعات ثابت ہوئے ہ کیا سچ مچ ہجرت کے قریباً ایک سال بعد ہی مکہ کے قریش انہی غریب مسلمانوں کے سامنے پیٹھ دیکر نہ بھاگے جن کو وہ سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور جن کے نیست و نابود کرنے کے وہ درپے ہو رہے تھے ہ دیکھو یہ کلی پیشگوئیاں کیسے حیرت انگیز طور سے پوری ہوئی ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ اُن کے پورا ہونے کے وقت تک بھی کسی کو گمان نہ تھا کہ ایسا ہوگا۔ کیا بھلا جب مکہ کی وادی کا سردار ابوجہل دیگر صنادید مکہ کے ہمراہ بدر کے میدان کی طرف ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہوا کیا اُس وقت اُس کے وہم و گمان میں تھا کہ ۳۱۳ ناتجربہ کار۔ اور بے ساز و سامان مسلمانوں کے ہاتھ سے اُس کا لشکر سخت ہزیمت اُٹھائے گا اور وہ خود اور اُس کے دیگر متکبر ہمراہی بدر کے ریگستان میں ہلاک ہوں گے اور اُس کے کوچ کے چند روز بعد ہی مکہ کا شہر ایک ماتم کدہ بن جائے گا اور اُس میں کوئی ایسا گھر نہ ہوگا جس سے چیخنے اور چلانے کی دردناک آواز برپا نہ ہوگی۔ وہ تو بڑے گھمنڈ کے ساتھ گانے والی عورتیں ساتھ لے کر مکہ سے نکلا تھا اور اُس کا ارادہ تھا کہ بدر کے میدان پر جاکر جشن کرے گا اور کل عرب کو مسلمانوں کے مقابل میں اپنی طاقت اور شوکت کا نظارہ کرائے گا۔ اُس کو کیا معلوم تھا کہ میں اپنے ہمراہیوں کو موت اور ہلاکت کے گڑھے میں دھکیلنے کے لیئے لیجا رہا ہوں۔ غرض وہ عجیب اعلان تھے جو مکہ کے شہر میں ڈنکے کی چوٹ سے سنائے گئے اور اُنہوں نے نہایت ہی حیرت انگیز طور سے دنیا کی اُمیدوں کے بالکل برخلاف اپنی صداقت کو ظاہر کیا۔ ان کی اعلانوں میں نہ صرف خدائے تعالیٰ کا علیم اور خبیر ہونا پایا جاتا ہے بلکہ ان سے اُس کا قدیر۔ عزیز۔ اور ذو انتقام ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے ان پیشگوئیوں کے ذریعہ

آسمان سے یہ شہادت دی کہ مکہ میں جو شخص نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے وہ میری طرف سے ہے اور میں اُس کے ساتھ ہوں اور میں اُس کو فتح دوں گا اگرچہ بظاہر کوئی آثار فتح کے نظر نہیں آتے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایسا کرشمہ دکھایا کہ جس وقت اُس نے اپنے بندوں کو فتح بخشی اُس وقت بھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کو فتح حاصل ہو گی۔ مسیحی صاحبان انصاف کریں۔ وہ کیسی عجیب باتیں تھی جن کا اعلان مکہ کی گلیوں میں کیا گیا۔ کیا اُس وقت اس مکہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ کہنا عجیب نہ تھا کہ میرے پیرو اس ملک کے وارث ہونگے؟ اور پھر کیا یہ عجیب بات حقیقی طور پر سچی اور درست ثابت نہ ہوئی۔ کیا یہ پیشگوئی اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت نہیں کہ وہ سچا نبی تھا جس نے اس سچی اور زبردست پیشگوئی کو شائع کیا۔

مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اور بھی نازک تھی۔ کیونکہ مکہ معظمہ میں تو صرف ایک قریش ہی دشمن تھی مگر مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے کے بعد نہ صرف قریش مسلمانوں کی بیخکنی پر پہلے سے بھی زیادہ آمادہ ہو گئے۔ بلکہ ریگستان عرب کے بے شمار قبائل نے بھی قریش کی طرح مسلمانوں کو دُکھ دینے پر کمر باندھ لی۔ اور اُنپر متواتر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ اور انہی پر بس نہ تھی۔ خود مکہ کے اندر ایک جانی دشمنوں کی جماعت تھی جو اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرتے تھے مگر در اصل مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ اور ان کے علاوہ یہود کے کئی ایک طاقتور قبائل تھے جن کے سینوں کے اندر حسد کی آگ شعلہ زن تھی اور جو مسلمانوں کے استیصال کے لئے عرب کے قبائل کو اُکساتے تھے اور جنھوں نے مسلمانوں کے برخلاف کل جزیرہ عرب میں پھر کر جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیئے جان توڑ کوششیں کیں۔ پھر یہ دشمنی جزیرۂ عرب تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عرب کے حدود پر جو زبردست سلطنتیں ایرانیوں اور رومیوں کی تھیں اُنھوں نے بھی مسلمانوں کے برخلاف سر اُٹھایا اور چاہا کہ اس نئے مذہب کا خاتمہ کر دیں ایسے مشکلات کے ماتحت پھر خدائے تعالیٰ کی وحی نے نصرت اور کامیابی کی خوشخبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنائی۔ چنانچہ چند آیات مدنی سورتوں کی یہاں نقل کیجاتی

ہیں جو نصرت اور تائید کے وعدوں پر مشتمل ہیں ؛

(۱) کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ہ (مجادلہ۔۳)
اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب آئیں گے تحقیق اللہ تعالیٰ طاقتور اور زبردست ہے۔

(۲) اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ (مجادلہ۔۳)
یہی لوگ (یعنی صحابہ کی جماعت) خدائے تعالیٰ کا گروہ ہیں۔ آگاہ رہو کہ ضرور خدائے تعالیٰ کا گروہ ہی کامیاب ہوگا۔

(۳) اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کُبِتُوْا کَمَا کُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (مجادلہ۔۱) جو لوگ کہ خدائے تعالیٰ اور اُس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں وہ اسی طرح ہلاک کیے جاویں گے جیسے کہ وہ لوگ ہلاک کیے گئے جو اُن سے پہلے تھے۔

(۴) وَیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا ہ (فتح۔۱) اور اللہ تعالیٰ ایک زبردست مدد کے ساتھ تیری نصرت کرے گا۔

(۵) وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط (مائدہ۔۱۰) اللہ تعالیٰ لوگوں سے تجھے بچائے گا۔ یعنی اگرچہ ہزارہا آدمی تیرے خون کے پیاسے ہیں۔ مگر کسی کو اپنے بد ارادے میں کامیابی حاصل ہوگی اور خدائے تعالیٰ تیری جان کی حفاظت فرمائے گا۔

(۶) قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ یعنی اپنے منکروں کو کہہ دے کہ تم مغلوب کیئے جاؤ گے۔ (آل عمران۔۲)

اب میں پادری صاحبان کے فیصلہ پر ہی یہ امر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں یا نہ۔ مثلاً کیا خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ میں تیری جان کی حفاظت کروں گا سچا نکلا یا نہ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی گھمسان کی لڑائیوں میں شریک تھے اور دشمنوں کے خاص حملوں کا نشانہ رہے بلکہ لڑائیوں کے علاوہ بھی آپ کی جان پر کئی کوششیں کی گئیں۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق آپ کی جان کو محفوظ رکھا۔ مسیحی صاحبان خود قیاس کر سکتے ہیں کہ دشمنوں نے جو اسلام کا نام و نشان مٹانے کے

دسیسے تھے کیا گیا کوششیں آپ کی جان کے لینے کے لیئے نہ کی ہونگی۔ یہودیوں نے کیا سے زیادہ دفعہ آپ کو قتل کرنا چاہا۔ چکّی کے پاٹ کے نیچے آپ کو کچل ڈالنے کا منصوبہ کیا گیا۔ زہر دی گئی۔ مکّہ سے ابوسفیان نے ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لیئے مدینہ میں مخفی طور پر روانہ کیا۔ خود فتح مکّہ کے دن آپ کو قتل کرنیکی تدبیر کی گئی۔ اُحد کی لڑائی میں ایک فوج نے آپ کی ذات پر دھاوا کیا چنانچہ آپکے دانت مبارک بھی شہید کیئے گئے۔ آپ کے خود کی کنڈیاں آپ کے رخساروں میں دھنس گئیں اور آپ کو اور بھی زخم پہنچے۔ بلکہ ایک شیطان نے یہ بھی کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو چکے ہیں۔ ان تمام کوششوں کے باوجود اور ان تمام خطرات کے ہوتے ہوئے خدائے تعالیٰ نے آپ کو یہ بشارت دی کہ آپ کی جان دشمن کے ہاتھ سے ہمیشہ محفوظ رہیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کیا پادری صاحبان اس پیشگوئی کے وجود سے اور اس کے پورا ہونے سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

بیشتر اس کے کہ میں اُن پیشگوئیوں کی طرف رجوع کروں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بعد کے واقعات کی خبر دیتی ہیں دو اور پیشگوئیوں کو بھی یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو آپ کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (دخان - ۱) پس تو منتظر رہ اُس دن کا جب کہ آسمان ایک کھلا کھلا دھواں لائے گا۔ جو کہ آدمیوں کو ڈھانک لے گا۔ یہ درد دینے والا عذاب ہے۔ یہ پیشگوئی کسطرح پوری ہوئی اس کی کیفیت صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل حدیث سے ظاہر ہو جائے گی۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبہ قال حدثنا جریر عن منصور عن ابی الضحیٰ عن مسروق قال کنا عند عبد اللہ فقال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما رای من الناس ادبارا قال اللھم سبعا کسبع یوسف فاخذتھم سنۃ حصت کل شئ حتی اکلوا الجلود والمیتۃ والجیف وینظر احدھم الی السماء فیری الدخان من الجوع فاتاہ ابوسفیان فقال یا محمد انک تامر

بطاعة الله و بصلة الرحم و ان قومك قد هلکوا فادع الله لهم قال الله تعالیٰ فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین الی قوله عائدون یوم نبطش بطشة الکبریٰ فالبطشة یوم بدر و قد مضت الدخان والبطشة واللزام و آیة الروم۔ (صحیح بخاری جزء اوّل صفحہ ۱۴۱)

یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگوں نے حق کی طرف سے پیٹھ پھیر لی ہے تو آپ نے دعا کی کہ اے خدا، تو ایسے ہی سات سال قحط کے بھیج جیسا کہ تُو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال کا قحط بھیجا تھا۔ (تاکہ لوگ خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کریں) چنانچہ (اس دعا کے مطابق) ایسا قحط پڑا جو ہر ایک چیز کو کھا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے چمڑے اور مردے۔ اور مرداروں کی لاشیں کھانی شروع کر دیں اور جب کوئی آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتا تو بھوک کی وجہ سے اُس کو آسمان دُھوآں دھار نظر آتا۔ جب یہانتک نوبت پہنچ گئی تو آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور اُس نے آکر عرض کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تُو خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری اور صلہ رحمی کا حکم کرتا ہے اور تیری قوم قحط کی وجہ سے ہلاک ہو گئی ہے۔ پس تُو خدا کے پاس دعا کر کہ یہ قحط دُور ہو جاوے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۙ اور پھر فرمایا ہے یوم نبطش بطشة الکبریٰ۔ پس بطشة کی پیشگوئی بدر کے دن پوری ہوئی۔ دخان کی پیشگوئی۔ بطشة کی پیشگوئی اور لزام (فسوف یکون لزاما۔ سورہ فرقان) کی پیشگوئی یہ سب پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ غرض دخان کی پیشگوئی جس کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے هٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وہ سخت قحط کے ذریعہ پوری ہوئی اور جب لوگوں کو بھوک کی وجہ سے آسمان دھوآں دھار نظر آنے لگا اُسوقت اُن کو یہ پیشگوئی جو خدائے تعالیٰ نے مکہ میں نازل فرمائی تھی یاد آگئی۔ یعنی فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین۔ یغشی الناس۔ هٰذا عذاب الیم۔ اُس وقت اُن کو اس پیشگوئی کا نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا اور جو نقشہ

پیشگوئی مذکورہ نے لفظوں میں قبل از وقت کھینچا تھا جب وہی نقشہ اُن کی نظروں کے سامنے آگیا اور واقعات کی تصویر اُس لفظی تصویر کے بالکل مطابق ہوگئی تو اُسوقت لوگ بول اُٹھے کہ یہ وہی عذاب الیم ہے جس کی سورۂ دخان میں خبر دی گئی تھی ؁

مکّی سورتوں میں ایک اور بھی عجیب پیشگوئی ہے۔ وہ خدائے تعالیٰ کا کلام جو مکّہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اُسی کلام الٰہی میں ایک آیہ کریمہ یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ (سورہ قصص - ۹) یعنی جس خدائے تعالیٰ نے تجھ پر قرآن کا حکم فرض کیا ہے وہ تجھے پھر وطن کی طرف واپس لائے گا۔ اس آیت کریمہ میں دو پیشگویاں شامل ہیں یعنی خدائے تعالیٰ نے دو امور کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از وقت خبر دی اوّل یہ کہ آپ کو اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑیگی دوسرے یہ کہ آپ پھر اسی شہر میں واپس تشریف لاوینگے۔ مگر مکّہ میں جو دشمنوں کا گھر تھا ہجرت کے بعد دوبارہ آنا کوئی آسان امر نہ تھا۔ جب تک وہ زبردست دشمن جن کی ایذا دہی اور مظالم سے تنگ آکر اپنی جان بچانے کے لیئے مسلمان ایک دُور کے شہر میں بھاگ گئے تھے وہ پھر اُس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے جب تک اُن کے زبردست اور ناخداترس دشمن ذلیل ہوکر عاجز نہ ہو جاویں۔ پس خدائے تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں ایک تیسرے امر کی بھی خبر دی یعنی یہ کہ اگرچہ اس وقت تو ایسی لاچاری کی حالت میں ہے کہ تیرے لیئے اور تیرے پیروؤں کے لیئے اس شہر میں رہنا محال ہوگیا ہے مگر خدائے تعالیٰ تیری ایسی نصرت کرے گا کہ یہی تیرے ظالم دشمن جو اس وقت تیری جان کے پیاسے ہیں۔ تیرے سامنے خاک میں ملا دیئے جائیں گے۔ تو مظفر و منصور ہوگا اور تیرا دشمن مغلوب ہوگا اور تو کامیاب ہوکر پھر واپس اپنے وطن میں آئیگا غرض اس ایک آیہ کریمہ میں دو نہیں بلکہ تین پیشگویاں ہیں۔ اوّل یہ کہ تجھے تیرے دشمن اس بات پر مجبور کریں گے کہ تو اُن کے خونی ہاتھوں سے اپنی جان بچانے کیلئے کسی اور شہر میں جاکر پناہ لے۔ دوم یہ کہ یہی ظالم دشمن آخر تیرے سامنے ہلاک کیئے جاویں گے اور جو باقی رہ جائیں گے وہ تیرے فرمانبردار ہو جائیں گے تو

مظفر و منصور ہوگا اور نمبر ۲ دشمن مغلوب ہوگا۔ سوم یہ کہ پھر تو مظفر و منصور ہو کر اسی شہر میں داخل ہوگا جس سے کہ اب تجھے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنا پڑے گا۔ خدائے تعالیٰ نے ایک اور مکی سورہ میں فرمایا وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ○ سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ○ (بنی اسرائیل - ۸) اور تحقیق نزدیک تھے کہ بچلا دیں تجھکو اس زمین سے تاکہ تجھ کو اس میں سے نکالدیں اور اُس وقت نہ رہیں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا عرصہ۔ یہ طریق اُن ہمارے رسولوں کے ساتھ وابستہ رہا ہے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور تو اس طریق میں کوئی تغیر نہیں پائے گا۔ اس آیہ کریمہ میں بھی دو امور کی خبر دی گئی ہے ایک یہ کہ تیرے مخالف تجھے اس بات پر مجبور کریں گے کہ تُو اپنے شہر سے بھاگ کر کسی اور شہر میں جاکر پناہ لے۔ دوسرے یہ کہ جب تُو اس شہر سے نکل جائیگا تو اُس کے بعد تیرے مخالف بہت عرصہ تک اپنے شہر میں عیش نہیں منائیں گے بلکہ جلدی ہی اُن کا فیصلہ کیا جائے گا گذشتہ انبیاء کی صورت میں بھی ہمارا یہی دستور رہا ہے اور اب بھی یہی دستور برتا جائے گا۔ اس قاعدہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لے گئے تو اُس کے بعد جلدی ہی یعنی قریباً ایک سال بعد مکہ کے قریش ابوجہل کی سرداری کے ماتحت اپنے شہر سے نکلے اور بدر کے میدان پر مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کی جس میں تمام سرداران قریش ہلاک ہوئے اور کئی قید میں پکڑے گئے اور دوسرے ہزیمت اُٹھا کر بھاگے۔ بعض سمندر میں بھی جاکر غرق ہوگئے اور اس طرح وہ وعدہ پورا ہوا جو آیتہ مذکورہ بالا میں کیا گیا تھا یعنی یہ کہ تیری ہجرت کے بعد یہ لوگ جو تیرے قتل کرنے کے منصوبے کرکے تجھے اس شہر سے بھاگنے کے لئے مجبور کرینگے تھوڑا عرصہ ہی ٹھیر سکینگے +

اب میں اُن پیشگوئیوں میں سے چند ایک بطور نمونہ کے نقل کرتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے واقعات کی خبر دیتی ہیں۔ ان میں سے ایک پیشگوئی

اُن امور کے متعلق ہے جو فوراً آپ کی وفات کے بعد پیش آنیوالے تھے۔ اُس وقت جب کہ اسلام ابھی پیدا ہی ہوا تھا اور ہر لحہ یہ خوف تھا کہ دشمن کا ہاتھ اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دیگا۔ ایسے وقت میں نہ صرف یہ وعدہ دیا گیا کہ دشمن اپنے بد ارادہ میں ناکام رہے گا اور یہ کہ اسلام بڑھے گا اور ترقی کرے گا بلکہ یہ بھی خبر دی گئی کہ یہ ملک جو اب بُت پرستی کا گھر بنا ہوا ہے یہ اسلام کا ملک ہوگا اور موجودہ بُت پرست صفحہ ہستی سے نابود ہو کر اُن کی جگہ اسلام کے پیروے لیں گے اور یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام پورا کر کے اس عالم سے رخصت ہو کر اپنے رفیق اعلیٰ کے ساتھ جا ملیں گے اُس وقت خدائے تعالیٰ زمین میں آپ کے جانشین قائم کرے گا جو آپ کے کام کو جاری رکھیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خدائے تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے جانشین کھڑے کیئے۔ اس کے ساتھ یہ بھی خبر دی گئی کہ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد پھر اس مذہب پر ایک خطرناک زمانہ آنے والا ہے مگر اُس وقت خدائے تعالیٰ پھر اس کی مدد کرے گا اور اسلام کو دوبارہ ملک میں استحکام دے گا اور خوف کو دُور کر کے اُس کی جگہ امن کو قائم کرے گا۔ جس آیہ کریمہ میں یہ پیشگوئی قبل از وقت شائع کی گئی وہ یہ ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور۔ ۷) یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اُن کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن لوگوں کو خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے (یعنی موسوی سلسلہ کے خلیفے) اور جس دین کو خدائے تعالیٰ نے اُن کے لیئے پسند کیا ہے خدا اُسے استحکام دے گا اور خوف اپر آئیگا مگر خدائے تعالیٰ اُس کو دُور کر کے اُس کی جگہ امن اُن کے لیئے قائم کر دیگا۔

یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آیہ مذکورہ بالا میں صرف اُنہی خلفاء کا ذکر نہیں ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی اس آیہ کریمہ کا مصداق ہوئے بلکہ

اس میں خلفاء کے ایک لمبے سلسلے کا وعدہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تجدید دین کے لئے موسوی خلفاء کے قدم پر آنیوالے تھے۔ خدا نے تعالیٰ محمدی اور موسوی سلسلوں کے درمیان ایک مماثلت قائم کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ بانی سلسلہ محمدی ہیں آپ کو بانی سلسلہ موسوی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل بیان کیا گیا ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل)۔ یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔ اس آیہ کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت دی گئی ہے دونوں سلسلوں کے بانیوں میں مشابہت قائم کرنے کے بعد خدائے تعالیٰ دونوں سلسلوں کے خلفاء کو ایک دوسرے کا مثیل بیان فرماتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ سے ظاہر ہوتا ہے۔ انہی خلفاء کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مأیۃ من یجدد لھا دینھا۔ یعنی ہر ایک صدی کے سر پر خدائے تعالیٰ اس اُمت میں سے ایک شخص کو پیدا کرتا رہے گا جو اس زمانہ میں دین کی تجدید کرے گا۔ یعنی جو غلطیاں لوگوں کے عقائد و اعمال میں داخل ہوگئی ہونگی وہ اُن کو دُور کرے گا اور لوگوں میں روحانیت اور پاکیزگی کی روح پھونکے گا۔ چونکہ قرآن شریف کے رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت رکھتے ہیں اور اُن کے خلفاء کا سلسلہ موسوی خلفاء کے سلسلہ سے مشابہت رکھتا ہے اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمدی سلسلہ میں آخری خلیفہ موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ یعنی حضرت مسیح ابن مریم کا مثیل ہوگا۔ اور یہ کہ جیسا کہ موسوی سلسلہ کے خلفاء میں حضرت مسیح علیہ السلام ایک خاص درجہ اور خاص شان رکھتے ہیں ایسا ہی محمدی سلسلہ کے خلفاء میں جس نے مثیل مسیح ہو کر آنا تھا اُسکی شان بھی دوسرے محمدی خلفاء میں ایک خاص امتیاز رکھنے والی ہونی چاہیئے تھی۔ اس آخری خلیفہ کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ ابن مریم رکھا ہے

یہ بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ ابن مریم سے خاص مماثلت رکھنے والا ہوگا۔ یہ ایسا ہی نام ہے جیسا کہ اسرائیلی نبیوں نے حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام کا نام روحانی مشابہت کی وجہ سے الیاسؑ رکھا۔ چنانچہ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے یہودی علماء نے یہ سوال کیا کہ اگر تو مسیح موعود ہے تو وہ الیاس (علیہ السلام) کہاں ہے جس کے آنیکا وعدہ آسمانی کتابوں میں دیا گیا ہے اور جس نے مسیح موعود کے ظہور سے پہلے ظاہر ہونا تھا تو اس سوال کا جواب حضرت مسیح علیہ السلام نے یہی دیا کہ تمہارا یہ انتظار کہ خود حضرت الیاس علیہ السلام دوبارہ آسمانوں سے زمین پر نازل ہونگے محض لغو ہے۔ آنیوالا الیاسؑ آچکا ہے اور وہ یہی یحییٰ ابن زکریا (علیہما السلام) ہیں۔ چاہے قبول کرو چاہے نہ کرو۔

اُمّت محمدیہ میں ایک عظیم الشان خلیفے کا آنا جس نے موسوی اور محمدی سلسلوں کی باہمی مماثلت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے قدم پر آنا تھا صرف اُسی آیت استخلاف سے ثابت نہیں ہوتا جس کو میں اوپر نقل کر چکا ہوں بلکہ قرآن شریف کے اور مقامات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت جس میں محمدی سلسلہ کے ایک عظیم الشان امام کے ظہور کا ذکر ہے یہ ہے اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً (ہود-۲) کیا وہ جو اپنے ربّ کی طرف سے کُھلی کُھلی دلیل پر ہے اور اُس کے پیچھے ایک شاہد آتا ہے جو اُسی میں سے ہے اور اُس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب ہے جو امام اور رحمت ہے۔ اس آیہ کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں تین قسم کی شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ اوّل وہ نشانات۔ معجزات اور براہین جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت جس کی پیشگوئیاں اور مقرر کردہ نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔ تیسرا ایک گواہ جو بعد میں آنیوالا تھا اور جو کسی غیر شریعت یا ملت سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع۔ یعنی آپ ہی میں سے تھا۔ یہاں خدائے تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

صداقت کا نہایت ہی زبردست ثبوت دیتا ہے۔ اوّل فرماتا ہے کہ یہ نبی تو خود بیّنہ لیکر
آیا ہے۔ یعنی اس کو ہرگز ضرورت نہیں کہ کوئی غیر شخص اس کی صداقت کی گواہی دیکر اسکی
تائید کرے بلکہ جو جو نشانات اور معجزات اور بیّنات یہ نبی اپنے ساتھ لایا ہے وہی اس کی
صداقت کا زبردست ثبوت ہیں۔ یہ اس بات کا ہرگز محتاج نہیں کہ کسی پہلی کتاب میں سے
اس کی تائید کے لیئے کوئی پیشگوئی یا مقرر کردہ علامت تلاش کی جائے اور نہ اس کو اس امر
کی ضرورت ہے کہ بعد میں آنیوالا کوئی عظیم الشان مکالمہ الٰہی کا مورد اس کی صداقت کی گواہی
دے بلکہ یہ خود خدائے تعالیٰ کی طرف سے اپنے سچّا ہونے کے زبردست کھلے کھلے نشان اپنے
ساتھ لایا ہے جو بیّن طور پر اور نہایت وضاحت کے ساتھ آپ کی سچائی کو ثابت کر رہے ہیں
اور اگر اور کوئی شہادت نہ بھی ہوتی پھر بھی کوئی حرج کی بات نہ تھی کیونکہ خود اس کے اپنے بیّنات
اور نشانات اور معجزات اور خوارق اور آیات نے اس کی صداقت کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ مگر
خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو اور بھی زیادہ چمکانے کیلیئے دو اور گواہ
بھی پیش کیئے ہیں ایک گواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے گذر چکا ہے۔ دوسرا
آپ کے بعد آنیوالا تھا۔ پہلا گواہ جیسا میں بیان کر چکا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے جو
اپنی پیشگوئیوں اور مقرر کردہ علامات کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سے ہے
مگر اس کی گواہی بھی وہی وقعت رکھتی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گواہی وقعت رکھتی ہے
بلکہ اگر قرآنی ترتیب کو دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پیچھے آنیوالے شاہد کی گواہی
توریت کی شہادت سے بھی زیادہ وقعت رکھتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ زمانی ترتیب کے لحاظ سے چاہیئے تھا کہ اس
آخری زمانہ کے شاہد کی گواہی کو آخر میں رکھا جاتا ... اور توریت کی گواہی کو جو پہلے گذر چکی ہے
پہلے رکھا جاتا.... مگر خدائے تعالیٰ نے اس ترتیب کو توڑ کر ظاہری قیاس کے برخلاف پہلی
آخری زمانہ کے شاہد کی گواہی کو ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیچھے آنیوالی شاہد
کی شہادت توریت کی شہادت سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ اور قرآن شریف میں جو وقعت
اس پیچھے آنیوالے شاہد کی شہادت کو دیگئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی شہادت بھی
اسی قسم کی شہادت ہے جو خدائے تعالیٰ کے انبیاء کی شہادت ہوتی ہے یعنی وہ بھی خدائے تعالیٰ

سے الہام پاکر اور وحی الٰہی کے سرچشمہ سے سیراب ہوکر دنیا کے سامنے یہ گواہی دیگا کہ وہ نبی
جو عرب میں پیدا ہوا اور جس پر قرآن کریم جیسی کتاب نازل ہوئی اور جس کو خاتم النبیین کا معزز
خطاب دیا گیا وہ واقعی کل نبیوں کا سردار تھا اور فی الحقیقت نبوت کے تمام انعامات
اُسپر کامل اور اتم طور پر پورے ہوچکے ہیں۔ اس شاہد کی نسبت کہا گیا شَاھِدٌ مِّنْہُ
یعنی یہ گواہی دینے والا کوئی باہر سے نہیں آئے گا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں سے
ہوگا اور آپ کا غلام یعنی **غلام احمد** ہوگا۔ مگر باوجود غلام ہونے کے اُس کی شہادت
کو بطور ثبوت کے پیش کیا گیا ہے بلکہ توریت کی شہادت سے اُس کی شہادت کو
اعلیٰ درجہ دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی انبیاء علیہم السلام کی طرح خدائے
تعالیٰ سے وحی پاکر شہادت دیگا۔ اس لیئے اُس کی شہادت معمولی شہادت نہیں ہوگی۔
اوّل وہ اپنی تائید اور تصدیق میں خود نشانات دکھائیگا اور دنیا پر ثابت کرے گا کہ میں
اُسی جماعت میں سے ہوں جو انبیاء کی جماعت کہلاتی ہے۔ وہ انبیاء کی خلعت میں ظاہر
ہوگا اور اپنی سچائی کو روشن نشانات اور آسمانی گواہیوں اور زبردست براہین کے ذریعہ
دنیا پر ثابت کریگا۔ پس جب کہ اُس کی صداقت ایک ثابت شدہ امر ہوگی اسلیئے اُس کو حق
حاصل ہوگا کہ وہ ایک نبی کے دعویٰ کے متعلق اپنی شہادت دے۔ اس لیئے باوجود غلام احمد
ہونیکے اُس کی شہادت وہی درجہ رکھے گی جو انبیاء علیہم السلام کی شہادت کا درجہ ہوتا ہے
کیونکہ وہ اُسی قسم کے نشانات سے اپنا مرسل من اللہ ہونا ثابت کرے گا۔ چونکہ وہ خدا کی طرف سے
آئے گا اور اپنی سندوں اور سرٹیفکٹوں کے ساتھ آئیگا اس لیئے اُس کی شہادت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ہوگی۔ غرض خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے
نبی کے ماننے میں تمہیں کیا تامل ہوسکتا ہے جو خود بھی ایسے روشن دلائل اور نشانات و معجزات
کے ساتھ آیا ہے کہ اُس کو کسی دوسرے شخص کی شہادت کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی
خدائے تعالیٰ نے اُس کی صداقت کو اور بھی درخشاں و تاباں بنانیکے لئے دو عظیم الشان گواہ کھڑے
کر دیئے ہیں ایک گواہ تو پیچھے آنیوالا ہے جو اسی نبی کی فیض سے کامل طور پر مستفیض ہوکر نبوت کا
منصب حاصل کریگا وہ غلام احمد ہوگا اور خود اس کا وجود ایک یقینی ثبوت اس امر کا ہوگا کہ

وہ نبی بڑا ہی عظیم الشان نبی ہے جس کا یہ غلام ہے۔ چنانچہ اس امر کی طرف خدائے تعالیٰ اُس تازہ وحی میں اشارہ کرتا ہے جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی اور وہ وحی یہ ہے۔

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے ٭ جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

دوسرا گواہ پہلے گذر چکا ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت ہے۔ غرض آیہ کریمہ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ایک پیشگوئی ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کی خبر دی گئی ہے ٭

مَیں ایک دو اور قرآنی پیشگویاں یہاں نقل کرتا ہوں جو موجودہ زمانہ سے تعلق رکھتی ہے اور جو حضرت مسیح موعود علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعض علامات کا ذکر کرتی ہیں۔ قرآن شریف کی ایک آیہ کریمہ فرماتی ہے کہ جب آسمانی نشانوں کے ذریعہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائیگی اور لوگ ہمارے نشانوں کا (جو مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر ظاہر ہونگے) انکار کرینگے تو اُس وقت ہم زمین میں سے ایک کیڑا پیدا کریں گے جو لوگوں کو زخمی کرے گا۔ یقیناً یہ کیڑا طاعون کا کیڑا ہے جس نے حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اور لوگوں پر اتمام حجت کے بعد ظہور کیا ہے اور جو لاکھوں انسانوں کو زخمی کر چکا ہے اور معلوم نہیں کہ کتنے لوگوں کو آئندہ زخمی کریگا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (نحل۔ ۷) یعنی جب حجت پوری ہو جائے گی (اور فرد جرم لگ جائیگا) اُس وقت ہم لوگوں کے لیئے زمین میں سے ایک کیڑا نکالیں گے جو اُن کو کاٹے گا اس لیئے کہ لوگ ہمارے نشانوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔ اس آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کیڑا لوگوں کے لیئے ایک عذاب ہوگا اور یہ عذاب نشانات کے ظاہر ہونے کے بعد واقع ہوگا یعنی اُس وقت جبکہ نشانوں کے ذریعہ لوگوں پر حجت پوری ہو چکی ہوگی۔ پھر اس آیہ کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ عذاب کس قسم کا ہوگا یعنی وہ عذاب ایک کیڑے کی شکل میں ظاہر ہوگا اور ظاہر ہے کہ طاعون کا عذاب جس میں آجکل دنیا مُبتلا ہے وہ دراصل ایک کیڑا ہی ہے اور یہ کیڑا زمین کے

پیٹ میں پرورش پاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا پہلا حملہ چوہوں پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ انسانوں کو زخمی کرنا شروع کر دیتا ہے پس یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ظاہر ہو کر آپ کے صدق دعویٰ پر ایک مُہر الٰہی ہے اور اس کا سب سے سخت حملہ پنجاب پر ہوا جہاں وہ موعود ظاہر ہوا۔ لیکن دوسرے ممالک بھی اس قہری نشان کو دیکھیں گے کیونکہ وہی خدا جس نے ۱۳۰۰ سال پہلے اس عذاب کے ظہور کی خبر دی اور یہ بھی بتلا دیا کہ وہ عذاب ایک کیڑے کے ذریعہ سے واقع ہوگا جو زمین میں پیدا ہوگا اور جس خدا نے اپنے مسیح موعود علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کو قبل از وقت آنیوالے عذاب کی خبر دی اُسی خدا نے حضرت مسیح موعود (علیہ و علیٰ مطاعہ الصلوٰۃ والسلام) کو یہ بھی خبر دی ہے کہ یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی وبا پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی۔

قرآن شریف کی ایک اور آیت کریمہ جو اس زمانہ کے متعلق اپنے اندر ایک پیشگوئی رکھتی ہے اور جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بطور ایک نشان کے ہے یہ ہے وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ یعنی جب اونٹ بیکار چھوڑ دی جائیں گے۔ یہ امر کہ یہ آیت حضرت مسیح موعود علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک ثبوت ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث میں حضرت مسیح موعود (علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) کے ظہور کی یہ علامت لکھی ہے۔ ایترکن القلاص فلا یسعی علیھا یعنی مسیح موعودؑ کے زمانہ میں اونٹ ترک کر دی جائیں گے اور کوئی ان پر سواری نہ کریگا۔ ان دونوں پیشگوئیوں کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں پیشگوئیاں دراصل ایک ہی ہیں یعنی جس امر کی قرآن مجید میں آیت کریمہ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ میں خبر دی گئی ہے اُسی کی حدیث شریف میں خبر دی گئی ہے اور چونکہ حدیث شریف میں اونٹوں کا ترک کیا جانا حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کا ایک نشان ہے اس لئے وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ بھی حضرت مسیح موعود (علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) کے زمانہ کی ہی ایک علامت ہے۔ چنانچہ یہ علامت اس زمانہ میں ریل کے جاری ہونے سے پوری ہو چکی ہے بلکہ خود مدینہ منورہ تک ملک عرب میں ریل پہنچ گئی ہے۔ غور کرنیوالے اس نشان سے فائدہ اٹھائیں۔

اب یادر یصاحبان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ قرآن شریف میں صرف ایک ہی پیشگوئی ص

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

سالانہ جلسہ

سال گذشتہ میں بعض احباب کی تحریک پر یہ سوال کہ آیا سالانہ جلسہ ایام تعطیلات کرسمس ماہ دسمبر میں ہوا کرے یا ایام تعطیلات ایسٹر ماہ اپریل میں انجمنہائے احمدیہ کے سامنے رکھا گیا تھا۔ اس وقت اس تفصیل کی ضرورت نہیں کہ کن انجمنوں نے ایک کو ترجیح دی اور کن نے دوسرے کو اور کیا وجوہات ترجیح کی تھیں۔ اس سوال کا آخری فیصلہ ۵ نومبر کے جلسہ معتمدین میں ہو گیا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح سے بھی استصواب کرکے آئندہ سالانہ جلسہ کی تاریخیں ۲۷-۲۸-۲۹ دسمبر قرار دی گئی ہیں۔ سال گذشتہ میں ۲۵ دسمبر سے جلسہ شروع کیا گیا تھا۔ مگر بہت سے احباب جنہوں نے دور سے آنا تھا پہلے اجلاسوں میں شامل نہ ہو سکے اس لیئے تعطیلات کی درمیانی تاریخیں تجویز کی گئی ہیں۔ تاکہ دور و نزدیک سے احباب کم ازکم پورے تین یوم کے لیئے جلسہ میں شامل ہو سکیں۔ یہ خیال کہ ملک معظم کی کی تاجپوشی کے متعلق جو جلسہ دہلی میں ہونیوالا ہے وہ ہمارے احباب کے اپنے سالانہ جلسہ میں شامل ہونے میں مانع ہوگا صحیح نہیں ہے۔ جلسہ تاجپوشی ۱۲ دسمبر کو ختم ہو جاویگا۔ اور پورے دو ہفتہ بعد ہمارا سالانہ جلسہ شروع ہوگا اور یہ وقت ان احباب کے لیئے جنہیں جلسہ دہلی میں حصہ لینے کی ضرورت پڑی ہے۔ وہاں سے فراغت پاکر اپنے جلسہ میں شامل ہونیکے لیئے کافی ہے ؛

سالانہ جلسہ کے موقعہ پر گذشتہ دو تین سال میں جو رعایت تخفیف کرایہ کی ملجایا کرتی تھی وہ اس سال حاصل نہیں ہو سکی۔ اور محکمہ ریلوے نے ان رعایتوں کے علاوہ جو معمولی طور پر تعطیلات کرسمس کے موقعہ پر ہوا کرتی ہیں کسی مزید رعایت کے دینے سے انکار کیا ہے۔ اس لیئے کسی درخواست کے کانسٹن سرٹیفکٹوں کے لیئے بھیجنے کی ضرورت نہیں میں اپنے دوستوں پر یہ حسن ظن رکھتا ہوں کہ ریل کے کرایہ میں ایک خفیف سی رعایت کا

نہ ملنا خدا کی راہ میں قدم اُٹھانے میں ان کے لیئے روک نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کسقدر احسان ہے کہ سفر کے لیئے اس نے ایسی آسان راہیں پیدا کر دی ہیں۔ ورنہ ہمارے زمانہ سے پہلے کسقدر صعوبتیں اُٹھا کر لوگ سفر کیا کرتے تھے۔ کامیابی اور ترقی کی یہ علامت ہے کہ ہر ایک مشکل کے وقت قوم کی ہمت اور بھی بڑھے۔ اور ایک عظیم الشان غرض اور مقصد کے بالمقابل مشکلات ایسی ہی معلوم ہوں جیسے ایک پہاڑ کی بلندی پر چڑھنے کے لیئے رستہ کے چھوٹے چھوٹے پتھر یا چھوٹی چھوٹی خاردار جھاڑیاں۔

پس اس سالانہ اجماع میں شمولیت کے لیئے میں اپنے دوستوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بلند ہمتی سے کام لیں اور اگر کوئی مشکل نظر آئے تو اس پر غالب آنے کیلیئے اور بھی ہمت کو بلند کریں۔ بہت سے دوست ہیں جو چھوٹے چھوٹے عذروں کی وجہ سے اس بابرکت اجتماع میں شمولیت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ میرے دوستو! چھوٹی اغراض کو بڑے مقاصد کے سامنے قربان کرنا سیکھو جب تک اس گُر کو ہاتھ میں لیکر کام نہ کروگے کامیابی کا مُنہ دیکھنا مشکل ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی ہر ایک غرض دین کے مقاصد کے سامنے ایک حقیر چیز ہے۔ کیا ایک سال میں پانچ سات یا دس دنوں کے لیئے تم اپنے وطنوں کو چھوڑ نہیں سکتے اور ایک نہایت خفیف حصہ اپنے مال کا اللہ کی راہ میں سفر کرنے کے لیئے خرچ نہیں کر سکتے؟ جب تم ان باتوں کو مانتے ہو تو عملی طور پر ان کو کر کے دکھاؤ ورنہ خیالی مان لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ موت ہر وقت سامنے کھڑی ہے۔ کون جانتا ہے کہ جب وہ ایک نیکی کے موقعہ کو ہاتھ سے دیدیگا تو اس کے کفارہ کے لیئے پھر اسے دوسرا موقعہ بھی ملجائیگا۔ پس جو موقعہ ملتا ہے اسے غنیمت سمجھکر اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ کسی مشکل کو تمھاری راہ میں روک نہ ہونے دے۔

سالانہ جلسہ کی اطلاع کے ساتھ میں ایک دوسرے اہم امر کی طرف اپنے احباب کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ جلسہ سالانہ کے اخراجات کا سوال ہے۔ یہ بات احباب سے پوشیدہ نہیں کہ لنگر خانہ خود اس وقت دو ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اور مزید براں لنگر خانہ کی توسیع کے لیئے روپے کی اشد ضرورت ہے۔ ان ضرورتوں پر اب تیسری ضرورت

اس مد کی جلسہ سالانہ کے اخراجات ہیں۔ میں نے گذشتہ ماہ میں احباب کو ان تینوں ضرورتوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دوست ان ضروریات کے لیئے فکر میں ہوں گے۔ مگر سردست اخراجات جلسہ سالانہ کا سوال مجھے دوبارہ پیش کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ ۳۰ نومبر تک کافی روپیہ اخراجات جلسے کے لیئے ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تاکہ اطمینان سے ضروری اشیاء مہیا کر لیجاویں۔ اخراجات جلسہ کا تخمینہ تین ہزار روپے سے کم کسی صورت میں نہیں۔ کیونکہ تین دن خاص جلسے کے اور ایک ایک دن آنے جانے کا۔ کل پانچ دن یہ ہیں اور علاوہ بریں احباب کی آمد در اصل ۲۲ دسمبر سے شروع ہو جاتی ہے اور یکم جنوری تک اچھا مجمع رہتا ہے۔ اس طرح پر جلسہ سالانہ در اصل قریباً گیارہ دن رہتا ہے جن ایام میں سے پانچ یوم فی وقت دو ہزار آدمی کی اوسط ہوگی اور چھ یوم ایک ہزار کے۔ اس طرح پر گویا سولہ ہزار آدمی کا انتظام ایک دن کیلیئے کرنا ہے۔ اور ادنیٰ خرچ ۳/ یومیہ فی کس لگانے سے بھی جس میں کھانے کے علاوہ دیگر ضروریات بھی شامل ہونگی تین ہزار روپے خرچ ہوتا ہے۔ اگر یہ خرچ پورا سالانہ جلسہ کے اخراجات کے بلوں میں نظر نہیں آتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً پانچ یوم سالانہ جلسہ کے رکھکر باقی خرچ لنگر خانہ میں ڈالدیا جاتا ہے۔ اور ان مہینوں میں لنگر خانہ کا خرچ اسوجہ سے بڑھا رہتا ہے۔ بہرحال اگر جلسہ ضروری ہے۔ تو اس کے اخراجات کے لیئے تین ہزار روپے کی ضرورت بھی ہے۔ اور یہ اٹل ضرورت ہے اور اسے پورا بھی احمدی جماعت نے ہی کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ ان ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں انکے نام خدا کے دفتر میں ہی لکھے جاتے ہیں۔ اور نام بنام انکا شکریہ ہم لوگ ادا نہیں کر سکتے مگر ایسا کرنا ممکن بھی نہیں ہے :

اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ امور فرائض میں داخل ہیں۔ جو شخص دیتا ہے وہ اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ اور یہی دینے والے کے لیئے زیادہ برکت کا بھی موجب ہے کیونکہ اس سے قربانی کی روح نشوونما پاتی ہے۔ پس میں یہ کہوں گا کہ یہ ضرورت اب سب ضرورتوں پر مقدم ہے۔ بحیثیت قوم احمدی قوم کا یہ فرض ہے کہ پہلے اس خرچ

کو پورا کر کے پھر دوسری ضروریات کی طرف توجہ کرے۔ خدا کی راہ میں دینے کی بہت سی راہیں ہیں مگر ایک وقت ہوتا ہے کہ بعض ضرورتوں کو دوسری ضرورتوں پر مقدم کرنا پڑتا ہے۔ میں یہ بھی سب احباب کو اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تحریک کے منشار کو پورا کرنے کے لیئے کوئی وقت گنوایا نہ جاوے۔ اور ہر جگہ فوری کارروائی کیجاوے۔ اس سے پہلے یہ تجویز کی گئی تھی کہ سب احباب ایک ایک روپیہ اخراجات جلسہ کے لیئے دیں۔ مگر چونکہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اس طرح پر چندہ فراہم کرنے کا نہ ہی موقعہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس وقت ایسا انتظام ہو سکتا ہے۔ اور علاوہ بریں اسوقت سب فنڈوں میں روپے کے کم ہونیکی وجہ سے بدون روپیہ جمع ہوئے اخراجات جلسہ کا انتظام پہلے سے ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا سب انجمنیں اس تجویز پر فوری عملدرآمد کریں۔ ایک روپیہ فی کس کم از کم چندہ وصول کیا جاوے۔ اور جو احباب زیادہ وسعت رکھتے ہیں وہ زیادہ دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اگر ساری جماعت میں چار سو آدمی پانچ پانچ روپے دینے والے کھڑے ہو جاویں اور ایک ہزار آدمی ایک ایک روپیہ تو یہ رقم آسانی سے پوری ہو سکتی ہے۔ اگر مخلص احباب توجہ فرماویں تو یہ تعداد جو اوپر لکھی ہے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ کانفرنسوں وغیرہ جلسوں میں شمولیت کے لیئے پانچ پانچ روپے صرف ٹکٹ داخلہ کے بھی لوگ خوشی سے دیدیتے ہیں ؛

انجمنہائے احمدیہ کے سکرٹری صاحبان کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اپنی اپنی انجمنوں کے اجلاس اس تحریک کے پہنچنے پر فی الفور کریں۔ اور فی الفور فہرستیں مرتب کر کے اور روپیہ وصول کر کے اطلاع دیں۔ ۳۰ نومبر تک جس قدر چندے وصول ہونگے انکی اطلاع انشاء اللہ تعالیٰ سب احباب کو دیجاویگی۔ مکرر التماس یہ ہے کہ اس تحریک پر فوری کارروائی ہو۔

محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

۸۔ نومبر ۱۹۱۱ء

قصائد احمدیہ

من الاسلام

حجۃ الاسلام

حضرت اقدس کی اردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں

مگر اب تک آپ کے قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے۔ اب عربی

قصائد بھی جمع کر کے ایک کتاب کی شکل میں شائع کئے گئے ہیں۔ یہ قصائد

نہایت معارف و اسرار سے لبریز ہیں اور حمد الٰہی اور نعت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے خزائن ہیں اور حضرت اقدس کے دعویٰ کے دلائل سے پُر ہیں

بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں۔

کتاب ۱۵۸ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف ۶

شائقین دفتر میگزین۔ قادیان سے طلب کریں۔

(مینیجر)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

تازہ بشارت

حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کا وہ عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ مہوتسو میں چار پانچ ہزار کے مجمع میں پڑھا گیا اور نہایت ہی دلچسپی اور قبولیت سے پبلک نے سُنا۔ اور جس میں مصنف موصوف نے اسلام کو نہایت ہی احسن پیرایہ میں صرف قرآن کریم سے استنباط کرکے بیان فرمایا ہے۔ اور تمام اعتراضات جو بڑے بڑے مخالفین و معاندین اسلام بڑی تحدی اور زور سے کرتے رہے یا اب کرتے ہیں۔ نہایت ہی سنجیدگی اور لطافت سے انکے جوابات اصولی طور پر بیان فرمائے ہیں جن سے خواہ کیسا ہی متعصب اور زود رنج مخالف کیوں نہ ہو کبیدہ خاطر نہیں ہو سکتا بلکہ سوائے سکوت کے اور کوئی جواب بھی پیش نہیں کر سکیگا اور ایک شریف الطبع اور حق جو مخالف اسلام کو سوائے سر تسلیم خم کرنیکے اور کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

بڑی خوبی اور لطافت جو اس مضمون کو خاص فوقیت اور یکتائی دے رہی ہے یہ ہے۔ کہ اوّل اس مضمون کو اسلام کی الہامی کتاب یعنی قرآن کریم سے بیان کیا گیا ہے دوم اس مضمون میں باوجود اعتراضوں کا جواب دینے اور دوسرے مذہب کے تذکرہ کرنیکے کسی قسم کی اشارۃً یا کنایۃً زد نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف اسلام کی سچی فلاسفی اور خوبیاں پبلک کے کانوں تک پہنچانیکی کوشش کی گئی ہے۔ اور توحید باریتعالیٰ اور رسالت مآب صلعم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر بھر کی تصنیفات اور تالیفات کا خلاصہ یہی ایک مضمون تھا جس میں مکمل طور پر اسلام کی صداقت بیان کیگئی ہے اس لیئے پبلک کی عام قبولیت اور پسندیدگی دیکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر اس کو انگریزی زبان میں ترجمہ کرکے ولایت میں چھپوایا گیا ہے اور اسکی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ اور امریکہ وغیرہ میں مفت تقسیم کیجائینگی اور کچھ کاپیاں یہاں بھی منگوالی گئی ہیں۔ جو صاحب منگوانا چاہیں دفتر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور سے منگوالیں۔ قیمت بغرض توسیع اشاعت باوجود دو سو صفحہ اور عمدہ [illegible] صرف ایک روپیہ چار آنہ علاوہ محصول ڈاک۔

(مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ — بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء — نمبر ۱۲

سالانہ چندہ — عوام سے ع۲ طلباء سے ع

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

قصائدِ احمدیہ
من الامام
حجۃ الاسلام

حضرت اقدسؑ کی اردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں مگر اب تک آپکے قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے تھے اب عربی قصائد بھی جمع کرکے ایک کتاب کی شکل میں شائع کئے گئے ہیں۔ یہ قصائد نہ صرف معارف و اسرار سے لبریز ہیں اور حمد آلٰہی اور نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزائن ہیں اور حضرت اقدسؑ کے دعوی کے دلائل سے پُر ہیں بلکہ عربی سیکھنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں یہ کتاب ۱۵۸ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف ۶ ر شائقین دفتر میگزین۔ قادیان سے طلب کریں

اطلاع :۔ بعض احباب کارڈ کے پتہ والی طرف لفظ Sealed یا ”مہر“ کٹ لگ گیا یا ”بعونہ تعالیٰ“ وغیرہ الفاظ لکھدیتے ہیں اس سے کارڈ بیرنگ ہو جاتا ہے۔ اور دفتر کو خواہ مخواہ کے دو پیسے بھرنے پڑتے ہیں۔ مہربانی کرکے آیندہ پتہ والی طرف سوائے دفتر کے پتہ کے کوئی لفظ یا فقرہ نہ لکھا کریں۔ نیز بعض احباب محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام روپیہ بھیجتے ہیں تو منی آرڈر کے کوپن میں یا الگ رقم کی کوئی تفصیل نہیں دیتے جس سے ایک مد کا روپیہ دوسری مد میں جمع ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ دقت ہوتی ہے مناسب ہے کہ ہر ایک منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن میں رقم کی مکمل تفصیل دیدیا کریں تاکہ کسی قسم کا مغالطہ نہ لگے۔ اور نیز خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرما دیں ؎

ضروری اطلاع :۔ پچھلے پرچے میں عرض کیا گیا تھا کہ چونکہ آیندہ کے لئے صدر انجمن احمدیہ کے منشا کے مطابق تمام خریداران ریویو سے پیشگی قیمت وصول کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور اس کے لئے دسمبر کا پرچہ وی پی ہوگا۔ جو صاحب دسمبر کا پرچہ کسی وجہ سے وصول نہ کر سکیں قبل از وقت اطلاع دیدیں تا وی پی نہ کیا جائے مگر معلوم ہوتا ہے احباب نے اس نوٹ پر کافی توجہ نہیں فرمائی۔ کیونکہ دفتر میں ایسی چند ایک ہی اطلاعیں وصول ہوئی ہیں۔ چونکہ وی پی انکاری ہونے میں دفتر کا بہت حرج اور خود خریداران صاحبان کو بھی بیفائدہ خط و کتابت سے تکلیف ہوتی ہے اسلئے مناسب خیال کیا گیا ہے کہ علاوہ رسالہ میں نوٹس دینے کے ہر ایک صاحب کی خدمت میں اس مضمون کا ایک کارڈ بھی لکھا جاوے۔ بہت سے احباب کے نام دسمبر کا پرچہ وی پی کرنیکے لیئے کارڈ لکھدیئے گئے ہیں۔ اور جن احباب کو وقت پر اطلاع دینے کیلئے کافی وقت نہیں مل سکا انکو جنوری کا پرچہ وی پی کرنیکے لیئے کارڈ لکھے جا رہے ہیں۔ لہٰذا گذارش ہے کہ جو صاحب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

آسمان بار دنشاں الوقت مے گویدزمیں ؁ ایں دو شاہد از پے تصدیق من استادہ اند

حضرت مسیح موعودؑ کی تصدیق میں ایک آسمانی نشان

اور

حضور قیصر ہند کا شاہی اعلان

خدائے تعالیٰ نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کو حضور قیصر ہند شاہ انگلستان جارج پنجم کی زبان سے ۱۲- دسمبر ۱۹۱۱ء کو شاہی دربار کے عالیشان موقعہ پر لاکھوں انسانوں کے مجمع میں پورا کیا۔ فالحمد للہ علی ذٰلک

حضور قیصر ہند کی ہندوستان میں تشریف آوری خود بخود ایک ایسا بے نظیر تاریخی واقعہ ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیئے یادگار رہیگا اور ۱۲- دسمبر ۱۹۱۱ء کی تاریخ کو ہندوستان کی آنیوالی نسلیں کبھی نہ بھولیں گی کیونکہ یہ وہ دن ہے جب کہ ملکہ معظمہ کے پوتے۔ ہندستان کے قیصر اور دنیا کے ایک عظیم حصہ کے بادشاہ۔ شاہ انگلستان جارج پنجم نے ہندوستان میں تشریف فرما ہو کر ایسی دھوم دھام اور ایسی شان و شوکت سے ہندوستان کے بادشاہوں کے قدیمی پایہ تخت میں اپنی تاجپوشی کا جشن منایا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ بے شک یہ دربار اس لیئے بھی بے نظیر ہے کہ اس دھوم دھام اور اس شان کا جشن اور ایسا نادر موقعہ ہندوستان کے باشندوں کو دیکھنا کبھی پہلے نصیب نہیں ہوا مگر اس سے بھی بڑھکر ایک اور باعظمت اور باشوکت واقعہ ہے جس نے ۱۲- دسمبر ۱۹۱۱ء کے قیصری دربار کو ایک ایسی پاک شان عطا کی ہے کہ یہ دربار نہ صرف ملکی تاریخ میں ایک بے نظیر واقعہ شمار کیا جائے گا بلکہ کل عالم کی مقدس تاریخ میں جو بڑے بڑے شاندار واقعات ظہور میں آئے ہیں اُن میں اس دربار کو بھی ایک نمایاں مقام دیا جائیگا۔

اور نہ صرف ملکی معاملات میں دلچسپی لینے والے اس دربار کے متعلقہ واقعات کو ہمیشہ یاد رکھیں گے بلکہ خدائے تعالیٰ کے وہ پاک بندے جو دن رات خدائے تعالیٰ کے نشانات کے تدبر میں مصروف رہتے ہیں اور جنکو دنیا کی ظاہری شان و شوکت سے چنداں دلچسپی نہیں ہوتی وہ بھی جب اُن امور کا مطالعہ کرینگے جن کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے اپنا مبارک چہرہ دنیا پر ظاہر کیا ہے تو وہ اُس وقت اس شاہی دربار کا بھی نہایت لطف کے ساتھ ذکر کرینگے اور اس شاہی اجتماع پر تدبّر کرنا اُن کے لیئے ایک روحانی غذا ہوگی کیونکہ جس دن بڑے بڑے نوابوں اور راجاؤں۔ بڑے بڑے رؤساء اور علماء۔ بڑے بڑے وزراء اور اُمراء۔ بڑے بڑے کرنیلوں اور جرنیلوں۔ بڑے بڑے مدبّروں اور حکیموں اور بڑے بڑے نامی گرامی انسانوں اور دیگر مختلف ملکوں۔ اور درجوں کے ایک تاریخی اجتماع میں جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی تھی ملک معظّم نے کُل ہندوستان کے مرکز اور بڑے بڑے عالیشان بادشاہوں اور مہاراجوں اور راجاؤں کے پایۂ تخت شہر دہلی میں اپنی تخت نشینی کی رسم کو ایسے شاہی جشن کے ساتھ ادا کیا کہ دہلی کی در و دیوار نے ایسی شان کا جلسہ پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا اُسی دن خدائے تعالیٰ نے اُسی شہر میں عین اُس لاکھوں انسانوں کے مجمع کے اندر خود اُس ملک معظّم کے ذریعہ جبکہ وہ پورے تجمل کے ساتھ اپنے شاہی تخت پر جلوہ گزین تھا ایک آسمانی نشان ظاہر کیا جس کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے یہ شہادت دی کہ وہ شخص جو چودھویں صدی کے سر پر مسیحیت۔ اور مہدویت کا مدعی ہو کر ظاہر ہوا ہے وہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے۔ اس نشان کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے بعض ملکی مصلحتوں کو مدنظر رکھکر صوبہ بنگال کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا۔ اس وقت بنگالیوں نے بہت شور مچایا اور ہر ایک طریق سے کوشش کی کہ یہ تقسیم نہ ہونے پائے مگر باوجود اُن کی تمام کوشش اور شورش کے گورنمنٹ نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک حصہ پر ایک لفٹنٹ گورنر مقرر کر دیا۔ گورنمنٹ کی بڑی غرض اس تقسیم سے یہ تھی کہ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی اور اُن کے حقوق کی حفاظت کے لیئے ضروری تھا کہ اُن کا علاقہ

بنگال کے باقی علاقہ سے جدا کر دیا جاوے۔ اس تقسیم کے بعد بھی بنگالیوں نے بہت کوشش کی کہ یہ تقسیم منسوخ کی جاوے مگر گورنمنٹ نے قطعی طور پر فیصلہ کر دیا کہ یہ تقسیم منسوخ نہیں ہو سکتی اور نہ اس میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے۔ لارڈ کرزن کے بعد جب لارڈ منٹو گورنر جنرل ہو کر آیا تو اُس نے بھی بنگالیوں کو یہی سنایا کہ بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا ہے اُس میں اب کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ پارلیمنٹ میں بھی جب بعض ممبروں نے بنگالہ کی نسبت تحریک کی تو لارڈ مارلے وزیر ہند نے کھلے الفاظ میں سنا دیا کہ یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے جس کو گورنمنٹ کسی صورت میں منسوخ نہیں کر سکتی اور نہ اب اس میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے۔ غرض جب قطعی طور پر فیصلہ ہو چکا اور بنگالیوں کو نہایت کھلے الفاظ میں جواب دے دیا گیا کہ اب اس کے متعلق کوئی اُمید رکھنا بے سود ہے اُس وقت ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء کو زمینی گورنمنٹ کے فیصلہ کے برخلاف اور زمینی حکام کے اعلان کے اُلٹ آسمان پر ایک فیصلہ کیا گیا اور اُسکی اطلاع بذریعہ آسمانی تار کے خدائے تعالیٰ کے خلیفہ حضرت مسیح موعودؑ کو دیگئی جس کے الفاظ یہ تھے "پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب اُنکی دلجوئی ہو گی۔" خدائے تعالیٰ کے مسیحؑ نے اس آسمانی پیام کو فوراً ملک میں شائع کر دیا اور نہ صرف اس سلسلہ کے اخبارات۔ بدر۔ الحکم۔ ریویو٭ وغیرہ میں یہ وحی شائع کی گئی بلکہ ملک کے دوسرے اخبارات اُردو اور انگریزی نے بھی اُسی وقت اس پیشگوئی کو شائع کر دیا اور بعض نے جو سلسلہ سے عناد رکھتے تھے اس پر ہنسی کی اور جب کبھی پالیمنٹ میں وزیر ہند کسی ممبر کی تحریک پر یہ جواب دیتا کہ تقسیم بنگالہ ایک ایسا امر ہے جو قطعی طور پر فیصلہ ہو چکا ہے جسمیں کوئی ترمیم نہ ہو گی تو پنجاب کے بعض اخبارات کو فوراً یہ الہام یاد آجاتا اور طعنہ دیتے ہوئے سلسلہ احمدیہ سے سوال کرتے کہ تمہارا الہام کہاں گیا۔ جو لوگ اخبار خوانی کے عادی ہیں وہ اس بات کی شہادت دینگے کہ تقسیم بنگالہ کے بارے میں اب گورنمنٹ اور پارلیمنٹ کی طرف سے قطعی طور پر مایوسی ہو چکی تھی اور کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ اور اعلیٰ حکام نے ایک بار بلکہ کئی بار ایسے قطعی الفاظ میں جواب دیدیا

٭ دیکھو ریویو انگریزی و اُردو بابت ماہ فروری ۱۹۰۶ء

تھا۔ کہ اب ذرا بھر امید بھی باقی نہیں رہی تھی۔ کہ اس حکم میں کوئی ترمیم کی جاویگی جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہو۔ چنانچہ خود بنگالیوں نے آخر مایوس ہو کر اسکے متعلق اس قسم کی کوشش و شورش کرنا عملی طور پر چھوڑ دیا تھا۔ جیسی وہ ابتدا میں کیا کرتے تھے۔ ناظرین میں سے جو اصحاب خود اخبار خوانی کی عادت نہیں رکھتے وہ ایسے احباب سے دریافت کر سکتے ہیں جو باقاعدہ طور اخبار پڑھنے کے عادی ہیں اور اُن کو معلوم ہوگا کہ تقسیم بنگالہ کی نسبت گورنمنٹ کی طرف سے قطعی طور پر مایوسی کا جواب مل چکا تھا۔

اگرچہ ظاہری طور پر کوئی اُمید نہیں تھی کہ بنگالہ کے بارہ میں جو پہلے حکم جاری کیا گیا تھا اُسکی کوئی ایسی ترمیم کیجاویگی جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہوگی۔ مگر ممکن نہیں تھا کہ خدائے تعالیٰ کے مُنہ کی بات ٹل جاوے۔ وہ اپنی ہستی اور اپنے علم اور اپنی قدرت کا ثبوت دینے کیلئے ہمیشہ ایسے امور کی خبر دیتا ہے جو ظاہری نظر میں انہونے ہوتے ہیں چنانچہ اس موقعہ پر بھی اُس نے ایسا ہی کیا اور جب پورے طور پر دنیا کو مایوسی ہو چکی اُسوقت اُس نے اپنی بات کو پورا کر دیا اور پورا بھی ایسے طور پر کر دیا کہ ایک دنیا کو حیرت میں ڈالدیا۔ اُس نے اپنی بات کو پورا کرنیکے لیئے ایک بڑی عظیم الشان بادشاہ کے دل میں یہ تحریک پیدا کی کہ وہ سابق دستور اور رسم کے برخلاف ہندوستان کے بادشاہوں کے پرانے پایۂ تخت دہلی میں اپنی تاجپوشی کا جشن منائے اور جب وہ دربار کر چکا اور ساری رسمیں ادا کر چکا اور اُس کا نائب السلطنت اُسکی طرف سے بڑی بڑی انعامات کا اعلان کر چکا اور قریب تھا کہ وہ شاہی جلسہ ختم ہو اُس وقت وہ بادشاہ اپنے تخت کے سامنے کھڑا ہوا اور خدائے تعالیٰ نے اُس کی زبان کو ایک ایسا اعلان کرنیکے لیئے گویا کیا جس کو سُنکر نہ صرف اُس عظیم الشان دربار کے حاضرین دنگ رہ گئے بلکہ جب وہ اعلان انگلستان کے دارالخلافہ لنڈن میں پارلیمنٹ کے ممبروں کے سامنے سنایا گیا تو وہ ممبر بھی اُس اعلان کو سُنکر چونک اُٹھے اور جب یہ خبر ہندوستان میں شائع ہوئی تو کُل ہندوستان کے لوگ اسکو سُنکر سکتہ کے عالم میں ہوگئے۔ اور جب یہ خبر بنگالیوں کے کان میں پہنچی تو اُنہوں نے بلا اختیار خوشی کے نعرے بلند کیئے۔ جو اعلان ملک معظم نے ۱۲۔ دسمبر کو کیا وہ یہ تھا کہ آج سے بجائے کلکتہ کے یہ شہر جس میں انگلستان کا بادشاہ اسوقت کھڑا ہوں ہندوستان کا پایۂ تخت ہوگا اور تقسیم بنگالہ میں یوں ترمیم کیجاویگی کہ مشرقی بنگال اور مغربی بنگال دونوں کا ایک گورنر ہوگا۔ اور بہار۔ ناگپور۔ اوڑیسہ کے علاقے✱ ملا کر ایک علیحدہ صوبہ ہوگا اور آسام✝ میں چیف کمشنر ہوگا۔ یہ اعلان ہے جس سے خدائے تعالیٰ نے اپنے اُس وعدہ کو پورا کیا کہ تقسیم بنگالہ کے بارہ میں اب بنگالیوں کی دلجوئی ہوگی۔ وہ دن سلسلہ احمدیہ کیلیئے عید کا دن تھا کیونکہ اُس دن خدائے تعالیٰ نے اپنے مُرسل مسیح موعود علیہ السلام کے

✱ یہ علاقے پہلے مغربی بنگال میں شامل تھے۔

✝ یہ علاقہ پہلے مشرقی بنگال کے ساتھ شامل تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن شریف کی ایک پیشگوئی ۲

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر)

اس مضمون کے پہلے حصہ میں یہ دکھایا گیا تھا کہ قرآن شریف میں صرف یہی ایک پیشگوئی نہیں کہ رومی سلطنت مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب ہو جائے گی جیسا کہ مسیحی صاحبان کا خیال ہے بلکہ قرآن شریف پیشگوئیوں سے لبریز ہے اور قرآن شریف میں مکی سورتیں جو ابتدائے اسلام میں نازل ہوئیں عظیم الشان اور حیرت انگیز پیشگوئیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور یہ اس قسم کی پیشگوئیاں ہیں کہ کوئی انسان اُن حالات کے ماتحت ایسی پیشگوئیاں شائع نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اُسکو اطلاع نہ دی جاتی۔ مَیں ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اُن پیشگوئیوں پر غور کریں جن میں بطور نمونہ پہلے حصہ میں نقل کر چکا ہوں پھر اُن حالات کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے لائیں جن حالات کے ماتحت یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ اور پھر خود ہی فیصلہ کریں کہ آیا اُن حالات کے ماتحت ایک انسان کی طاقت میں تھا کہ ایسے عجیب اور بعید از قیاس و وہم امور کی قبل از وقت خبر دیتا۔ مثلاً کیا اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر خدائے تعالیٰ سے علم حاصل کرنے

کے کئی سال پہلے یہ خبر دے سکتے تھے کہ ایک وقت آنے والا ہے جبکہ مکہ کے مغرور دشمن جن کو اپنی طاقت اور جتھے کا اس قدر گھمنڈ ہے انہی غریب اور معدودے چند مسلمانوں کے ہاتھ سے جو اس وقت طرح طرح کی اذیتیں اٹھا رہے ہیں اور جنکو اسوقت حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح سر چھپانے کے لیئے جگہ نہیں ملتی سخت ہزیمت اٹھائیں گے اور پیٹھ دیکر بھاگیں گے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۔ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔ ( )

کیا یہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں۔ یہ جماعت شکست کھائیگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔ اس پیشگوئی کی پوری عظمت اُس وقت ظاہر ہوتی ہے جب انسان اُن حالات کا مطالعہ کرے جن حالات کے ماتحت اس پیشگوئی کا اعلان کیا گیا۔ اگر ناظرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے حالات پر غور کریں گے تو اُن کو اس بات کے قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ بے شک ایسے حالات میں اس قسم کی پُر شوکت اور عجیب وغریب پیشگوئی کا شائع کرنا ایک انسان کی طاقت سے بالکل بالاتر تھا۔ ان پیشگوئیوں میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ اُن میں نہ صرف آیندہ کی خبریں کئی سال پیشتر بیان کی گئی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی کا قول ہے جو عالم الغیب ہے بلکہ یہ پیشگویاں اپنے اندر ایک شوکت اور جلال رکھتی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایسی ہستی کا کلام ہیں جو نہ صرف عالم الغیب ہے بلکہ قدرت بھی رکھتا ہے اور اُس میں یہ طاقت ہے کہ متکبروں کی گردن کو توڑ دے اور کمزوروں کو زبردستوں پر غلبہ عطا فرماوے۔ ان پیشگوئیوں نے سچا ہو کر صرف یہی ثابت نہیں کیا کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ عالم الغیب خدائے تعالیٰ کا کلام ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ خدا اسلام کا حامی تھا اور اسلام کے دشمنوں کا دشمن تھا۔ ان پیشگوئیوں نے پورا ہو کر دکھا دیا کہ خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور آپکا مددگار ومعاون ہے اس لیئے آپ ایک سچے نبی ہیں اور آپکے دشمن جھوٹے ہیں۔

اب چونکہ یہ پیشگویاں پوری ہوچکی ہیں اور جن واقعات کی یہ خبر دیتی تھیں وہ

واقع ہو چکی ہیں اس لیئے آجکل قرآن شریف کے پڑھنے والے جلدی سے ان پیشگوئیوں کو پڑھ جاتے ہیں اور اُن کے دل میں صرف یہی خیال گذرتا ہے کہ یہ تاریخی واقعات کا بیان ہے۔ بے شک ان میں تاریخی واقعات کا ہی بیان ہے مگر جس امر کو لوگ نظر انداز کر جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ تاریخی واقعات وقوع کے بعد قلمبند نہیں کیئے گئے جیسے عام تاریخ کی کتابوں میں ہوتا ہے بلکہ یہ تاریخی واقعات وقوع سے پہلے مکہ میں ایسے وقت میں قلمبند اور شائع کیئے گئے تھے جب کہ اُن واقعات کا نام و نشان بھی موجود نہ تھا بلکہ اُن کا وقوع محال سمجھا جاتا تھا اسی لیئے مشرکین مکہ ان آیات کو سن کر ہنسی اُڑاتے تھے اور حقارت کی نظر سے دیکھکر کہتے تھے کہ کیا تمہارا جتھا زبردست ہے یا ہمارا اور دونوں فریق میں سے کونسا فریق طاقت ور ہے اور کونسا اچھی حیثیت رکھتا ہے اور طعنہ دیکر پوچھتے کہ ان دھمکیوں کا وجود کب اور کس زمانہ میں ہوگا۔ ان پیشگوئیوں کی عظمت سمجھنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ انسان اُس زمانہ کے حالات کا نقشہ اپنے سامنے لائے اور پھر ان پیشگوئیوں پر غور کرے کہ کیا اُس زمانہ میں ایک کمزور انسان کے لیئے یہ ممکن تھا کہ اپنے زبردست دشمنوں کی ہلاکت اور تباہی کی ایسے پُرزور الفاظ میں کئی سال پہلے خبر دے ؎

پادری صاحبان کا گمان ہے کہ قرآن شریف میں ایک ہی پیشگوئی ہے یعنی غُلِبَتِ الرُّوْمُ کی پیشگوئی حالانکہ قرآن شریف میں جو گذشتہ انبیائ کے حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ بھی پیشگوئیاں ہی ہیں۔ مثال کے طور پر مَیں حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان پیش کرتا ہوں آپ کا بیان ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ یعنی یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کے حالات میں سوال کرنے والوں کے لیئے یعنی حق کی جستجو کرنیوالوں کے لیئے ایک نہیں بلکہ کئی نشان ہیں۔ اور جب خدائے تعالیٰ اس بیان کو ختم کرتا ہے تو فرماتا ہے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ یعنی جو کچھ ہم نے اس سورہ میں بیان کیا ہے یہ غیب کی باتیں ہیں جو بذریعہ وحی تجھ پر ظاہر کرتے ہیں۔ یہ سورہ کریمہ مکہ میں نازل ہوئی اور ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور آپکے بھائیوں کی نسبت بیان کیا گیا ہے وہ آن آنے والے امور کا ایک نقشہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بھائیوں قریش کے مابین واقع ہوئے۔ چنانچہ جیسا یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کی عداوت کی وجہ سے ایک ویرانہ کے اندر ایک تاریک اور سنسان کوئیں میں رہنا پڑا ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بھائیوں یعنی قریش کی دشمنی کے سبب تین دن جنگل میں ایک ہیبت ناک غار کے اندر رہنا پڑا۔ پھر جسطرح یوسف علیہ السلام اس گڑھے سے نکل کر ایک دور کے شہر میں پہنچے اور وہاں خدائے تعالیٰ نے انکو عزت اور عظمت بخشی یہانتک کہ ایک ملک کے اختیارات آپ کو دیئے گئے اور آخر آپکے بھائی عاجز ہوکر آپ سے معافی کے خواستگار ہوئے اور آپنے نہایت فراخ دلی سے اپنے بھائیوں کے قصوروں کو معاف فرمادیا ہو بہو ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ آپ اس غار سے نکلکر ایک دور کے شہر میں پہنچے اور وہاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو حشمت و جبروت عطا فرمایا اور آپ کا اقتدار اس حد تک پہنچا کہ کل ملک عرب کے آپ بادشاہ ہوگئے اور آپ کو خداوند تعالیٰ نے اس قدر طاقت بخشی کہ جب فتح مکہ کے دن ابو سفیان نے شہر سے باہر آپکے لشکر کو اپنے سامنے سے پرّہ باندھ کر گذرتے ہوئے دیکھا تو وہ ششدر رہ گیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جو آپکے پاس کھڑے تھے حیران ہو کر کہنے لگا کہ تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک عظیم سلطنت ہے اور آخر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح آپ کے بھائیوں یعنی قریش نے ہاتھ باندھ کر عاجزی سے آپسے اپنے تمام گذشتہ جرموں کی معافی مانگی

اور آپ نے اس یوسفی مماثلت کی طرف اور اسی سورہ شریفہ کی عظیم الشان پیشگوئیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ مَیں تم کو وہی جواب دیتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا یعنی یہ کہ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم وھو ارحم الرّاحمین۔ آج مَیں تمھیں کوئی ملامت نہیں کرتا۔ خدائے تعالیٰ تمھاری خطاؤں کو معاف کرے گا اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے اور فرمایا کہ تم جاؤ مَیں نے تم کو آزاد کردیا۔ یعنی اُس سزائے موت سے جس کے تم بوجہ اپنی تعدیوں اور خونریزیوں کے مستحق تھے تم کو آزاد کیا جاتا ہے۔ غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اُن واقعات کا جو سورہ یوسف عم کے نزول کے بعد آپ کو پیش آئے حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے حالات سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو صاف اُن کی باہمی مماثلت ظاہر ہوجاتی ہے اور یہ امر روز روشن کی طرح کھل جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جو حالات قرآن شریف میں بیان کیئے گئے ہیں وہ بطور پیشگوئی کے بیان فرمائے گئے ہیں یعنی وہ غیب کی باتیں تھیں جو بذریعہ وحی آپ پر ظاہر کی گئیں اور اس لیئے اس بیان میں حق کے طالبوں کے لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں جن امور میں مماثلت پائی جاتی ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے اُسی ملک میں قیام اختیار کیا جس میں کہ وہ جنگل کے گڑھے سے نکل کر پہنچے تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دار الہجرت کو ہمیشہ کے لیئے اپنا قیام گاہ بنالیا اور فتح مکہ کے بعد بھی آپ نے مدینہ میں ہی انصار کی جماعت کے ساتھ رہنا پسند فرمایا*

یہ دکھا کر کہ پادری صاحبان کا یہ خیال غلط ہے کہ قرآن شریف میں صرف ایک ہی پیشگوئی ہے کیونکہ اس میں ایک عظیم تعداد پیشگوئیوں کی ہے۔ اب مَیں اُس پیشگوئی کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کی تردید میں انھوں نے ناخنوں تک

ص ایک نہیں بلکہ کئی نشان ہیں

زور لگایا ہے۔ یعنی الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ (ترجمہ) مَیں ہوں اللہ جاننے والا سلطنت روم قریب کی زمین میں مغلوب ہو چکی ہے مگر مغلوب ہونے کے بعد وہ پھر غالب ہونگے۔ دس سال کے عرصہ میں۔ مسیحیوں کا بڑا اعتراض جو اس پیشگوئی پر کیا گیا ہے یہ ہے کہ یہ پیشگوئی صرف اٹکل کی بنا پر کی گئی۔ مَیں پوچھتا ہوں کیا وہ پیشگوئیاں جو کثرت سے قرآن شریف میں پائی جاتی ہیں سب کی سب اٹکل کی بنا پر ہی کی گئیں۔ اگر سب اٹکل کی بنا پر کی گئی تھیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ سب کی سب سچی ثابت ہوئیں۔ وہ سب کی سب ایسے وقت میں کی گئیں جبکہ اُن کے پُورا ہونے کا کوئی سامان موجود نہ تھا بلکہ ہر ایک سامان اُلٹے برخلاف موجود تھا۔ مثلاً کیا ابتدائی مکّی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے یہ اعلان کرنا سوائے وحی الٰہی کے ممکن تھا کہ میرے پیرو اس سرزمین کے وارث ہونگے اور اسلام کے دشمن نیست و نابود کیئے جائیں گے۔ ایسی پیشگوئی سوائے ایک نبی کے کون کرسکتا تھا؟ یہ خدا کا ہی کلام تھا اور خدائے تعالیٰ کے ہی زبردست ہاتھ نے اس کو پُورا کیا۔ . . . .

. . . . مخالفوں نے سرتوڑ کوششیں کیں کہ ان پیشگوئیوں کو پورا ہونے سے روکیں۔ مگر باوجود اُن کی سخت کوششوں کے خدائے تعالیٰ کے مُنہ کی باتیں پوری ہوئیں۔ ان پیشگوئیوں کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے کہ نہ صرف شائع ہونے کے وقت ان کو حیرت اور تعجب کی نظر سے دیکھا جاتا تھا بلکہ جب عین پُورا ہونے کا وقت آگیا۔ اُسوقت تک بھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ پیشگوئیاں پوری ہونگی مثلاً جیسا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ کی پیشگوئی شائع ہونے کے وقت عجیب تھی ایسا ہی یہ عجیب طور سے خلاف اُمید پوری ہوئی۔ کیونکہ جب بدر کے میدان میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا اُس وقت بھی کوئی شخص یہ رائے نہیں لگا سکتا

تھا کہ ۳۱۳ بے ساز و سامان غریب مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک ہزار مسلح بہادر شکست کھائیں گے اور اپنے سرداروں کو کھیت میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح جنگ احزاب کے وقت جب جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ کی پیشگوئی پوری ہوئی اُس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ وہ عرب کے قبیلوں کا ٹڈی دل جس نے ایک سمندر کی طرح صرف ۶۰۰ مسلمانوں کا احاطہ کر لیا تھا وہ ناکام و نامراد ہو کر شہر کو خالی چھوڑ رات کے وقت بھاگ جائیگا۔ غرض جیسی شائع ہونے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں بعید از قیاس تھیں ایسا ہی جب وہ پوری ہوئیں اُس وقت اُن کا پُورا ہونا بھی خلاف امید ہی تھا۔ مگر تعجب ہے تو اس بات کا ہے کہ باوجود ایسی خلاف اُمید ہونیکے وہ ہمیشہ سچی ہی نکلیں۔ جو حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیشگوئیوں کا ہے وہی غُلِبَتِ الرُّومُ والی پیشگوئی کا حال ہے۔ جس وقت مکّہ معظمہ میں اس پیشگوئی کا اعلان ہوا اُس وقت رومی سلطنت کی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ رومی سلطنت کبھی غالب آئے گی اور اس پیشگوئی کے شائع ہونے کے بعد بھی کئی سال تک رومی سلطنت کی حالت روز بروز بدتر ہوتی گئی اور جب یہ پیشگوئی پوری ہوئی اُس وقت بھی وہ بالکل اُمید کے برخلاف پوری ہوئی جس کو دیکھکر کُل دنیا دنگ رہ گئی۔ اور نہ صرف اُس وقت دنیا رومیوں کی فتح کو دیکھکر حیرت زدہ ہوئی بلکہ اب تک مؤرخ اس عقدہ کو حل نہیں کر سکے چنانچہ جیسا کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ابھی دکھاؤں گا دنیا کے مؤرخ اس کو ایک لاینحل تاریخی معمہ قرار دیتے ہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اس پیشگوئی کو ایک ایسے شخص کے ہاتھ سے پورا کرایا جس کی زندگی کے حالات قبل و بعد فتح اس قسم کے تھے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسا شخص ایسے ابتر حالات کے ماتحت ایران کے شہنشاہ کی افواج کو شکست دے سکتا تھا ﴿

اس پیشگوئی کی تحقیق کرنے کے لئے اوّل امر قابل دریافت یہ ہے کہ یہ پیشگوئی کب شائع کی گئی۔ اس امر کا پتہ خود اس پیشگوئی کے اپنے الفاظ سے لگ سکتا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ یعنی قریب کی زمین میں سلطنت روم مغلوب ہو چکی ہے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کا اعلان اُس وقت کے بعد ہوا جب رومیوں کو ملک کنعان میں جو رومی سلطنت کا قریب ترین علاقہ تھا ایرانیوں کے ہاتھ سے شکست ملی۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شکست ۶۱۵ء میں واقع ہوئی کیونکہ اسی سال ایرانی فوج نے ملک فلسطین کو فتح کیا اور شہر بیت المقدس کو غارت کیا ملاحظہ ہو ہسٹوریننز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۷ صفحہ ۷ اس خبر کو مکّہ معظمہ تک پہنچنے میں کچھ وقت لگنا چاہیئے تھا کیونکہ اُس زمانہ میں سفر کی موجودہ آسانیاں اور پیغام رسانی کے موجودہ ذرائع موجود نہ تھے۔ اور عرب کے ریگستان کو طے کرکے کچھ عرصہ کے بعد یہ خبر مکّہ میں پہنچی ہوگی اور پھر متواتر خبروں کے آنے کے بعد اہل مکّہ نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہوگا۔ اور چونکہ پیشگوئی زیر بحث مکّہ میں اس خبر کے عام طور پر شائع ہو جانے کے بعد شائع کی گئی اس لئے غالباً اس کا نزول ۶۱۵ء کے بعد ۶۱۶ء میں ہوا ہوگا۔ یعنی ہجرت سے قریباً ۶ سال پہلے کیونکہ ہجرت جون ۶۲۲ء میں واقع ہوئی۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث کا نزول ہجرت سے ۵ سال پہلے ہوا۔ اور تاریخ بھی اس روایت کی تائید کرتی ہے کیونکہ یہ زمانہ فتح بیت المقدس کے زمانہ کے قریب ہے۔ مگر اگر اس روایت کو تسلیم نہ بھی کیا جاوے (اگرچہ اس کے تسلیم نہ کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں) پھر بھی زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا نزول ہجرت سے قریباً ۶ سال پہلے ہوا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہجرت سے ۵ یا ۶ سال قبل رومیوں کی کیسی حالت تھی۔ جب ایرانیوں نے ملک کنعان کو فتح کیا اور شہر بیت المقدس

(یروشلم) کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو یہ انکی آخری فتح نہ تھی بلکہ اس کے بعد بھی انہوں نے
اپنی فتوحات کو جاری رکھا اور برابر رومیوں کو اپنے پاؤں کے تلے روندتے رہے
بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت جو اہل روم کی حالت تھی اُس کو خود ایک دشمن اسلام
کی زبان سے بیان کیا جائے۔ سیل مترجم قرآن اس آیۂ کریمہ پر نوٹ دیکر لکھتا ہے
"ایرانیوں کو نقصان پہنچانا تو کجا اُس وقت اتنی بھی اُمید نہ تھی کہ اہل روم اپنے
ہی نقصان کی کچھ تلافی کر سکیں چنانچہ اس کے بعد ایرانیوں نے اور بھی بڑی
بڑی فتوحات حاصل کیں اور آگے آگے قدم بڑھاتے گئے اور آخر کار خود
قسطنطنیہ (دار الخلافہ سلطنت روم) کا محاصرہ کر لیا" سیل کے ان الفاظ سے
ظاہر ہے کہ جب یہ پیشگوئی کی گئی اُس وقت کوئی اُمید باقی نہ تھی کہ اہل روم ایرانیوں پر
غالب آجائیں گے۔ گبن جس نے سلطنت روم کی ایک مفصل اور معتبر تاریخ لکھی
ہے اور جس سے بڑھکر اس مضمون کے متعلق کسی کی رائے مؤرخانہ رنگ سے
زیادہ قابل وقعت نہیں ہوسکتی یہ نامی گرامی مؤرخ بھی اپنی مشہور تاریخ میں اس
پیشگوئی کا ذکر کرتا ہے اور اُس کی رائے اس کی نسبت یہ ہے:۔ "جب یہ
پیشگوئی شائع کی گئی۔ اُس وقت ایسی حالت تھی کہ کسی پیشگوئی کا پورا ہونا اس سے
زیادہ بعید نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ہرقل شاہ روم کے عہد حکومت کے پہلے
۱۲ سال (یعنی سنہ ۶۱۰ء سے سنہ ۶۲۲ء تک) سلطنت کے لئے سخت تباہی کے سال تھے
جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ عنقریب یہ سلطنت بالکل نابود ہو جائے گی" ان راؤں
سے ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹکل سے پیشگوئی کرتے تو آپ بجائے
رومیوں کی فتح کے رومیوں کی تباہی کی پیشگوئی کرتے کیونکہ اُس وقت سب طرف
سے سلطنت روم کی تباہی کے نشان ظاہر ہو رہے تھے اور کوئی عقلمند ان نشانات
کو دیکھکر یہ نہیں کہ سکتا تھا کہ رومی غالب آئیں گے۔ اُس وقت سلطنت روم کی
تباہی بالکل قریب نظر آتی تھی۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی گیارھویں (آخری)
ایڈیشن۔ جلد ۱۳۔ صفحہ ۳۱۰ میں ہرقل کی نسبت جس کے ذریعہ سے خدائے تعالیٰ

نے اس پیشگوئی کو پورا کیا لکھا ہے کہ اُس نے سلطنت روم کو ’’قریباً یقینی تباہی‘‘ سے بچا لیا۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ جب پیشگوئی زیر بحث کا اعلان کیا گیا اُسوقت سلطنت کی تباہی ’’قریباً یقینی‘‘ تھی۔ ناظرین غور فرماویں جب مؤرخین کی رائے میں پیشگوئی کے اعلان کے زمانہ میں سلطنت روم کیحالت ایسی خستہ ہوگئی تھی کہ اہل الرائے کے نزدیک اس سلطنت کا بے نام ونشان ہوجانا قریباً یقینی ہوگیا تھا تو اس وقت یہ کس طرح اُمید ہوسکتی تھی کہ ایسی حالت میں وہ نہ صرف تباہی سے بچ جائے گی بلکہ اپنے زبردست دشمن پر غالب آکر اُس کی گردن کو توڑ دے گی۔ غرض ناظرین یہ دیکھ سکتے ہیں کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیشگوئیاں ایسے وقت میں شائع کی گئیں جب کہ اُن کے پورا ہونے کی کسی متنفس کو اُمید نہ تھی بلکہ حالات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ پیشگوئیاں ضرور خطا جائیں گے۔ ایسا ہی یہ پیشگوئی بھی ایسے حالات میں شائع کی گئی جب کہ کوئی شخص یہ رائے نہیں دے سکتا تھا کہ رومی غالب آجائیں گے بلکہ روم کی حالت ایسی تباہ وخستہ تھی کہ سب کے نزدیک یہ امر قریباً یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ دشمن کو شکست دینا تو کیا اب خود اس سلطنت کا خاتمہ ہونیوالا ہے اور وہ وقت نہایت قریب ہے کہ اس کا نام ونشان صفحہ ہستی پر سے مٹا دیا جاوے۔ ناظرین۔ آپ ہی بتائیں کہ کیا ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیشگوئی کرنا کہ اگرچہ اب رومی شکست پر شکست کھا رہے ہیں مگر دس سال کے عرصہ کے اندر یہ پھر غالب آئیں گے اور ایرانی جو اس وقت فاتح اور غالب ہیں وہ مغلوب ومقہور ہو جائیں گے کیا ایسی پیشگوئی سوائے الٰہی سرچشمہ کے کسی اور جگہ سے نکل سکتی تھی۔ مگر افسوس ہے اسلام کے اندھے دشمنوں پر جو کہتے ہیں کہ آپ نے یہ پیشگوئی محض قیاس اور اٹکل کی بنا پر شائع کردی۔ قیاس تو اس وقت یہ چاہتا تھا کہ سلطنت روم نابود ہو جائے گی۔ نہ یہ کہ وہ پھر غالب ہو جائے گی۔ جب اس پیشگوئی کا مکہ معظمہ کے مبارک شہر سے اعلان کیا گیا اُس وقت ایرانیوں

کی فتوحات کا سلسلہ متواتر جاری تھا اور اُن کی افواج ہر روز آگے قدم بڑھاتی جاتی تھیں اور اُن کو دھڑا دھڑ فتح حاصل ہو رہی تھی اور رومیوں کی ساری طاقت اور سکت جاتی رہی تھی اُن میں ذرا بھی تاب مقابلہ باقی نہ رہی تھی۔ اس پیشگوئی کے بعد متواتر چھ سال تک انکی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور رومی اُنکے ہاتھ سے ہر روز نئی شکست اُٹھاتے رہے یہاں تک کہ ایک طرف ایرانی ملک کو فتح کرتے ہوئے دریائے نیل تک پہنچ گئے اور دوسری طرف اُن کی فوجوں نے اُس سمندر کے کنارے جاکر ڈیرے لگائے جس کے دوسرے ساحل پر قسطنطنیہ دارالخلافہ روم واقع تھا۔ اگر ناظرین اُس وقت کی رومی بے کسی کا اندازہ لگانا چاہیں تو وہ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آخر خود ہرقل جس کے ہاتھوں سے آخر خدائے تعالےٰ نے اپنی پیشگوئی کو پورا کیا ایسا لاچار اور مایوس ہو گیا کہ اُس نے ارادہ کر لیا کہ اپنے دارالخلافہ سے بھاگ جائے۔ ناظرین یہ ہرقل جو اَب اپنے پایہ تخت کو چھوڑ کر بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا یہ کون شخص تھا۔ یہ رومیوں کا شہنشاہ تھا جو قیصر کے فاخرانہ خطاب سے اپنے نام کو مزین رکھتا تھا مگر اس قیصر روم کی جان ایسی ناک میں آ گئی اور اسکی حالت ایسی خطرناک بلکہ قابل رحم ہو گئی کہ اس نے مجبور ہو کر یہ ٹھان لیا کہ مَیں اپنے پایہ تخت کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں اور یہ بات صرف ارادہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ فی الواقعہ اُس نے بھاگنے کے لیئے ساری تیاری بھی کر لی اور اپنا سارا مال و اسباب و خزائن و جواہر جہازوں میں بھر دیئے اور خود تیار تھا کہ اپنے بیوی بچوں سمیت اُن جہازوں میں سوار ہو کر افریقہ کے ایک دُور دراز شہر کی طرف بھاگ جائے جس کا نام کارتھیج تھا اور جہاں اُسکو اُمید تھی کہ ایرانی سپاہی نہیں پہنچ سکیں گے۔ جب شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ ہمارا بادشاہ ہمیں ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر جا رہا ہے تو انہوں نے سخت الحاح کے ساتھ اُس سے التجا کی کہ وہ اس طرح انہیں دشمن کے ہاتھ میں نہ چھوڑ دے۔ اور شہر کے اسقف اعظم نے شہنشاہ پر بڑا زور دیا کہ وہ اپنے منحوس ارادہ سے

باز آجائے۔ آخر ان التجاؤں نے بادشاہ پر اثر کیا اور اُس نے وعدہ کیا کہ مَیں اپنی رعایا کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اب وقت آگیا کہ خدا کی بات پوری ہو اور اہل روم شکست پر شکست کھانے اور ذلّت کے انتہائی درجہ تک پُہنچنے کے بعد اپنے خونخوار دشمنوں پر غالب ہوں۔ اب رومی سلطنت کی تباہی اپنے آخری نکتہ تک پُہنچ چکی تھی اور ذلّت کا کوئی ایسا درجہ نہیں تھا جو باقی رہ گیا ہو۔ بھلا اس سے زیادہ کیا ذلّت ہو سکتی ہے کہ رومی سلطنت کا شہنشاہ اپنے پایۂ تخت کو ہمیشہ کے لیئے خیر باد کہکر بھاگ جانے کے لیئے آمادہ ہو جاوے۔ خدائے تعالیٰ نے یہ اس لیئے کیا تا کہ اُس کی پیشگوئی کی عظمت دنیا پر ظاہر ہو جس سلطنت کو اُس نے فتح دینے کا وعدہ فرمایا تھا پہلے اُس نے اُس کو ذلّت اور تباہی کے انتہائی نکتہ پر پُہنچا دیا تا کوئی شخص بعد میں یہ نہ کہے کہ یہ پیشگوئی رومیوں کی ظاہری حالت پر قیاس کر کے اور فتح کے نشانات دیکھکر شائع کی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اوّل رومیوں کو ذلّت و رسوائی کے گہرے گڑھے میں گرا دیا اور اُس کے بعد اُن کا ہاتھ پکڑا اور اپنی قدرت کا ایک کرشمہ دکھا کر رومیوں کو ایرانیوں پر غالب کر دیا۔ جب خدائے تعالیٰ نے رومیوں کی دستگیری کی اُس وقت وہ رنگارنگ کے مصائب میں گرفتار تھے۔ ایک مصیبت تو یہ تھی کہ ایرانی اُنکے ملک کے ایک بڑے حصہ کو نہ صرف فتح کر چکے تھے بلکہ اُنہوں نے اُنکے ملک کو پامال کر دیا تھا اور اُس کی ساری دولت لُوٹ لی تھی۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ پہلے دارالسلطنت روم میں غلہ ملک مصر سے پُہنچا کرتا تھا۔ اب چونکہ ایرانیوں نے مصر کا ملک بھی فتح کر لیا تھا اس لیئے قسطنطنیہ میں غلہ پُہنچنا بند ہو گیا اور لوگ سخت قحط کی مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ قیصر کی حالت ایسی زار تھی کہ اُس نے شاہ ایران کے پاس متواتر اپنے ایلچی بھیجکر یہ درخواست کی کہ آپ میری رعایا پر رحم کریں اور میری طرف سے خراج قبول کر کے میری رعایا کو اس مصیبت سے رہائی بخشیں۔ مگر کسرائے ایران نے ایسی التجا کا جواب دھمکیوں اور حقارت آمیز الفاظ کے ساتھ دیا اور

بعض اوقات نفرت کے ساتھ اپنا منہ پھیر لیا اور کچھ جواب دینا پسند نہ کیا (دیکھو گبن کی تاریخ روم ۔ جلد ۵) ایک دفعہ جب کسریٰ کے ایک جرنیل نے ہرقل کی حالت پر رحم کھاکر یہ تجویز پیش کی کہ معافی حاصل کرنے کی کوشش کروں گا تو ہرقل نے اس تجویز کو نہایت شکرگذاری کے ساتھ قبول کیا اور تین شہر کے معزز عہدہ داروں کے ذریعہ معافی اور صلح کا خواستگار ہوا مگر جب ان قاصدوں کو لیکر کسریٰ کا جرنیل اپنے بادشاہ کے دربار میں پہنچا ۔ تو اس مغرور بادشاہ نے اپنے جرنیل کو مخاطب ہوکر کہا کہ "بجائے اس کے کہ ہرقل کے سفیر تو میرے حضور پیش کرتا تجھے چاہئیے تھا کہ خود ہرقل کو بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر کے میرے سامنے پیش کرتا ۔ میں رومیوں کے بادشاہ کو امن نہیں دوں گا جب تک کہ وہ اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر آفتاب کی پرستش اختیار نہ کرے" اس سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قیصر روم کی ذلت کس حد تک پہنچ چکی تھی ؛

قیصر روم کا دشمن صرف ایران کا شہنشاہ ہی نہ تھا بلکہ جیسا مشرق کیطرف سے ایرانیوں نے قیصر کا دم ناک میں کر رکھا تھا ایسا ہی ایک دشمن مغرب کی طرف سے قیصر روم کی بیخکنی پر تلا ہوا تھا ۔ یہ مغربی دشمن آوار کی قوم تھی جنکی آنکھیں ہمیشہ قسطنطنیہ کی دولت پر لگی رہتی تھی ۔ گبن لکھتا ہے کہ "شام مصر اور ایشیائی صوبے تو ایرانی افواج نے دبا لیئے تھے اور سلطنت روم کا وہ حصہ جو یورپ میں تھا وہ قوم آوار کی تاخت وتاراج کا میدان بنا ہوا تھا مثلاً یونیا کے مقدس میدان میں جسقدر مرد گرفتار ہوئے ان کو سردمہری کے ساتھ قتل کیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا گیا اور نہایت ہی شریف خاندان کی عورتوں کو وحشی سپاہیوں نے ذلیل کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس طرح ہر طرف سے ہرقل کا محاصرہ ہو رہا تھا اور اس کو ذلیل کیا جارہا تھا ۔ اور رومی سلطنت صرف قسطنطنیہ کی چار دیواری تک محدود تھی ۔ صرف چند صوبے مثلاً یونان ۔ اٹلی وغیرہ کا باقیماندہ حصہ اور ایشیائی ساحل کے چند شہر سلطنت روم

حوالہ دیں جو قیصر سے قاصدوں کو کسریٰ کے دربار میں

میں باقی رہ گئے تھے۔ مصر کے مفتوح ہو جانے کے بعد دار السلطنت قسطنطنیہ قحط اور وبا کا شکار بن گیا۔ اور قیصر روم میں اب چونکہ مقابلہ کی تاب نہ رہی تھی اور نہ اُس کو اب دشمنوں کے ہاتھ سے نجات پانے کی کچھ اُمید باقی تھی اس لیئے اُس نے ارادہ کر لیا کہ کارتھیج کے زیادہ محفوظ مقام میں جا کر پناہ حاصل کرے۔"

اب میں اُن لوگوں سے جو اس پیشگوئی کو اٹکل بازی کا نتیجہ خیال کرتے ہیں سوال کرتا ہوں کہ کیا ایسے حالات میں کوئی شخص یہ قیاس کر سکتا تھا کہ رومی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے؟

اب دیکھو کیسے عجیب طور سے خدا کا کلام پورا ہوا۔ رومیوں کو خدا تعالیٰ نے ایسے وقت میں فتح دی جبکہ بقول سیل "فتح کی اُمید نہیں ہو سکتی تھی"۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہرقل نے ہر طرف سے ناکامی نامرادی۔ ذلت اور رسوائی دیکھکر یہ ارادہ کر لیا کہ اپنے پایۂ تخت کو چھوڑ کر کارتھیج کے زیادہ محفوظ مقام کی طرف بھاگ جائے اور اپنا سارا مال و متاع محل شاہی سے نکلوا کر جہازوں میں بھر دیا اور خود سوار ہونے کو تھا کہ شہر کے اسقف اعظم نے اُس کو روکا اور اُس سے یہ عہد لیا کہ میں اب اس شہر سے نہیں بھاگوں گا اور میرا جینا اور میرا مرنا اپنی رعایا کے ساتھ ہی ہوگا۔ اسوقت کے بعد خدائے تعالیٰ نے اس کے اندر ایک جوش کی روح پھونکی اور وہ باوجود اپنی حالت زار کے اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ ایرانیوں پر حملہ کرے۔ جب اُس نے ارادہ کیا اُس وقت اُس کی سلطنت بدترین حالت میں تھی۔ گبن اپنی تاریخ کے جلد ۵ میں لکھتا ہے کہ جب ہرقل نے ایک بہادر کی روح کو اختیار کیا اُس وقت اگر رومی سلطنت کے بچنے کی کوئی اُمید باقی تھی تو وہ صرف یہی تھی کہ شاید اتفاقی طور پر آسمان کی گردش میں کوئی ایسا تغیر واقع ہو جاوے کہ کسریٰ کے عروج و اقبال میں زوال آجائے اور رومیوں کی فلک ایسی یاوری کرے کہ اُنکے اقبال کا ستارہ جو غروب ہو چکا تھا پھر طلوع کرے کیونکہ اسوقت رومیوں کی حالت پستی کے پست ترین نقطہ تک پہنچ چکی تھی۔" (دیکھو صفحہ ۱۷۸) جب ہرقل نے ایرانیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اُسوقت اُسکو

سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلی مشکل جو ہرقل کے راستہ میں سدِ راہ تھی یہ تھی کہ اُس کا شاہی خزانہ روپے سے بالکل خالی تھا۔ اور جنگ بغیر روپے کے نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اُس کی رعایا میں یہ سکت تھی کہ روپے کے ساتھ اپنے بادشاہ کی مدد کرے۔ اُس وقت اُس کی سلطنت میں اگر کہیں روپیہ نظر آتا تھا تو وہ مسیحی گرجاؤں کا روپیہ تھا۔ کیونکہ اگرچہ ان لوگوں کو مسیح نے منع کیا تھا کہ روپیہ مت جمع کرو کیونکہ دولتمند کے لیئے بہشت کے دروازہ میں سے گذرنا ایسا ہی محال ہے جیساکہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا گذرنا محال ہے۔ مگر باوجود ایسی سخت ممانعت کے اُس کی سلطنت میں صرف ایک ہی مقام تھا جہاں سے روپیہ ڈھیروں ڈھیر مل سکتا تھا۔ اور وہ روپیہ مسیحی گرجاؤں میں تھا۔ اگرچہ ایسے خزانوں کا جمع کرنا حضرت مسیح علیہ السلام کے حکم کی صریح نافرمانی تھی مگر یہ روپیہ ہرقل کے لیئے بہت ہی کارآمد ہوا۔ اُس نے پادریوں کی خدمت میں التماس کی کہ یہ روپیہ مجھے جنگ کی ضرورتوں کے لیئے قرض دیا جاوے۔ جنگ کے خاتمہ پر سود کے ساتھ میں اس روپیہ کو واپس کردونگا۔ گرجوں میں اس قدر روپیہ جمع تھا کہ صرف ایک اسکندریہ کے گرجے میں سے اتنا روپیہ نکل آیا جو کل جنگ کے اخراجات کے لیئے کافی تھا۔ مگر اسکندریہ کے پادری صاحب نے عاقبت اندیشی سے کام لیکر ظاہر نہ کیا کہ یہ گرجا کا روپیہ ہے بلکہ یہ کہا کہ معجزانہ طور پر ایک عظیم خزانہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے اور اُس نے سونے کی مہروں سے بھرے ہوئے پیپے نکال کر پیش کیئے اور کہا کہ یہ شہد کے پیپے تھے مگر خداوند مسیح کی معجزانہ طاقت سے یہ شہد سونے کی مہروں میں مبدل ہو گیا ہے۔ غرض ہرقل نے روپیہ کی ضرورت کو اس طرح پورا کیا کہ مسیحی گرجا کے مقدس خزانے پادریوں سے قرض لیئے اور وعدہ کیا کہ میں سود کے ساتھ یہ خزانے واپس کردوں گا۔ چونکہ مسیحی سلطنت ایک مصیبت میں مبتلا تھی اس لیئے پادریوں کو بھی اس پر رحم آیا اور انھوں نے اپنے خزانے بطور قرض کے دینے منظور کر لیئے ؎

دوسری مشکل جس کا ہرقل کو سامنا کرنا پڑا وہ قوم اوار کی مخالفت تھی۔ وہ

قسطنطنیہ کے لوٹنے کے لیئے ہر وقت گھات میں لگے رہتے تھے اور ہرقل کو خوف تھا کہ میری عدم موجودگی میں ضرور میرے پایۂ سلطنت پر حملہ کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیں گے۔ اس کے روکنے کے لیئے اُس نے دو تجویزیں کیں۔ ایک یہ کہ دو زبردست قوموں کو اُس علاقہ میں آباد کر دیا جو اُس کے پایۂ تخت اور قوم آوار کے علاقہ کے مابین واقع تھا اور اس طرح یہ دو قومیں دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لیئے ایک انسانی دیوار کی طرح ہو گئیں اور دوسری تجویز یہ کی کہ آوار قوم کے سردار کو بہت سا روپیہ دیکر اُس سے صلح کر لی۔

تیسری مشکل جو ہرقل کو پیش آئی یہ تھی کہ اُس کے پاس تجربہ کار سپاہ نہ تھی جس کے ذریعہ وہ ایرانیوں کے ساتھ جنگ کرے۔ اس لیئے اُس نے نئے آدمی بھرتی کیئے اور سخت محنت اُٹھا کر ان نئے آدمیوں کو جنگ کے قواعد سے آگاہ کیا۔ جس محنت سے اُس نے اپنے ناتجربہ کار سپاہیوں کو قواعد جنگ سے آگاہ کیا اور اُن کو عملی طور پر مشق کرائی اس امر کو اور نیز اُس پہلی فتح کو جو اُس نے ایرانیوں پر حاصل کی گبن مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ "ہرقل کی فوج اسّس کے میدان پر اُتری ہوئی تھی جس جگہ سکندر نے دارا کی افواج کو شکست دی تھی۔ اس میدان کے ارد گرد سی لیسیا کے پہاڑ تھے جن کے ذریعہ یہ میدان نہ صرف محفوظ تھا بلکہ دشمن کی نظر سے چھپا ہوا تھا۔ اس میدان پر ہرقل نے باقی ماندہ پرانے سپاہیوں کی کاہلی اور بے ترتیبی کو درست کیا اور رنگروٹوں (نئے سپاہیوں) کو فوجی قواعد کی تعلیم دی اور مشق کرائی۔ اُن کو اُس نے بذاتِ خود ہتھیاروں کا استعمال اور میدان جنگ کے کرتب بڑی محنت سے سکھلائے سی لیسیا کا فوراً ایرانی افواج نے محاصرہ کر لیا۔ مگر ایرانی فوج کے سواروں نے کوہ طورس کے درّوں میں سے گذرنے میں تامل کیا۔ اتنے میں ہرقل ایسی چال چلا کہ اچانک اُنکی پچھلی طرف آنکلا۔ اُس وقت اُس نے عمداً اپنی فوج کو ایسی بے ترتیبی میں ڈال دیا کہ اگرچہ اُسوقت ایرانی ہرقل کی فوج پر حملہ نہیں کرنا چاہتے

تھے مگر اُس بے ترتیبی کو دیکھکر حملہ کر ہی دیا - اور جب وہ لڑائی کرنے کے لیئے آگے
بڑھے تو اُس وقت زمین اور سورج اور دیگر حالات رومیوں کے موافق تھے
اور ایرانیوں کے مخالف - رومیوں نے میدان جنگ میں ایسی چالاکیوں اور
تدابیر سے کام لیا کہ ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور رومی غالب آ گئے
اور ہرقل فتح اور ناموری کے ساتھ میدان جنگ سے روانہ ہوکر کوہ طورس کی
بلندیوں پر چڑھ گیا اور کیپاڈوشیا کے میدانوں میں سے گذرتا ہوا دریا ہیلیس
کے کنارہ پر اپنی فوج کو لے گیا" بقول ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ
(جلد ۷) یہ پہلی فتح ہرقل کو جنوری ۶۲۳ء میں حاصل ہوئی یعنی ہجرت
سے قریباً ۶ ماہ بعد اور پیشگوئی غُلِبَتِ الرُّومُ کے شائع ہونے سے ۶ یا
۷ سال بعد - اس طرح خدائے تعالیٰ کا وہ کلام پورا ہوا جس میں یہ بتایا گیا تھا
کہ رومی مغلوب ہونے کے بعد پھر دس سال کے عرصہ کے اندر ایرانیوں پر غالب
آجائیں گے - فِی بِضۡعِ سِنِیۡنَ میں لفظ بضع ایسے عدد کو ظاہر کرتا ہے
جو ۳ سے کم نہ ہو اور ۱۰ سے زیادہ نہ ہو - دیکھو لسان العرب جس میں لکھا ہے کہ
البضع و البضع بالفتح و الکسر ما بین الثلاث و العشر - اور
پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق اسی عرصہ میں رومی ایرانیوں پر غالب ہوئے -
میور بھی اس پیشگوئی کا ذکر اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں
کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ لفظ بِضۡع ۳ سے لیکر ۱۰ تک کے لیئے استعمال ہوتا ہے
اور صریح الفاظ میں قبول کرتا ہے کہ یہ پیشگوئی سچی نکلی چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ
"نتیجہ نے اس پیشگوئی کو سچّا کر دیا" (دیکھو صفحہ ۱۱۹) ایسا ہی مشہور فرنچ
مؤرخ بولین وِلیرس اپنی کتاب وائی ڈی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے
صفحات ۳۲۹ - ۳۴۴ میں بڑی زور سے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی اپنی میعاد مقرر کردہ میں پوری ہو گئی ؞

ہرقل کی پہلی فتح جو اس کو جنوری ۶۲۳ء میں حاصل ہوئی بہت سی عالیشان

فتوحات کا صرف ایک پیش خیمہ تھی۔ جس لڑائی کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں اس کو مؤرخ ہرقل کی پہلی مہم کہتے ہیں۔ اُس کے بعد اُس کی دوسری مہم شروع ہوتی ہے جو ۶۲۳ء سے لیکر ۶۲۵ء تک رہی۔ اس دوسری مہم کو گبن مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے "سپیو اور ہنی بل کے زمانہ سے لیکر کسی نے ایسی بہادرانہ مہم اختیار نہیں کی جیسی کہ ہرقل نے اپنے ملک کی نجات کے لئے اختیار کی۔ پانچ ہزار منتخب سپاہیوں کے ساتھ ہرقل قسطنطنیہ سے روانہ ہوا (کیونکہ پہلی فتح کے بعد وہ خود اپنے پایۂ تخت کیطرف چلا گیا تھا) اور اپنی اُن فوجوں کو جمع کیا جنہوں نے جاڑے کا موسم علاقہ پانٹس میں کاٹا تھا اور دریائے فےسس سے بحیرہ خزر تک اپنی رعایا اور اپنے مددگاروں کو اُکسایا کہ وہ قسطنطین اعظم کے جانشین کا ساتھ دیں۔ وہ میڈیا (علاقہ ایران) کے قدیمی دارالخلافہ تورِس یا گنڈزاکا کی طرف بڑھا۔ ہرقل کے مقابلہ کے لئے خود کسریٰ ۴۰ ہزار آدمیوں کے ساتھ ایک دُور دراز مقام سے دوڑا مگر جب ہرقل سامنے آیا تو ایران کا شہنشاہ کسریٰ اپنے قدموں پر واپس ہٹ گیا اور لڑائی کرنے سے گریز کر گیا۔ ہرقل سرعت کے ساتھ ملک کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور جب پھر جاڑے کا موسم آیا تو اُس نے اپنی فوج کو آرام دیا۔ اس کامیاب حملہ کے اثنا میں اُس نے ایرانیوں کی مشہور و معروف مقدّس آگ کو بجھا دیا۔ مجوسیوں کے معبد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ خود کسریٰ کے بُتوں کو (جس نے فرعونِ مصر کی طرح جاہ و جلال کے اعلیٰ معراج پر پہنچکر اپنے تئیں اپنی قوم کا معبود بنا دیا تھا) جلتی ہوئی آگ کے شعلوں کے حوالہ کر دیا اور شہر اُرمیا کو جو ایرانیوں کے نبی حضرت زردشت رحمۃ اللہ علیہ کا مولد تھا مسمار کر دیا اور اُس طرح اُس فتح کا ایک حد تک انتقام لیا جس میں ایرانیوں نے مسیحیوں کے مقدّس شہر یروشلم کو تباہ کر دیا تھا اور حضرت مسیحؑ کی قبر کو (جہاں مسیحیوں کے خیال کے بموجب حضرت مسیحؑ نے

صلیب کے واقعہ کے بعد ایک دن اور دو رات آرام کیا تھا توڑ دیا۔ ان فتوحات کے اثنا میں پچاس ہزار دشمن ہرقل کے ہاتھ میں آیا مگر ہرقل نے اُن سب کو آزاد کر دیا"
مَیں یہاں ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف پھیرتا ہوں کہ یہ فتوحات ہرقل کو ۶۲۳ء میں حاصل ہوئیں اور یہ زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت فرمائی اور بدر کے میدان پر اُن کو عظیم فتح عطا فرمائی کیونکہ بدر کی لڑائی جنوری ۶۲۴ء میں واقع ہوئی ؛

ہرقل کی دوسری مہم کے باقی حصہ کو گبن اس طرح بیان کرتا ہے۔ "اب جب کسریٰ نے دیکھا کہ اُسکی اپنی سلطنت خطرہ میں ہے تو اُس نے فوراً اپنی بڑی افواج کو دریائے نیل اور بحیرہ باسفورس سے ہرقل کے مقابلہ کے لیئے واپس بلا لیا۔ اب تین عظیم لشکروں نے ایک ایسی زمین میں جو نہ صرف ہرقل کے پایۂ تخت سے بہت دُور تھی بلکہ دشمنوں کی زمین تھی ہرقل کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اُس نے ان تینوں حملہ آور فوجوں کو پس پا کر دیا۔ ایرانی سرداروں کو متفرق کر دیا اور آخر کار میدان سے اُن کا تعاقب کر کے میڈیا اور اسیریا کے شہروں میں اُن کو پہنچا دیا۔ چونکہ اب جاڑے کا موسم آگیا تھا ایرانی جرنیل سربرازہ نے سمجھا کہ اس موسم میں ہم اپنے قلعوں اور شہروں کے اندر محفوظ رہیں گے اور ہم پر کوئی حملہ نہیں کیا جائیگا مگر اُس کی اُمید کے برخلاف ہرقل رات کی تاریکی میں ایک لمبا کوچ کر کے اچانک آ پہنچا۔ ایران کے بڑے بڑے سردار بمعہ اپنی بیوی بچوں کے۔ اور بڑے بڑے جنگی جوان یا قتل ہوئے یا گرفتار کیئے گئے۔ جرنیل بھاگ گیا مگر اُس کی سونے کی زرہ فاتح کے ہاتھ آگئی"۔ یہ دوسری مہم جس کا خاتمہ ایسی کامیابی کے ساتھ ہوا سنہ ۶۲۵ء میں ختم ہوئی یعنی غُلِبَتِ الرُّوْم کی پیشگوئی کی اشاعت سے دس سال کے اندر۔ اب مجھے ضرورت نہیں کہ مَیں اُن فتوحات کا مفصل ذکر کروں جو ہرقل کو اس مہم کے بعد حاصل ہوئیں کیونکہ قرآنی پیشگوئی ہرقل کی پہلی اور دوسری مہم کے ساتھ کامل طور پر پوری ہو گئی۔ جو واقعات اس کے بعد

ہوئے ان کی نسبت صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ تیسری مہم میں ہرقل نے اپنی پہلی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور ۶۲۷ء میں بمقام نینوہ میں کسریٰ پر ایک اور عظیم الشان فتح حاصل کی۔ کسریٰ اپنے پایہ تخت سے بھاگ گیا۔ اور دوسرے سال کے ابتداء میں اُس کے اپنے بیٹے شیرویہ نے اُس کو قتل کر دیا۔ (جس کی مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی دن ایرانی قاصدوں کو جو یمن کے راستہ سے مدینہ میں پہنچے تھے خبر دی اور جب یہ خبر عامل یمن نے ان قاصدوں کی زبانی سُنی اور بعد اس کے شیرویہ کے پروانہ سے اسکی پوری پوری تصدیق ہوئی تو اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیّن نشان دیکھکر معہ ایک بڑی جماعت کے اسلام قبول کیا) شیرویہ نے تخت پر بیٹھ کر ہرقل سے صلح کر لی ؀

ہرقل کی اُن فتوحات پر جن کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی دنیا نے حیرت ظاہر کی ہے۔ نہ صرف حالات اس قسم کے تھے کہ کوئی شخص اُمید نہیں کر سکتا تھا کہ رومی غالب آئیں گے بلکہ وہ شخص بھی جس کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے اپنی بات کو پورا کیا اس طرز کا آدمی تھا کہ کسی کو اُس کی نسبت گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ یہ اس قسم کی بہادری دکھلائے گا جیسی کہ جنگ کے موقعہ پر اُس سے ظاہر ہوئی۔ ہرقل فاتح ایران تخت پر بیٹھنے کے بعد برابر ۱۲ سال تک ایک بے دست و پا انسان کی طرح بیٹھا رہا۔ اُس کی سلطنت کو فتح کیا جا رہا تھا۔ اُس کی رعایا کو پاؤں تلے روندا جا رہا تھا۔ مگر اُس میں طاقت نہ تھی کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے اپنا ہاتھ اُٹھائے۔ وہ ایک نامرد کی طرح اپنی سلطنت کی تباہی کو دیکھتا اور اپنی رعایا کی مصیبت کا مشاہدہ کرتا رہا مگر کسریٰ کا اُسپر اس قدر رعب تھا کہ وہ ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آخر اپنے پایۂ تخت سے بھاگ جانے پر آمادہ ہو گیا۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ جب اُس نے ایرانیوں پر فتح حاصل کی تو اُس کے بعد وہ پھر اپنی پہلی سُستی اور کاہلی میں غرق ہو گیا۔ وہی صوبے جو اُس نے اس قدر بہادری کے جوہر دکھا کر ایرانیوں کے پنجے سے چھڑائے تھے پھر اُس جنگ کے بعد ایک

اور بہادر قوم نے فتح کرنے شروع کر دیئے مگر ہرقل ایک عورت کی طرح ان صوبوں پر آنسو بہاتا ہوا میدان جنگ سے رخصت ہوا۔ اور پھر پہلے کی طرح اپنی دار السلطنت میں جاکر بیٹھ رہا۔ غرض اُس کی ساری زندگی سوائے ان چند سالوں کے جنمیں وہ قرآنی پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے میدان میں نکلا نہایت نامردی اور بزدلی کی زندگی ہے۔ وہ ان فتوحات سے پہلے بھی ایک کاہلانہ اور بزدلانہ زندگی بسر کرتا رہا اور ان فتوحات کے بعد بھی وہ اپنی کاہلانہ زندگی میں غرق ہو گیا۔ یہی فتوحات کے چند سال ہیں جن میں وہ بجلی کی طرح چمکا اور جو چیز اُس کے سامنے آئی اُس کو بھسم کر دیا۔ جب اُس کے ان چند سالوں کی کارروائی کا اُس کی پہلی اور بعد کی زندگی کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو بالکل دو متضاد چیزیں ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ اس امر پر کل مؤرخوں نے حیرت ظاہر کی ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ایسا شخص جس نے پہلے بھی ایک قابل شرم نامردی کا نمونہ دکھایا اور بعد میں اپنی پرلے درجے کی بزدلی کا ثبوت دیا ---------

--- تھوڑے عرصہ کے لئے ایک شیر بن گیا اور دو تین چھلانگوں میں ہی اُن دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا جنھوں نے پہلے اُسے اپنے پایۂ تخت چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ گبن لکھتا ہے کہ "دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کے زندگی کے حالات ایسے عجیب اور ایسے متضاد ہوں۔ اپنی لمبی سلطنت کے پہلے اور آخری حصہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کاہلی۔ عیش و عشرت۔ اور وہم پرستی کا غلام بنا ہوا تھا۔ جو اپنی سلطنت کے مصائب کو سخت بے پروائی اور نامردی کے ساتھ دیکھتا رہا اُس کی زندگی کو اگر ایک دن سے تشبیہ دیجائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اُس دن کے اوّل اور آخری حصّہ پر ایک دھواں دھار کُہر چھایا ہوا ہی مگر درمیانی حصہ میں وہ اس طرح چمکتا ہے جس طرح آفتاب نصف النہار کے وقت"

انیسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (دسویں ایڈیشن) میں لکھا ہے کہ "ہرقل کی زندگی ایک عجیب بجھارت ہے جس کا حل کرنا کوئی آسان امر نہیں ہے۔ اُس کے

عہد کے آخری حصہ میں اُس کی سلطنت اُس کی آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی مگر وہ سُستی سے اُس کو دیکھتا رہا اور اُس کے بچانے کے لیئے ذرا بھی کوشش نہ کی۔ اس طرح ہم اُس کی زندگی کے مختلف زمانوں میں ایک ایسا تضاد دیکھتے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ وہ متضاد صفات کا جامع تھا۔ اُس کی ناموری کے لیئے یہ بہتر ہوتا کہ وہ ایرانیوں پر فتح پانے کے بعد ہی فوراً مر جاتا۔"

ایک مشہور مؤرخ مسٹر بیری لکھتا ہے کہ ہر ایک شخص جو ہرقل کے حالات کا مطالعہ کرتا ہے "دو مشکل سوال اُس کو پیش آتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اُس نے پہلے دس سال کیوں ایسی سُستی میں گذارے۔ دوم یہ کہ ایرانیوں پر فتح پانے کے بعد پھر وہ کیوں پہلے کی طرح غفلت کی نیند سو گیا۔"

ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ کا ایڈیٹر لکھتا ہے۔ "اس شخص (یعنی ہرقل) کے افعال کی توجیہ بیان کرنے کے لیئے بہت سی رائیں پیش کی گئی ہیں اس نے اوّل ایک سلطنت (اپنی فتوحات کے ذریعہ) قائم کی پھر وہی سلطنت اُس کی آنکھوں کے سامنے تباہ ہو گئی مگر اُس نے اُس کے بچانے کے لیئے کچھ سعی نہ کی۔ بیری نے جو اُس کی وجہ بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ درحقیقت ایک کمزور ارادہ کا آدمی تھا مگر اُس میں احساس کی قوّت تیز تھی۔ اور ایک وقت کے لیئے جب اُس کے اندر ایک جوش کی روح پھونکی گئی تو اُس نے ایسا کام کیا جو اُس کی طاقت سے بالاتر تھا۔ اور جب اُس کے عہد کے پچھلے حصہ میں جوش کی عارضی چادر اُس پر سے اُتر گئی تو اُس کی اصلی کمزوری پھر نمایاں طور پر ظاہر ہو گئی۔" (جلد ۷ صفحہ ۱۷۰)

حق یہ ہے کہ یہ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ تھا جس نے اُسکو اُٹھایا اور اُس سے ایسا کام لیا جو درحقیقت اُس کی اصلی طاقت سے بہت بالاتر تھا خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ میں رومیوں کو باوجود اُنکی حالت

مغلوبیت کے ایرانیوں پر فتح دوں گا۔ اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں یہ وعدہ ایسے وقت میں کیا گیا جبکہ اُس کے پُورا ہونے کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا۔ اور خدائے تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا کرنے سے پہلے ہرقل کو اور اُس کی سلطنت کو ذلت اور بے کسی کے آخری درجہ تک پہنچا دیا۔ خدائے تعالیٰ نے ایسا اس لیئے کیا تاکہ دنیا کو معلوم ہو جاوے کہ جو فتح وہ اب رومیوں کو دینے والا ہے وہ اُنکے اپنے زور بازو کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ پہلے اُس نے ایرانیوں کو موقعہ دیا کہ وہ رومیوں کو اپنے پاؤں کے تلے روندیں اور پیشگوئی کے شائع ہونے کے بعد بھی چھ سات سال تک وہ رومی سلطنت کو تہ و بالا کرتے رہے یہانتک کہ قریب تھا کہ رومی سلطنت فنا ہو جاوے اور اُس کا نام و نشان مٹ جاوے۔ مگر اب وقت آگیا تھا کہ خدائے تعالیٰ کی بات پوری ہو اور اُس کا وعدہ سچّا ہو۔ موعودہ مہلت اب ختم ہونے والی تھی۔ مقررہ دس سال میں سے چھ سات سال گزر چکے تھے۔ اب رومیوں کی بے کسی اور اُن کا عجز دنیا پر ظاہر ہو چکا تھا۔ اور اُسکی سلطنت کی تباہی دنیا کی نظروں میں یقین کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اب خدائے تعالیٰ کی نصرت نے رومیوں کا ساتھ دیا اور اُن کے کمزور اور بزدل بادشاہ سے خدائے تعالیٰ کے ہاتھ نے وہ کام لیا جس کو دیکھکر دنیا کے مورخ آجتک حیرت کے گرداب میں پڑے ہوئے ہیں اور اُس کو ایسے وقت میں فتح بخشی جب کہ کسی کو بھی فتح کی اُمید نہ تھی۔ آج مورخ اس واقعہ کو ایک تاریخی معمہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی بجھارت ہے جس کا حل کرنا کوئی آسان امر نہیں۔ مگر یہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے یہ نشان اس لیئے ظاہر کیا کہ اُس کے رسول فداہ ابی و امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت دنیا پر ظاہر ہو جس نے مکّہ کے دُور دراز کے شہر سے خدائے تعالیٰ سے خبر پاکر یہ پیشگوئی کی تھی کہ مغلوب رومی دس سال کے عرصے کے اندر پھر غالب ہوگا۔ اس جنگ کے اثنا میں خدائے تعالیٰ نے ایسے ایسے عجیب رنگوں میں رومیوں کی مدد

کی کہ رومیوں نے بھی محسوس کیا کہ کوئی غیبی ہاتھ اُن کی نصرت میں لگا ہوا ہے اور وہ بول اُٹھے کہ اُن کی یہ خلاف اُمید کامیابی اُن کی اپنی بہادری کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ خدائے تعالیٰ خارق عادت طور پر اُن کی نصرت کر رہا ہے اس احساس اور اس اقرار کی ایک مثال تاریخ میں آج تک لکھی ہوئی موجود ہے جس کو میں یہاں ناظرین کی آگاہی کے لئے پیش کرتا ہوں ۔

جب ہرقل کسریٰ کی افواج کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف تھا اُس وقت ایرانیوں نے یہ چال چلی کہ ایک بڑی فوج ہرقل کے پایۂ تخت کا محاصرہ کرنے کے لئے روانہ کی اور کسریٰ نے ایک اور کام یہ کیا کہ قوم آوار کے لیڈر چاغان کے ساتھ سازش کر کے اُس کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اُس سے وعدہ کیا کہ ہرقل کی سلطنت کو فتح کر کے ہم باہم بانٹ لیں گے۔ چاغان کو اور کیا چاہیئے تھا۔ اُس نے فوراً اس تجویز کو منظور کر لیا اور ایرانیوں کے ساتھ مل کر سمندر کے راستے سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا جب شہر والوں نے دیکھا کہ دو زبردست فوجوں نے ہمارے بادشاہ کی عدم موجودگی میں ہمارا محاصرہ کر لیا ہے تو اُن کے اوسان خطا ہو گئے اور انہوں نے بہت مال و متاع دیکر اپنے قاصد چاغان کے پاس روانہ کئے اور اُس سے درخواست کی کہ یہ زر و جواہر قبول کرو اور ہم پر اور ہمارے بال بچوں پر رحم کرو۔ مگر چاغان اُس وقت کس طرح اُن کی التجاؤں کو سن سکتا تھا جب شہر والوں کے قاصد اُس کی خدمت میں پہنچے تو اُس نے انکے ساتھ نہایت حقارت سے سلوک کیا اور کسریٰ کے اُن سفیروں کی طرف جو ریشمی لباس پہنکر اُسکی دائیں جانب بیٹھے تھے اشارہ کر کے کہا کہ "تم اس بڑے بادشاہ (یعنی کسریٰ) کے ساتھ میرے پورے اتحاد کا ثبوت دیکھ رہے ہو۔ اب میں تمھارا مالک ہوں اور تم میرے غلام ہو۔ اب تم ایسے ناچیز تحفے پیش کر کے اپنے مالک کو لالچ میں ڈالنے کی جرأت مت کرو۔ اب تمھارا شہر اور تمھاری تمام دولت یہی دو تحفے ہیں جن کو میں منظور کر سکتا ہوں۔ ہاں تمھیں میں اس قدر اجازت دیدوں گا کہ تم صرف ایک کرتہ اور ایک چادر پہنے ہوئے شہر سے نکل جاؤ اور میں اپنے دوستوں ایرانیوں کی خدمت میں بھی سفارش

کروں گا کہ وہ تمھیں اپنی صفوں میں سے گذرنے کی اجازت دیدیں۔ تمھارا باشاہ جو اس وقت یا تو ایرانیوں کے ہاتھ میں قید ہے یا ایک بھگوڑا ہو کر اپنی جان بچانے کی فکر میں ہے وہ تمھارے شہر کو خالی چھوڑ گیا ہے۔ اب تم آوار قوم اور ایرانیوں کے قبضے میں ہو اور تمھارے لئے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں۔ ہاں اگر تم سے ہو سکتا ہے تو پرندے بن کر اڑ جاؤ یا مچھلیوں کی طرح غوطہ لگا کر نکل جاؤ" غرض شہر کیلئے سوائے ہلاکت کے اور کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی۔ مگر خدا کا ارادہ نہیں تھا کہ سلطنت روم کا پایہ تخت اُس کے دشمنوں کے ہاتھ میں آجائے۔ اس لئے اُس نے اس موقعہ پر بھی اپنی قدرت کا ہاتھ دکھا کر شہر کو ایرانیوں اور قوم آوار کی متحدہ فوجوں سے بچالیا۔ چونکہ شہر والوں کو بچنے کی کوئی اُمید نہیں تھی اس لئے اُنہوں نے اس غیر مترقبہ نجات کو حضرت مریم علیہا السلام کی مہربانی کا نتیجہ سمجھا کیونکہ وہ بسبب مسیحی ہونیکے اپنے خداوند کی ماں کو ایک دیوی کی طرح پوجتے تھے۔ مگر درحقیقت اُسی غیبی ہاتھ نے اُن کی تائید کی جو باہر میدان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق اُنکے بادشاہ ہرقل کی تائید کر رہا تھا۔ اگرچہ انہوں نے اپنی غیر معمولی نجات کو اپنے بُت پرستانہ خیال کی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف منسوب کیا مگر اس سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس جنگ کے اثنا میں خدائے تعالیٰ نے ایسے خارق عادت طور پر رومیوں کی نصرت فرمائی کہ انہوں نے خود محسوس کیا کہ کوئی غیبی طاقت اُن کا ساتھ دے رہی ہے اور اُنہوں نے کھلے الفاظ میں اُس کا اعتراف بھی کیا چنانچہ ان کا اعتراف آج تک تاریخ کے صفحات میں درج پایا جاتا ہے۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رومی لوگ بجائے اس کے کہ خدائے تعالیٰ کی نعمت کا شکر کریں اور عاجزی کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے آگے سر جھکائیں وہ ان فتوحات کے بعد بھول گئے اور اپنی پہلی بے کسی کو بھول کر بے گناہ لوگوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ شام کی سرحد کے رومی سرداروں کو ایرانیوں کے چابک بہت جلدی بھول

گئے اور جب خدائے تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ایرانیوں کا جوا اُن کی گردن سے ہٹا دیا تو اُنہوں نے اپنے مسلمان پڑوسیوں پر ظلم و تعدی کرنی شروع کر دی۔ بے گنہ مسلمانوں کی جماعتوں کی جماعتیں شام کی سرحد پر مسیحیوں کے ہاتھ سے بلاوجہ قتل کی گئیں۔ (ملاحظہ ہو لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ میور صفحہ ۳۸۰) سلطنت روم کے گورنروں نے مسلمان سفیروں کو بغیر کسی قصور کے صرف مذہبی تعصب کی وجہ سے قتل کر دیا (ملاحظہ ہو کتاب مذکور۔ صفحہ ایضاً)۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدمعاش شرجیل کی گوشمالی کے لیئے جس نے آپ کا ایک قاصد رسُوں سے جکڑ کر قتل کر دیا تھا ایک جماعت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ماتحت سرحد شام کی طرف روانہ فرمائی۔ تا آئندہ ایسی وارداتیں رُک جائیں (جیسا کہ آجکل ہماری صلح پسند گورنمنٹ ایسی اقوام کی گوشمالی کے لیئے فوج بھیجدیتی ہے جن میں اُس کا کوئی آدمی مارا جاتا ہے چنانچہ آجکل بھی ایسی ہی ایک بھاری مہم صرف ایک آدمی ولیم سن نام کے قتل کا بدلہ لینے کے لیئے قوم ابور کے برخلاف سرحد آسام کی طرف بھیجی ہوئی ہے) تو نہ صرف سرحد کے کل مسیحی قبائل اور رومی گورنروں نے اُس خونی شرجیل کا ساتھ دیا بلکہ خود قیصر کی فوج اُس ظالم انسان کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیئے تیار ہو گئی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھیجی ہوئی جماعت واردات کے مقام پر پہنچی تو وہ کیا دیکھتی ہے کہ ایک ایسا بھارا لشکر اُن کے مقابلہ کے لیئے صف آرا ہے کہ ایسا لشکر اُنہوں نے زندگی بھر میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس عظیم لشکر نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور کئی عظیم الشان صحابی اس جنگ میں شہید ہوئے۔ رومیوں نے اس طرح خود بخود مسلمانوں کے ساتھ جنگ چھیڑ لی۔ جس کا نتیجہ آخر یہ ہوا کہ وہ صوبے جو ہرقل نے چند سال پہلے رومیوں کے ساتھ جنگ کر کے دوبارہ فتح کیئے تھے وہ پھر ہرقل کے ہاتھ سے نکل گئے اور ہرقل نے پھر پہلے کی طرح قسطنطنیہ میں پناہ لی۔ جس حالت میں وہ جنگ سے پہلے تھا خدائے تعالیٰ نے پھر اُس کو اُس کی زندگی میں ہی جنگ کے ختم ہونے سے

چند دن بعد اُسی حالت میں کر دیا۔ یعنی جیسی خراب و خستہ حالت میں وہ جنگ سے پہلے تھا اُس کی جنگ کے بعد پھر وہی حالت ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخین نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کاش وہ جنگ ختم ہونے کے ساتھ ہی اس عالم سے رخصت ہو جاتا تا وہ فاتح کہلا کر اس دنیا سے جاتا اور جو ذلّت اُس کے لیئے جنگ کے ختم ہونے کے بعد مقدر تھی اُس سے بچ جاتا۔ غور کرنے والوں کیلیئے یہ مقام ایک سبق حاصل کرنیکا مقام ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اُس کو ایرانیوں پر فتح دینے سے پہلے ذلّت کے گہرے گڑھے میں گرا دیا اور اُس کی ساری طاقتیں جاتی رہیں مگر غایت درجہ کی رسوائی کے بعد خدائے تعالیٰ نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُس کو ایک زبردست شہنشاہ پر جس کی شوکت نے اُس کی ساری سلطنت میں بھونچال ڈالدیا تھا غالب کیا مگر جب وہ غالب ہو کر اپنی طاقت کے اعلیٰ معراج پر پہنچ چکا تو پھر اُس کو خدائے تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے نیچے گرا دیا اور ایک ایسی قوم کے ہاتھ سے اُس کو شکست دلائی جو ایک بیابان کے رہنے والی خانہ بدوش قوم تھی اور جس کو رومی لوگ سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُسی بیابانی قوم نے جس کو مہذب رومی اس قدر حقیر سمجھتے تھے قیصر کے قصر کو بنیاد سے اکھیڑ کر زمین سے پیوست کر دیا اور ہرقل جس ذلت کے گڑھے میں اپنی فتوحات سے پہلے گرا ہوا تھا اُسی ذلّت کے گڑھے میں وہ دوبارہ گرایا گیا۔ خدائے تعالیٰ نے ایسا اس لیئے کیا تا دنیا پر ظاہر ہو کہ درمیانی فتوحات ہرقل کی کسی ذاتی بہادری کا پھل نہیں ہیں بلکہ خاص نُصرت الٰہی کا نتیجہ ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ اسی پیشگوئی میں فرماتا ہے یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ۔ خدائے تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نُصرت دیتا ہے اور وہ غالب۔ رحم کرنے والا ہے۔

ناظرین کو یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے سورۂ روم کی ابتدائی آیات میں صرف ایک امر کی ہی پیشگوئی نہیں فرمائی یعنی صرف یہی خبر نہیں دی

کہ رومی مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب ہو نگے بلکہ اس خبر کے ساتھ ایک اور خبر کو بھی وابستہ کیا ہے جو ایسی ہی عظیم الشان ہے جیسا کہ رومیوں کی فتح کی خبر عظیم الشان ہے اور دونوں خبریں ملکر اس پیشگوئی کی عظمت کو اور بھی دو بالا کر دیتی ہیں۔

جس وقت یہ پیشگوئی شائع کی گئی اُس وقت دو قومیں ظالموں کے پاؤں کے نیچے روندی جا رہی تھیں۔ ایک تو رومیوں کی قوم تھی جس کو ایران کا شہنشاہ اپنے پاؤں تلے کچل رہا تھا۔ دوسری قوم جو اُس وقت طرح طرح کے مظالم کا نشانہ ہو رہی تھی وہ مکہ کے مسلمانوں کی ضعیف جماعت تھی۔ اس ضعیف گروہ پر ظلم کرنے والے مکہ معظمہ کے قریش تھے۔ جب ان ظالموں نے رومیوں پر جو اہل کتاب کہلاتے تھے ایرانی آتش پرستوں اور آفتاب پرستوں کے غلبہ کی خبر سنی تو وہ بہت خوش ہوئے اور اُنہوں نے بطور تفاؤل کے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جیسا کہ ایرانیوں نے جو اُن کی طرح بت پرست ہیں رومیوں پر جو مسلمانوں کی طرح اہل کتاب کہلاتے ہیں غلبہ حاصل کر لیا ہے ایسا ہی ہم بھی مکہ کے اہل کتاب یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت پر غالب آجائیں گے۔ اُنہوں نے اُن پیشگوئیوں کو اچھی طرح سنا ہوا تھا جن میں اُن کو خبر دی گئی تھی کہ وہ آخر مغلوب ہونگے اور اسلام غالب ہوگا اور بُت پرستی اور کفر مٹ جائیں گے اور جزیرہ عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں کے سوا اور کوئی نظر نہ آئے گا۔ اس لیئے اُنہوں نے مسلمانوں کو کہا کہ جیسا کہ اہل ایران جن کا مذہب آتش پرستی اور آفتاب پرستی کی وجہ سے ہمارے مذہب کے مشابہ ہے وہ سلطنت روم کے اہل کتاب پر غالب آ رہے ہیں۔ ایسا ہی اس ملک میں بھی بُت پرستی اسلام پر غالب آکر اسلام کو جڑھ سے اُکھیڑ دیگی۔ اور تمھاری پیشگوئیاں دھری رہ جائیں گی۔ اس کے جواب میں خدائے تعالیٰ نے اُن کو اطلاع دی کہ انکی یہ ساری خوشی جھوٹی ہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کی دونوں اُمیدوں پر[1] زبردست ہیں اور اہل روم زیردست ہیں مگر اس پیشگوئی کے اعلان کے بعد دس سال نہیں گذرنے پائیں گے۔ کہ زیردست زبردست ہو جائیں گے

[1] ایرانی اگرچہ اسوقت

اور جو اس وقت زبردست ہیں وہ مغلوب و مقہور ہو جائیں گے اور فرمایا کہ اس کے ساتھ ہم تمھیں ایک اور خبر سناتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ اہل اسلام اسوقت تمھاری نظروں میں ایسے ہی ضعیف ہیں جیسے کہ رومی ایرانیوں کے مقابل میں کمزور ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ مگر خدائے تعالیٰ نہ صرف رومیوں کو اُنکے ظالم دشمنوں پر فتح دیگا بلکہ ان مسلمانوں کی جماعت کو بھی ستمگر قریش پر غلبہ عطا فرماوے گا اور ان دونوں غلبوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا۔ یعنی جب رومی اپنے بے رحم دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کی وجہ سے خوشی حاصل کر رہے ہونگے اُس وقت مسلمان بھی اُس نُصرت آلٰہی پر خوشیاں منارہے ہونگے جو انکو اپنے ظالم اعدار کے مقابل میں حاصل ہوگی۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ۚ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (ترجمہ) اور اُس دن مومن بھی اللہ تعالیٰ کی نُصرت کی وجہ سے خوش ہونگے۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے۔ پس جو پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شائع کی اُس میں ایک نہیں بلکہ چار پیشگوئیاں تھیں۔

اوّل یہ کہ مغلوب رومی آخر غالب ہو جائیں گے۔

دوم یہ کہ یہ غلبہ اُن کو دس سال کے اندر حاصل ہوگا۔

سوم یہ کہ مسلمان بھی اسی طرح اپنے ظالم اور زبردست دشمنوں پر غالب ہونگے۔

چہارم یہ کہ ان دونوں غلبوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا۔

اب میں ناظرین سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس قسم کی پیشگوئی شائع کرنا انسان کا کام ہو سکتا ہے۔ اوّل تو دونوں فریق جن کے غلبہ کی پیشگوئی شائع کی گئی ایسے ضعیف تھے اور اُن کے دشمن ایسے زبردست اور طاقتور تھے کہ اسوقت کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ مظلوم اور مقہور گروہ اپنے زبردست دشمنوں پر

ایسا غالب ہو گا کہ انکی ساری شوکت کو پاش پاش کر دیگا اور ان طاقتور دشمنوں کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ مجھے یقین ہے کہ ہر ایک باانصاف شخص اُس زمانہ کے حالات پر نظر کر کے ضرور یہی رائے ظاہر کرے گا کہ اُس وقت کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دونوں مغلوب گروہ اپنے ظالم اور زبردست دشمنوں پر غالب آجائیں گے۔ پھر دوسرا امر جو اس پیشگوئی کی عظمت کو اور بھی بڑھاتا ہے یہ ہے کہ اس غلبہ کے لیئے میعاد بھی مقرر کر دی۔ جب اس پیشگوئی کے بعد برابر چھ سات سال تک ایرانی رومیوں کو کوئی فتح حاصل نہ ہوتی غرض میعاد کا مقرر کرنا اور پھر کئی سال تک رومیوں کا سخت حالت زار میں رہنا اور پھر میعاد کے خاتمہ کے قریب یکایک حالات کا اُلٹ جانا اور رومیوں کا غالب آجانا یہ ایسے امور ہیں جن سے اس پیشگوئی کی عظمت اور بھی زیادہ چمکتی ہے کیونکہ یہ خدا کی قدرت اور اُس کے عالم الغیب ہونے کے بیّن ثبوت ہیں۔ پھر اگر رومیوں کو خلاف اُمید غلبہ حاصل ہو بھی گیا اور غلبہ بھی میعاد مقررہ کے اندر حاصل ہوا تو کیا ضروری تھا کہ دوسری مغلوب قوم یعنی مسلمان بھی اپنے زبردست دشمنوں پر غالب آجاتے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ ثبوت دیا کہ نہ صرف رومیوں کو غلبہ عطا کیا بلکہ مسلمانوں کو بھی جو انہی کی طرح مغلوب تھے اُنکے دشمنوں پر غالب کیا۔ پھر ممکن تھا کہ مسلمان بھی غلبہ حاصل کرتے مگر وہ غلبہ رومیوں کے غالب ہونے کے بعد ہوتا۔ مگر خدائے تعالیٰ کے کام عجیب اور اُس کی قدرت بھی عجیب ہے اُس نے وعدہ کیا تھا کہ یہ دونوں گروہ اپنے زبردست دشمنوں پر غالب ہونگے اور اُنکے غلبہ کا زمانہ بھی ایک ہی ہو گا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ جب بدر کے میدان پر خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو قریش پر فتح عطا کی اُسوقت اُنکی ظاہری حالت قریش کے مقابل میں بالکل کمزور تھی۔ اور ممکن تھا کہ وہ فتح حاصل نہ کرتے بلکہ ظاہری حالت کے رُو سے ضروری تھا کہ قریش کو فتح حاصل ہوتی مگر جس خدائے تعالیٰ نے کئی سال پہلے یہ وعدہ کیا تھا کہ رومیوں اور ایرانیوں کی فتح کا زمانہ ایک

ص پاؤں کے نیچے روندے رہتے تو کیا ممکن نہ تھا کہ دو تین سال اور بھی اسی طرح گذر جاتے اور رومیوں کو

ہی ہوگا اُس نے ۳۱۳ مسلمانوں کو جن کا ساز و سامان دشمنوں کے مقابل میں کچھ نہ تھا قریبًا ایک ہزار مسلح جوانوں پر غالب کیا۔ دو مغلوب گروہوں کی فتح کی ایسے وقت میں خبر دینا جب کہ اُنکے دشمن زور پر تھے اور اُنکے فتح پانیکا کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا اور پھر اُس فتح کے لیئے ایک میعاد مقرر کرنا اور پھر دونوں فتحوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ایسا وابستہ کرنا کہ جب ایک گروہ کو فتح ہوگی تو انہی دنوں میں دوسرے گروہ کو بھی فتح نصیب ہوگی یہ ایسی پیشگوئیاں ہیں جو خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اُسکے علم کا نقشہ انسان کی آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتی ہیں۔ کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ ایسی زبردست پیشگوئیاں کر سکے۔ غور کرنیوالوں کے لیئے یہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور قرآن شریف کے خدائے تعالیٰ کا کلام ہونے کا بیّن نشان ہیں۔ مسلمانوں کے لیئے انپر غور کرنا انکے ایمان کی تقویت کا موجب ہے اور دوسرے لوگوں کے لیئے یہ پیشگوئیاں اسلام کی صداقت کا ایک روشن ثبوت ہیں۔ مَیں ہر ایک پڑھنے والے سے اپیل کرتا ہوں خواہ وہ مسلمان ہو یا کسی اور مذہب کا پیرو ہو کہ وہ تھوڑی دیر کے لیئے اپنے سارے خیالات کو دور کر کے خالی الذہن ہو کر ان پیشگوئیوں پر غور کرے۔ اور فیصلہ کرے کہ کیا اُسوقت کسی انسان کی طاقت میں تھا کہ رومیوں اور مسلمانوں جیسی مغلوب و مقہور قوموں کے لیئے غلبہ کی خبر دیتا اور پھر اُس غلبہ کے لیئے میعاد بھی مقرر کر دیتا اور پھر یہ شرط بھی بڑھا دیتا کہ ان دونوں غلبوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا۔ اس مضمون کا پڑھنے والا اگر مسلمان ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لیئے اس قرآنی پیشگوئی پر ایک اجنبی کی حیثیت سے غور کر کے دیکھے اور اگر وہ غیر مسلم ہے تو تھوڑی دیر کے لیئے اپنے تعصب اور طرفداری کو بھلا کر محض انصاف کی نظر سے دیکھے اور سوچے کہ کیا واقعی طور پر ایسی پیشگوئی خدائے تعالیٰ کی طاقت اور قدرت اور علم کا ایک زبردست ثبوت نہیں ہے۔ ایک طرف رومیوں اور مسلمانوں کی کمزور حالت کا مطالعہ کرے اور اُنکے دشمنوں کی طاقت اور اقتدار کا مشاہدہ کرے۔ پھر اُن شرائط

اور قیود کو دیکھے جن کے ساتھ اس پیشگوئی کو جکڑا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے صرف رومیوں کے غلبہ کی ہی خبر نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ یہ شرط بھی لگائی کہ دوسری قوم جو رومیوں کی طرح اس وقت مظلوم اور مغلوب ہے اور جس کے نابود ہونیکی نسبت مکہ کے قریش ایرانی فتوحات سے فالیں لے رہے ہیں وہ بھی اپنے ظالم دشمنوں پر غالب ہونگے۔ یعنی صرف ایک مظلوم گروہ ہی غالب نہ ہوگا بلکہ دوسرا مغلوب گروہ جو مکہ میں ہے وہ بھی غالب ہوگا۔ پھر دوسری شرط اس پیشگوئی کے ساتھ یہ لگائی کہ اس اعلان کے بعد دس سال نہیں گذرنے پائیں گے کہ رومی ایرانیوں پر غالب ہو جائیں گے پھر تیسری شرط یہ لگائی کہ دوسرے گروہ کے غالب ہونے کا بھی یہی زمانہ ہوگا اور جب رومی ایرانیوں پر غالب ہوکر خوشیاں منا رہے ہونگے اُسی زمانہ میں مکہ کا مغلوب گروہ بھی اپنے ظالم دشمنوں پر فتح پاکر خدائے تعالیٰ کی حمد کر رہا ہوگا۔ پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ ان خبروں کو سُنکر انکو بعید اور اَنہونی نہ سمجھیں اگرچہ یہ دونوں گروہ اس وقت مغلوب ہیں اور بظاہر کوئی نشان نہیں جس سے انسان یہ نتیجہ نکال سکے کہ یہ دو مظلوم گروہ کبھی غالب بھی آجائینگے مگر خدائے تعالیٰ قادر ہے کہ ضعیفوں کو زور آوروں پر فتح بخشے اسی کی طرف خدائے تعالیٰ اشارہ فرماکر فرماتا ہے ینصر من یشاء و ھو العزیز الرحیم یعنی تم ان گروہوں کی کمزور حالت کو دیکھکر تعجب نہ کرو کہ یہ کیونکر ایسے زبردست دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے یہاں اپنی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں اوّل عزیز یعنی وہ غالب ہے جس کو چاہے غلبہ عطا فرماوے۔ دوم رحیم۔ یعنی وہ رحم کرنیوالا ہے۔ اس لیئے وہ دونوں مظلوم گروہوں کی مدد کریگا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ نیز خدائے تعالیٰ اسی پیشگوئی میں فرماتا ہے لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ یعنی حکومت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اول بھی اور بعد بھی۔ وہ جسکو چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

رومیوں اور مسلمانوں کی تاریخ کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں گروہوں کی صورت میں حالات نے ایک ہی وقت میں پلٹا کھایا جس زمانہ میں ہرقل کی رعایا کو کسرائے ایران کی فوجیں پامال کر رہی تھیں اُسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے پیرووں کو مکہ کے قریش طرح طرح کے دُکھ دے رہے تھے جن کو مسلمان بڑے صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ جب قسطنطنیہ میں ہرقل نے اپنے ملک کو ایرانیوں کے مظالم سے نجات دینے کی تیاریاں شروع کر دیں اُنہی دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فکر میں لگے ہوئے تھے کہ کوئی ایسا مقام تلاش کیا جاوے جہاں آپ اور آپ کی جماعت ہجرت کر کے چلے جاویں اور اس طرح آپ کے پیرو اُن تکالیف سے نجات حاصل کریں جو وہ قریش کے ہاتھ سے مکہ میں جھیل رہے تھے۔ جب ہرقل نے کسریٰ کے پاس اس مضمون کی درخواست بھیجی کہ وہ خراج لینا منظور کرے اور اُس کی رعایا کو امن دے۔ تو کسرےٰ نے اُس کی درخواست کو رد کر دیا اور جس طرح وہ پہلے رومی رعایا کو دکھ دے رہا تھا اُس سے بھی زیادہ جرأت اور دلیری کے ساتھ اُس نے اپنے مظالم کو جاری رکھا۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے چلے گئے اور ایک دُور کے شہر میں جا کر پناہ لی۔ اُن کا مدعا اس ہجرت سے یہ تھا کہ وہ اُس دُور دراز شہر میں جا کر شاید مکہ والوں کے دستِ تعدی سے محفوظ ہو جاویں گے مگر قریش بجائے اس کے کہ مسلمانوں کو ستانے سے باز آ جاویں۔ اوّل تو انہوں نے ہجرت کے وقت مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور پُورا زور لگایا کہ مسلمانوں کو ہجرت سے روک لیں۔ مسلمان چھپ چھپ کر ایک ایک دو دو ہو کر مدینہ کی طرف بھاگ گئے۔ جب قریش کو کسی کے بھاگنے کا علم ہوتا تو وہ اُس کے پکڑنے کے لئے اُسکے پیچھے دوڑتے اور اگر وہ پکڑا جاتا تو اُس کو گھسیٹتے ہوئے شہر میں لاتے تا دوسرے مسلمان اس کی حالت کو دیکھکر ہجرت کے ارادہ سے باز آ جائیں۔ کئی غریب مسلمانوں کو انہوں نے قید کر دیا۔ مگر جس طرح ہو سکا اکثر مسلمان آنکھ بچا کر مکہ سے بھاگ گئے۔ اس ہجرت

بعد قریش کا غصہ اور بھی بھڑکا اور مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی انہوں نے مسلمانوں کو امن سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ نہ دیا اور مسلمانوں کے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کے بعد تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ صنا دید قریش کی تحریک سے قریش کا ایک لشکر مسلمانوں کی بیخ کنی کے ارادہ سے مکہ سے نکلا۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ قریش کا جنہوں نے تلوار سے اسلام کی بیخ کنی کرنی چاہی تھی تلوار سے ہی مقابلہ کیا جاتا۔ اب تک مسلمانوں کو صبر کرنے کا حکم تھا اس لیئے انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑنا منظور کیا مگر مقابلہ نہ کیا۔ اب چونکہ دشمن نے ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا تو خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ اپنی جانوں کی حفاظت کے لیئے دشمن کا مقابلہ کریں۔ اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کا تلوار سے مقابلہ کیا۔ اور خدائے تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو بدر کے مقام پر فتح عطا فرمائی اگرچہ بظاہر فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی کیونکہ مسلمان صرف ۳۱۳ تھے اور ان کے پاس بھی کافی سامان جنگ نہ تھا اور دشمن کی تعداد بھی ایک ہزار تک پہنچتی تھی۔ اور ان کے پاس جنگ کا بھی سارا سامان موجود تھا۔ یہ فتح مسلمانوں کو جنوری سنہ ۶۲۴ء میں حاصل ہوئی۔ اور میں اوپر دکھا چکا ہوں کہ یہ وہی زمانہ ہے جبکہ ہرقل ایرانیوں پر فتح پہ فتح حاصل کر رہا تھا۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا جس میں لکھا تھا وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ (ترجمہ) اور اس دن (جب رومی ایرانیوں پر غالب آئیں گے) مومن بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل کر کے خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے نصرت کرتا ہے۔ اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے ؎

(باقی آیندہ)

دربار دہلی کی مبارکباد۔ سلسلہ احمدیہ کے مکرم ممبر مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے ایک خوبصورت سنہری رسالہ شائع کیا ہے جس میں مبارکباد کا ایک عربی قصیدہ بمعہ ترجمہ۔ ایک فارسی نظم اور دو اردو نظمیں درج کی ہیں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء ؎

ایک اور پیشگوئی

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جگہ ایک اور پیشگوئی کی طرف ناظرین کی توجہ کو پھیروں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۴۔ جنوری ۱۹۰۴ء کو شایع کی چونکہ یہ پیشگوئی بھی انہی الفاظ میں ہے جس میں وہ قرآنی پیشگوئی ہے جس پر ہم اس مضمون میں بحث کر چکے ہیں۔ اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پر اس پیشگوئی کو دوبارہ شائع کیا جاوے اور وہ پیشگوئی یہ ہے۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ۔ ترجمہ۔ روم قریب کی زمین میں مغلوب کی گئی مگر وہ مغلوب ہو جانے کے بعد پھر غالب ہو جائیں گے۔ (دیکھو ریویو آف ریلیجنز۔ اُردو۔ جلد ۳۔ نمبر ۱۔ صفحہ ۴۰)

ریویو

ردّ افترا بجواب رافع الافترا۔ چند دن ہوئے کہ لاہور کے ایک نیٹو پادری صاحب کو بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ ایک رسالہ احمدی سلسلہ کی مخالفت میں لکھا جاوے چنانچہ اُنہوں نے ایک اعتراض کا جو کئی سال ہوئے ریویو میں چھپا تھا جواب لکھا ہے وہ اعتراض موجودہ اناجیل پر تھا کہ وہ حضرت مسیح ناصری جیسے مقدس انسان کیطرف ایسی بُری بات منسوب کرتی ہیں کہ انہوں نے نعوذ باللہ ایک بدچلن عورت کو اجازت دی کہ وہ آپکے بدن پر تیل ملے۔ پادری صاحب جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک بہتان ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر لگایا گیا ہے وہ عورت کسبن نہ تھی اس طرح پادری صاحب اس فعل کو واقعی بُرا سمجھتے ہیں مگر اُن کے نزدیک اناجیل ایسے شنیع فعل کے بیان سے پاک ہیں۔ اس کا جواب جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے شائع کیا ہے جس میں اُنہوں نے خود پادری صاحب کے گھر کی ننھادتوں سے اور انجیل کے

بیان سے یہ امر قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ وہ عورت کسبن تھی۔ اب پادری صاحب دو قسم کے مشکلات میں پھنس گئے ہیں۔ اوّل تو اُن کو ایسا جواب ملا ہے جسکا اب اُنکے پاس کوئی جواب نہیں۔ دوم۔ وہ اپنے رسالہ میں اس فعل کا بُرا ہونا تسلیم کر چکے ہیں۔ اور جناب خواجہ صاحب نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ فعل موجودہ اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام جیسے مقدّس و مطہر انسان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اب پادری صاحب کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ تسلیم کریں کہ واقعی موجودہ اناجیل میں ایک بُرا فعل حضرت مسیح علیہ السلام جیسے پاک انسان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اگر پادری صاحب کو پہلے ان مشکلات کا علم ہوتا تو وہ کبھی رفع الافتراء کے لکھنے کے لئے قلم نہ اُٹھاتے۔ اب یقین ہے کہ وہ اپنے فعل پر سخت نادم ہونگے۔ ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی :

جناب خواجہ صاحب نے علاوہ پادری صاحب کے بیان کی تردید کے مسئلہ کفارہ۔ حضرت مسیحؑ کے مُردوں میں زندہ اُٹھنے۔ آپ کی آخری دعا اور اُس کے قبول ہونے پر ایک لطیف بحث کی ہے۔ یہ رسالہ واقعی ایک قابل قدر رسالہ ہے اور خدائے تعالیٰ جناب خواجہ صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اسکو اپنے خرچ سے چھپوا کر مفت تقسیم کیا ہے۔ ناظرین ۱ر کا ٹکٹ برائے محصولڈاک بھیجکر رسالہ کو منگوا سکتے ہیں خواجہ صاحب کی خواہش ہے کہ اگر بعض بھائی ٹکٹ ڈاک بھیجدیں تو مسیحی قوم میں اسکی پُوری اشاعت ہو جاوے۔ ملنے کا پتہ خواجہ کمال الدین صاحب۔ وکیل چیف کورٹ۔ عزیز منزل نولکھا۔ لاہور۔

تعلیم المھدی:۔ محمد یٰسین تاجر کتب و مہتمم کتب خانہ حضرت اقدس علیہ علیٰ مطاع الصلوٰۃ والسلام نے کشتی نوح کے تعلیمی حصّہ کو خوشخط۔ عمدہ کاغذ پر چھپوا کر علیحدہ۔ مختلف عنوان دیکر رسالہ کی صورت میں شائع کیا ہے۔ اس رسالہ کا نام تعلیم المھدی ہے۔ اسکے آخر میں حضرت خلیفۃ المسیحؑ (رضی اللہ عنہ) کی ایک تحریر درج ہے جس میں آپنے اپنا مذہب بیان فرمایا ہے۔ قیمت صرف ۱ر صفحے ۳۶۔

تہنیت نامہ۔ شہنشاہِ معظم کی تاجپوشی کی مبارک تقریب پر اس نام کا ایک رسالہ منشی حسین بخش صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ بٹالہ نے مفت شائع کیا ہے جسمیں گورنمنٹ برطانیہ کی برکات کا ذکر ہے :

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

رپورٹ متعلق جلسہ کاروینشن دربار

۱۲- دسمبر ۱۹۱۱ء کو ۱۲ بجے حضور ملک معظم قیصر ہند جارج پنجم کی ہندوستان میں تشریف آوری کی تقریب پر قادیان میں ایک عام جلسہ احمدی جماعت کی طرف سے کیا گیا جس میں پانچ سو سے زائد احمدی موجود تھے۔ اس اجلاس کا انعقاد بصدارت خلیفہ رشید الدین صاحب ایل۔ ایم۔ ایس ہوا اور سکرٹری سکرٹری صدر انجمن احمدیہ منتخب ہوا۔ مولوی صدر الدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان نے پریذیڈنٹ وسکرٹری کے متعلق تحریک پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی کام نفاق سے نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر انسان ایسا کرتا ہے تو نہ صرف مخلوق کے ساتھ نفاق سے پیش آتا ہے بلکہ اسے اپنے خالق کی عبادت میں بھی نفاق کرنا پڑتا ہے۔ اس لیئے اسلامی تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملدرآمد کی رو سے ہمارا فرض ہے کہ جیسے کہ بظاہر خوشی کا اظہار کرتے ہیں دل سے بھی خوشی منائیں اور حضور ملک معظم قیصر ہند اور ان کی ملکہ معظمہ کی درازی عمر کے لیئے دعائیں کریں اور وفادار رہیں۔ پھر فرمایا کہ دیکھو رسول کریم صلعم نے اپنی زندگی میں اپنے طرز عمل سے دکھا دیا کہ اپنے حاکموں سے کسی حالت میں بھی بغاوت اور سرکشی نہ کی جاوے چنانچہ تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں دشمنوں سے سخت تکالیف اُٹھاتے رہے مگر نہ خود نہ اپنے کسی تبع سے کوئی ایسا فعل سرزد ہونے دیا جس سے اسوقت کی گورنمنٹ کی مخالفت ہوتی ہو۔ بلکہ ہمیشہ امن کی زندگی کو ہی پسند کرتے رہے چنانچہ جب مسلمان حد سے زیادہ ستائے گئے تو بجائے فساد کرنیکے اس شہر کو چھوڑ دیا۔ اور جہاں کہیں گئے اپنے بادشاہ کے بڑے وفادار ہو کر رہے۔ اسکے بعد میر مجلس صاحب کی اجازت سے شاہی اعلان حاضرین کو پڑھ کر سنایا گیا۔ پھر سکرٹری نے تقریر کی جسکا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے "جیسے کہ جناب مولوی صدر الدین صاحب نے فرمایا ہے واقعی ہمارا کوئی کام منافقانہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہونا چاہیئے اسوقت روئے زمین پر تمام اہل مذہب کو عموماً اور مسلمانوں کو اور پھر مسلمانوں میں سے سلسلہ احمدیہ کو خصوصاً بڑی خوشی ہے۔ ایک طرف تو خدائے تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و اولی الامر

منکم یعنی خدا۔ رسولؐ اور گورنمنٹ کی اطاعت کرو۔ اس لحاظ سے ہمیں اپنی گورنمنٹ کا فرمانبردار رہنا چاہیئے۔ اور ہمارے کسی قول و فعل سے اسکے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔ اس لحاظ سے ہمارا یہ جلسہ کرنا اور خوشی منانا خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہے۔ دوسری طرف خدا کا حکم ہے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان یعنی احسان کے بدلے احسان کرنا چاہیئے۔ گورنمنٹ برطانیہ کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ ہم گن نہیں سکتے۔ اور یہ فوائد کسی اسلامی گورنمنٹ کے ماتحت رہ کر ہمیں دراصل حاصل نہیں ہو سکتے اگر میرے اس کہنے میں کسی کو تعجب ہو تو موجودہ اسلامی سلطنتوں اور انکی رعایا کی طرف نگاہ دوڑائی جاوے پس ان احسانات کے بدلے ہم اپنی مہربان گورنمنٹ سے کیا احسان کر سکتے ہیں صرف یہی کہ ہم اس کے فرمانبردار رہیں۔ اس کی خوشی میں دل سے شریک ہوں اور اس سلطنت کے لیئے۔ اپنے بادشاہ جارج پنجم اور انکی ملکہ معظمہ کے لیئے خدائے تعالیٰ کے حضور دل سے دعا کریں کہ وہ انکو عرصہ دراز تک صحیح و سلامت رکھے۔ آمین ٭

اس جلسہ میں طلباء ہائی سکول و مدرسہ احمدیہ کو صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اسکے بعد پریذیڈنٹ صاحب نے فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں تمام حاضرین بھی دل سے دعا کریں اور جلسہ برخاست ہوا۔

رات کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے خاص طور پر بورڈنگ ہائی سکول کی وسیع عمارت پر بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں اور مہمانخانہ میں روشنی کا انتظام کیا گیا۔ علاوہ ازیں ۴۰۰ آدمیوں کو دعوت دی گئی

جلسہ سالانہ جیسے کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ۲۷۔ ۲۸ اور ۲۹۔ دسمبر کو ہوگا۔ پروگرام اور ضروری امور سے اطلاع کی جاویگی۔ اس موقع پر منشی ہاشم علی صاحب گرداور سٹے نمک کا اور ڈاکٹر نور بخش صاحب وٹرنری اسسٹنٹ سمندری نے ہلدی کا اور بابو محمد افضل صاحب ٹھیکہ دار بھٹہ سمندری ضلع لائلپور نے مرچ کا خرچ دینا منظور فرمایا ہے۔ جلسہ کے اخراجات میں اعانت کا یہ بھی عمدہ طریق ہے۔ منشی غلام رسول صاحب انسپکٹر پولیس موگا علاوہ مالی خدمات کے جسمانی خدمات سے بھی جلسہ کے کام میں حصہ لیتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سال اور اب بھی انہوں نے گھی خرید کر کے روانہ فرمایا اور ہر دوبارہ اپنی گرہ سے کچھ روپیہ ڈالا۔ علاوہ ازیں مستورات میں چندہ لنگر کے لیئے تحریک کی جنہوں نے زیور اتار کر چندہ میں دیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ چندہ جلسہ سالانہ جس قدر تجویز کیا گیا تھا اس سے بہت کم وصول ہوا ہے۔ احباب کو اس طرف خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ تا لنگر مزید مقروض نہ ہو جاوے ٭

(محمد علی سکرٹری)